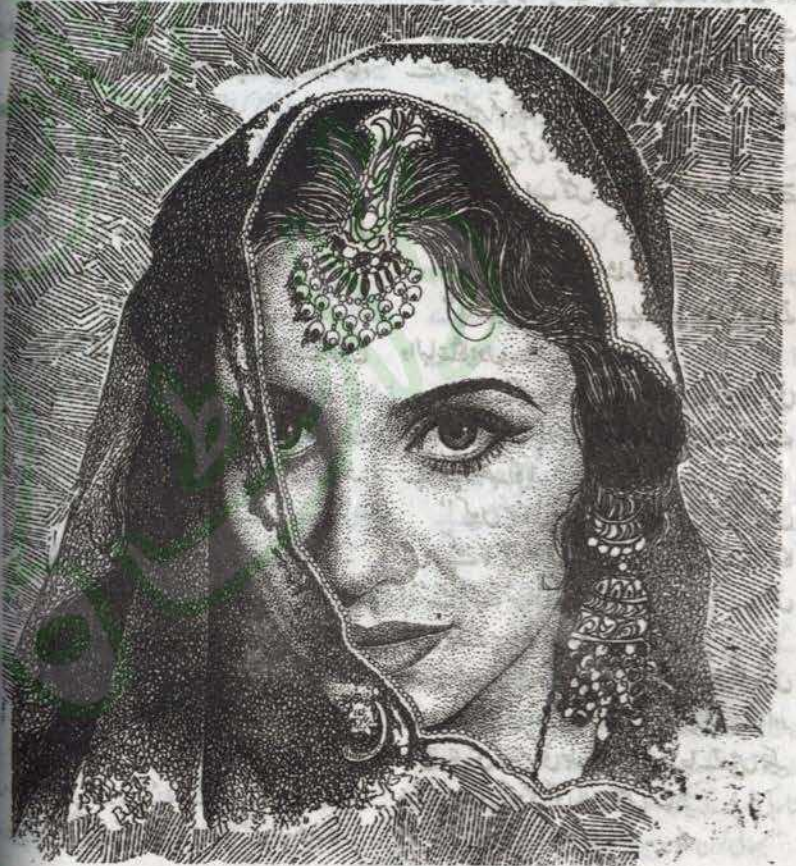


سلسلے وار ناول

شرقیہ کونسل کی جانا

”تایا ابو! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”بیٹا! تو اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے؟ بلا جھجک بات کریں۔“



”تایا ابو! میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔“ حسین کی بات پر سہی اُسے بڑی حیرانگی سے دیکھنے لگے تھے کیونکہ کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب کہے گی۔

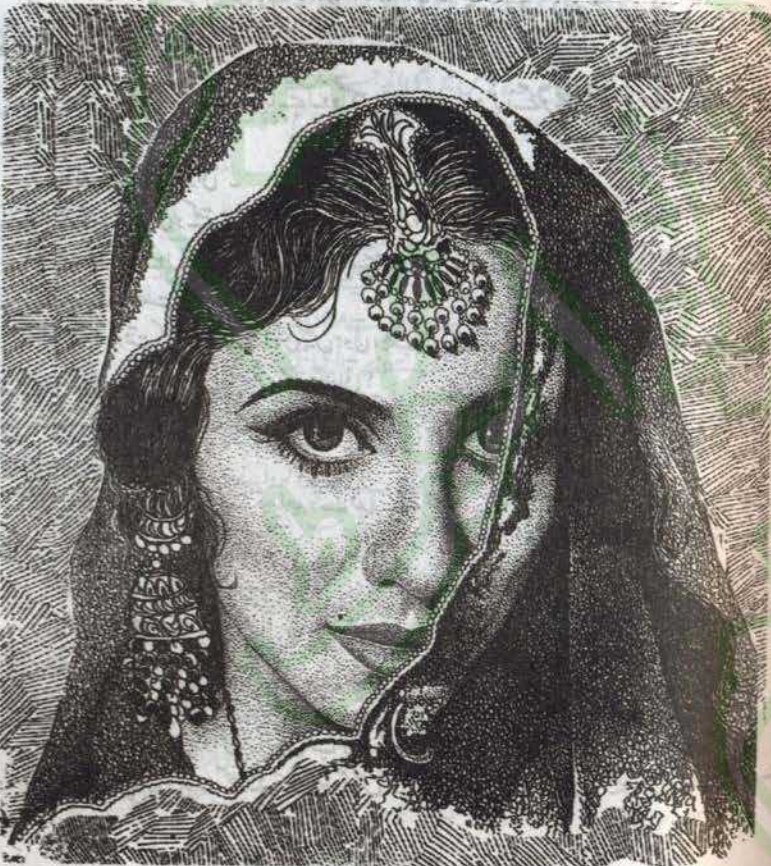
”حسین بیٹا! آپ جانتی بھی ہیں کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“

”تایا ابو! میں جاب کرنا چاہتی ہوں اور یہ بات آپ سے میں نے بہت سوچ سمجھ کر کی ہے۔“ حسین کی سنجیدگی پر ذرا براہِ فرقی نہیں پڑا تھا، جبکہ وہ عموماً کافی غیر سنجیدہ ہی رہتی تھی اور اس کی سنجیدگی کی وجہ سے ہی نوید عالم کچھ شکر ہوتے تھے۔

”آپ کو جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پہلے آپ اپنی ایجوکیشن تو کمپلیٹ کر لیں۔“

”تایا ابو! میں ایک بزنس وومن بننا چاہتی ہوں۔“

”بیٹا! پہلے وومن تو بن جائیے، بزنس وومن بننے کی بات تو بعد میں آتی ہے، ابھی آپ کا انٹر تک کمپلیٹ نہیں ہوا اور آپ ہیں کہ بزنس وومن بننا چاہتی ہیں۔“ نوید عالم کے لبوں پر بڑی شریر مسکراہٹ نے بڑی تیزی سے جگہ بنائی



تھی۔

”حنین! فضول باتیں بہت ہو گئیں، اب اٹھو اور جا کر سوؤ۔“

”مہی! میں فضول باتیں نہیں کر رہی، آئی ایم سیریس۔“ اُسے ماں کا اس طرح بولنا پسند نہیں آیا تھا، اوپر سے تایا کی مسکراہٹ بھی اُس کا دل جلا رہی تھی۔

”ساجدہ! آپ پلیر کچھ مت کہیں، میں حنین سے بات کر رہا ہوں۔“

”بھائی صاحب! اس کا تو دماغ خراب ہے، نئے نئے خیالات اس کے دماغ میں آتے رہتے ہیں، ڈھنگ سے گھر کا تو یہ کوئی کام کر نہیں سکتی، چلی ہے جاب کرنے۔“ نوید عالم کے اشارے پر وہ چپ کر گئیں۔

”مہی! مجھے گھر کے کاموں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے، میں بزنس دمن بنانا چاہتی ہوں اور پلیر تایا ابو! آپ مجھے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دیں۔“ حنین نے ماں اور تایا سے باری باری کہا تھا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ آپ آفس جوائن کریں، لیکن ابھی یہ سب قبل از وقت ہوگا، آپ پہلے اپنی ایجوکیشن مکمل کریں اس کے بعد میں آپ کو آفس جوائن کرنے سے نہیں روکوں گا۔“

”تایا ابو! بعد میں تو میں کروں گی، لیکن آج کل میں فارغ ہوں تو میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں، تاکہ مجھے کچھ ایکسپیرینس ہو جائے۔“

”حنین! جب بھائی صاحب نے کہا ہے کہ وہ تمہیں اجازت دے دیں گے تو پھر تم کیوں بحث کر رہی ہو؟“ انہوں نے بیٹی کو گھورا تھا۔

”مہی! میں بحث نہیں کر رہی۔“

”تو پھر بحث کرنا کس کو کہتے ہیں؟“ اب کے انہوں نے اس کو ڈنٹا تھا۔

”ساجدہ! ڈانٹ کیوں کر رہی ہو حنین کو؟ اگر بیٹی اپنے دل کی بات گھر والوں سے نہیں کرے گی تو پھر کس سے کرے گی؟“ راشدہ نے مداخلت کی تھی۔

”آپا بیگم! ہر وقت کی ضد اور بحث اچھی نہیں ہوتی، جب حنین سے کہا کہ جب وقت آئے گا تو اس کو جاب کرنے کی اجازت مل جائے گی تو یہ کیوں خاموش نہیں ہو جاتی؟“

”جب حنین مجھ سے بات کر رہی ہیں تو آپ لوگوں کو بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اسے روتے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

”آئی ایم سوری بھائی صاحب!“ ساجدہ نے قدرے شرمندگی سے اپنے جیٹھ کو دیکھا تھا اور معذرت طلب کی تھی۔

”حنین! رونے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا!“

”تایا ابو! مجھے معاف کر دیں، میں آپ سے بحث نہیں کر رہی، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ آپ مجھے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دیں۔“

”بیٹا! ابھی آپ کو بزنس کی نوہاؤ نہیں ہے تو میں کیسے آپ کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔“

”تایا ابو! جب میں آفس جوائن کروں گی تب ہی تو مجھے بزنس کی نوہاؤ ہوگی۔“

”حنین بیٹا! آپ میری بات سمجھ نہیں رہی ہو، آفس جوائن کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔“ وہ اسے سمجھا نہیں پارے تھے۔

”اگر مشکل ہے تو بھی میں بیچ کر لوں گی تایا ابو!“

”حنین! میں آپ کو ابھی اجازت نہیں دے سکتا۔“ انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

”لیکن کیوں تایا ابو؟ آپ مجھ پر بھروسہ کر کے تو دیکھیں۔“

”میں نے یہ کب کہا کہ آپ پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دے رہا ہوں میں، میں تو فی الحال اس لئے منع کر رہا ہوں کہ جاب کرنا، آفس سنبھالنا ایک ٹائم ڈیوٹی ہے اور جس کو آپ بیچ نہیں کر سکتیں، اس لئے پہلے تعلیم مکمل کریں تاکہ آپ کو پتہ ہو کہ آفس کیسے سنبھالتے ہیں؟“

”وہی تو میں سیکھنا چاہتی ہوں۔“

”کچھ بھی ایسے نہیں سیکھا جاتا حنین! ہر چیز وقت پر ہی اچھی لگتی ہے اور اگر میں آپ کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دوں تو آپ کیا کریں گی؟ آفس کے کام کے بارے میں آپ جانتی ہی کیا ہیں؟“

”تایا ابو! میں کسی بہت بڑی پوسٹ پر کام کرنے کے لئے نہیں کہہ رہی، میری ایجوکیشن کے مطابق جو آپ کو ٹھیک لگے۔“

”تمہاری ایجوکیشن ہی کتنی ہے؟ محض انٹر، اس کا بھی ابھی رزلٹ نہیں آیا۔“

”تو کیا انٹر کے کوئی جاب نہیں کرتا، کتنی ہی لڑکیاں اور لڑکے انٹر کے بعد بھی جاب کرتے ہیں، جب ان کو جاب مل جاتی ہے تو کیا مجھے اپنے گھر کے بزنس میں بھی ایڈجسٹ نہیں کیا جاسکتا؟“

”حنین! بس چپ کر جاؤ، سارے لحاظ بھولتی جا رہی ہو تم، تایا سے دوبارہ بحث کرتے تمہیں ذرا سی شرم نہیں آ رہی۔“

”مہی!“

”شٹ اپ حنین! اٹھو اپنے کمرے میں جاؤ، اب کچھ کہا تو بہت پتوگی مجھ سے۔“ اُسے منہ کھولتے دیکھ وہ درشتگی سے بولی تھیں اور وہ صوفے سے اٹھی تھی اور کسی کو بھی دیکھے بغیر لاؤنچ سے نکل گئی تھی۔

”بھائی صاحب! حنین کی طرف سے میں آپ سے معافی۔“

”ساجدہ! حنین میرے لئے کوئی غیر نہیں ہے، میری اپنی بیٹی ہے۔“

”یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی صاحب! کیا میں نہیں جانتی کہ حنین آپ کو کتنی عزیز ہے، جاوید کی موت کے بعد آپ نے ہی تو سارے لاڈ اٹھائے ہیں، اپنے بچوں سے بڑھ کر حنین کا خیال رکھا، اس کی ہر خواہش پوری کی اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب جو سوچ لیتی ہے اسے پورا کروا کے ہی چھوڑتی ہے، اتنی ضد اور مرن نانی اچھی نہیں ہوتی، بل کہ گالے گھر جانے کی تو کوئی برداشت کرے گا یہ سب؟ مجھے تو سوچ سوچ کر ہی ہول اٹھتے ہیں۔“

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ساجدہ! حنین میری ذمہ داری ہے، جسے میں آخری سانس تک خوش دلی سے اٹھاؤں گا اور بیچے والدین سے بھی ضد یا فرمائش نہیں کریں گے تو پھر کس سے کریں گے؟ آپ ہر وقت حنین کے پیچھے نہ پڑ جایا کریں، اگر ضد کر بھی رہی ہے تو اسے پیار سے سمجھا یا جاسکتا ہے، بڑی ہوتی ہوئی اولاد پر ہر وقت تنقید کی جائے یا روک ٹوک، اس کا برا اثر پڑتا ہے، اس لئے پیار و محبت سے پیش آیا کریں، آپ کی روک ٹوک حنین پر بھی برا اثر ڈالے گی اور جب بات پیار و محبت سے سمجھائی جاسکتی ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ سختی سے پیش آئیں؟“

”نوید ٹھیک کہہ رہے ہیں ساجدہ! تم ہر وقت ہی حنین کے پیچھے پڑی رہتی ہو کہ اتنی دیر کیوں سوئیں، رات دیر تک کیوں جاگتی رہیں، کھانا بنانا، سلائی، سیکھو۔ وہ وقت کے ساتھ سب سیکھ لے گی، تم کیوں اتنی فکر مند ہوتی ہو؟“

راشدہ نے شوہر کی حمایت میں بات آگے بڑھا دی تھی۔

”آپ بیگم! میں بھی کیا کروں، اور بچیاں بھی تو ہیں، زمین نے پورا کچن سنبھالا ہوا ہے اور شاز مین سلائی کڑھائی میں ماہر ہے اور حنین ہے کہ نہ چائے بنانا آتی ہے نہ ہی سوئی میں دھاگہ ڈال سکتی ہے، دونوں بچیوں کی طرح گھرداری میں انٹر سٹ لے تب اسے کچھ آگے، اُسے تو برنس وومن بننے کا خیال ہو چلا ہے۔“ وہ بیٹی کی حرکتوں سے سخت تالاں کھینچیں۔

”وقت کے ساتھ سیکھ لے گی، تم پریشان نہ ہوا کرو۔“ راشدہ نے اپنا ہاتھ تسلی بھرے انداز میں ساجدہ کے ہاتھ پر رکھا تھا، راشدہ اور ساجدہ دو بہنیں جو شادی کے بعد جھڑائی دیورانی بن گئیں، نوید اور جاوید دو بھائی اور ایک بہن فریدہ۔ نوید سب سے بڑے تھے اور ان کی دو بیٹیاں زرین اور شاز مین اور اکوٹا بیٹا اسجد جو بہنوں سے بڑا تھا۔ اسجد نے بی بی اے کرنے کے بعد باپ کا برنس سنبھال لیا تھا، زرین نے گریجویشن کے بعد اپنی مرضی سے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا، شاز مین بی ایس سی کے آخری سال میں تھی۔ جاوید عالم کا انتقال بہت ہی کم عمری میں ہو گیا تھا ان کو کینسر تھا اور علاج کروانے کے باوجود مالک حقیقی کی مرضی کے تحت روبہ صحت نہ ہو سکے اور دنیا سے مزے موڑ گئے، اُس وقت جاوید کی اکلوتی بیٹی حنین محض 4 برس کی تھی، نوید عالم اور راشدہ نے بہت کوشش کی کہ ساجدہ دوسری شادی کر لیں مگر وہ کسی طور راضی نہ ہوئیں، جس طرح جاوید کی زندگی میں وہ رہتے تھے ویسے ہی رہ رہی تھیں، دونوں بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے حنین نے انٹر سائنس کے ایگز امزدیے تھے، حنین کو باپ کی کمی محسوس نہ ہو اس لئے نوید عالم نے اسے اپنے تینوں بچوں سے زیادہ محبت و چاہت اور توجہ دی تھی اور گھر والوں کی توجہ نے ہی اسے کافی ضدی اور موڈی بنادیا تھا، فریدہ کے دو بیٹے ارجم احسن اور راحم احسن تھے۔ ارجم نے سی ایس ایس کیا تھا اور حال ہی میں پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ زرین کی ہم عمر ماندہ نے بھی گریجویشن کیا تھا اور ماندہ کی اسجد سے اور شاز مین کی راحم سے 3 ماہ قبل ہی بڑی دھوم دھام سے منگنی ہوئی تھی، فریدہ کے شوہر یوسف ایگز فورس سے وابستہ تھے، حال ہی میں انہوں نے ریٹائرمنٹ لی تھی، جبکہ راحم کو اس شے سے دلچسپی نہ تھی اس لئے اس نے انجینئرنگ کی ڈگری لی اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے وابستہ تھا۔ تینوں گھرانوں میں بے حد محبت اور انسیت تھی، ان لوگوں میں رشتوں کی اصل مٹھاس شدت سے محسوس کی جاسکتی تھی جبکہ آج کل کا دور کہ جس میں جوائنٹ فیملی سسٹم تقریباً ختم ہو رہا ہے اور قریبی رشتے دار بھی ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی آپسی محبت اور یگانگت قابل ذکر ہی تھی کیونکہ اپنوں کو سمجھنا اور ان کی قدر کرنا آج کل کے دور میں بہت کم نظر آتا ہے۔

☆.....☆.....☆

”پچھو! اس دفعہ آپ نے کافی دنوں بعد چکر لگایا ہے، سچ میں آپ کو بہت سا کر رہی تھی۔“ شاز مین لاڈ سے بولی تھی۔

”پچھو کو مِس کر رہی تھیں یا پچھو کے بیٹے کو مِس کیا جا رہا تھا؟“ چلغوزوں کی پلیٹ سے انصاف کرتی حنین شرارت سے کہنے پر شاز مین بڑی طرح جھپٹ گئی تھی اور جھپٹ مٹانے کو اُس کے بازو میں چنگی کاٹی تھی۔

”ہر وقت فضول بولا کرو۔“

”لو بھئی نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔“ وہ بازو کو سہلاتے ہوئے بولی تھی اور فریدہ ہنسنے لگی تھیں اور ہنسنے ہوئے اُسے چھیڑنے کو بولی تھیں۔

”شاز مین بیٹا! کیا حنین سچ کہہ رہی ہے؟ یاد مجھے نہیں بلکہ۔۔۔!“ جان کر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر شرارت

بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا۔

”آپ بھی نا پچھو! اس کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے، میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔“ اس کا خوبصورت چہرہ اناری ہو چلا تھا اور اُس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عین جالی تھی۔

”زرین! آپنی سے کہہ دینا چائے بنانے کے لئے، جو شاندہ پینے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔“ حنین نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔

”تم سے تو اچھی چائے بناتی ہوئی، جنہیں تو یہ بھی شاید پینہ نہ ہو کہ چائے بناتے وقت ڈالتے کیا کچھ ہیں؟“ اس نے مڑ کر کہتے ہوئے حساب بے باک کیا تھا اور سب ہی جانتے تھے کہ شاز مین نے بالکل سچ کہا ہے اس لئے فریدہ اور راشدہ کے لیوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ ساجدہ کو فکروں نے آگھیرا تھا۔

”ساجدہ بھابی! آپ کیوں خاموش بیٹھی ہیں؟“

”ہاں۔۔۔۔۔۔ میں بچیوں کی نوک جھونک سن رہی تھی، تم آتے ہوئے ماندہ کو بھی آتے تھیں۔“

”نہیں بھابی! اچھا نہیں لگتا، یہ ماندہ کی ہونے والی سرال ہے، ہمسراں میں شادی سے پہلے آپ کچھ معیوب سی ہی بات ہے۔“

”تم بھی کن زمانوں کی بات کرتی ہو فریدہ! زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور ماندہ کا یہ سرال بعد میں، ماموں کا گھر پہلے ہے، اس لئے اُس کے آنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔“ راشدہ نے کھلے دل وچائی سے کہا تھا۔

”بھابی بیگم! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر احتیاط کرنا اچھا بات ہے۔“

”فریدہ کی بات اپنی جگہ درست ہے مگر مگنی نہ جانے ابھی کتنے ماہ یا سال رہے، تو بچے کیا ماموں اور پچھو کے گھر ہی نہیں جائیں گے؟“

”مُمی! تو بچوں کی جلدی شادی کر دیں، ویسے ہی انتظار اب نہیں ہوتا۔“ چائے کی ٹرائی لاتی شاز مین کو دیکھ کر وہ شرارت سے بولی تھی۔

”ساجدہ بھابی! حنین نے مشورہ تو کافی درست دیا ہے، اس بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔“ فریدہ کی بات پر حنین نے خسرے فرضی کالر کھڑے کیے تھے اور وہ محض بیٹی کو گھور کر رہ گئی تھیں۔

”فریدہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ شاز مین جھوٹی ہے، میں پہلے زرین کی شادی کروں گی، میں تو مگنی کے بھی خلاف تھی، مگر تمہاری ضد کے آگے چپ ہو گئی، مگر زرین کی شادی سے پہلے میں شاز مین کی شادی نہیں کروں گی۔“ راشدہ قطعیت سے بولی تھیں کیونکہ وہ شاز مین کا رشتہ کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھیں مگر فریدہ بھی کیا کرتیں، بڑا بیٹا شادی کے نام سے چڑا تھا اور دوسرے بیٹے نے خود شاز مین کا نام لیا تھا اور نہ تو ان کا ارادہ ارحم کے لئے زرین کو مانگنے کا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا تو انہوں نے چھوٹے بیٹے کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے شاز مین کو مانگ لیا تھا۔

”بھابی بیگم! میں تو خود یہی چاہتی ہوں کہ پہلے ہمیں ہماری زرین کا رشتہ ہو جائے اور آج میں اس سلسلے میں حاضر ہوں تھی۔“

”میں سمجھی نہیں فریدہ!“

”بھابی صاحب! آج میں پھر بات کروں گی، ابھی بچیاں بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔“

”پچھو! ایسی کیا بات ہے جو ہم سے چھپانا چاہتی ہیں؟“ حنین کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

”پچھو کی دادی! آپ ہر معاملے میں ناگ مت اڑایا کریں، ہم جب ضروری سمجھیں گے تمہیں بتا دیں گے،

آج کل فارغ ہوا تانتیں ہوا کچھپھو کے گھر آ جاؤ، مگر نہیں جنتا، پچھو سے تو منہ دیکھ کر محبت بھائی جاتی ہے۔ انہوں نے مذاق سے کہتے ہوئے اس کا کان پکڑا تھا، جسے چمڑاتے ہوئے اس نے فریہ کے کاندھے پر اپنا دایاں ہاتھ پھیلاتے ہوئے لاڈ سے کہا تشرور کیا تھا۔

”جی پچھو! میں آپ سے منہ دیکھ کر محبت نہیں کرتی، یہ کام تو شازمین بجو کا ہے، آپ آتی ہیں تو ان کو یاد آتا ہے کہ یہ آپ کو یاد کر رہی ہیں، ورنہ تو آپ کا نام بھی نہیں لیتیں۔“ وہ ہنستے ہوئے شازمین کو نارگٹ بتا رہی تھی۔

”میں تمہاری طرح بدتمیز نہیں ہوں کہ بڑوں کے نام لوں۔“ وہ چڑ کر بولی تھی۔

”یعنی آپ شادی کے بعد راحم بھائی کا نام نہیں لیں گی، وہ بھی تو آپ سے بڑے ہیں، ویسے بجو! آپ ان کا نام نہیں لیں گی تو پھر انہیں کیا کہیں گی؟ جانو، ڈارلنگ یا سوئیٹ ہارٹ!“

”شٹ اپ!“ چہرہ سرخی مائل ہو گیا تھا اور وہ شرم و حیا سے لال پڑتی وہاں سے تقریباً بھاگتے ہوئے نکل گئی تھی۔

”بتا کر تو جائیے کہ آ خرام بھائی کو آپ کیا کہیں گی؟“ اسے روکنا چاہا تھا۔

”تم سے مطلب، تم اپنے کام سے کام رکھو مجھیں؟“ وہ پلٹ کر کبھی بھاگ گئی تھی۔

”برای بات حسین! بہن کو تنگ نہیں کرتے۔“

”جی پچھو! تنگ کرنے میں جو مزہ ہے وہ کسی بھی چیز میں نہیں اور شازمین بجو کو ستانے میں بڑا ہی مزہ آتا ہے، راحم بھائی کے نام پر جو شرماتے ہوئے بھاگتی ہیں، ان کا یہ انداز ج میں لطف دے جاتا ہے۔“ وہ چائے کے سب لیتے ہوئے بولی تھی۔

”جب تمہاری باری آئے گی تو پوچھو گی کتنا لطف آتا ہے؟“ زرمین نے کباب کھاتے ہوئے مسکرا کر بولا تھا مگر اس کو کیا پتہ تھا کباب نشاندہ خود ہی بن جائے گی۔

”میرا اہمرو بہت بعد میں آئے گا، پہلے تو آپ اپنی خیر منائیں، پچھو آج اسی مقصد سے آئی ہیں۔“

”اس لڑکی کے سامنے کوئی ڈھنگ کی بات نہیں کر سکتا۔“

”مئی! آپ کو تو میرے خلاف بولنے کی عادت ہوگئی ہے، میں نے کچھ اپنی طرف سے کب کہا؟ یہ سب تو پچھو ہی بول رہی تھیں۔“ اس نے تیزاً کباب اٹھاتے ہوئے غصی رکھائی تھی اور اسی وقت امجد اور نوید عالم آفس سے لوٹنے سیدھے لاؤنج میں ہی آئے تھے اور وہ نوید عالم کو دیکھ کر آدھا کھلایا ہوا کباب واپس پلٹ میں رکھتے ہوئے جانے کے لئے کھڑی ہوگئی تھی کیونکہ وہ آج کل ان سے ناراض تھی اور یہ ناراضی ظاہر کرنے کا اس کا اپنا انداز تھا۔ محسوس تو فریہ کے علاوہ سب ہی نے کیا تھا مگر کہا کسی نے کچھ نہیں تھا اور وہ لاؤنج سے نکل کر اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

یوسف ساتھ نہیں آئے؟ انہیں بھی لے آئیں۔“

”بھائی صاحب! ان کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لئے نہیں آئے اور جبکہ میرا آنا بھی ضروری تھا، مہوش نے فون کر کے میرا دماغ خراب کیا ہوا تھا، میں نے سوچا فون پر آپ لوگوں سے کیا بات کروں گی، اسی بہانے ملے آگئی۔“

فریہ نے اپنی اکلوتی بچپن کی کھلی کا نام لیا تھا اور اس نام سے سب ہی واقف تھے۔

”کیوں بھی.... مہوش نے آپ کا کیوں دماغ خراب کیا ہوا تھا؟“

”زرمین! جا کر اپنے ابو کے لئے چائے لے آؤ۔“ فریہ کی باتوں سے اندازہ لگاتے ہوئے ساجدہ نے زرمین کو وہاں سے ہٹانا چاہا تھا اور وہ چائے کے خالی کپڑائی میں رکھی اور برتن سمیٹ کر ڈالی گھسیٹ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

”بھائی صاحب! میری دوست مہوش اپنے بیٹے کے لئے زرمین کا ہاتھ مانگنے کے لئے یہاں آنا چاہتی ہے۔“

زرمین کے جانے کے بعد وہ بولی تھیں۔

”اب آپ جو بھی کہیں گے، ہاں، ناں وہ میں اُسے بتا دوں گی۔“

”مہوش کو تو ہم کافی عرصے سے جانتے ہیں، وہ بہت چھوٹی عمر سے ہمارے گھر آتی رہی ہیں، ان کی ایسی کوئی خواہش ہے تو آپ ان کو بلا لیں، آگے ہماری زرمین بیٹی کا نصیب۔“ انہوں نے لمحہ میں مثبت جواب دے دیا تھا کیونکہ مہوش کی فیملی سے ان کے فیملی رشتہ تھے، شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی، وہ ان کی گھر ملیو تقریبات کا ہمیشہ سے حصہ رہی تھیں۔ مہوش فیاض کے 2 بیٹے فیصل اور فیصل جبکہ ایک بیٹی حشر تھی۔ فیصل کی اپنے ماموں کی بیٹی سے بات ملے تھی جبکہ فیصل کے لئے ہی مہوش، زرمین کا ہاتھ مانگنا چاہتی تھیں، فیصل آرکیٹکٹ تھا اور حشر نے حال ہی میں انٹرنیشنل کے پیپر ڈپے تھے۔ فیصل فیاض تینوں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور ملٹی پٹیشنل کمپنی میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔

☆.....☆.....☆

”حسین کہاں ہے، وہ کھانا نہیں کھا رہی؟“ نوید عالم نے جیسر سنبھالتے ہوئے پوچھا تھا۔

”مئی! میں اُسے بلانے گئی تھی مگر اُس نے آنے سے منع کر دیا کہ اُسے بھوک نہیں ہے۔“

”اُس نے دوپہر میں بھی یہی کہا تھا، زرمین! جاؤ ذرا کھا کر لاؤ اُسے۔“ راشد نے کہا تھا۔

”رہنے دیں بھائی! جب کھانا ہوگا کھالے گی، زرمین! آ جاؤ بیٹا! تم کھانا کھاؤ۔“

”کوئی بات ہوئی ہے؟“ نوید عالم نے بیوی سے پوچھا تھا تب ساجدہ بولی تھیں۔

”بات کیا ہوئی ہے بھائی صاحب! دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا۔“

”آخر یہ بھی تو چلے کہ حسین کہاں رہی ہے؟“

”بھائی صاحب! اُس کی ایک ہی رت ہے کہ آفس جوائن کرنا ہے، نرمی سے سمجھایا تو مانی نہیں، سختی سے کہا تو دوپہر سے کمرہ بند کیے بیٹھی ہے، نہ کسی سے بات کر رہی ہے اور نہ ہی کچھ کھا رہی ہے، مجھے تو تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔“

ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو پھسل پھسل کر گالوں پر گرنے لگے تھے۔

”میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا ساجدہ کہ حسین کے ساتھ سختی نہ کرو۔“

”میں بھی کیا کروں! آپا بیگم! حسین کو میں نے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کم از کم گریجیشن تو کر لے، اس کے بعد آفس جوائن کر لے مگر اس کی ایک ہی ضد ہے کہ وہ ابھی جوائن کرے گی، ناک پر مٹی تو بیٹھنے دیتی نہیں ہے جاب کیسے کرے گی؟“ وہ بیٹی کی حرکتوں سے نالاں نظر آ رہی تھیں۔

”شازمین بیٹا! آپ جا کر بہن کو بلا کر لاؤ۔“ شازمین خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔

”کہاناں میں نے، مجھے کھانا نہیں کھانا ہے تو کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں؟“ شازمین کے دروازہ بجانے پر وہ اندر سے چچی تھی، دروازہ ہنوز بند تھا۔

”تمہیں ابو بکرا رہے ہیں، کم از کم ان کی بات تو سن لو۔“

”مجھے کسی کی بھی بات نہیں سنی، جب کسی کو میری پروا نہیں ہے تو میں کیوں سب کی پروا کرتی پھروں، آپ چڑ جائیں بجو! مجھے نہیں آتا ہے۔“

”شازمین! کیا ہوا ہے، یہ حسین دروازہ کیوں نہیں کھول رہی؟“ امجد اپنے کمرے سے نکلا تھا اور شازمین کے سامنے آ کر کھتا۔

”بھائی! حسین ناراض ہے اور غصہ میں اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔“

”تم بھو، میں دیکھتا ہوں۔“ شازمین کے سائیڈ میں ہوتے ہی اُس نے دروازہ پر زوردار دستک دی تھی۔

”شازمین بھو! مجھے تنگ مت کریں۔“

”حسین! دروازہ کھولو۔“ شازمین کے بجائے امجد برہمی سے بولا تھا۔

”آپ چلے جائیں امجد بھائی! بار بار مجھے آپ لوگ تنگ کریں گے تو میں اپنے ساتھ کچھ غلط کر بیٹھوں گی۔“ اس کی روتی ہوئی آواز ان کے کانوں تک آتی تھی اور امجد کی برداشت ختم ہو گئی تھی، وہ کچھ دنوں سے اس کی حرکتیں دیکھ کر محسوس کر رہا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا سنجیدہ مزاج کا حامل شخص تھا جب تک اس کی لائق ممکن ہوئی وہ لائق رہتا تھا مگر جب ایئر فیئر کرنے کی ضرورت ہوتی تو ضرور کرتا تھا۔

”حسین! ایک منٹ میں تم نے دروازہ کھولنا تو میں دروازہ توڑ دوں گا۔“ وہ امجد کے غصے سے ڈرتی تھی، اس وقت بھی اُس کے غصے کو محسوس کرتے اُس نے دروازہ کھول دیا تھا۔

”یہ کیا ڈرامہ ہے حسین! وہاں نیچے سب تمہارا ڈانٹنگ ہال میں انتظار کر رہے ہیں اور تمہارے غرے ہی ختم نہیں ہو رہے ہیں۔“

”آپ کچھ نہیں جانتے اس لئے بیچ میں مت بولیں۔“ وہ اُس کے تیر لہجے سے خائف سی ہو کر بولی تھی۔

”کیا نہیں جانتا؟ کچھ کہتا نہیں ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم جو چاہو کرتی رہو، جب ابو اور چچی نے ہمیں جاب کرنے سے منع کر دیا ہے تو کیوں ضد پر اڑی ہوئی ہو؟“ تیکھے چوتھوں سے اُس کے سکتے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

”ضد پر میں نہیں تایا ابو اڑے ہوئے ہیں، دنیا کی کتنی ہی لڑکیاں جاب کرتی ہیں، ایک میں بھی کر لوں گی تو کون سی قیامت آجائے گی؟“

”شٹ اپ حسین! مجھ سے زیادہ بدزبانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، شازمین! اسے لے کر نیچے آؤ۔“ وہ انگلی اٹھا کر کہتا شازمین کو اُنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکلنے لگا تھا۔

”میں نہیں آؤں گی، آپ اپنا فیصلہ مجھ پر نہیں توپ سکتے۔“

”تم دو منٹ میں نیچے نہیں آؤں گی تو بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔“ وہ غصے سے پیچ و تاب کھاتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

”حسین! ضد نہیں کرتے، ابھی نیچے چل کر کھانا کھو، تم جو چاہتی ہو وہ قبل از وقت ہے، جب وقت آئے گا۔۔۔!“

”مجھے کچھ نہیں سننا ہے، جس کو دیکھو مجھے وعظ سنانے بیٹھ جاتا ہے، لیکن میں بھی وہی کروں گی جو میں چاہتی ہوں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں، کہہ دیجئے گا امجد بھائی سے کہ وہ آپ پر اور زمین آپی پر دھونس جمایا کریں، میں ان کی بات سننے والی نہیں ہوں، اور زیادہ ہی شوق ہوا ماندہ اپنا پردھونس جمائیں، مجھ پر ہرگز نہیں۔“ وہ روتے ہوئے بے سے میں کہتی داش روم میں چلی گئی تھی اور شازمین حیران سی ڈانٹنگ ہال میں آگئی تھی اور صوفی ہی دیر بعد وہ بھی آگئی تھی کسی کو بھی دیکھے بغیر اپنی مخصوص چیز گھسیٹ کر اُس پر بیٹھ گئی تھی، کسی نے بھی اُس سے کچھ نہیں کہا تھا اور سب خاموشی کھانا کھانے لگے تھے۔

”ن! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ اُسے اٹھتے دیکھ کر نوید عالم بولے تھے۔

”میں میں آپ سے کوئی بات۔۔۔!“

”حسین! امجد نے اُس کی بدتمیزی پر بند باندھنا چاہتا تھا۔

”کیسے! میں سن رہی ہوں۔“

”آپ میرے کمرے میں آؤ، میں وہیں آپ سے بات کروں گا۔“ وہ کرسی کھکھکا کر اٹھ گئے تھے۔

”میرے اللہ! یہ لڑکی آخر چاہتی کیا ہے؟“ ان دونوں کے وہاں سے بٹنے ہی وہ سر قہام کر رہ گئی تھیں۔

”چچی! آپ بالکل پریشان نہ ہوں، ابو اس سے بات کر رہے ہیں نا۔“

”یہی تو مجھے ڈر لگ رہا ہے، دوپہر میں اس نے مجھ سے کتنی بدتمیزی کی اور میں نہیں چاہتی کہ وہی سب وہ بھائی صاحب کے ساتھ بھی کرے۔“

”آپ ایسے نہ سوچیں چچی! حسین کبھی بھی ابو سے بدتمیزی نہیں کرے گی۔“ زرین اُن کو پانی پلاتے ہوئے بولی تھی۔

”حسین! میں نے کبھی آپ کی کوئی بات نہیں سنی، جو چاہا، جو مانگا وہ سب آپ کو دیا اور آفس جوائن کرنے سے بھی میں آپ کو منع نہیں کر رہا، مگر ہر چیز اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے اور آپ کے پاس وقت ہی کتنا ہے، صرف 3 ماہ؟

اس کے بعد آپ کا رزلٹ آجائے گا اور یہ کام میں ایڈمیشن، ایڈمیشن کے بعد آپ آفس نہیں چاہاؤ گی، اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ گریجویشن کے بعد آپ آفس جوائن کرؤ۔“

”پھر تو میں گریجویشن کے بعد بھی آفس جوائن نہیں کر سکتی، پھر مجھے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہوگا اور آپ کہیں گے کہ ماسٹرز کے بعد میں آفس آسکتی ہوں، آپ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ میں آفس جوائن کروں اور یہی بات آپ

مجھے صاف کہیں، مجھے آسرے میں کیوں رکھ رہے ہیں؟ جھوٹی تسلیاں، جھوٹے آسرے نہیں چاہئیں مجھے۔“ وہ بہت تخی سے کہہ رہی تھی اور وہ ششدر سے بیٹھے اُسے سن رہے تھے، اس نے لاڈ پیار سے اُن سے کتنی ہی فرمائشیں اور بے

جاضدیں پوری کر دینی تھیں مگر آج تو اس کا انداز ہی نیا تھا۔

”میں جھوٹے آسرے نہیں دے رہا، مجھے منع کرنا ہوتا تو صاف کرتا، یہ میری ذہیل ہی ہے حسین! جو آپ اس طرح بحث کر رہی ہیں۔“

”بحث کے لئے بھی آپ نے ہی مجھے مجبور کیا ہے، آپ میرے تایا ہیں ناں اس لئے مجھے کھنکھانی نہیں چاہتے، آپ کی جگہ میرے ابو ہوتے تو وہ ضرور سمجھتے کہ میں کیا چاہتی ہوں، مگر آپ لوگ چاہتے ہی نہیں ہیں۔ امجد بھائی نے

میری کتنی انسٹ کی، اتنے بُرے لہجے میں مجھ سے بات کی، مجھے بُری طرح ڈانٹا اور میں کسی کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتی، یہ تم ہوں ناں، قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے، جیسا میرے ساتھ کیا جا رہا ہے۔“ اس کی باتیں اور اس کا ہچکچوں

سے رونانہ نوید عالم ششدر سے بیٹھ رہ گئے تھے۔

”حسین! ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ بیٹا! کیا میں آپ کا ابو نہیں ہوں؟“ وہ اس کا ہاتھ قہام کر دل گرنگی سے بولے تھے، جو بھائی انہیں بہت عزیز تھا یہی اسی کا خون تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے اس لئے انہوں نے اسے اپنے

بچوں سے زیادہ چاہت و توجہ دی مگر اس کی باتوں سے لگتا تھا کہ ان کی شفقت و محبت ہی سے بے معنی سی تھی۔

”نہیں، آپ صرف میرے تایا ابو ہیں، میرے ابو مر گئے ہیں، یہی کہتی ہیں میں آپ سے فرمائشیں نہیں کیا کروں، مجھے آپ سے لاڈ بھی نہیں کرنے چاہئیں، اس لئے میں جاب کرنا چاہتی ہوں، میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔“

احسان اُتارنا چاہتی ہوں، میں اپنے بیروں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ مجھے آفس ورک آجائے تاکہ مجھے کہیں بہت اچھی جگہ جاب مل جائے، آپ مجھے اپنے آفس میں جاب نہیں دے سکتے تو مجھے کہیں اور جاب کرنے کی اجازت دے دیں، میں جاب کرنا چاہتی ہوں، مگر آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی اسی لئے آپ کے آفس میں کام کرنے کا سوچا ورنہ میں جانتی ہوں کہ میری ایجوکیشن ان کیلڈ ہے اور مجھے جاب نہیں مل سکتی، آپ نے ابوی موت کے بعد مجھ پر اتنے احسان کیے، ایک احسان اور کر دیں، مجھے جاب کرنے کی اجازت دے دیں۔“ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، انہوں نے کبھی بھی تو اُسے غیر نہیں سمجھا تھا، اُس سے محبت کی تھی، احسان سمجھ کر اس کی پرورش نہیں کی تھی بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کی تھی جسے وہ اتنی آسانی سے احسان کا نام دے گئی تھی۔

”آپ جیسا سوچتی ہو یا ساجدہ جیسا سوچتی ہیں ایسا میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا، اس لئے فضول باتوں کو ذہن سے نکال دیں جن میں! مجھے آپ زرمین اور شازمین کی ہی طرح عزیز ہو، اور آپ جاب کرنا چاہتی ہو تو مجھے اعتراض نہیں ہے، آپ کل سے آفس جوائن کرلو۔“ انہوں نے اُس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا اور وہ اُن کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی تھی، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اب اُن میں حوصلہ نہیں تھا اس کا دل دکھانے والی باتیں سننے کا، اس لئے وہ شازمین کو آواز میں دینے لگے تھے اور کچھ ہی دیر میں وہ وہاں چلی آئی تھی۔

”شازمین! بہن کو کمرے میں لے کر جائیں اور کھانا بھی یاد سے کھلا دیں، ڈائننگ ٹیبل پر جنین نے کھانا نہیں کھایا تھا۔“ لہجہ میں تنبیہ کی گئی تھی۔

”تایا ابو!“

”اوہو، کچھ مت کہیں بیٹا! آپ جو کہنا چاہتی تھیں وہ سمجھ گیا ہوں، بوڈونٹ وری۔ کل سے یا جب چاہیں آفس آ سکتی ہیں۔“

”آپ ناراض تو نہیں ہیں؟“ خیال آنے پر پوچھا تھا۔

”نہیں، میں اپنی بیٹی سے ناراض نہیں ہوں، اور یہی چاہتا ہوں کہ مہری بیٹی ہمیشہ خوش رہے۔“ وہ بدقت تمام مسکرائے تھے، شازمین کو کچھ غیر معمولی سا لگا تھا مگر باپ سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہو سکی تھی اس لئے دل میں الجھن لئے وہ جنین کا ہاتھ تھا اُن کے روم سے نکل گئی تھی۔ اس نے جنین کو اُس کے کمرے میں چھوڑا تھا اور پکچن میں آگئی تھی، کھانا گرم کر کے جنین کو کھلایا تھا اور برتن دھو کر وہ پکچن سے نکل رہی تھی کہ اسجد کو کچھ کڑھک کر ڈک گئی تھی۔

”اسجد بھائی! کچھ چاہیے تھا آپ کو؟“

”مجھے کچھ پوچھنا ہے شازمین!“ اُس نے بہن کو بیٹھنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے کہا، اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسجد کو دیکھنے لگی تھی۔

”میں ابو سے کوئی فائل ڈسکس کرنے گیا تھا، کل پرزینٹیشن ہے اور ذرا سی کوتاہی سے لاکھوں کا کنٹریکٹ ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے، اس کے باوجود ابو نے مجھے اچھا رسپانس نہیں دیا، وہ مجھے بہت پریشان اور ڈکھی لگ رہے تھے، کیا تم جانتی ہو ابو اور جنین کے درمیان کیا باتیں ہوئیں؟ ہونہ ہو جنین ہی ابوی پریشانی کی وجہ ہے۔“

”مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے بھائی! کہ جنین سے اُن کی کیا بات ہوئی؟ جب ابو نے مجھے بلایا تھا جنین اُن کے کندھے سے لگی بری طرح رو رہی تھی، ابو نے کہا میں جنین کو کمرے میں لے جاؤں، جنین کچھ کہنا چاہتی تھی جس کا ابو نے اُسے موقع نہیں دیا اور اس سے کہا کہ وہ جب چاہے آفس جوائن کر سکتی ہے۔“

”واٹ! ابو نے جنین کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی، مگر کیوں؟“

”میں خود نہیں جانتی، ایک دفعہ میں نے بھی ابو سے اس سلسلے میں بات کی تھی مگر ابو نے جتنی سے منع کر دیا تو میں نے یہ چیز ہی کھڑ کر دیا، مگر اب جنین کو ابو نے اجازت دی ہے تو میں وہ نہیں سمجھ پارہی، اور ابو مجھے بھی کافی اپ سیٹ لگ رہے تھے، بھائی! کہیں چچی کا خدشہ صحیح تو نہیں تھا؟“ وہ کچھ خیال آنے پر اُسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”بھائی! چچی کہہ رہی تھیں ناں کہ جنین نے اُن سے بدتمیزی کی تھی، تو کہیں اُس نے ابو سے بھی...! اسی لئے ابو نے اُسے اجازت دے دی، ورنہ تو میں نے خود امی اور ابوی کی باتیں ہی سمجھیں، ابو کہہ رہے تھے کہ وہ جنین کو کبھی اجازت نہیں دیں گے، جیسے مجھے نہیں دی تھی، کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیاں ورکنگ وومن بنیں، امی نے کہا تھا کہ پھر آپ نے صاف منع کیوں نہیں کیا؟ تو ابو بولے کہ گریجویٹیشن کے بعد وہ جنین کی شادی کر دیں گے، اور اس کی طبیعت میں خد ہے اس لئے انہوں نے وقتی طور پر حامی بھری ہے، تاکہ وہ یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کر لے۔“ شازمین نے اچانک سن لینے والی باتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

”جنین کافی منہ پھوٹ اور بدتمیز ہے، یقیناً اس نے ابو سے بدتمیزی کی ہے اور اگر واقعی ایسا ہو تو جنین کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔“ اُس کا غصہ عود کر آیا تھا۔

”بھائی! آپ غصہ نہیں کریں، جنین اس طرح آپ سے خائف...!“

”مجھے کسی کی بھی ناراضی کی فکر نہیں ہے، وہ اس گھر کی بیٹی ہے اور اُسے باقی بیٹیوں کی طرح ہی زندگی گزارنا ہوگی، میں مائیں کی اجازت نہیں دے سکتے، کسی بھی وجہ سے ابو نے اُسے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی ہو مگر میں خود ابو سے بات کروں گا، وہ آفس نہیں جائے گی۔ تم اٹھو جا کر سوؤ، ہر وقت گھن چکر بنی رہتی ہو، کچھ ذمہ داریاں اُسے بھی دو، مگر سنبھلا نہیں ہے، بہتر مد آفس سنبھالنے چلی ہیں۔“ وہ غصے سے تن فن کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور شازمین پریشانی سے وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”آج کل کہاں غائب ہو، دکھائی نہیں دیتے؟“

”معروفیت ہی ایسی رہی، پایا کو انجانا نا کا ایک ہوا تھا۔“

”کیا... کب؟ اور کسی نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔“ ارحم اُسے تیز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

”میں نے تمہیں جان کر ڈسٹر ب نہیں کیا ارحم! تم نے حال ہی میں اپنی پوسٹ سنبھالی ہے، میں نے سوچا تم معروف ہو گے، کچھ دنوں سے تم نے کوئی کال یا پیج بھی تو نہیں کیا تھا اسی لئے میں نے تمہیں پریشان نہیں کیا، مگر تم فکر مند نہ ہو، پایا اب بالکل ٹھیک ہیں، باوجود کہ مجھے تمہیں فرصت ہونو آ جا۔“

”تھف ہے تجھ پر فضیل! اب مجھ سے اتنا قابل ہو کر بات کرے گا، تیرا دماغ تو ٹھکانے پر ہے؟“ ارحم نے غصے سے کہتے ہوئے آدھا بھر ہوا گلاس اُس کے سر پر ڈال دیا تھا۔

”ٹھنڈ لگنے سے کھلا کچھ دماغ، کہ میں تیرا بچپن کا دوست ارحم الحسن ہوں۔“ وہ بہت ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا اور فضیل اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

”میرا نہیں، دماغ تیرا خراب لگ رہا ہے، جناب آپکٹر ہوتے ہیں اور حرکتیں بالکل بچوں والی۔“

”اوسے گھماڑ! یہ تشدد کا سب سے آسان طریقہ ہے، پانی ڈالنے سے سمجھ نہیں آیا تو بال بچھ کر بتاؤں؟“ اب کدہ مسکرا کر بولا تھا۔

”اپنے تشدد کے طریقے اپنے پاس رکھ، اور شرافت سے کچھ آؤ، رکر، سخت جھوک لگ رہی ہے، تیرا جب فون آئے گا میں گھر کے لئے ہی نکل رہا تھا اس لئے یہاں آ گیا اور تو ہے کہ مجھ پر ہی اپنی انگریزی کے جوہر دکھانے لگا۔“

”ہتاؤ کیا آؤ کر رہا ہے، بچپن سے ٹونڈیدہ واقع ہوا ہے، کھانے کا شوق ہے مگر بیل بھرے کا موصوف کو ذرا سا بھی خیال نہیں آتا۔“ ویز کو اشارہ کیا تھا جبکہ فضیل ڈھٹائی سے ہنس دیا تھا کیونکہ ارحم نے کہا بالکل ٹھیک تھا کہ بیل ہمیشہ ارحم ہی بے کرت تھا وہ تو بہت ہی ڈسٹر آؤ کر رہا تھا کیونکہ وہ کھانے پینے کا بے حد شوقین تھا۔

”پچھلے دنوں میں ایک کیس کے سلسلے میں دیر تک مصروف رہا، رات گئے گھر آیا تھا اور نہ ماما، ضرور انکل کی طبیعت کا بتاتیں۔“

”آئی راحم کے ساتھ آئی تھیں پایا کو دیکھئے، تب انہوں نے تمہاری مصروفیت کا بتایا تھا اسی لئے میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔“ وہ بھرگے انصاف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”فضیل! میری سمجھ میں نہیں آتا، ٹوکھا اور بول ایک ساتھ کیسے لیتا ہے؟ مجھ سے کبھی نہیں ہوتا۔“ وہ اس کی اسپینڈ سے پریشان ہوا تھا۔

”پولیس لائن میں آ گیا ہے نا تو اب ہو جایا کرے گا۔“ اُس نے چھینر اٹھا۔

”تو کون سے جنم میں حوالدار تھا جو ایسے کہہ رہا ہے؟“ وہ تپ گیا تھا۔

”یار! میرے تو پورے خاندان میں کوئی حوالدار نہیں گزرا، ہاں ماما بتاتی ہیں ان کی بیٹ فرینڈ کا بیٹا ضرور حال میں ہی حوالدار مقرر ہوا ہے۔“ وہ جو بڑے غور سے اُس کی بات سن رہا تھا آخر میں اُس کی بات کا مطلب سمجھ کر اُسے گھورنے لگا تھا اور اُس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا، جس کی وجہ سے کتنے ہی لوگ ان کی ٹیبل کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

”گدھوں کی طرح ہنسنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تیرا بیڈروم نہیں پلک پلک ہے۔“

”ہاں یار! تو نے ٹھیک کہا، مگر آج کل مجھے میرا بیڈروم بھی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔“ ارحم نے اُسے احساس دلایا

چاہا تھا تب اس نے مصیبت طاری کی تھی جبکہ اس کو تو خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔

”میں تیری اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”یار! صاف بات ہے، اس کمرے میں اکیلے رہے ہوئے تو زندگی گزر گئی، اب تو بس یہی خواہش ہے کہ میرے کمرے کے ساتھ میرے وجود کو آباد کرنے والی جلدی سے آجائے۔“ اس نے ایک اداسے کہتے ہوئے کولڈرنک کے سپ لینا شروع کر دیئے تھے۔

”مجھے تو اُس بے چاری کے حال پر ابھی سے ترس آنے لگا ہے جو تیری بیوی بنے گی، روز ہی رویا کرے گی بے چاری۔“

”اللہ نہ کرے، روئیں اُس کے دشمن، بار بار یہ دعا تو مت دے۔“

”سوری فضیل! میں تو بس مذاق کر رہا تھا، میں بدو عا نہیں دے رہا تھا، کیا میں تجھے بدو عا دے سکتا ہوں؟“

”او میرے یار! ایک دم انٹرلیس مت ہو جایا کر، میں بھی مذاق کر رہا تھا اور ذرا ویز کو بلا کر پو تو آؤ کر کوئے۔“

اُس کی فرمائش پر اس نے ویز کو ایک بار پھر اشارہ کیا تھا۔

”فضیل! تو نے کبھی بتایا نہیں وہ لڑکی آخر ہے کون جس سے ٹو بہت کرتا ہے؟“ نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے ہوئے اُس نے استفسار کیا تھا۔

”ہے ایک پیاری سی، نازک سی، جو تیرے یار کے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے۔“ اس کے لبوں پر بڑی سی خوبصورت مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

”وہی پوچھ رہا ہوں، وہ کون ہے؟“

”زرمین عالم۔“ نام سنتے ہی ارحم کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اور وہ بڑی سی حیرانگی اور ناگواری سے فضیل کو دیکھنے لگا تھا۔

”تیری آنکھوں میں لکھی نا گواری کی تحریر سے بچنے کے لئے ہی میں نے کبھی تجھے نام نہیں بتایا، جب کہ میں نے محبت کی ہر شدت تجھ سے شیر کی ہے، میں جانتا ہوں ارحم! کہ زرمین تیری کزن ہے اور عزت و غیرت دار بھائیوں کے لئے کسی غیر مرد کے منہ سے اپنی بہن کا نام سننا ممکن ہی نہیں ہوتا اور باخدا میں آج بھی تجھ سے کچھ نہ کہتا مگر اب میرا زرمین سے شرعی رشتہ بنونے والا ہے اس لئے مجھے کچھ بتانا معیوب نہیں لگا۔“

”کو کیا کہہ رہا ہے، یا کہنا چاہتا ہے؟ میں بالکل نہیں سمجھا۔“

”کیا مطلب.... کیا تجھے نہیں پتہ کہ زرمین کی مجھ سے شادی ہونے والی ہے؟“ اُس کے نفی میں سر ہلا دینے پر اُس کی حیرانگی بڑھ گئی تھی۔

”مجھے واقعی ایسی کسی بات کا علم نہیں ہے۔“ وہ زور دے کر بولا تھا۔

”کل ہی تو تمہارے ماموں جان نے ہمیں مثبت جواب دیا ہے اور انہوں نے کہا کہ مگنی وغیرہ سے بہتر 3 ماہ بعد شادی۔“

”ادھوری نہیں.... پوری بات تفصیل سے ہتاؤ۔“ ارحم نے اُسے ٹوکا تھا اور وہ اُسے تفصیل بتانے لگا تھا۔

”تم تو جانتے ہو ارحم! کہ فضیل کی بات ماموں کی بیٹی میرا سے طے ہے اور مامانی کی ڈسٹھ کو کافی عرصہ ہو گیا ہے اور آج کل ماموں جان کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی بس اسی لئے وہ شادی پر زور ڈال رہے تھے کہ ان کی انکونی بیٹی کی شادی ان کی زندگی میں ہی ہو جائے بس اسی لئے ماما میرے سر پر سوار ہو گئیں کہ میں شادی کے لئے حامی بھریوں کیونکہ وہ ہم دونوں بھائیوں کی شادی ساتھ کرنا چاہتی ہیں، ویسے بھی فضیل مجھ سے چھوٹا ہے اور مجھ سے پہلے اس کی شادی وہ کرنا نہیں چاہتیں، اسی لئے ماما نے کہا مجھے کوئی پسند ہے تو میں بتا دوں وہ وہ خود میرے لئے لڑکی پسند کر لیں گی، اور میں نے زرمین کا نام لے دیا اور مادہ تو فوراً ہی راضی ہو گئیں، اسی وقت تمہاری ماما کو فون کیا کہ وہ تمہارے ماموں سے میرے رشتے کی بات کریں، 3 دن بعد ہی آنٹی کا فون آ گیا کہ ماما باقاعدہ میرا رشتہ لے کر تمہارے ماموں کے گھر چلی جائیں اور آج سے 2 دن پہلے ہی ماما زرمین کا رشتہ لے کر گئیں جو اسی وقت منظور ہو گیا، تمہارے ماموں جان کی مرضی تھی کہ ابھی مگنی ہو جائے سال بھر بعد شادی، مگر ماموں کی طبیعت کے پیش نظر تمہارے ماموں راضی ہو گئے، کل ہی تو تمہاری ماما نے فون کر کے کہا تھا کہ 3 ماہ بعد کی ڈیٹ گنڈ کر لیتے ہیں، کیونکہ میرا خیال ہے ارحم اور ماما کی شادی بھی ساتھ ہی ہوگی۔“ فضیل نے ساری تفصیل بتا کر آخر میں اپنا خیال بھی ظاہر کر دیا تھا۔

”اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔“

”تیری مصروفیت....!“

”کیوں کا ذرا برا عقلم نہیں لگ گیا ہوں جو مجھے ذرا سی بھی فرصت نہیں ہے، مجھے ہر بات سے ایسے بے خبر رکھا گیا جیسے میرا کسی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔“ ارحم کو حقیقتاً دکھ پہنچا تھا۔

”تو فضول میں بدگمان ہو رہا ہے ارحم! اور نہ جو کچھ ہوا وہ محض 3 دنوں میں ہی ہوا، اور میں نے تو تجھ سے کبھی کچھ

نہیں چھپایا تو اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی تھی سے کیوں چھپاتا؟ مگر ٹوہرٹ ہوا ہے تو آئی ایم سوری ارحم! مجھے تیری ناراضی کی فکر نہ ہوتی تو میں تجھے ضرور بتاتا کہ زمین کے لئے میں کس طرح سے سوچتا ہوں، رینگی ویری سوری!“

فضیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور وہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔
”اُس اوکے لیکن تجھے کیا لگتا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ ٹوہرٹ زمین کو پسند کرتا ہے، اتنا بے وقوف نہیں ہوں، سب خبر تھی مجھ کو کہ تیرے کیا ارادے ہیں۔“ وہ فضیل کو تنگی نگاہوں سے دیکھ کر بولا تھا۔
”تُو نے کسی ظاہر نہیں کیا۔“ وہ متحیر ہوا تھا۔

”جب تُو نے مجھے نہیں بتایا تھا تو میں کیوں ظاہر کرتا کہ میں تیرے بتائے بغیر بھی تیرے دل کی بات جان گیا ہوں اور احسان مان میرا کہ میں نے تیرے عشق کی دنیا کو ڈوبنے سے بچالیا۔“ فضیل اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔
”مما، زمین کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔“

”واٹ...؟“ اس کے انکشاف پر وہ بڑی طرح چلا تھا۔
”زیادہ مت چلا، ایسا نہ ہو میرے تجھے اٹھا کر بیٹورنٹ سے باہر پھینک دیں۔“ اس کی کیفیت سے وہ حفا اٹھا رہا تھا۔

”اس سے پہلے کہ میں تیرا گلا دیاؤں، صاف صاف بول آخرا بات کیا ہے؟“
”بات کچھ نہیں ہے، ممنا چاہتی تھیں کہ میری شادی زمین سے ہو جائے مگر میں نے زمین کے بارے میں ایسا کبھی نہیں سوچا۔“

”سوچنا بھی مت، ورنہ جان لے لوں گا۔“
”ہاں، مار لے جتنے ڈائلاگ مارنا ہے مار لے، ابھی تو بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے ورنہ من کو بے بیجا تھا، وہ تو میری چھٹی جس نے مجھے سمجھا دیا تھا ورنہ، مجھے تو کوئی لڑکی پسند نہیں تھی میں نے تمہاری پسند کی لڑکی پر سر جھکا دینا تھا اور تُو نے ناکام عاشق بن جانا تھا، منہ سے پھر بھی کچھ نہ کہتا تھے رقیب کچھ کرات دن کو ستا رہتا، پھر کہاں کا دوست اور کہاں کی یاری؟“ اس نے زبردست طریقے سے فضیل کو لٹا دیا تھا۔

”دوست ہو تو تیرے جیسا، جیو میرے یار! ویسے یہ بتا کہ میری پسند ہے یا لا جواب؟“ وہ کہاں زیادہ دیر تنجید ہوا سکتا تھا۔
”ہاں، تمہاری پسند واقعی لا جواب ہے، زمین لاکھوں میں ایک لڑکی ہے اور کان کھول کر سن لے تُو نے میری بہن پر ظلم کرنے کی کوشش کی تو حوالا میں بند کروں گا۔“ اُس نے اپنی دردی کا رعب جھاڑا تھا۔

”آپ کا ہر حکم سر آنگھوں پر سالا صاحب! میری یہ جال کہ میں ایک اسپیکر کی بہن پر ظلم و ستم کروں، معافی دینا سرکار! اس نے ہنستے ہوئے سخرے پن سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے اور اس نے بھی جوابا ہنستے ہوئے ہاتھ مٹا سنا کر اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر مارا تھا۔
”یار! میں بہت خوش ہوں، مگر یہ نہیں جانتا کہ زمین میرے بارے میں کیا سوچتی ہے وہ اس رشتے سے خوش ہے بھی یا نہیں؟“ غریب لائق ہوئی تھی۔

”تُو زیادہ کیوں سوچتا ہے، جب اتنے برس انتظار کیا ہے تو 3 ماہ اور سبکی، بتا دینا اسے اپنی محبت کی داستان، اور اس کی شدت، اور ویسے بھی لڑکیاں تو ہوتی ہی بہت معصوم ہیں، جہاں ان کے پیش شادی کر دیتے ہیں کر لیتی ہیں جس سے شادی ہوئی ہو وہ نا پسند بھی ہو تب بھی خود کو اس کی پسند کے سانچے میں ڈھال کر تن و من سے صرف اُسی

ہو جاتی ہیں۔“

”تجھے بڑا ایکسپیرٹنس ہے، کی کو کہیں ٹوہل تو نہیں دے بیٹھا، بتا کوں ہے؟“

”میری زندگی میں ابھی تک کوئی لڑکی نہیں ہے، جب کبھی دل سے کسی کا گزر ہوا تو سب سے پہلے تجھے ہی بتاؤں گا۔“ چانی سے کہا تھا۔

”میرا خیال ہے تجھے بھی اب سیریس ہو جانا چاہیے اور میرا نہیں خیال کہ اتنی تیری شادی سے پہلے راحم کی کریں گی۔“

”یار! میں شادی سے انکار نہیں کرتا، مگر ابھی بالکل نہیں کر سکتا، ابھی تو میرا کیریئر شروع ہوا ہے، مجھے ابھی اپنی پہچان بنانی ہے، کم از کم 4 سال تک تو میں شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اس سلسلے میں میری ماما سے بات ہو چکی ہے، اس لئے وہ راحم کی شادی کر دیں گی اور جہاں تک میری بات ہے اگر کوئی پسند آگئی تو ماما کو بتا دوں گا اور نہیں آئی تو ماما کی پسند کی لڑکی سے شادی کر لوں گا۔“ اس نے بات ہی ختم کر دی تھی اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے جانے کے لئے اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک بھر پور شام ایک ساتھ گزاری تھی اور یہ بہت دنوں بعد ہوا تھا وگرنہ روز ہی اس طرح گھنٹوں کے لئے ملا کرتے تھے۔

☆.....☆.....☆

”اتنی صبح کہاں جانے کی تیاری ہے؟“ اجند نے تک سب سے تیار جن کو دیکھ کر استغفار کیا تھا۔ وہ اپنی معمول کی تیاری سے بہت ڈیفرنٹ تیار ہوئی تھی کیونکہ وہ عموماً ڈارک کلرز پہنتی تھی جبکہ اس وقت اس نے لائٹ آسمانی کلر کا کاشن کا سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر فیروز کی کمر سے ہاتھ کی کڑھائی تھی اور لائٹ نیچرل میک اپ میں اس کے خوبصورت نین نقش ابھر کر اس کو مزید خوبصورت بنا رہے تھے۔

”اجند بھائی! آج آفس میں میرا فرسٹ ڈے ہے، میں آج سے آفس جوائن کر رہی ہوں۔“ اُس نے سلاکس کھرتے ہوئے بتایا تھا۔

”تم آفس نہیں آؤ گی۔“ وہ قطعیت سے بولا تھا۔
”آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں تایا ابو سے اجازت لے چکی ہوں۔“

”میں ابو سے بات کر لوں گا مگر تم سن لو کہ تم گھر میں رہو گی، آفس جوائن نہیں کرو گی۔“ وہ ناشتہ کیے بغیر کرسی کھٹکا کر اسے گھورتا ہوا اٹھ گیا تھا اور اُسی وقت ساجدہ بچن سے نکل کر آئی تھیں۔

”اجند بیٹا! تم ناشتہ کر لو، اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔“
”قطعاً نہیں چچی! ابو نے اس کو اجازت دے کے کہی ہے؟“

”آپ جا کر خود اُن سے پوچھ لیں اور میں آفس ضرور آؤں گی، آپ مجھے روک نہیں سکتے۔“ وہ آرام سے ناشتہ ختم کر رہی تھی۔

”میں بھی دیکھتا ہوں، تم کیسے آفس آتی ہو۔“ وہ غصے سے کھولتا پلٹا تھا کہ باپ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔
”اجند ناشتہ کر لیا؟“ راشدہ نے پوچھا تھا مگر اس نے جواب دینے کی بجائے باپ سے پوچھا تھا۔

”ابو! آپ نے اسے آفس جوائن کرنے کی اجازت کیوں دی؟“
”تمہیں کوئی اعتراض ہے؟“ وہ بیٹے کے غصے کو کسی خاطر میں نہیں لائے تھے۔
”ابو! مجھے اعتراض ہے، شین آفس نہیں آئے گی۔“

”آپ میری کال ریسیو کیوں نہیں کر رہے؟“ اجید کا آج دماغ گھوما ہوا تھا وہ درگزر کے ساتھ اونچی آواز اور سختی کا چال ہی نہیں تھا مگر آج جو کچھ مانگنے کی نچیل پر ہوا اس کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا، وہ اپنے اسٹنٹ اور پرسنل سیکریٹری کو بھی ڈانٹ چکا تھا، وہ پہلے ہی غصے میں تھا اور مستقل آتی کال اس کے غصے میں اضافے کا باعث بن رہی تھی، اس نے ٹیش کے عالم میں موبائل دیوار پر مارنا چاہا تھا کہ میسج ٹون بجی تھی اور نجانے کیا سوچ کر اس نے میسج اوپن کیا تھا۔

”آپ نے اب میری کال ریسیو نہیں کی تو میں آپ سے اتنی دور چلی جاؤں گی کہ آپ میری آواز سننے اور شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گے۔“ میسج پڑھنے کے بعد خود بہ خود اس کی انگلیاں کال ملانے لگی تھیں۔

”ہیلو“ بڑی بے قراری سے کہا گیا تھا۔

”فارغ نہیں بیٹھا تھا کہ تمہاری کال فوراً ریسیو کر لیتا، ہزاروں کام ہوتے ہیں۔“

”آپ مجھ سے اس طرح بات کیوں کر رہے ہیں؟“

”دامغ خراب ہو گیا ہے میرا، اور بس....! تم گویا ایسی کیا ایمر جنسی تھی کہ اسی وقت بات کرنا تھی، اور میسج میں کیا بکواس لکھ گئی تھی؟“

”وہ بکواس نہیں تھی، خالہ جان میری شادی کر رہی ہیں، اور میں صرف آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں اجید! آپ اپنے پیرش کو میرا رشتے لے کر مجھیں۔“

”جہاں تمہارے گھر والے تمہاری شادی کر رہے ہیں وہیں خاموشی سے شادی کرلو۔“ یہ بات اس نے جس طرح کہی تھی وہی دہی جانتا تھا اور فون کی دوسری جانب موجود میری کاپ ہی تو گئی تھی۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”سنائی نہیں دیا تھا تو ایک بار پھر کہہ دیتا ہوں، میرا خیال دل سے نکال کر جس سے خالہ تمہاری شادی کریں کرلو، میرے پیرش تمہارے گھر نہیں آئیں گے۔“

”لیکن کیوں اجید؟ آپ نے تو کہا تھا آپ اپنے پیرش....!“

”وہ سب جھوٹ، بکواس تھا۔“

”آپ مجھ سے فلرٹ کر رہے تھے؟“ اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

”بہکی سمجھ لو اور آئندہ اس نمبر پر کال....“

”آپ بھلے مجھ سے فلرٹ کر رہے ہوں، مگر میں نے آپ سے کبھی محبت کی ہے۔“

”قصے کہانیوں کی روداد مجھے مت سناؤ۔“

”آپ کو میری محبت جھوٹی داستان لگتی ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ایسا کریں گے۔“

”اب پتہ چل گیا ہے ناں، تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

”مجھ سے پیچھا چھڑانے کی بہت جلدی ہے ناں آپ کو، تو میری بھی سن لیں، میں نے صرف آپ سے محبت کی ہے، اور میں جان تو دے سکتی ہوں مگر کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی، بہت جلد آپ کو میری شادی کی نہیں موت کی خبر سننے کو ملے گی۔“

”میری!“ اس کی چھت اُسے اپنے سر پر گرتی محسوس ہوئی تھی۔

”میں حنین کو اجازت دے چکا ہوں۔“

”آپ نے شاز مین کو تو اجازت نہیں دی تھی، پھر حنین کو کیوں دی؟“

”جہیں صرف اس لئے اعتراض ہے کہ میں نے شاز مین کو اجازت نہیں دی تھی؟“

”یہ بات نہیں ہے ابو! کیونکہ میرے لئے جیسے شاز مین ہے ویسی ہی حنین بھی ہے، اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری بہن نوکری کرے۔“

”میں کہیں اور جاب نہیں کر رہی، اپنے خاندانی برنس....!“

”جواب، جاب ہوتی ہے حنین! اور یہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ۔“

”مگر میں آؤں گی، کیونکہ اگر برنس پر آپ کا حق ہے تو میں بھی اس برنس پر پورا حق رکھتی ہوں، ابو کی تمام برائیاں کی میں اکیلی وارث ہوں۔“ وہ بے سوچے سمجھے بہتی سب کو حیرانگی کے ساتھ سمندر میں اتار گئی تھی۔

”حنین! تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ایسی گری ہوئی بات کرنے کی؟“ ساجدہ نے غصے سے اُسے تھپڑ کھینچ مارا تھا سب جو اس کی بات کے اثر سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ ساجدہ کا اقدام انہیں مزید حیران کر گیا تھا۔

”خبردار، جو ایسا کچھ منہ سے نکالا، بھائی صاحب کے ہم پر احسان کم نہیں ہیں اور تم احسان فراموش....!“ انہوں نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا تھا کہ راشدہ بیچ میں آگئی تھیں۔

”ساجدہ! پاگل ہو گئی ہو؟“

”اس لڑکی نے مجھے پاگل ہی تو کر دیا ہے، اتنی بھیتوں کے صلے میں یہ آپ لوگوں کو کیا دے رہی ہے؟“ وہ افسوس اور تاسف بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

”اور میرا فیصلہ بھی نہیں بدلے گا، تم آفس میں قدم بھی نہیں رکھو گی۔“ وہ اُسے حیران نظروں سے دیکھتا اپنا بریف کیس اٹھائے باہر نکل گیا تھا۔

”دیکھ لیا تم نے، زندگی میں پہلی دفعہ اجید صرف تمہاری وجہ سے بھوکے پیٹ غصے میں نکلا ہے، میں جہیں....“

”ساجدہ! بات کو بڑھانے سے فائدہ نہیں ہے۔“ انہوں نے ساجدہ کو قابو کیا تھا جو بیٹی کو مارنے کے لئے لگی تھیں۔

”تایا ابو! جب آپ نے خود مجھے اجازت دی ہے تو اجید بھائی مجھے کیسے منع کر سکتے ہیں؟“

”حنین! آپ اس وقت اپنے کمرے میں جاؤ، میں اجید کو بھانڈاں گا۔“

”لیکن تایا ابو! آج مجھے آفس جو ان کرنا تھا، آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔“

”حنین! تم نے سوچیدہ نہ کچھ کہا ہے، جہیں سنائی نہیں دیتا؟“ راشدہ کے ڈپٹے پر وہ بات روک گئی تھی۔

”آج نہیں تو کل، لیکن مجھے ہر حال میں آفس جو ان کرنا ہے، اجید بھائی نہیں چاہے کہ میں آفس جاؤں تو میں کہیں اور جاب ڈھونڈ لوں گی، مگر یہ تو طے ہے کہ مجھے جاب کرنی ہے۔“ وہ بات مکمل کر کے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ اس کی اتنی بدتمیزی پر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

”آپ سب لوگوں سے میں بے حد شرمندہ ہوں، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ابھی اتنی بدتمیزی جو کر کے گئی وہ میری ہی بیٹی ہے، مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میری بیٹی بڑی ہو کر اس قدر بد لحاظ و بدتمیز ہو جائے گی۔“ وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر کہہ کر روٹی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی تھیں، آج صبح معنوں میں انہیں شوہر کی محسوس ہوئی تھی، مگرے میں بھی آکر وہ کتنی ہی دیرونی رہی تھیں۔

”فلٹ آپ کر رہے تھے، میں نہیں، اور میں محبت پر جان قربان کر دوں گی۔“ وہ رونا نہیں چاہتی تھی، مگر آنسو اس کے چہرے کو تر کر رہے تھے۔

”پاگل ہو گئی ہو میری!“
”ہاں، ہاں! میں پاگل ہو گئی ہوں، آپ کی محبت و چاہت میں۔“
”فضول باتیں مت کرو۔“

”آپ کو میری محبت فضول لگتی ہے اور میں ثابت کر دوں گی کہ میری محبت آپ کی محبت کی طرح جھوٹ، فریب نہیں ہے۔“ اس نے موبائل آف کر کے بیڈ کی سائیڈ پر ڈال دیا تھا اور ٹیکے میں منہ چھپائے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی، اجد تو اس کی اتنی شدت پر حیران رہ گیا تھا اور بڑی بے قراری سے اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا، تیل تو جاری ہی تھی مگر وہ ریسو نہیں کر رہی تھی۔

”ڈیم! کال تو ریسو کرو پاگل لڑکی!“ آٹھویں کال پر اس نے لیں کیا تھا۔
”میری!“

”مگر کیسری، آپ نے مار دیا اُسے، اب یہاں کال کیوں کر رہے ہیں؟ فلٹ کر رہے تھے ناں مجھ سے؟ تو اب کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ میں جیوں یا مروں آپ کو اس سے مطلب؟“
”مطلب ہے۔“ اس کی بھرائی ہوئی آواز اسے پریشان کر رہی تھی۔

”میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”مگر میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی، بہت بنا لیا آپ نے مجھے بے وقوف، مگر اب میں آپ کے ہاتھوں بے وقوف ہو کر نہیں بنوں گی۔“

”میری بات تو سنو میری!“

”نہیں سنی مجھے آپ کی کوئی بات، آپ بہت امیر ہیں نا؟ آپ کو تو کوئی بھی مالدار لڑکی مل سکتی ہے، میری جیسی غریب لڑکیوں سے تو آپ جیسے امیر زادے شخص فلٹ کرتے ہیں، ہمارے جذبات سے کھیلتے ہیں، ہماری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہیں۔“

”بکواس نہیں کرو۔“

”اب میری ہر بات بکواس ہی لگے گی نا، مگر میں بکواس نہیں کر رہی اجد! آپ نے میرے جذبات کو بری طرح ٹھیس پہنچائی ہے، مجھے زندگی کبھی اچھی نہیں لگی، سسکتی ہوئی زندگی، آپ سے ملنے کے بعد جانا زندگی کتنی حسین ہے، جینے کی تمنا کرنے لگی تھی میں، اور آج آپ نے ساری تمناؤں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، میری موت کے بعد تو آپ بھی سکون سے نہیں جی سکیں گے۔“

”شٹ اپ، اب ایک لفظ اور کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا، اسٹاپ پراؤ، میں تمہیں پک کر لوں گا۔“ وہ اٹھتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

”مگر میں۔۔۔!“

”کہاناں۔۔۔ کچھ مت بولو۔“ گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اُسے ڈپٹا تھا۔

”میں نہیں آؤں گی۔“ وہ چیختی تھی۔

”میں پہنچ کر تمہیں میج کر دوں گا، اور تم 5 منٹ میں نہیں آئیں تو میں تمہارے گھر آ جاؤں گا۔“ پارکنگ کی طرف

جاتے ہوئے دھیس لہجے میں کہا تھا۔

”آپ اب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“ وہ دھیمی پڑ گئی تھی۔

”3 ڈونٹس گا۔“ یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اس کے آفس سے کیسری کے گھر تک کا راستہ تقریباً 45 منٹ کا تھا مگر وہ جس 25 منٹ میں ریش ڈرائیونگ کرتا وہاں پہنچا تھا، میج کرنے کے 10 منٹ بعد وہ ایک تنگ، پتلی سی گلی سے آتی دکھائی دی تھی، اور اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

”آپ کو جو بات کرنی ہے یہیں۔۔۔“

”خاموشی سے بیٹھتی ہو یا چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کروں؟“ اجد نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تھا، تلکے کاٹن کے پرنٹ سوٹ میں بڑی سی سیاہ چادر میں وہ خود کو لپیٹے اور اُسی کا حصار چہرے پر کیے بھیگی آنکھوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور اُس نے فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی وہاں سے بڑی تیزی سے نکالی تھی۔

☆.....☆.....☆

”بھابی بیگم! آپ بات کر لیں بھائی صاحب سے، پھر وہ جیسا کہیں گے میں مہوش سے کہہ دوں گی۔“
”وہ سب تو ٹھیک ہے فریڈ! مگر مجھے نہیں لگتا کہ نوید راضی ہوں گے، 15، 20 دن میں شادی کرنا آسان نہیں ہے۔“ وہ گولگولی کیفیت میں بولی تھیں۔

”بھابی بیگم! تیار یاں تو 20 دن میں بھی ہو سکتی ہیں، اور فضیل دیکھا بھالا لڑکا ہے، فیملی کو ہم اچھے سے جانتے ہیں اور مہوش کو بھیجی وغیرہ نہیں چاہیے۔“

”لیکن فریڈ! ہم بنی کو خالی ہاتھ رخصت تو نہیں کر سکتے۔“

”لیکن جھیز لینے سے مہوش اور فیاض بھائی دونوں نے ہی سختی سے منع کر دیا ہے، وہ کہہ رہے تھے شادی 20 دن میں ہو یا 20 ماہ بعد، وہ جھیز نہیں لیں گے، خدا کا دیا اُن کے پاس سب کچھ ہے وہ صرف زمین کو رخصت کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔“

”یہ باتیں فون پر کرنے کی نہیں ہیں، گھر آؤ گی تو بات کریں گے، ہم اپنی لڑکی کو خالی ہاتھ تو کبھی رخصت نہیں کریں گے، یہ بات مہوش کے کان میں ڈال دینا۔“

”مہوش سے میری تفصیل سے بات ہو چکی ہے، وہ جھیز لینے سے منع کر رہی ہے مگر اُس نے کہا ہے کہ آپ زمین کو جو دینا چاہیں دے سکتی ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟“

”اُسے بھابی بیگم! صاف بات تو ہے، گھر کے ساز و سامان یعنی فرنیچر، ٹی وی، فرنیچر وغیرہ جیسی چیزوں سے ہٹ کر آپ زمین کو زیور، کپڑے جو چاہیں دیں، وہ لوگ زمین کو کچھ دینے سے منع نہیں کر رہے اور جب ان کے گھر میں یہ ساز و سامان پہلے سے موجود ہے تو وہ نہیں لینا چاہ رہے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے، آپ یہ سب بھابی صاحب کو بتا کر کوئی فیصلہ کر لیں، میں رات کو یا پھر کل فون کروں گی۔“ ارحم کو تو آتے دیکھ انہوں نے کہا تھا اور فون رکھ کر اس تک بھی آئی تھیں۔

”السلام علیکم! امما!“

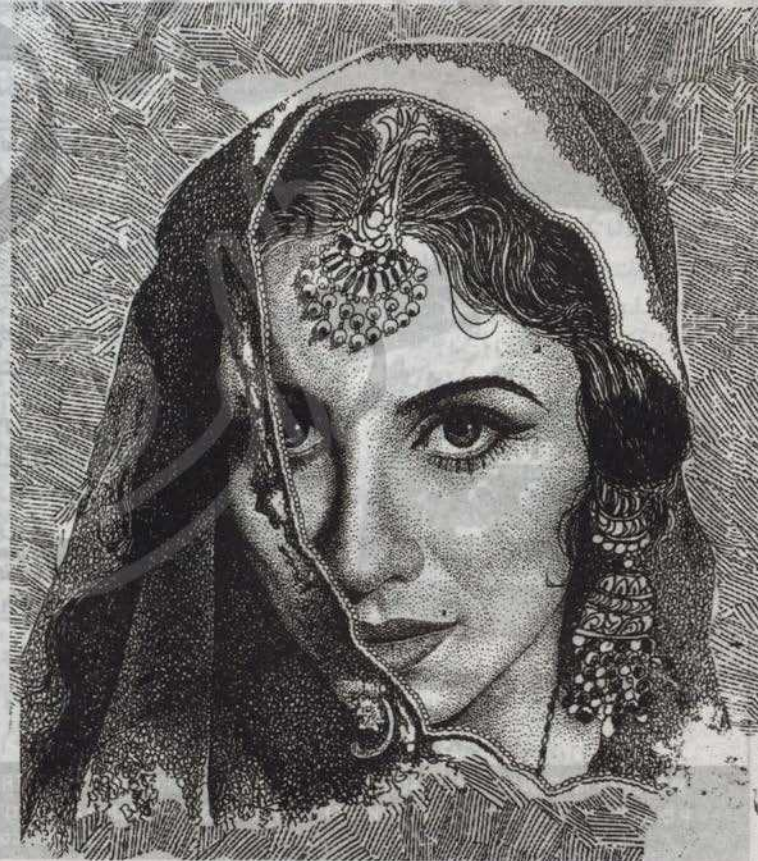
☆.....☆.....☆

(جاری ہے)

میر قبا کھنڈے لگی جانا

”علیکم السلام بیٹا! جیتے رہو، آج اٹھنے میں بہت دیر کر دی؟“ اس کے ذرا سا جھکنے پر انہوں نے بیٹے کے سر پر ہاتھ

رکھا تھا۔



”بس ماما! آج مجھے کچھ لیٹ جانا تھا، ناشتے میں کیا ہے؟ سخت بھوک لگ رہی ہے۔“ وہ سیدھا ہوتا ہوا سکرایا تھا، وہ صبح جلدی اٹھنے کا عادی تھا، مگر پچھلے 2 ماہ سے اس کی روٹین اتنی لغت ہو گئی تھی کہ حد نہیں، رات دیر تک سونا اور صبح جلدی اٹھنا، آج موقع ملا تھا تو وہ دن چڑھے تک سوتا رہا تھا، اُسے ایک کیس کے سلسلے میں 2 بجے تک پولیس اسٹیشن پہنچنا تھا، اس لیے اس نے ساڑھے 12 کا الارم لگایا تھا تاکہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام سے وہاں پہنچ جائے۔

”مائدہ بیٹا! پہلے بھائی کے لیے ناشتہ بنادو، دوپہر کے کھانے کی تیاری بعد میں کر لیتا۔“ انہوں نے مائدہ کو بلا کر کہا تھا اور وہ دونوں ڈائننگ ہال میں ہی بیٹھ گئے تھے، مائدہ نے پہلے اس کے لیے چائے بنائی تھی اور اسے دے کر وہ پراٹھا بنانے لگی تھی، کیونکہ گرم سلاکس اور پاپے وغیرہ نہیں کھاتا تھا۔

”اگر تم! تمہیں جیسے فراغت ملے اپنے ماموں کے گھر کا چکر ضرور لگا لیتا۔“

”آج تو ممکن نہیں ہے، کل کوشش کروں گا، ویسے کیا کوئی خاص بات ہے؟“

”ہاں جاصل بات تو ہے، پچھلے کچھ ہفتوں سے تم اتنے مصروف رہے کہ میں تمہیں کچھ بتانی نہیں سکی اور جو کچھ بھی ہوا



بہت جلدی میں ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ فریدہ اس کو اب کیا بتانے لگی ہیں، مگر اس نے ظاہر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ماں کو ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

”فیصل کا زمین کے لیے مہوشی نے رشتہ ڈالا تھا، فیصل گھر کا ہی دیکھا بھالا بچہ ہے، بھائی صاحب نے فضول کے جھنجھوٹوں میں پڑنے سے بہتر مثبت جواب دے دیا۔“

”یہ تو اچھی بات ہے ماما! اور یہ بھی فیصل، زمین کو پسند کرتا ہے، اچھا ہی ہے دونوں کی شادی ہو جائے۔“

”تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں بتایا کہ فیصل، زمین کو پسند کرتا ہے، تو تم نے اسی لیے زمین سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا؟“

”ماما! مجھے لگتا تو تھا کہ فیصل انٹرنلڈ ہے زمین میں اور میں نے کبھی زمین کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا، اس لیے منع کیا تھا، فیصل کا ذکر میں نے اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ فیصل اپنے دل میں زمین کے لیے سو فٹ کا رنر رکھتا ہے تو خود ظاہر کرے، خیر! ان باتوں کو رہنے ہی دیتے تھے اور یہ بتائے کہ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟“

”مہوش کے بھائی کی طبیعت خراب ہے، انہیں بلڈ پریشر ہے، اس لیے وہ لوگ اسی ماہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”رات کو ہی تو میری فیصل سے بات ہوئی ہے، وہ تو 3 ماہ بعد شادی کا کہہ رہا تھا۔“ اتنی جلدی کا سن کر وہ بے حد حیران ہوا تھا۔

”مہوش چاہ رہی ہے کہ دونوں بیٹوں کی شادی ساتھ ہی کر دے، کیونکہ فیاض بھائی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی اور جب فیصل کی ہوی رہی ہے تو فیصل کی بھی ساتھ ہی ہو جائے اور یہ بھی فیاض بھائی سادگی کو پسند کرتے ہیں، شادی ابھی ہوگئی یا سال بعد، ہوگی تو سادگی سے ہی، کیونکہ فیاض بھائی مہندی وغیرہ جیسی رسموں کے سخت خلاف ہیں، اس لیے میں نے بھائی بیگم سے بات تو کی ہے، دیکھو بھائی صاحب کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔“

”اور آپ نے مامہ کی اور راحم کی شادی کب تک کرنے کا سوچا ہے؟“ مامہ ابھی اس کا ناشتر رکھنے آئی تھی تو اسے خیال آیا تھا اور اس کے جاتے ہی اُس نے پوچھا تھا۔

”ممکنہ کے وقت تو یہی طے ہوا تھا کہ سال، چھ مہینے میں مامہ اور احمد کی شادی ہوگی، اور راحم و شازمین کی زمین کے ساتھ ہوگی، زمین کی ابھی شادی ہو جاتی ہے تو 6، 7 ماہ بعد ان بچوں کی بھی شادی کر دیں گے، تم اپنی بتاؤ، تمہارا اپنا کب تک شادی کرنے کا ارادہ ہے؟“ وہ بیٹے کے لیے گلاس میں جوس نکالتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھیں، وہ جو ناشتر کرتے ہوئے غور سے انہیں سن رہا تھا، محض منکر ادا تھا۔

”ماما! صرف 4 سال دے دیں، 4 سال بعد جس سے کہیں گی، شادی کر لوں گا۔“

”راحم 4 سال بہت ہوتے ہیں، 6، 7 ماہ میں راحم کی شادی کر دی تو اس کے بچے جب تک کتنے بڑے ہو جائیں گے۔“

”اچھا ہے ماما! راحم کی شادی کر کے بھولانے کا خواب پورا کریں اور اُس کے بچوں کو کھلا کر دادی بننے کا۔“

”اور تمہیں یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟“ وہ خفا ہوئی تھیں۔

”ماما! مجبوری ہے ناں، سمجھا کریں۔“

”کیا سمجھوں؟ 4 سال بعد پتہ ہے کتنے برس کے ہو جاؤ گے؟ پورے 32 کے۔ اور بڑھے کو لڑکی کون دے گا؟“ ان کی ناراضی بہت جلدی جارہی تھی۔

”ماما! 32 سال کی عمر میں کوئی بڑھا نہیں ہو جاتا، اور میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ 4 سال بعد ہی شادی کر دوں گا، میں تو

بس ماما! مانگ رہا ہوں، لیٹ ہو جاؤں گا تو شادی کر لوں گا، ابھی آپ خود بتائیں، کتنے کتنے دن میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ بیٹھ پاتا، میرے کھانے کی، آنے جانے کی بھی کوئی ممانعت نہیں ہے، میری بیوی لے آئیں گی تو میری اس ٹھٹھٹ لائف سے وہ بے چاری کیسے کپڑا ماز کرے گی؟ مجھے ابھی سیٹ ہو جانے دیجئے، پھر کر لوں گا شادی۔“ اُس نے نرمی سے کہتے ہوئے آنکھوں سے ماما کے کاندھے پر دباؤ ڈالا تھا۔

”یہی بات ہے یا کسی لڑکی کا چکر ہے؟“

”خدا کو ماما! ایسی کوئی بات نہیں ہے، باخدا کوئی لڑکی دل و نگاہ کو اچھی لگی تو ضرور بتاؤں گا، ورنہ آپ کی پسند کی لڑکی سے شادی کر لوں گا، ابھی آپ مامہ اور راحم کی شادی کی تیاریاں کریں اور مجھے اجازت دیں، مجھے 2 بجے لازمی پہنچنا ہے اور ابھی مجھے تیار بھی ہونا ہے، ویسے یہ بابا کہاں ہیں؟ دکھائی نہیں دیئے۔“ نکلنے ہوئے خیال آیا تو پوچھا تھا۔

”اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہوئے ہیں، تم جانے کی تیاری کرو جا کر، اور پلیز یادے ماموں کے ہاں چکر لگالینا، بھائی صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔“ بیٹے کو ہدایت کی گئی۔

”اوکے ماما! انٹیم نہیں نکال سکا تو فون پر ان سے بات کر لوں گا۔“ وہ کہتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

”مامہ بیٹا! یہ برتن اٹھا لو، میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام کروں گی۔“

”ماما! کھانا نہیں کھائیں گی؟“

”ڈھائی بجے تک راحم نے آنے کا کہا تھا، ساتھ ہی کھالوں گی، تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لینا، صحت کا خیال رکھا کرو بیٹا!“۔ وہ اس کا گال تھپتھا کر بہت پیار سے کہتی اپنے روم میں آ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟“ وہ ماما ایک ہی ریستورنٹ میں جاتے تھے، اس لیے وہ راستہ دیکھ کر بولی۔

”غواہ کر کے لے جا رہا ہوں۔“ وہ بڑے اطمینان سے بولا تھا اور اس کی سٹی کم ہو گئی تھی۔

”آپ.... آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟“

”ہوں.... تم میری محبت میں جان دے سکتی ہو، تو کیا تمہاری محبت میں، میں اتنا سا بھی نہیں کر سکتا؟“ مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے حواس باختہ آنسوؤں سے تر چہرے پر نظر ڈالی تھی، مستقل رونے سے آنکھیں سوجی ہوئی اور ناک سرخ ہو گئی تھی جبکہ آنکھوں کا کاجل بھی پھیل گیا تھا۔

”آپ مجھ سے محبت ہی کب کرتے ہیں؟“

”محبت نہیں کرتا، اسی لیے تو غواہ کر کے لے جا رہا ہوں۔“ اس کے ہونیاں اڑاتے چہرے کو دیکھ کر اسے مذاق سوچھا تھا جبکہ وہ اس کے مذاق کو سمجھ ہی نہیں تھی۔

”میں محبت میں جان تو قربان کر سکتی ہوں احمد! مگر عزت نہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک اٹھی تھی اور وہ تو پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے فرسٹریشن میں ایسی بات کر دی تھی کہ وہ اسے غواہ کر کے لے جا رہا ہے مگر وہ تو سیریس ہو گئی تھی۔

”میری! پلیز چپ کر جاؤ، تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں، میں تمہارے بارے میں ایسا ویسا سوچ بھی نہیں سکتا، اگر تمہیں لگتا ہے کہ میری نیت میں فوری ہے، تو میں تمہیں ایک لمحہ ضائع کیے بنا تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔“ اُسے چپ ہونے نہ دیکھ کر اس نے گاڑی بیک کرنا چاہی تھی کہ وہ اسٹیزنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔

”میں نے تمہی آپ کو کیا آپ کی محبت کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا، پہلے آپ نے کہا کہ مجھ سے محبت نہیں فلرٹ کر

ہے تھے، بعد میں کہا کہ انشاء کر کے لے جا رہے ہیں، میں آپ کو کیا سمجھوں؟ آپ کا کون سا روپ سچا سمجھوں! احمد! وہ روپ جب آپ نے محبت کا اقرار کر کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں، مجھے اپنا بنالینے کے وعدے کیے تھے، یا اس روپ کو حقیقت سمجھوں جو مجھ سے میری محبت چھین لینا چاہتا ہے۔ وہ چنگیوں کے درمیان لرزے لگنے میں کہہ رہی تھی۔

”تم پلیرز چپ کر جاؤ، میں تمہیں سب بتا دیتا ہوں، تم رونا تو بند کرو۔ اس کا رونا احمد کو ایری ٹیٹ کر رہا تھا۔“
”آپ مجھ سے محبت تو کرتے ہیں نا احمد!“ وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے بڑی آس سے پوچھ رہی تھی، اس کے اس طرح پوچھنے میں کتنی بے چینی اور کرب چھپا تھا، اس نے شدت سے محسوس کیا تھا۔
”فون پر آپ نے جو کچھ کہا۔۔۔“

”وہ سب جھوٹ، بکواس تھی یسری! میں تم سے فلرٹ نہیں کر رہا، ڈیم اٹ! تم سے پیار کرتا ہوں، خود سے زیادہ تمہیں پیانا ہوں۔“

”پھر ان سب باتوں کا کیا مطلب تھا، آپ نے مجھ سے وہ سب کیوں کہا؟ اب یہ مت کہیے گا کہ میں مذاق کر رہا تھا، تمہیں آزما رہا تھا۔“ یسری نے ہاتھ کی پشت سے آنسو گڑے ہوئے اُسے جھوٹ نہ بولنے کی تنبیہ کی تھی۔

”میں نے وہ سب مذاق میں نہیں حقیقت میں کہا تھا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس شخص سے شادی کرو جس سے نہارے گھر والے کرنا چاہتے ہیں۔“ احمد نے اس کے متورم چہرے سے نگاہ ہٹائی تھی، اس لڑکی کو وہ بہت چاہتا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا نہیں چاہتا تھا، مگر آج خود ہی اُسے رلا رہا تھا۔

”آپ اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں، میں ایسا کبھی نہیں کروں گی، محبت کسی سے اور شادی کسی اور سے۔۔۔ جس سے محبت کی ہے اسی سے شادی کروں گی۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی کہ اُس نے ٹوک دیا تھا۔
”مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔“

”3 سال بعد آپ کو خیال آ رہا ہے کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟“
”میں بہت مجبور ہوں یسری! تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”مگر اپنانے کا حوصلہ نہیں ہے، بزدلوں کے منہ سے محبت کے قصے اچھے نہیں لگتے احمد! اور ایسی کیا مجبوری ہے آپ کی کہ آپ محبت کا دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر اسی محبت کو اپنا نہیں سکتے؟“

”میں تم سے محبت کا محض دعویٰ نہیں کرتا، محبت کرتا ہوں تم سے، مگر کیا کروں یسری! میری منگنی ہو گئی ہے اور میں کچھ نہیں کر سکا کیونکہ۔۔۔“ وہ شگستگی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا کہ وہ جو اس کے انکشاف پر لمحہ بھر کو سکت ہوئی تھی، جیت اٹھی تھی۔

”یہ ہے آپ کی محبت احمد! کہ آپ نے کسی اور سے منگنی کر لی؟“ وہ شکستہ لگا ہوں سے بے بسی کی تصویر بنے احمد کو دیکھ رہی تھی۔

”آپ کہتے ہیں آپ کچھ نہیں کر سکے، منگنی کر لی، شادی کر لیتے تب کہتے کہ آپ نے کچھ کیا ہے۔“ وہ تو اس کے انکشاف پر دہل کر رہ گئی تھی۔

”مجھے منگنی سے محض 3 دن پہلے ہی پتہ چلا تھا یسری! کہ میری منگنی ہو رہی ہے۔“ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اُسے کیسے سمجھائے۔

”منگنی ہو رہی نہیں تھی ہو گئی، مجھے 3 سال تک لڑکا کر رکھا، میں نے اپنے لیے آنے والے ہر رشتے کو ٹھکرایا صرف آپ کی خاطر، خالہ جان کے طعنے سنے کہ مجھے ان کے ٹکڑوں پر پلنے کی عادت ہو گئی ہے، خالہ کے بیٹے کو ماوس کیا آپ کی خاطر،

اور آپ نے منگنی کر لی۔۔۔ جب میں اتنی کھٹنیاں آپ کی محبت میں برداشت کر سکتی ہوں تو آپ اپنی منگنی ہونے سے نہیں روک سکتے تھے؟ روکنا چاہتے تو روکتے، مجھے اور میری محبت کو وقت گزاری ہی تو سمجھا تھا آپ نے، تو پھر کیا ضرورت پڑی تھی جو آپ میری خاطر اسٹینڈ لیتے۔“

”یسری! میری منگنی پھسچو کی بیٹی سے ہوئی ہے، میں نے ابو سے بات کرنا چاہی تھی، مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، وہ بہن کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے یہ منگنی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر تعلق ختم کر لیں گے، بات اتنی سی بھی ہوتی تو میں منگنی نہیں کرتا، مگر ابو نے اپنی جان لینے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہو گیا، یقین کرو میرا یسری! میں تمہیں بہت چاہتا ہوں، میں نے جو کچھ کیا مجبوری میں کیا۔“

”اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“
”میں تمہارا مجرم ہوں یسری! جو چاہے سزا دے دو مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں نے تم سے محبت کی ہے، مگر شاید ہماری محبت کے نقیب میں وصل نہیں، بھر لکھا گیا ہے، میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم جہاں رہو خوش رہو، میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی، مجھے معاف بھلے مت کرنا، مگر زندگی کے سفر میں کسی کی ہمراہی میں آگے بڑھ جانا، خواہش تو بہت تھی کہ تمہارا ہمسفر بنوں، مگر یہ خواہش۔۔۔ خواہش ہی رہ گئی۔“

”آپ کسی کا بھی ہاتھ تمام کر زندگی گزار سکتے ہیں، مگر میں اتنی باہمت نہیں ہوں، مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا، میری جان مانگیں گے تو ہنتے ہنتے آپ کے قدموں میں جان دے دوں گی، مگر جو آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں، وہ میری زندگی سے بڑھ کر ہے، جبر زدہ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے میں اپنی جان دے دوں۔“ وہ ایک دم ہی ٹکھری تھی، اُس کی شرٹ کا کالر تختی سے ٹکھی میں دوپچے آنسو بھری آنکھوں سے اس کا مقفل چہرہ تک رہی تھی۔

”یسری! ایسی باتیں مت کرو۔“
”مجھے موت کا سند بے در سے کر آپ کہتے ہیں میں زندگی کے گیت گاؤں، تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ وہ تڑپ رہی تھی اور تڑپ تو وہ بھی رہا تھا، مگر حوصلہ کیے بیٹھا تھا کہ اگر اُس نے بھی باہمت ہار دی تو وہ مزید بکھر جائے گی اور وہ اُسے ٹکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

”زندگی میں انسان کو سب ہی کچھ نہیں مل جاتا اور تمہارے جینے کے لیے یہ احساس کافی نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟“ اُس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اونچا کیا تھا۔

”نہیں، احمد! میں کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتی، محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے۔۔۔ مجھے کیوں اذیت دے رہے ہیں؟ ایک دفعہ اپنے گھر والوں سے بات تو کر کے دیکھیں، بابائیں مان رہے تو ماما سے بات کریں، میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی۔“ وہ اُس کے کاندھے پر سر رکھ گئی تھی اور اُس کا شانہ اُس کے آنسوؤں سے بھیگنے لگا تھا۔

”تم سمجھ نہیں رہیں یسری! میری کوئی بھی کوشش محبت سے بندھے رشتوں میں بے رخی کی گانٹھ باندھ دے گی، مانندہ میری پھسچو کی بیٹی ہے اور مانندہ سے جڑا رشتہ توڑا تو کتنے ہی رشتے ٹکھڑ جائیں گے، بہن بھائی جدا ہو جائیں گے اور میری بہن۔۔۔ اُس کا رشتہ ٹوٹ جائے گا وہ راقم سے بہت محبت کرتی ہے اور میری وجہ سے وہ کیوں جدائی کا درد سہے؟ میں انہوں کو دکھ نہیں دے سکتا۔“ اُس نے بے بسی سے اُسے خود سے دور کیا تھا اور گاڑی اشارت کرنے لگا تھا۔

”آپ کو سب کی پرواہ ہے، پرواہ نہیں ہے تو صرف میری، کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتے اور میری پوری حیات دکھوں کے حوالے کر رہے ہیں، سب کو جدا ہونے سے بچا رہے ہیں اور مجھے جدائی کا پروانہ دے رہے ہیں، یہی ہے آپ کی محبت۔“

وہ اُس سے برگشتہ ہو رہی تھی۔

تھا۔

”یہ سرائی کیا کیا تم نے، پاگل لڑکی!“ اس کے سر سے خون نکل رہا تھا اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتے ہوئے اُس کا سراپے زانوں پر رکھے بے تابی سے بولا تھا۔

”آئی تو اُچھا! آ نکھیں بند ہونے سے پہلے وہ اتنا ہی بولی تھی اور وہ اُسے اُٹھائے تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی تک پہنچا تھا۔ اُسے بیک سیٹ پر احتیاط سے لٹایا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور وہ بڑی ریش ڈرائیونگ کرتا اُسے ہاسپٹل لے کر آیا تھا، مگر ڈاکٹر نے پوپلیس کیس کہہ کر علاج کرنے سے انکار کر دیا تھا، اُسے فوراً ہی ارحم کا خیال آیا تھا تو وہ ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”ارحم! میں اجد بات کر رہا ہوں۔“

”اجد! سب خیریت تو ہے، تم بہت پریشان لگ رہے ہو؟“

”ارحم! مجھے تمہاری ویلپ کی ضرورت ہے۔“

”بات کیا ہے؟“

”ایک لڑکی کا ایکسٹنٹ ہو گیا ہے۔“

”تم پریشان نہ ہو، میں آ رہا ہوں۔“

”اوکے، ارحم! بٹ تم ڈاکٹر سے بات کرو، تاکہ وہ کم از کم لڑکی کا علاج تو شروع کریں، اگر اُس کی جان چلی گئی تو۔۔۔“ یہ تقریبی اُسے ہوا لگایا تھا۔

”یو ڈونٹ وری اجد! کچھ نہیں ہوگا۔“ ارحم نے ڈاکٹر سے بات کر کے لائن کٹ کر دی تھی اور اجد i.c.u کے باہر کھڑا اُس کی زندگی کی دعا کر رہا تھا جو اس کی محبت میں جان قربان کرنے چلی تھی۔

”صرف ایک دفعہ ہوش میں آ جاؤ سرائی! تمہاری خاطر میں ساری دنیا سے لا جاؤں گا، تمہیں کچھ ہو گیا تو شاید میں بھی مر جاؤں۔“ وہ i.c.u کے باہر کھڑا اندر مٹینوں میں جکڑے وجود پر نگاہ جمائے خود سے بولا تھا اور جیسی کسی نے اُس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھا تھا، اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ارحم تھا۔

”ارحم پلیز! اس وقت کوئی سوال مت کرو، میں کچھ نہیں بتا پاؤں گا۔“

”ریلیکس اجد! پریشان نہ ہو، اُس لڑکی کی حالت کیسی ہے؟ کیا وہ بہت زیادہ انجڑ ہے؟“ اس کی پریشان صورت دیکھ کر پوچھا تھا۔

”اُس کا سر اور بیک بہت بُری طرح متاثر ہوئے ہیں، اُس کی ریڑھ کی ہڈی ڈنچ ہو گئی ہے، شاید ہو سکتا ہے۔۔۔ اللہ نہ کرے۔“ وہ اُسے کچھ بتائیں۔ رکھا جبکہ وہ از حد متحیر ہو گیا تھا، اجد کا بُری طرح کانپتا ہوا لہجہ، آنکھوں میں چمکتے آنسو، چہرے پر لکھے دکھ سے۔

”کیا اجد! اُس لڑکی کو جانتا ہے؟ اور اسی لیے وہ اُس کے لیے اتنا متشکر ہے؟“ اُسے خیال آیا تھا جسے وہ زبان پر بھی لے آیا تھا۔

”اجد! کیا تم اُس لڑکی کو جانتے ہو؟“

”ارحم! اُس کی حالت کا ذمہ دار صرف میں ہوں، میری وجہ سے وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اب شاید کبھی چل نہ سکے، اور تم۔۔۔“ وہ خود چاہ کر بھی سنبھال نہیں پارہا تھا۔

”حوصلہ رکھو اجد! اُس لڑکی کو اللہ کچھ نہیں ہوگا، اور یہ بتاؤ تم نے اُس لڑکی کے گھر والوں سے رابطہ کیا؟“

”اتنے لوگوں کی زندگی برباد ہونے سے بہتر ہے کہ ہم دونوں کے دل آڑ جا سیں، زندہ رہنے کے لیے سانسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم بھی جی لیس گے، ابھی تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو میرا فیصلہ اتنا بُرا نہیں لگے گا۔“ اسے دیکھے بغیر اس نے گاڑی اشارت کر دی تھی اور ہلکی رفتار سے اُس نے گاڑی بیک کی تھی اور ماربل رفتار سے گاڑی یہ سرائی کے گھر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

”میں جذباتی ہو کر سوچ رہی ہوں، تو ایسا ہی ہے اور میری جذباتیت ابھی آپ نے دیکھی نہیں ہے اجد! اب بتاؤں گی کہ میری جذباتیت اور شہرت پسندی کی حد کیا ہے، آپ کسی سے بھی شادی کریں، مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔“

”پاگل مت بنو سرائی! تمہیں میری قسم ہے، خدا را! خود کو نقصان مت پہنچاتا۔“

”آپ اپنی راہیں الگ کر چکے ہیں، اپنے لیے جیون ساتھی بھی منتخب کر چکے ہیں تو میری فکر اب کم از کم آپ کو نہیں کرنی چاہیئے، میں جیون یا مروں آپ کی بلائے۔“ وہ روتے ہوئے اُس کی گاڑی سے اتر گئی تھی اور وہ اُسے روک بھی نہیں سکا تھا، یہ سرائی نے بہت تیز آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا، وہ اُس کے گلی میں جانے کا منتظر تھا، مگر وہ کچھ دور جا کر اسٹاپ پر کھڑی ہو گئی تھی اور وہ پریشانی سے اُس تک آیا تھا۔

”یہ سرائی! گھر جاؤ، یہ جگہ کافی سنان ہے۔“ دو پہر کا وقت تھا، اسٹاپ پر کوئی نہیں تھا، گاڑیاں بھی بڑی تیزی سے اُکا ڈکا ہی گزر رہی تھیں۔

”آپ جائیے۔“ اُس کی آواز مستقل رونے سے کافی بھاری ہو گئی تھی۔

”میں چلا جاؤں گا، لیکن پہلے تم جاؤ، میں یہ اطمینان کیے بغیر نہیں جاؤں گا کہ تم خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئی ہو۔“ وہ قطعیت سے بولا تھا۔

”میں پہلے کیوں جاؤں؟ آپ جاؤ، میں آپ کو نہیں چھوڑ رہی، چھوڑ آپ رہے ہیں، اس لیے میں آپ کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔“ وہ جذباتی لہجے میں بولی تھی۔

”بے وفائی کی باتیں مت کرو۔“ وہ قدرے چوسا گیا تھا۔

”پلیز اجد! مجھے جانے کو مت کہیں، پر اس۔۔۔ آپ کی گاڑی نگاہوں سے جیسے ہی اوٹھل ہوگی میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔“ وہ ہلاکت سے بولی تھی۔

”لیکین۔۔۔“

”لیکین، لیکن کچھ نہیں، آپ چلے جائیں، میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، آپ سے پہلے میں گئی تو میری آنکھوں میں انتظار بس جائے گا، دل خوش نہیں پال لے گا کہ شاید آپ لوٹ کر آ جاؤ اور آپ نے تو کہا ہے ہم زندگی میں آگے بڑھ جائیں اور اب خود ہی مجھے انتظار سونپنا چاہتے ہیں، کیوں آپ میری زندگی کو مذاق بنادینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف تو کہتے ہیں میں آپ کو بھلا دوں اور دوسری طرف مجھے الوداع کہتے نہیں دیتے، جائیے اجد! چلے جائیے، ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ کر بہت دور چلے جائیں۔“ اس نے اس کے بازو پر دائیں ہاتھ رکھ کر سادیا تھا اور وہ اُسے دیکھتا گاڑی میں آ بیٹھا تھا، اسٹیرنگ پر سر رکھ کر اُس نے اب تک روکے ہوئے آنسو بہاتے تھے اور جیسے ہی یہ خیال آیا تھا کہ وہ اس کے جانے کی منتظر ہے اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی اشارت کی تھی اور آنکھوں پر آنسوؤں کی دھند سی تھی اور اُس نے آگے پیچھے بھی نہیں دیکھا تھا، اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ سرائی سائڈ سے نکل کر سڑک کے بیچ آ کھڑی ہوئی ہے اور جیسے ہی اُس نے اندھا دھند گاڑی آگے بڑھائی تھی وہ یہ سرائی کو دور آجھائی کافی آگے بڑھ گئی تھی، اُس کے حواس بیدار ہوئے تھے، اُس نے گاڑی کو بریک لگاتے تھے، تیزی سے ڈرائیونگ ڈور کھولتا ہوا وہ باہر نکلا تھا اور بھاگتا ہوا اُس تک پہنچا

”نہیں، کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے اس کے گھر والوں کا پتہ چلتا۔“ اسی وقت i.c.u کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دونوں ڈاکٹر تک چلے آئے تھے۔

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے مریض کو انڈر آبزرویشن رکھا گیا ہے، 24 گھنٹوں میں ہوش آگیا تو ٹھیک ورنہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، بس آپ دعا کریں۔“

”اجدا! تم گھر چلے جاؤ، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک....“

”میں ٹھیک ہوں۔“

”یہ حادثہ ہوا کس جگہ پر تھا، تاکہ لڑکی کے گھر والوں کو تو کم از کم انفارم کر دیں، وہ ضرور پریشان ہو رہے ہوں گے۔“

اُس نے جگہ بتادی تھی کیونکہ گھر کا ایڈریس تو خود اُسے بھی معلوم نہیں تھا، ارحم نے کچھ سوچتے ہوئے کسی کو فون ملایا تھا اور اُس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

”نوید! میرا خیال ہے میں مہوش کواں کہہ دینی چاہیے۔“

”لیکن راشدہ! اتنے کم وقت میں ساری تیاریاں کیسے ہوں گی؟“

”آپا بیگم! مجھے لگتا ہے زمین بیٹی کی بھی رائے پوچھ لینی چاہیے، آنا فائنا رشتہ طے ہو گیا اور اب شادی۔“

”ہمیں زمین پر پورا اعتماد ہے، ہماری بیٹی کبھی ہماری بات نہیں ٹالے گی اور ہم اُس کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ کسی کام سے وہاں آئی زمین آواز پر ٹھٹھک کر وہیں رُک گئی تھی۔

”اور ہم نے تفصیل کا رشتہ بہت سوچ سمجھ کر منظور کیا ہے، ہماری بیٹی کے لیے وہ ایک آئیڈیل شخص ہے اور زمین اُس کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔“ زمین جو اس سب قصے کو لے کر پریشان تھی، جس وقت اُسے راشدہ نے بتایا تھا کہ مہوش اُس کا ہاتھ فیصل کے لیے مانگنے آ رہی ہیں اور اُن کو مثبت جواب ہی دیا جائے گا تو اُس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے، وہ ماں سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہ نہیں سکی اور اُس کی سونی کلاٹیاں بھاری نکلنوں سے سج گئیں اور آج باپ کا ماں بھرا لہجہ، وہ اپنے آنسو صاف کرتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

”آپ دیکھ لیں راشدہ! اگر آپ اتنی جلدی سب کچھ سمجھ کر سکتی ہیں تو مہوش کو جو وہ کہیں تاریخ دے دیں، لیکن کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہیے، ہم اپنی بیٹی کو وہ سب دیں گے جو اُس کا حق ہے۔“

”لیکن اُن لوگوں نے جہیز لینے سے سختی سے انکار کر دیا ہے۔“

”ٹھیک ہے، سوچ کر آپ مجھے بتا دیجئے گا، فریڈہ کو بھی بلا لیں اور آپ خواتین مل کر فیصلہ کر لیں، پھر اُسی کے تحت مجھے جو کرنا ہو گا وہ کر لوں گا اور آپ پہلے زمین سے ضرور پوچھ لیں، اگر وہ وقت چاہیں تو ان کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔“ انہوں نے فیصلے کی دُور اُن خواتین کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

”جنہیں کہاں ہیں، انہوں نے کھانا کھایا کہ نہیں؟“

”نہیں، کمرہ بند کیے پڑی ہے اور اُسی وقت باہر نکلے گی جب اُسے آفس جانے کی اجازت ملے گی، نہ جانے کہاں سے خناس سا گیا ہے اُس کے دماغ میں۔“ ساجدہ تو اُسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں، مگر وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ تھی اور وہ اُسے سخت ست سنا تیں اُس کے کمرے سے نکل آئی تھیں، اور وہ جب سے ہی لاک لگائے بیٹھی تھی۔

”اجدا کہاں ہے، دو پہر میں گھر آیا تھا؟“

”نہیں، وہ جو صبح سے نکلا تو ابھی تک نہیں آیا، کیا آفس نہیں گیا؟“

”آفس آیا تو تھا مگر 12، 1 بجے کے قریب وہاں سے نکل گیا تھا، جبکہ 2 بجے اس کی ایک اہم میٹنگ بھی تھی، میں نے اُس سے رابطہ یہ سوچ کر نہیں کیا کہ وہ اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے کچھ سوچ کر ہی میٹنگ کینسل کی ہوگی، اور اب تو 8 بجتے والے ہیں، اب تک تو اُسے آ جانا چاہیے تھا۔“ وہ اجدا کا نمبر ملانے لگے تھے، لائن کاٹ دی گئی تھی اور تقریباً 10 منٹ بعد وہ گھر میں داخل ہوا تھا اور سلامتی بھیجنا تھکے تھکے انداز میں وہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”اجدا! سب خیریت تو ہے بیٹا؟“

”جی ائی! بس کچھ تھک گیا ہوں، یہ زمین کہاں ہے؟ اُس سے کہہ کر ایک کپ چائے بنوادیں، سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ ارحم نے اُس سے کہا تھا کہ وہ خود سب کچھ ہینڈل کر لے گا، اس لیے وہ گھر میں کچھ نہ بتائے، ایک گھنٹہ قبل ہی اُسے ہوش آگیا تھا، مگر ڈاکٹر زابھی بھی پُر امید نہیں تھے، ارحم نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے یسرنی کے گھر والوں کا پتہ چلا لیا تھا، کیونکہ ایڈیٹریل جگہ تو اجدا اُسے بتا ہی چکا تھا اس لیے زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی، یسرنی کی خالہ اور ان کا بیٹا ہاں آتے تو گئے تھے مگر ان کے چہروں سے پریشانی نہیں ٹپک رہی تھی، اُن کے چہروں سے ملاٹنے کی امید ٹپک رہی تھی، اور خالہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بہت غریب ہیں، کسی سرکاری اسپتال میں علاج نہیں کروا سکتیں کچا شہر کے مجھے ترین پرائیویٹ ہسپتال میں، اجدا نے علاج کروانے کی ذمہ داری اٹھالی تھی اور اُن کے ہاتھ پر 10 ہزار رکھ کر وہ ارحم کے کہنے پر ہسپتال سے نکل آیا تھا۔ اجدا کی اتنی مہربانیوں کو ارحم سمجھ نہیں پارتا تھا، ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یہ سب خوف کے پیش نظر کر رہا ہے، اُس کا پڑا مردہ چہرہ ارحم کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا، مگر اس وقت اُس نے اجدا سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟“

”چچی! ٹھیک ہوں میں، بس کچھ تھکن....“

”بات کیا ہے اجدا! تم نے میٹنگ بھی کینسل کر دی، اور اس وقت آ کہاں سے رہے ہو؟“

”او! ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا، اُس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور صبح جو کچھ ہوا گھر میں اس کے بعد میٹنگ ایشڈ کرنا نہیں چاہ رہا تھا، کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا اتنے ماہ کی محنت پل بھر میں ضائع ہو جائے۔“ وہ کچھ تلخ ہوا تھا۔

”تم صبح ناشتہ کیے بغیر ہی چلے گئے، اس کا مجھے بہت افسوس ہے بیٹا!“ ساجدہ ایک بار پھر شرمندگی کے حصار میں لپٹ سی گئی تھی۔

”پلیز چچی! میں نے آفس میں کھا لیا تھا۔“ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے کہتے رُک کر اُس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا، وگرنہ اُس نے صبح سے کچھ نہیں کھا لیا تھا۔

”اجدا! صبح کچھ کچھ ہوا میں نہیں چاہتا کہ وہ پھر دوبارہ دہرایا جائے، جنہیں کو میں نے اجازت دی ہے اور اس معاملے میں تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”وہی تو میں حیران ہوں کہ آپ نے اُسے اجازت دے کیسے دی؟“

”اب تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟“ اس کا تلخ لہجہ انہیں کچھ غصہ دلا گیا تھا۔

”میں نے یہ نہیں کہا او! لیکن یہ بات مجھے پرندہ نہیں ہے، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ جنہیں آفس جوائن کرے، اگر وہ ایسا کرے گی تو میں آفس نہیں آؤں گا، اور یہ میرا اہل فیصلہ ہے۔“ وہ کہہ کر رُکنا نہیں تھا اور جنہیں جو باہر کھڑی اندر ہونے والی ٹھکر اُس رہی تھی اُسے بے تحاشہ غصہ آگیا تھا اور وہ اندر جانے کی بجائے اُس کے روم میں چلی آئی تھی، اجدا اپنے سیل فون سے ارحم کا نمبر ڈائل کر رہا تھا مگر اُسے دیکھ کر رُک گیا تھا۔

”تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟“

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، میرے کمرے سے اسی وقت چلی جاؤ۔“

”لیکن میں آپ کے روم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔ اس کے غصے کو وہ کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔“

”میں کم از کم اس وقت تم سے کوئی بھی بات کرنا نہیں چاہتا حسین! میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں، تم مجھے مزید پریشان نہ کرو، جو بات کرنی ہو مجھ کو کہنا۔“

”مجھے بات ابھی اس لیے کرنی ہے تاکہ آپ کو بتا دوں کہ صبح میں آفس جوائن کر رہی ہوں، صبح کوئی بد مزگی نہ ہو اس لیے ابھی سے بتا دیا ہے۔“

”تمہاری سمجھ میں ایک دفعہ کی بات نہیں آتی، کہہ چکا ہوں کہ تم آفس نہیں آؤ گی تو بار بار اس ذکر کو نکالنے کا مقصد؟“

”اُس نے اشتعال میں آتے ہوئے اس کا بازو تختی سے پکڑتے ہوئے نہایت غصے میں کہتے ہوئے ایک جھٹکا دیتے ہوئے بازو چھوڑ دیا تھا۔“

”جب مجھے بڑے ابوا جازت دے چکے ہیں تو آپ کیوں اس معاملے میں فضول میں بولے جارہے ہیں؟“ وہ اس کے غصے سے خائف تو ہوئی تھی مگر بولے بغیر بھی نہیں رہی تھی۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ۔“ وہ دھاڑا تھا۔

”آپ مجھے روک نہیں سکتے، میں اپنی مرضی کی آپ مختار ہوں، آپ مجھ پر اپنے فیصلے زبردستی غلط نہیں سکتے۔“ وہ دویدو بول رہی تھی، میری کولے کر اس کا ذہن پہلے ہی منتشر تھا، حسین کا غرور انداز اس کے ذہن پر ہتھوڑے سے برسا رہا تھا۔

”اور تم میرے فیصلے کو بدل نہیں سکتیں، اب میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ، مجھے تم سے کوئی بحث نہیں کرنی۔“

”آپ منع کرتے رہیں، میں کل آپ کو آفس آکر دکھاؤں گی۔ اتنی بے عزتی پر تو وہ چراغ پا ہو گئی تھی، اس لیے بہت تیز لہجے میں بولی تھی۔“

”تم آکر تو دکھاؤ، تاہم تو ڈروں گا میں تمہاری۔“

”آپ.... آپ ہوتے کون ہیں میری ٹانگیں تو ڈرنے والے؟ باپ مر گیا ہے لیکن میری ماں ابھی زندہ ہے، لاوارث نہیں ہوں میں۔“ وہ اب رو رہی تھی۔

”تم پلیز! اس وقت یہاں سے چلی جاؤ، میں اب اور چچی سے بات کروں گا۔“

”جو بات کرنی ہے مجھ سے کریں، زندگی میری ہے فیصلہ بھی میرا ہی ہوگا۔ اور آپ مجھے کچھ بھی کرنے سے روک نہیں سکتے اور آپ آفس جانے سے مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ جتنا حق آپ کا ہے اس گھر اور بزنس پر اتنا ہی میرا بھی ہے، اس لیے آپ....“

”چنانچہ.... بہت بڑی ہو گئی ہوناں جو حق کی بات کرو گی، جائیداد میں حصہ مانگو گی۔“ وہ اس کی اس بات پر اشتعال پر قابو نہیں رکھ پایا تھا اور اس پر ہاتھ اٹھالیا تھا، وہ بے پٹی بھٹی نگاہوں سے اپنے گال پر ہاتھ رکھے اُسے دیکھ رہی تھی۔ یک دم بہت رو تے ہوئے وہاں سے نکلنے لگی مگر اس نے بازو پکڑ لیا تھا۔

”حسین! آئی ایم سوری، میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھاتا....“ وہ جھٹکے سے بازو چھڑائی وہاں سے بھاگی تھی۔

”اوہ شٹ.....!“ اسے افسوس ہو رہا تھا، مگر بجتے ہوئے موبائل نے بہت جلد اُسے اس کیفیت سے نکال لیا تھا۔

”ہاں بولو وارم! سب ٹھیک تو ہے؟“

”یو ڈونٹ وری اجیڈ! سب ٹھیک ہے، وہ لڑکی اب خطرے سے باہر ہے۔“

”اوہ جھینک گاڈ!“ اس نے ایک اطمینان سا محسوس کیا تھا۔

”ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں، کب تک اُسے ڈسچارج کر دیں گے؟“

”کچھ ہفتے یا ماہ بھی لگ سکتے ہیں، اس کی ریزھ کی ہڈی بہت بُری طرح متاثر ہوئی ہے، اسے مکمل ہیڈریسٹ کرنا ہوگا، اور تقریباً ہفتہ تو لگے گا پھر بھی ڈاکٹر زکھیا تھکیس گے کہ وہ چل سکے گی یا نہیں؟“

”لڑکی کے گھر والے.... وہ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”اُن کی بے حسی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے ہو، لڑکی کے پیرشس تو ہیں نہیں اور وہ جو اس کی خالہ ہیں، ان کو اس کے جینے اور مرنے سے فرق نہیں پڑتا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ہم لوگ علاج کا خرچہ اٹھا سکتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ وہ اُسے کسی سرکاری اسپتال....“

”ہرگز نہیں! ارحم! سارا خرچہ میں اٹھاؤں گا، اس کی حالت کا میں ذمہ دار ہوں، میری وجہ سے وہ موت کے منہ سے نکلے ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ وہ میری وجہ سے اپنا بیچ ہو جائے۔“

”اجیڈ! وہ سب ٹھیک ہے، ہمارا انسانی فرض بھی ہے کہ ہم اُس لڑکی کی مدد کریں، مگر ڈاکٹر زکھیا کے مطابق وہ اُن کے ساتھ کوآپریشن نہیں کر رہی، جب سے ہوش میں آئی ہے سبھی کے جاری ہے کہ اُسے زندہ نہیں رہنا، وہ مر جانا چاہتی ہے، ان باتوں کا کیا مطلب نکلتا ہے، ایکسپرنٹ میں تمہاری غلطی نہیں تھی بلکہ وہ جان کر تمہاری گاڑی کے سامنے آئی، آئی ایم رائٹ؟“ اُس کا انداز خاص تعقیبی تھا۔

”بات کچھ ایسی طرح کی ہے ارحم! وہ لڑکی اچانک ہی میری گاڑی کے سامنے آ گئی، میں بریک بھی نہیں لگا سکا، غلطی اُس لڑکی کی تھی ارحم! مگر کہیں نہ کہیں میں ذمہ دار ہوں، اسے کچھ ہو گیا تو شاید میں زندگی بھر خود کو معاف نہ کر سکوں، ضمیر کی مار مجھے جیتے نہیں دے گی اور میں اسی گلٹ سے بچنے کے لیے ہر طرح سے اُس لڑکی کے ساتھ کوآپریشن کرنا چاہتا ہوں۔“

اجیڈ نے اپنی محبت بھری فکر کو انسانیہ کاروبار دے دیا تھا، وہ چاہتا تو اس وقت ظاہر کر دیتا، مگر اس نے ایسا جان کر نہیں کیا، کیونکہ وہ مائدہ کا بھائی تھا، اور اجیڈ پہلے نوید عالم سے بات کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے رشتوں میں دوریاں آ جائیں، ارحم جو کچھ شکوک و شبہات میں ڈوب رہا تھا ایک دم ہی مطمئن ہو گیا تھا۔

”تم بالکل فکر مت کرو اجیڈ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”جھٹکس! ارحم! آج تم نہ ہوتے تو میں یہ سب بالکل متعجب نہیں کر پاتا، میں تو بہت خوفزدہ ہو گیا تھا تمہارے ساتھ نے مجھے ہمارا دیا۔“

”یار! اپنے ہی اینٹوں کے کام آتے ہیں، یہ بتاؤ گھر میں کچھ بتایا ہے یا نہیں؟“

”نہیں، گھر میں کچھ بھی کسی کو نہیں بتایا، ہمیں تو یہ ہے ای ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں، معاملہ تھوڑا اٹھنا بڑا چلے تب ابو سے ذکر کروں گا، ابھی رکھتا ہوں، بعد میں بات کروں گا، شاید مجھے ابو بارے ہیں۔“ نوید عالم کی آواز آئی تھی اور وہ لائن کا موبائل بیڈ پر اچھا لاروم سے نکل آیا تھا۔

”اجیڈ! یہ حسین کیا کہہ رہی ہے؟ تم نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے؟“ نوید عالم کو اُس نے اتنے غصے میں بہت ہی کم دیکھا تھا۔

”جی ابو! لیکن اس نے بات ہی ایسی کی تھی۔“

”تم نے کس حق سے اس پر ہاتھ اٹھایا، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی؟“

”آرام سے بات کر لیں نوید!“

”آپ چپ رہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بہن پر ہاتھ اٹھاؤ گے اور میں تم سے جواب دلی بھی نہیں کروں گا؟“ وہ بولی

”ابو! یہ مجھ سے بحث کر رہی....“

”بحث کر رہی تھی تو تم نے ہاتھ اٹھایا، یہ بیٹی ہے میری اور میں نے خود کبھی اپنی بیٹیوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا، میں نے ان سے کبھی ان سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی اور تم اس حد تک چلے گئے، آخر کیا سوچ کر تم نے اتنی گری ہوئی حرکت کی؟“ وہ بچے کو خوشحال نظروں سے گھورتے تیز لہجے میں جواب طلب کر رہے تھے۔

”تایا ابوا! انہوں نے مجھ سے بہت بدتمیزی بھی کی، مجھے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا، مجھے پیٹھ مارا، اور مجھے بازار سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیا۔“ وہ چنگیوں سے رو رہی تھی۔

”میں نے جو کیا وہ تمہیں یاد ہے، اپنا بھولی گئیں، مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی تھیں؟“

”اس نے اگر تم سے بدتمیزی بھی کی تھی تو تمہیں اسے تھپڑ نہیں مارنا چاہیے تھا۔“

”ای! ماننا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے خین پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا، مگر جب میں نے اس سے کہا کہ میں ڈسٹرب ہوں، ابھی تم سے بات نہیں کر سکتا تو اسے خاموشی سے آجانا چاہیے تھا، مگر اس نے بات کو جان بوجھ کر بڑھایا۔“

”تم ڈسٹرب تو اب بھی ہو، اور میں بھی بحث کر رہا ہوں تم سے، اٹھاؤ مجھ پر بھی ہاتھ، مارو مجھے بھی، بہن کو مار سکتے ہو، باپ کو کیوں نہیں؟“

”ابو پلینز! اس طرح تو نہ کہیں، میں جنین پر بھی کب ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا، مگر اس کی بات پر خود پر قابو نہیں رکھ سکا، میں نے اسے آفس آنے کے لیے منع کیا تو یہ اپنے حق کی بات کرنے لگی، میں کب کہتا ہوں کہ اس گھر اور پرنس پراس کا کوئی

حق نہیں ہے، حق ہے اس کا اور جو اس کا حق ہے وہ ہم اس کو دیں گے، مگر یہ اس طرح کی بات کرے گی میں نے بھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، مجھے تو ایک بل کو لگا کہ، مر شاید غائب ہیں اور اس کا حق پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، یہ بار بار اپنے دل

کی بات کر کے ہم پر ثابت کیا کرنا چاہتی ہے؟ کہ چچا جان کی موت کے بعد ہم نے اس کے حقوق غصب کر لیے ہیں؟ کچھ غصے اور کچھ دکھ سے کہہ رہا تھا اور وہ سب ساکت سے سن رہے تھے، اسی طرح کی بکواس اُس نے صبح بھی تو کی تھی۔

”میں نے تو اسے ہمیشہ زرین اور شازمین کی ہی طرح سمجھا اور جو بات مجھے شازمین کے لیے پسند نہیں تھی میں اس کے لیے کہے پسند کر سکتا ہوں؟ مگر اسے شک ہے کہ میں اس کے حق پر قیاس ہونا چاہتا ہوں، تو ٹھیک ہے، سہ آہ جواں

کر لے، ویسے بھی میرا اس پر کون سا حق ہے، بہن ہی نہیں ہے میری، اس پر ہاتھ اٹھایا اس کے لیے شرمندہ ہوں، اب اس وقت اس سے معافی بھی مانگنا جانتا تھا اس لیے حق سے بازو پکڑ کر اسے روکنا چاہتا تھا مگر کمرے کے کچھ بھی نے بغیر اس کے

آئی اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے دھکے دے کر کمرے سے نکال دیا، مانتا ہوں میں نے اسے کمرے سے دفع ہو جانا کوکھاتھا، مگر جو کچھ کہہ رہی ہے اس میں نے مجھے کچھ نہیں کہا، یہ مجھے کچھ سمجھنے نہ سمجھے، مگر یہ مجھے شاذ مین کی ہی طرح عزیز ہے۔

یہ چاہے مجھے فقط بھائی بولتی ہے، میں نے اسے ہمیشہ چھوٹی بہن ہی سمجھا ہے اور بڑا بھائی ہونے کے ناتے ہی میں نے مداخلت کی تھی جو اسے پسند نہیں آئی، تو آئندہ یہ نہیں کہوں گا۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے نکلتا جا گیا تھا۔

”جس کا جودل چاہے مجھے کہہ دے، میرے ساتھ ہر طرح کا بر اسلوک کر لے اور پھر رشتوں کی دہائی دیے۔“

216

”جَب کر جائیں! کیوں ایسی باتیں کر کے گھر کا سکون برباد کرنے پر تلی ہے؟“

”آپ کو تو میں ہی غلط لگتی ہوں مئی! میرے ساتھ ہونے والا بڑا سلوک آپ کو نظر نہیں آتا؟“ پتہ نہیں کہاں سے اس کا انداز اتنا غبارِ جمع ہو گا تھا، وہ اب اس کی شکل دیکھ رہے تھے، جس کے منہ سے نکلنے سے پہلے اس کی ہر خواہش پوری کی

تھی، وہ کون سے بڑے سلوک کی بات کر رہی تھی؟ یہ وہ سمجھ نہیں سکتے تھے اور وہ دم دم کرتی ان سب کو تھیر چھوڑ کر وہاں پہنچ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

”کون ہو تم لوگ؟ ہٹو میرے راستے سے۔“ وہ غصے میں پچھو کے گھر جانے کے ارادے سے گھر سے نکل آئی تھی، اس کے گھر سے اسٹاپ والا لنگ ڈسٹنس پر ہی تھا، وہاں تک پہنچنے میں اسے مشکل سے 3 سے 4 منٹ لگے ہوں گے، وہ

کھڑے ہوئے تھے اور جسے بی اُس نے دھاں سے بٹنا جا رہا تھا کہ ایک اس کے سامنے اُکھڑا ہوا تھا اور ڈر کے مارے

”کہاں جاتا ہے؟ ہمیں بتاؤ، ہم چھوڑ آئیں گے۔“ ایک نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

”میں خود چلی جاؤں گی، راستہ دو۔“

”اے کسے راستہ دے دے میری جان!“ دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”اب تو تمہارے سارے راستے ہم تک ہی آتے ہیں۔“

”کیا اس مرت کروا رہا تھا چھوڑو میرا“۔ وہ ہاتھ پھیرا لینے کو زور لگا رہی تھی، مگر اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

کلی روشنی میں وہ گہمراں ہوئی بھانے کو پرتو تلمی حنین کو تو نوالہ ہی تو سمجھ رہے تھے۔ خوبصورت کلابی چہرہ، بڑی بڑی غلابی آنکھیں، متناس سہ اما، اُس کا دوشہ بڑی بڑی لاہروائی سے ایک کاندھ پر بڑا تھا، وہ دونوں اُسے کھینچنے لگے تھے اور وہ

”جھوڑو مجھے، تانا، تانا!... احمد بھائی! ہیلپ می، جھوڑو میرا ہاتھ مٹی“

”شرافت سے چلتی ہے ماتھے زبردستی اٹھالے جائیں؟“

”میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی، چھوڑ مجھے“۔ رات کے 10 بج رہے تھے، اس لیے نہ لوگ تھے اور نہ ہی گڑیاں آ جا رہی تھیں کہ دم اک پولیس جسب آ کر رکی تھی اور بیک ڈور کھول کر جو باہر آ یا تھا اس پر نظر پڑے ہی نہیں

”ارحمتہا“، ”ازد کے ذمہ کن کا ماتھ جھوڑ دیا تھا اور وہ بھاگ کر اس کے چوڑے سننے میں سما گئی تھی۔

”مجھے بچائیں ارحم بھیا! یہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔“ وہ اُس کے سینے سے گئی جلتے ہوئے کہہ رہی تھی، اُس نے اُس ساتھ سے اُسے سہارا دیا تھا اور اُس ساتھ سے رولو نکال کر بھاگتے ہوئے نوجوانوں کا نشانہ بنایا۔

”لے لے کر کوشش بھی امت کرنا، ورنہ تیرا گولی جلا دوں گا۔“ اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا، اُس نے ہوائی فائر کیا تھا

اور ان دونوں نے جہاں تھے وہیں رک کر ہاتھ اوپر کر دیئے تھے، حوالدار نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو پھنکڑی لگا دی تھی۔

”کاشف! آپ ان دونوں کو حوالا دے گا۔ میں لے جا کر بند کر دوں، صبح ڈیوٹی پر آنے کے بعد میں دیکھ لوں گا، اب آپ جاؤ، میں گھر خود چلا جاؤں گا۔“ پاسی اُسے سیلوٹ کرتا جیب کی جانب بڑھ گیا تھا، ارحم ڈیوٹی آف کر کے گھر کے لیے نکلا تھا کہ اُسے خیال آیا تھا کہ وہ ماموں جان سے مل آئے، اسی خیال سے وہ اس طرح نکل آیا تھا۔

”تم اتنی رات میں یہاں کیا کر رہی تھیں؟“ وہ جیب کے آگے بڑھتے ہی ساتھ کھڑی جنین سے مخاطب ہوا تھا مگر اُس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”میں کچھ پوچھ رہا ہوں جنین! کہ تم اتنی رات گئے اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ دے دے انداز میں غز لیا تھا مگر وہ بس روئے جا رہی تھی، بولی اب بھی کچھ نہیں تھی، ارحم نے اُس کا ہاتھ پکڑا تھا اور آگے بڑھنے لگا تھا، مگر اُسے ٹک جانا پڑا تھا، کیونکہ وہ وہاں سے ہٹ بھی نہیں تھی۔

”اب کیا ہوا؟ چلو گھر۔۔۔“

”میں گھر نہیں جاؤں گی۔“

”واٹ.....! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، مگر کیوں نہیں جاؤ گی؟“ وہ ٹک کر اُسے دیکھنے لگا تھا۔

”مجھے پیچھو کے پاس جانا ہے۔“

”گھر کوئی بات ہوئی ہے؟“

”میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، مجھے اپنے گھر لے جائیں، میں تاپا ابو کے گھر نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو مجھ سے بہت نہیں ہے، کسی کو میری ضرورت بھی نہیں ہے۔“ لہجہ جذباتی اور شکوہ کن تھا۔

”ختم کیا بکواس کر رہی ہو مجھے کچھ نہیں آ رہا۔“

”سب کو یہی لگتا ہے کہ میں بکواس کر رہی ہوں تا پ مجھے پیچھو کے پاس نہیں لے جاسکتے تو ٹھیک ہے، میں خودی چلی جاؤں گی۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور کچھ نہیں، خود کیسے جاؤ گی، جیسے ابھی جاری تھیں ویسے؟“ وہ جاتی ہوئی جنین کا راستہ روکتے ہوئے نہایت طنز سے بولا تھا۔

”آپ کچھ بھی کہیں، مجھے اپنے گھر لے جاسکتے ہیں تو۔۔۔“

”گھر پر کسی کو معلوم ہے یا تم بغیر بتائے گھر سے نکلی ہو؟“

”میں کسی کو کیوں بتاؤں، جب کسی کو میری پروا ہی نہیں ہے؟“ ممی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، تائی نے ڈانٹا اور تو اور راجہ بھائی... انہوں نے بھی مجھے تھپڑ مارا، اب میں بھی اُس گھر میں نہیں جاؤں گی، مجھے پیچھو کے پاس جانا ہے۔“ وہ بری طرح روتی رہی، وہ جنین کو محض دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”اوکے، تم روتی ہو، میں تمہیں گھر لے چلا ہوں۔“ وہ ماموں کے گھر جانے کا ارادہ بدلتی کر گیا تھا۔

”گھر سے کب نکلی تھیں؟“ وہ یہ انداز لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی کا ان لوگوں کو علم ہو گیا ہو گا یا نہیں؟

”بہت دیر ہو گئی ہوگی، میں نے تو سوچا تھا کہ رشہ سے آپ کے گھر چلی جاؤں گی، اسی لیے یہاں اسٹاپ تک آئی تھی، مگر وہ دونوں نہ جانے کہاں سے آ گئے اور مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے۔“ وہ روتے ہوئے اُسے بتا رہی تھی۔ جیسی کافی دیر بعد ایک آٹو وہاں سے گزرا تھا جسے ارحم نے ہاتھ دے دیا تھا۔

”جنین! پچ کر جاؤ، ہم گھر چل رہے ہیں۔“ ارحم نے بشکل اشتعال کو قابو میں کرتے ہوئے اُسے رکشہ میں بیٹھنے کو کہا تھا۔

(جاری ہے)

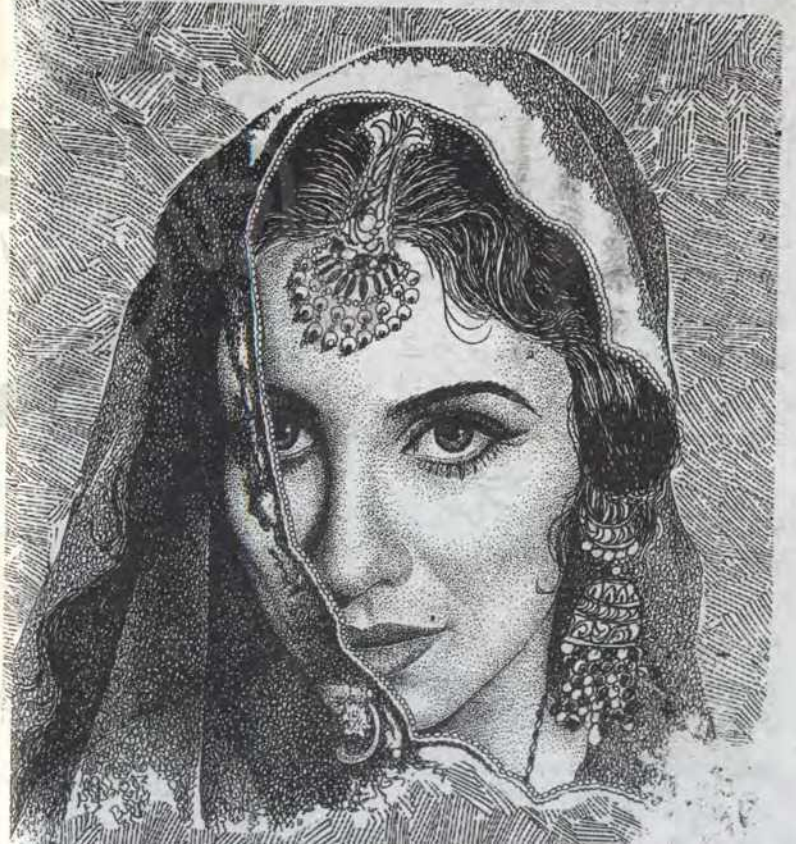
سعدیہ عابد

قسط نمبر 3۔

سلسلے وار ناول

بشر قبائلی کی جانا

”السلام علیکم! ماموں جان! کیسے ہیں آپ؟“ توید عالم کا سیل نمبر دیکھ کر اس نے پہلی ہی تیل پر ریسیو کر لیا تھا کیونکہ اس نے انہی کو کال کرنے کے لیے سیل فون جیب سے نکالا تھا۔



”ارحم اوہ حنین کہیں چلی گئی ہے، تم اُسے ڈھونڈو، وہ بچانے کہاں ہوگی۔“ وہ اس کے سلام کا جواب دے بغیر تیزی سے بولے تھے۔

”پریشان نہ ہوں ماموں جان! حنین میرے ساتھ ہے۔“

”کیا...! تمہارے ساتھ، مگر وہ تمہیں ملی کہاں؟“

”وہ سب بعد میں بتا دوں گا، میں اُسے لے کر گھر جا رہا ہوں۔“

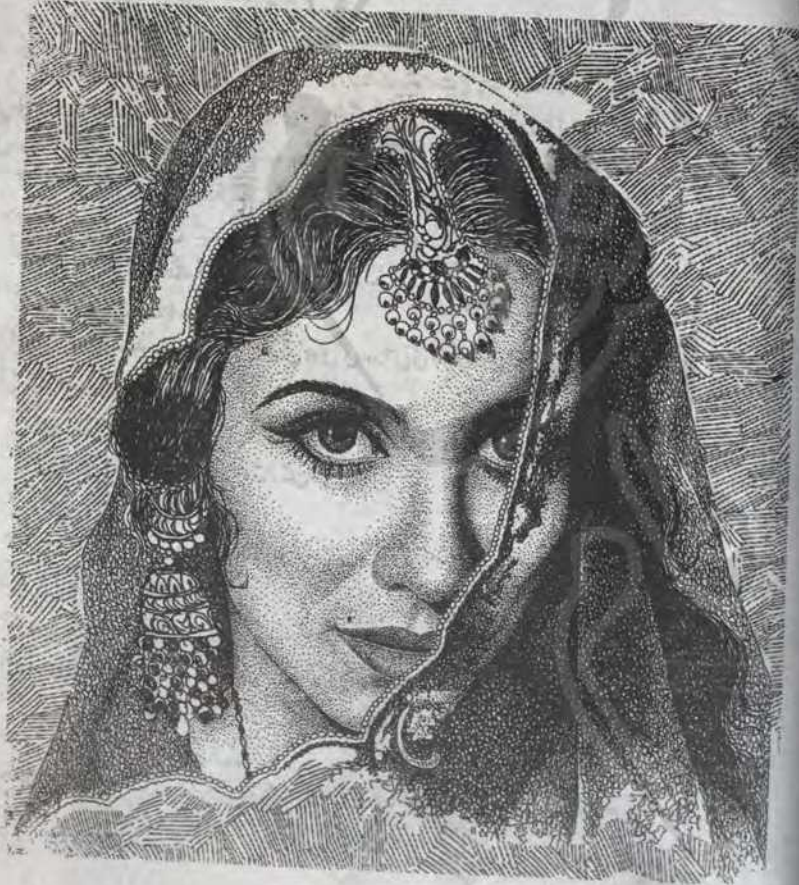
”تم اسے گھر کیوں نہیں لے آتے؟ ساجدہ کا تو رور و گڑا حال ہو رہا ہے۔“

”حنین گھر نہیں آنا چاہتی تھی، اس لیے میں اُسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“ ارحم نے وجہ بتائی تھی اور انہوں نے

آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اُس کا سیل پھر بچنے لگا تھا۔

”ارحم! پریشان نہ ہو، حنین میرے ساتھ ہے، گھر آ کر بات کرتا ہوں۔“ اسے کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر اس نے

لائن کاٹ دی تھی۔



”آپ نے تاپا لٹو کیوں بتایا کہ میں آپ کے ساتھ....“

”شٹ اپ جنین! تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ سب کتنے پریشان ہیں۔“ اس کے ڈپٹے پر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

زمرین اُس کا کھانا لے کر گئی تھی، مگر وہ کمرے میں نہیں تھی، اس نے نیچے آ کر بتایا تھا۔
”آئی! جنین اپنے کمرے میں نہیں ہے۔“

”واٹ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہو زمرین بیٹا! ٹھیک سے دیکھنا تھا، وہ وہیں ہوں گی، جا کہاں سکتی ہیں جنین؟“
”لو! میں نے پورا کمرہ، واش روم، اسٹڈی ہرایک جگہ دیکھا، مگر وہ کہیں نہیں ہے۔“ زمرین پریشانی سے بولی تھی اور اس کے بعد جنین کو گھر کے کونے کونے میں ڈھونڈا گیا، مگر وہ گھر میں ہوتی تو ملتی۔
”لو! مین گیٹ کھلا ہوا ہے، شاید وہ کہیں چلی گئی ہے۔“ اجند نے باہر سے اندر آتے ہوئے کہا تھا۔
”اتنی رات میں وہ کہاں جا سکتی ہے؟ اُسے تو ڈھنگ سے راتے بھی نہیں پتہ۔“ ساجدہ روتے ہوئے صوفے پر ڈھسے ہوئی تھی، یہی کچھ حال راشدہ کا بھی تھا۔

”ہوسکتا ہے وہ پچھو کی طرف چلی گئی ہو، ہمیں پچھو کے ہاں کال کر کے پوچھنا چاہئے۔“ شازمین نے مشورہ دیا تھا۔
”ہاں، شاید ہوسکتا ہے وہ وہیں چلی گئی ہو، مگر ڈائریکٹ کچھ مت پوچھنا، ورنہ پچھو پریشان ہو جائیں گی۔“ اجند نے اُس کی بات کی حمایت کرتے ہوئے ساتھ ہی ہدایت بھی کی تھی، شازمین بی بی سی ایل سے پچھو کے گھر کا نمبر ملانے لگی تھی، وہ فائنل میں یہی بھول گئی تھی کہ جب سے اُس کی معافی ہوئی ہے وہ نہ وہاں جاتی تھی نہ ہی خود سے فون کرتی تھی۔
”ہیلو! میں شازمین بات کر رہی ہوں۔“ کال ریسپو ہوتے ہی وہ بولی تھی۔

”زبے نصیب.....! آج کیسے میری یاد آگئی؟“ راحم کا خوشگوار لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔

”پچھو ہیں گھر میں؟ مجھے پچھو سے بات کرنی ہے۔“

”پچھو کے بیٹے سے بات نہیں کر سکتیں؟“

”پلیز.....! پچھو کو فون دے دیں۔“ وہ جتنی ہوتی تھی اور اس کی بھرائی ہوئی آواز اسے پریشان کر گئی تھی۔

”شاز! سب خیریت تو ہے؟“

”جنین.....! اس کی آواز مطلق میں پھنس گئی تھی اور وہ اُس کی ہدایت بھی بھول گئی تھی۔

”جنین!..... کیا ہو جنین کو؟ کچھ تو بولو شازمین!“

”وہ جنین پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے۔“

”کیا..... کب..... مگر تم پریشان نہ ہو، میں ارحم بھیتا سے بات کرتا ہوں۔“ راحم کے کہنے پر اُس نے ریسورمز پر کچھ بھی کہے بغیر کریڈل پر ڈال دیا تھا۔

”وہ وہاں نہیں گئی، راحم کہہ رہے تھے کہ وہ ارحم بھیتا سے بات کریں گے۔“ شازمین نے اتنا ہی کہا تھا کہ نوید عالم ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگے تھے، اور اس سے بات کر کے وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

”آپ لوگ پریشان نہ ہوں، جنین، ارحم کے ساتھ ہے۔“

”ارحم کے ساتھ..... وہ ارحم کو کہاں مل گئی؟“

”یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ، اور ارحم کہہ رہا تھا کہ وہ گھر نہیں آنا چاہتی، اس لیے وہ اُسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔“

”بھائی صاحب! مجھے ابھی فریڈہ کے گھر جانا ہے۔“ ساجدہ درمیان میں کہہ اٹھی تھیں اور وہ دونوں نوید عالم کے ساتھ فریڈہ کے ہاں جانے کے لیے نکل گئی تھیں، بہنوں کی وجہ سے اجند گھر پر ہی رُک گیا تھا، اور وہ تینوں جس وقت وہاں پہنچے تھے سب ہی گھر والے لاؤنچ میں موجود تھے اور جنین، فریڈہ کے برابر صوفے پر اُن کی گود میں سر رکھ کر بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

”جنین! کہاں چلی گئی تھیں بیٹا؟ سب کتنا پریشان ہو گئے تھے۔“ فریڈہ اُسے دیکھتے ہی بولی تھیں کیونکہ راحم نے انہیں بتا دیا تھا اور وہ راشدہ سے بات بھی کر چکی تھیں۔

”پچھو! وہاں مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا، اس لیے میں آپ کے پاس آگئی ہوں۔“ وہ اُن کے سینے سے لگتے ہوئے بولی تھی اور ان کے تو خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

”ارحم! یہ تمہیں کہاں سے ملی؟ اور یہ سب کیا کہہ رہی ہے؟“

”مما! مجھے خود اس کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، میں تو ماموں جان سے ملنے کے لیے جا رہا تھا، گلی میں گاڑی مڑی تو ایک لڑکی کے جینز کی آواز پر میں نے ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی رُکوائی، مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہاں یہ جنین ہوگی، یہ بے وقوف لڑکی بے سوچے سمجھے اتنی رات میں گھر سے اکیلی نکل آئی اور اسے اکیلے دیکھ کر لڑکے تنگ کرنے لگے، وہ تو اچھا ہوا میں وہاں وقت پر پہنچ گیا، ورنہ نجانے کیا ہوتا، آپ پوچھیں اس سے کہ اس طرح اتنی رات کو یہ گھر سے نکلی ہی کیوں؟ اوپر سے وہاں سڑک پر جمی کھڑی تھی کہ گھر نہیں جاؤں گی، اس لیے اسے میں یہاں لے کر آیا ہوں۔“ وہ کیپ نیل پر رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”پچھو! اب میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو میری جڑواہ نہیں ہے، مئی مجھے ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں اور تائی بھی، مئی نے مجھے مت تھنر مارا، اور اجند بھائی نے میری بہت انسلیٹ کی، مئی مجھے اپنے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا، مجھے طمانچہ مارا، اور کمرے سے دھکے پلک کر نکال دیا۔“

”نہ تو آئیے۔“

”مگر کیوں بیٹا؟“ وہ تو اتنا سب سن کر ہی حیران رہ گئی تھیں۔

”میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں پچھو! اور تاپا لٹو نے مجھے اجازت بھی دے دی تھی، مگر اجند بھائی نے منع کر دیا اور مجھ پر غصہ کرتے ہوئے وہ آج صبح ناشتہ کے بغیر چلے گئے، جس پر مئی نے مجھے مارا، اور بہت برا بھلا کہا۔ اور جب اجند بھائی آفس سے آئے تب میں اُن کے کمرے میں بات کرنے گئی تھی، مگر انہوں نے مجھے بہت بے عزت کیا، مئی نے اس پر بھی اُن ہی کی سائڈ لی، وہ میری ہی نہیں ہیں، وہ مجھ سے پیار بھی نہیں کرتیں، اب میں اُن سے بالکل بات نہیں کروں گی، وہاں اب کبھی نہیں جاؤں گی، آپ تو محبت کرتی ہیں ناں مجھ سے پچھو! مجھے اپنے گھر میں رکھ لیں گی؟“ فریڈہ نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

”چپ کر جاؤ بیٹا! میں سب سے بات کروں گی اور اجند.....!“

”اُن کا تو آپ نام بھی مت لیں، وہ بہت بُرے ہیں، انہوں نے میرا بازو اتنی زور سے پکڑا تھا کہ مجھے ابھی تک درد ہو رہا ہے، انہی کی وجہ سے میں نے گھر چھوڑا ہے۔“

”جنین بیٹا! آپ کو گھر سے لیکن اس طرح نہیں نکھنا چاہئے تھا، آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟“

”اس سب کے ذمہ دار وہی ہیں اور انہی کی وجہ سے تاپا لٹو مجھے گاڑی نہیں دلاتے، مجھے سکے بھی نہیں دیتے، اگر میرے پاس گاڑی ہوتی تو میں آرام سے آپ کے پاس آ جاتی، مجھے رکشے کے لیے اسٹاپ تک جانا نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ لڑکے مجھے تنگ کرتے، وہ میرے ساتھ بہت بدتمیزی کر رہے تھے پچھو!“ اس نے روتے ہوئے بتایا۔

فریدہ نے اُسے پانی پلایا۔

”بس چپ کر جاؤ، اب بالکل نہیں روتا۔“ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور اُس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔

”پچھو! میں اجد بھائی سے اب بالکل بات نہیں کروں گی، وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے بالکل زمین آبی اور شازمین بچو کی طرح سمجھتے ہیں، مگر وہ جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے بھی شازمین بچو پر ہاتھ نہیں اٹھایا، کبھی زمین آبی کو نہیں ڈانٹا، مگر مجھے ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں، اور آج تو انہوں نے....“

”تم چپ کر جاؤ بس، میں اجد کو بہت ڈانٹوں گی۔“

”مارنیے گا بھی پچھو! کیونکہ انہوں نے مجھے یہاں میرے چہرے پر ہٹ کیا ہے۔“ وہ سیدھی ہوئی تھی جیسی اُس کی نگاہ راحم کے ساتھ آتے نوید عالم پر پڑی تھی۔

”پچھو! یہ سب یہاں کیوں آئے ہیں؟ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“ اس نے فریدہ کا بازو دبوچ لیا تھا۔

”ماندہ بیٹا! بہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔“ کب سے خاموش بیٹھے یوسف الحسن نے ماندہ کو مخاطب کر کے کہا تھا اور وہ جنین کو اپنے ساتھ لے گئی تھی، ساجدہ مری طرح رو رہی تھیں۔

”مائی! پلیز روئیے نہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے۔“ راحم نے انہیں شانوں سے تھاتے ہوئے صوفے پر لایا تھا۔

”اگر اُسے کچھ ہو جاتا تو میں تو جیتے جی مرجاتی۔“ اُس نے راحم کو پانی لانے کا اشارہ کیا تھا اور اُن کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

”اتنی سی بات پر وہ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل گئی، اگر وہ تمہیں نہ ملتی بلکہ غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو میں کیا کرتی؟ میری تو بس یہی ایک بیٹی ہے جس کی خاطر میں جی رہی ہوں۔“

”پانی لی لیں مائی! اور کچھ بھی مت سوچیں، بچپنا بہت ہے اس میں اور کوئی بات نہیں ہے، ہم سب مل کر سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی۔“ راحم نے زبردستی انہیں پانی پلایا تھا۔

”ماموں جان! آپ کیوں پریشان بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا ناں وہ بالکل ٹھیک ہے، وہ مجھے آپ کے گھر کے نزدیکی اسٹاپ پر ہی مل گئی تھی۔“ وہ تفصیل انہیں بتانے لگا تھا۔ وہ ابھی تک یونیفارم میں تھا۔

”بھائی صاحب! ایسا کیا ہوا تھا کہ جنین نے انتہائی قدم اٹھایا؟ آج اگر وہاں نہ پہنچتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔“

”مما! جو ہو انہیں ہے اُسے سوچ کر کیوں پریشان ہوں، اور ماموں جان پہلے ہی ڈسٹرب ہیں، آپ کی ایسی باتیں انہیں مزید پریشان کریں گی۔“ راحم نے مداخلت کی تھی۔

”لیکن بات تو یہ ہے ناں کہ جنین نے ایسا کیوں کیا؟ اور اجد نے اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟“ یوسف الحسن بھی بولے تھے۔

”بھیا جی! اجد بیٹے کا بھی قصور نہیں ہے، جنین کی ہی ساری غلطی تھی، اُس نے بڑے بھائی سے کتنی بدتمیزی کی، مگر اُسے اس بات کا احساس نہیں ہے۔“ ساجدہ نے اجد کی حمایت کی تھی۔

”بدتمیزی کی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اجد اس پر ہاتھ اٹھاتا؟ وہ اگر غلطی پر بھی تھی تو اجد کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ فریدہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جس کے بارے میں کہہ رہی ہیں وہ صرف بھیا جی

نہیں، ہونے والا دماغی سی۔ انہوں نے کوئی کہا ہو سکتا۔

”فریدہ! تم کچھ نہیں جانتیں، اس لیے ایسے کہہ رہی ہو۔“ ساجدہ نے انہیں وقتاً فوقتاً ہونے والی تمام بحث و لڑائیاں کہہ سنائی تھیں۔

”تو کوری کرنے کا خناس نہ جانے کہاں سے سا گیا ہے، اور حق کی بات کرتی ہے، یہ نہیں جانتی کہ اس کا تو کچھ ہے ہی نہیں۔“ وہ دکھ سے بولی تھیں۔

”پلیز ساجدہ! فضول باتیں نہیں کریں۔“ نوید عالم انہیں ٹوک گئے تھے۔

”فضول باتیں..... بھائی صاحب! آپ نے کیا کچھ نہیں کیا اس کے لیے، اور آج وہ آپ کے ہی خلاف ہو گئی ہے، کون سے حصے کی بات کرتی ہے؟ اس کے باپ کا ہے ہی کیا؟“ دوپٹے میں آنسو جذب کرتے ہوئے وہ نوید عالم کو دیکھنے لگی تھیں۔

”چپ کر جاؤ ساجدہ! تمہاری ایسی ہی باتوں نے اس کے دل میں غبار بھر دیا ہے، میں نے کبھی اس میں اور اپنی بچیوں میں فرق نہیں کیا۔“ راشدہ نے انہیں کچھ کہنے سے روکنا چاہا تھا، مگر وہ بات کاٹ کر دوبارہ بولی تھیں۔

”فرق آپ لوگوں نے نہیں، خود اُس نے پیدا کیا ہے۔“

”اس میں کس کا قصور ہے بھائی! اگر جنین خود اس فرق کو پیدا کر رہی ہے تو اس کی وجہ ہوگی، اور آپ ماں ہو کر اُسے سمجھنے کی بجائے اُلٹا اُس پر لعن طعن کرتی رہتی ہیں۔“ مائندہ مت کہنے کا بھائی! اگر سچائی یہی ہے، جنین میں بچپنا بہت ہے، اور

ابھی اس کی عمر ہی کتنی ہے 16 سال، اور آپ اتنی سی عمر میں اُسے نیچر بنا دینا چاہتی ہیں، آپ اُسے زمین کی طرح کھانے پکانے میں ماہر، شازمین کی طرح سلائی میں ماہر اور ماندہ کی طرح صفائی پسند بنا دینا چاہتی ہیں، آپ اُسے جنین ہی رہنے دیں، کھانا پینا نہ نہیں چاہتی تو مت بنوائیں اُس سے، کتنی ہی عورتوں کو کھانا پینا نہیں آتا، ایک ہماری جنین کو بھی نہیں آئے گا تو کون سی قیامت آجائے گی؟ آپ اُسے ایک ایک کی مثالیں دے کر اُسے کبھی زمین کے جیسا تو کبھی ماندہ کے جیسا بننے کا مشورہ دے کر اُسے خود سے دور کر رہی ہیں، اُس کی نیچر ڈیفرنٹ ہے اور ہمیں اُسے اس کے حساب سے ہی

ٹریٹ کرنا چاہیے، پچھو! اگر نا جائز ضد کر رہا ہو تو اُسے پیار سے روکا جائے تو پچھو! مان لیتا ہے، مگر کتنی کی جائے تو اُس کی ضد بڑھ جاتی ہے اور یہ والدین کے ہی ہاتھوں میں ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو کس طرح کچھ نہ کرنے سے روکیں۔ میں مانتی ہوں کہ جنین نے آپ صعب کے ساتھ بہت بدتمیزی کی، مگر اُسے پیار سے سمجھایا جاتا تو وہ مان جاتی، مگر بات آپ لوگوں کے

سخت رویے کی وجہ سے بڑھی، پہلے آپ نے اور بعد میں اجد نے اس پر ہاتھ اٹھایا، اجد کے ناشتہ کیے بغیر جانے کا ذمہ دار اُسے ٹھہرایا گیا، ٹھیک ہے سب وہی تھی، مگر یہ اُسے جتنا ضروری نہیں تھا، اور اُس نے غصے میں جو قدم اٹھایا، اگر اُس کے ساتھ کچھ غلط ہو جاتا اس کے نتیجے میں تو کون ذمہ دار ہوتا؟ کیونکہ اُسے اتنی عقل نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے، اُسے ڈانٹا مارا

گیا تو اُس نے سوچا کوئی اُس سے محبت نہیں کرتا، اس لیے وہ میرے پاس آ چاہا رہی تھی، یعنی وہ محبت و توجہ چاہتی ہے۔ بچپن سے اُس کے بہت لاڈ اٹھائے گئے ہیں اب اس کے ایک دم پیچھے پڑ جائیں گے تو وہ ہم سے ہی بدظن ہوگی، جب سے وہ میرے پاس آئی تھی بس اجد کی برائی کر رہی تھی، ایسا نہیں ہے کہ وہ اجد کو کچھ غلط کہہ رہی تھی، اُس نے یہی کہا کہ وہ

اُسے بہن کہتا ہے سمجھتا نہیں، جبکہ سچائی یہ نہیں ہے، ہم سب نے دیکھا ہے اجد اس کی کتنی پرواہ کرتا ہے اور بات یہی ہے، اجد کے اندر شدت پسندی بہت ہے، وہ اس کی پرواہ کرتا ہے، مگر جب کسی بھی بات کی مخالفت پر آتا ہے تو بے انتہا کتنی سے کام لیتا ہے اور وہ یہ سب برداشت نہیں کر پاتی۔ اجد کی حرکت سے وہ بے طرح ہٹ ہوئی ہے، میں اجد کو جانتی ہوں اُس نے غصے میں جانے کو ضرور کہا ہوگا، مگر ہاتھ پکڑ کر نکالا نہیں ہوگا، مگر وہ بر ملا کہہ رہی ہے کہ اجد نے اُسے کمرے سے

نکالا، تو ایسا نہیں ہے کہ وہ اس پر بہتان باندھ رہی ہے، اجد کے انداز سے اسے ایسا لگا ہوگا تو اس نے وہی کہہ دیا، ہم سب گواہ تھے کی ضرورت ہے، محبت و اپنائیت سے اسے سمجھایا جائے گا تو وہ مان جائے گی، اور طرف تو ہم سب کو ہی بڑا رکھنا ہوگا، کیونکہ وہ تو ہے ہی سب سے چھوٹی، اسے اہمیت دیں گے تو یہ بات بے گئی اور نہ بہت مشکل ہو جائے گی۔“ فریدہ نے لمحوں میں جنین کے ساتھ سب ہی کی ذات کی کمزوریاں بھی کھول کر رکھ دی تھیں۔

”یہ بات مجھے بھی لگتی ہے، یہی میں بھی ساجدہ کو سمجھاتا ہوں، اسی لیے میں نے جنین کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ میں جنین کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں، وہ 2، 3 دن آفس جوائن اور ان کا شوق ختم.... اور یہی بات میں اجد کو بھی سمجھانا چاہ رہا تھا، مگر اجد سے میں کل کر بات نہیں کر سکا اور جنین نے خود جا کر اس سے بات کر لی، اور وہ سب ہو گیا، ورنہ نوبت کبھی چھی یہاں تک نہ پہنچتی۔“ نوید عالم نے ان کی بات کی حمایت میں ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے اپنے دل کی بات سامنے رکھ دی تھی۔

”چلےں بھئی! اب تو جو ہونا تھا ہو گیا ہے، چل کر ہم سب کھانا کھا لیتے ہیں، بڑی ہی بھوک لگی ہے، ماندہ بیٹی! جا کر دسترخوان سجاؤ، ہم سب آرہے ہیں۔“ یوسف اُن نے بات نکلنے سے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہا تھا۔

”ہاں ماندہ بیٹی! آپ کے ہاتھ کا کھانا کھائے ہوئے دن بھی بڑے ہو گئے ہیں اور بھوک بھی زبردست لگی ہوئی ہے، آج تو ہم سب ہی سیر ہو کر اپنی بیٹی کے ہاتھ کا کھانا کھائیں گے۔“ نوید عالم کے پیار بھرے انداز پر وہ سکرارتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔

”میں چیخ کر کے آتا ہوں، بھوک تو مجھے بھی واقعی لگی ہوئی ہے۔“ ارحم اُٹھتے ہوئے بولا تھا۔

”میں جا کر ماندہ کی مدد کر دیتا ہوں، یہاں تو سارے ہی بھوکے جمع ہیں۔“ راحم مذاق سے کہتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ماندہ نے ڈانٹنگ ٹنل پر کھانا پھینکے کے بعد اپنے اور جنین کے لیے ٹرے میں کھانا رکھا تھا اور ان سب کو کھانے کے لیے بلا لائی تھی۔

”جاؤ بیٹا! جنین کے لیے کھانا لے جاؤ، آپ بھی اُسی کے ساتھ کھا لیتا، ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوگی خود لے لیں گے۔“ نوید عالم چیخ پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے اور وہ اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی تھی، پھر بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھا گیا تھا اور کھانے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا، جب زرین کی شادی کی بات فریدہ نے کر دی تھی اور اس موضوع پر کافی ہی دیر بات چلتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”اجد بھائی! کھانا کھا لیں۔“ اس نے صبح سے ہی کچھ نہیں کھایا تھا، اس لیے زرین سے ابھی آنے کا کہہ کر وہ چیخ کرنے چلا گیا تھا۔ کیونکہ وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا، اس لیے اسے ہی پلٹ پر نیم دراز تھا، سیر کی ٹینشن کی وجہ سے وہ جنین کے ساتھ اتنی سختی سے پیش آیا تھا، مگر جنین کا رد عمل اسے دکھ سے دوچار کرتے ہوئے اس کی ٹینشن کو مزید بڑھانے کا سبب بن گیا تھا۔

”تو وغیرہ کیا ابھی تک پیچھو کے ہاں سے نہیں آئے؟“

”راحم! فون آیا تھا کہ وہ لوگ کھانا کھا کر آئیں گے، اس لیے ہم لوگ سمجھانا کھا لیں۔“ زرین اپنی چیز پر بیٹھے ہوئے بتانے لگی تھی، راحم کا فون اُسی نے اٹینڈ کیا تھا۔

”جنین کیسی ہے، وہ ٹھیک تو ہے؟“

”وہ ٹھیک ہے، ارحم کو وہ اپنے ہی اسٹاپ پر مل گئی تھی۔“ زرین اس کی فکر مندی ختم کرنے کے لیے راحم سے ہونے

والی گفتگو بتانے لگی تھی۔

”ٹھیک گاؤں کو ارحم کو مل گئی تھی، ورنہ اس کی جذباتیت نجانے کیا رنگ لاتی۔“ وہ کہتے ہوئے نوالہ منہ میں رکھ گیا تھا۔

”اجد بھائی! آپ کو جنین پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔“

”وہ سب ٹینشن میں ہو گیا، ایسا تو کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا، اسی لیے میں نے اس وقت جنین کو جانے کو کہا تھا، کیونکہ میں اپنی فرسٹریشن اس پر نہیں نکالنا چاہتا تھا، مگر وہ ضدی لڑکی....“ اس کے ہنکارا بھرنے پر شاز مین بولی تھی۔

”جو ہونا تھا وہ ہو گیا، لیکن جنین کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”اب کیا کہہ سکتے ہیں، یہ تو ہم میں سے کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ غصے میں گھر سے ہی نکل جائے گی۔“ زرین قدرے افسوس سے کہہ رہی تھی۔

”بھائی! آپ کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہیں، کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟“

”ہاں.... تھی ایک پرائلم، مگر اب وہ سولو ہو چکی ہے، یو ڈونٹ وری۔“ وہ ٹینکین سے منہ اور ہاتھ صاف کرتا چیخ کر اٹھ گیا تھا۔

”زرین! چائے مجھے کمرے میں دے دینا۔“

”یہ نہیں کیا بات ہے جو اجد بھائی ہم سے چھپا رہے ہیں۔“

”ہوسکتا ہے بات ایسی ہو جو وہ بتانہ سکتے ہوں، اور وہ جب کہہ رہے تھے کہ مسئلہ حل ہو چکا ہے تو تمہیں فضول کی سوچیں پالنے کی ضرورت نہیں ہے اور اب فوراً اُٹھو، جا کر چائے بناؤ، اور مجھے بھی کمرے میں ہی دے دینا، طبیعت کچھ

بوجھل سی ہو رہی ہے، برتن صبح دھو لوں گی، تم صرف چائے بنا لیتا۔“ وہ چھوٹی بہن کو ہدایت کرتی اُٹھ گئی تھی اور شاز مین نے چائے چڑھا کر برتن دھو کر شروع کر دیئے تھے اور چھٹی دہر میں چائے بنی تھی برتن بھی دھل گئے تھے اور وہ اجد کو چائے دے کر دو کپڑے میں رکھے زرین کے کمرے میں آ گئی تھی۔

”زرین! آئی! سر میں بہت درد ہو رہا ہے تو میں دبا دو؟“ زرین سیدھے ہاتھ سے ماتھا اور کٹی مسل رہی تھی، تو اسے فکری ہونے لگی تھی۔

”جنیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بیٹھتے ہوئے کپ اٹھانے لگی تھی۔

”آپ جنین کے بارے میں سوچ رہی ہیں؟“

”نہیں، اس بے وقوف سے مجھے اتنی بڑی غلطی کی توقع نہیں تھی، یہ نہیں فضول سوچیں کہاں سے اس کے دماغ میں آ جاتی ہیں۔“ وہ اس کی بات کی نفی کرتے ہوئے اُسی موضوع کو کھول بیٹھی تھی۔

”لیکن ارحم بھتا.... وہ یہاں کیا کر رہے تھے؟“

”اب بے وقوفوں والی باتیں تو نہ کرو، ظاہر ہے وہ ہمارے ہی گھر آ رہے ہوں گے۔“ اس کے چڑنے پر وہ کچھ خفیف سی ہو گئی تھی۔

”میرا یہ مطلب تھوڑی تھا، آپ یہ بتائیے آئی! کہ آپ جنین کو لے کر پریشان ہیں یا کوئی اور بات ہے؟“

”کیسی باتیں کر رہی ہو شاز مین! ظاہر ہے میں جنین کو ہی لے کر پریشان ہوں، اس کی حرکت نے ہم سب کو ہی پریشان کر دیا تھا۔“

”مگر وہ خبریت سے ہے، اس لیے آپ کو بریکس ہو جانا چاہیے، آپ کہیں فیصل بھائی کے بارے میں تو نہیں سوچ رہیں؟“ وہ ایکساٹینڈ ہو گئی تھی اور نگاہوں میں رکھتے ہوئے شریزنگا ہوں سے بہن کو دیکھنے لگی تھی۔

”میں اُن کے بارے میں کیوں سوچوں گی؟“ وہ کچھ تھا ہوئی تھی، مگر جس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ فل فارم میں آچکی تھی۔

”کیوں بھی! آپ کیوں فضیل بھائی کے بارے میں نہیں سوچیں گی، آفر آل وہ آپ کے ہونے والے شوہر ہیں، آپ کو تو اب اُن کے خواب دیکھنے کی بھی اجازت ہے۔“

”فضول باتیں نہ کرو شازمین! میرے سر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے۔“

”یہ بتائیے نا آپ کو وہ لگتے کیسے ہیں؟“

”جیسے ہیں ویسے ہی لگتے ہیں، اب اٹھو یہاں سے۔“

”کیا آپ! اب مجھ سے بھی چھپائیں گی؟ بتائیے نا، آپ کو فضیل بھائی کیسے لگتے ہیں؟ آپ کی اُن سے بہت جلد

شادی ہونے والی ہے، شادی اسی ماہ۔۔۔!“

”شازمین! کیوں دماغ خراب کر رہی ہو؟“

”آپ مجھے جب تک نہیں بتائیں گی کہ آپ کو بھائی پسند ہیں یا نہیں، تو میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔“ وہ اس کا

روڈ انداز نظر انداز کرتے ہوئے پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔

”میں نے فضیل کے بارے میں اس طرح بھی نہیں سوچا تھا۔“

”کیا وہ آپ کو نا پسند ہیں؟“

”میں نے ایسا نہیں کہا، فضیل کی فیملی سے ہماری فیملی کے بہت اچھے تعلقات ہیں، فضیل کے بارے میں، میں نے

یہ گمان بھی نہیں کیا تھا۔“

”کیا آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں؟“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی اور وہ دھک سے رہ گئی تھی اور دل کا چور

چھپانے کے لیے ننگی سے بولی تھی۔

”بس اپنی ہی ہانکے جایا کرو، میں نے ایسا کب کہا؟“

”وہ مجھے ایسا لگا تو میں نے کہہ دیا، کیونکہ آپ جب سے ہی مضطرب لگ رہی ہیں، جب سے فضیل بھائی کا آپ کے

لیے رشتہ آیا ہے۔“ اُس کا انداز پُر سوچ تھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے فضیل کو میرے لیے میرے پیرئش نے بٹھا ہے، اور مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں

ہے۔“ وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھی، کیونکہ حقیقت بھی یہی تھی، اُس کے دل میں کوئی اور تھا بھی تو وہ اُسے اپنے دل میں

ہی دُن کر دینے کا فیصلہ کر چکی تھی، کیونکہ وہ ان بیٹیوں میں سے نہیں تھی جو والدین کی عزت خراب کرنے کا سبب بنتی ہیں،

اس کا شمار تو ان بیٹیوں میں ہوتا تھا جو والدین کے فیصلوں کے احترام میں اپنی بڑی سے بڑی خوشی بھی تیاگ دیتی ہیں اور

اُن کا حکم عبادت سمجھ کر مانتی اور پورا کرتی ہیں۔

”یہ بات تو میں محسوس کر ہی سکتی ہوں، جس دن مہوش آئی اور اُنکل شگن کے لیے آئے تھے، امی نے آپ کو اُسی دن

بتایا اور ایک ماہ میں شادی کی بات ہو رہی ہے، نہ آپ سے کسی نے کچھ پوچھا اور نہ ہی آپ نے خود کچھ کہا۔“

”وہ بہن کی فرمانبرداری سے واقف تھی۔“

”شازمین! تم کبھی باتیں کر رہی ہو، اب امی، ابو فیصلے مجھ سے پوچھ کر کریں گے؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور

کچھ نہیں، ورنہ 3 ماہ قبل راحم سے تمہاری منگنی کرتے وقت کب پوچھا گیا تھا اور تو اور احمد بھائی سے بھی نہیں پوچھا گیا۔

ہمارے پیرئش ہماری لیے جو فیصلے کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہیں، انہوں نے ہم سے زیادہ دیکھا دیکھی ہے، ہم اُن کے فیصلوں

کو کیسے چیلنج کر سکتے ہیں؟“

”ہماری زندگی کے اتنے بڑے فیصلے کرتے وقت ہماری رائے تو لی جاسکتی ہے؟“

”یہ بات تمہیں راحم سے منگنی کے وقت کرنی چاہیے تھی، ویسے کیا تمہیں راحم سے رشتے پر اعتراض ہے؟“

”میں نے یہ کب کہا، میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں، کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں اور راحم ایک دوسرے سے

محبت کرتے ہیں، تو اعتراض کیوں کرتی ہیں؟ میرے تو دل کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔“

”یہی بات ہے، پیرئش اپنے بچوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں سوچتے، تم نے انہیں کچھ نہیں بتایا، مگر وہ بغیر جانے

بھی تمہارے دل کی بات جان گئے اور جہاں تک میری بات ہے، میں اس رشتے کو نہ پسند کرتی ہوں اور نہ میں اس رشتے

کے خلاف ہوں، کیونکہ یہ میرے پیرئش کا فیصلہ ہے جس کا میں احترام کروں گی۔“ وہ نہایت سچائی سے کہہ رہی تھی۔

”آپ سے تو مجھے یہی امید تھی، مگر میں نے یہ ذکر اس لیے کیا کہ مجھے لگتا تھا کہ شاید آپ کسی کو پسند کرتی ہیں، اور ابو

کے فیصلے کا احترام کرنے کے لیے پُپ ہیں اور آپ! ایسی بات ہے تو آپ اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں، کیونکہ آپ کو حق

حاصل ہے کہ آپ اپنی پسند سے اپنے پیرئش کو آگاہ کریں۔“

”لیکن۔۔۔ میں ایسا نہیں سمجھتی، اور تم جیسا سوچ رہی ہو ویسا تو بالکل نہیں ہے، اگر ایسی کوئی بات ہوتی بھی تو میں کبھی

ابو سے تو کیا امی سے بھی نہ کہتی، کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ پیرئش بچوں کا بڑا کبھی نہیں چاہتے اور ابو نے میرے لیے فضیل کو

پسند کیا ہے تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ابو سے کروایا ہے، اب میں اپنی پسند بتا بھی دوں تو کیا فائدہ؟ مجھے ملے گا تو وہی جو

میرے نصیب میں ہے، اُس سے بس اتنا ہوگا کہ میرے والدین کا مان جو وہ مجھ پر رکھتے ہیں، ٹوٹ جائے گا، اور جو میں

کبھی نہیں چاہوں گی۔“ زرمین کو وہ بس دیکھ کر رہ گئی تھی، جو آٹھوں کی نمی چھپانے کی کوشش میں چہرہ کچھ جھکا گئی تھی اور

انگوٹوں کی پوروں میں آنسو جذب کرنے لگی تھی۔

”آپ! آپ محبت کرتی ہیں ناں اور۔۔۔۔۔“

”پلیز شازمین! یہ بات کبھی نہ کرنا، وہ میرا ایک ایسا خواب ہے جو کبھی تعبیر نہیں پائے گا، اور یہ ذکر میری ذات کا مان

بکھیر دے گا، اور کیا تم اپنی آپنی کو کھڑتا ہوا دیکھنا چاہتی ہو؟“ وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا گئی تھی اور وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی

اور جتنے آنسو اُس نے شازمین کے سامنے روک لیے تھے اُس سے کہیں زیادہ واش روم میں آکر شیشے کے سامنے کھڑے

ہو کر بہا دیئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”بھائی صاحب! پھر آپ نے زرمین بیٹی کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ خواتین مل بیٹھ کر کوئی فیصلہ کر لیں، تیاریاں بھی تو آپ لوگوں نے ہی کرنی ہوں گی، ہاں

جو کام ہمارے کرنے کے ہیں، وہ ہم لوگ کر لیں گے۔“

”میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ کا نام لے کر شادی کی تاریخ مقرر کر دینی چاہیے، پھر آگے ہماری زرمین بیٹی کا نصیب، لڑکا

اور فیملی دونوں ہی دیکھے بھالے ہیں، سوچ بچار کرنے سے کیا فائدہ؟“ یوسف اُسن چائے کے سپ لیتے ہوئے کہہ رہے

تھے۔

”ممبیتاجی! بیٹیوں کی شادی میں سو بکھیرے ہوتے ہیں، 20، 22 دنوں میں سب کیسے منہج ہوگا؟“ راشدہ اتنی جلد

بازی کے خلاف ہی تھیں۔

”سب منہج ہو جائے گا بھابی بیگم! اور آپ اکیلی نہیں ہیں، ہم سب بھی تو ہیں، ہم سب مل کر ذمہ داریاں بانٹ لیں

”حم“

”یوسف بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، بس بھائی صاحب! اللہ کا نام لے کر ہاں کروں، اللہ تعالیٰ ہماری زمین کے نصیب سے سب اچھا ہی کرے گا۔“

”ٹھیک ہے بھئی!... جیسے آپ سب کی مرضی ہو۔“ نوید عالم کو اور کیا چاہیے تھا، جب ان کی بیٹی کو اتنے دماغیں دینے والے اور آگے بڑھ کر کام کرنے والے موجود تھے تو وہ کیوں خود کو ہلکان کرتے، اور زمین کی شادی انہیں آج نہیں توکل، کرنی ہی تھی، اس لیے انہوں نے اپنی رضامندی دے دی تھی۔

”میں ابھی فون کر کے مہوش سے کہہ دیتی ہوں، تاکہ وہ کل ہی تاریخ لینے آجائے۔“

”اتنی جلدی کیا ہے، صبح فون کر لینا۔“

”نہیں، بھائی بیگم! نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے، جاؤ فریدہ! فون کرلو، اور تم اٹھو راحم! اور دوڑ کر مٹی لے آؤ، تاکہ ہم سب منہ میٹھا تو کر لیں۔“ یوسف اکسن کے کہنے پر راحم فوراً ہی اٹھ گیا تھا اور فریدہ کے کہنے پر ماندہ دارلیس فون لینے چلی گئی تھی۔

”ہاں بھئی!... مہوش! کیسی ہو؟“ سلام دعا کے بعد فریدہ نے دوست کی خیریت دریافت کی تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر فریدہ ٹوکی کام کی نہیں ہے یارا! وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں اور بے تکلفی ہی اسی لحاظ سے تھی۔“

”کیوں بھئی! ایسا کیا کام کہہ دیا تھا تم نے جو میں نے نہیں کیا؟ بھول گئیں!... اپنے فضل کی بات میں نے کیسے منٹوں میں طے کر وادی، ورنہ جو تے ہی سمجھتی رہتیں، بھائی صاحب نے اتنی جلدی ہاں نہیں کہنی تھی، وہ تو میں ہی جانتی تھی جو بھینوں کا کام دونوں میں کروادیا۔“ انہوں نے دوست کو شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

”چلو بھئی! اب انتظار کی گھڑیاں شروع ہوتی ہیں، یہ محترمہ گھنٹہ 2 گھنٹے سے پہلے فون نہیں رکھنے والیں۔“ یوسف اکسن کی بات پر سب ہی مسکرا دیے تھے۔

”یارا! کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہے، مگر یہ مت بھول کہ صرف ٹو ہی نہیں، میں بھی نوید بھائی صاحب کی بہن ہوں، میں ڈائریکٹ اُن کے آگے دست سوال بلند کرتی تو وہ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، زمین میری بھی تو بیٹی ہے، حق رکھتی ہوں اُس پر۔“ مہوش حق سے بولی تھیں، کیونکہ نوید عالم نے فریدہ اور مہوش میں کبھی بھی فرق نہیں کیا تھا۔

”تو ہمیں کون سا انکار ہے کہ تم حق نہیں رکھتیں، تمہارا حق تسلیم کرتے ہیں، جیسی تو سوچنے کا نام بھی نہیں لیا اور بات طے کر دی۔“

”تم نے بھائی صاحب سے بات کی کہ میں اسی ماہ کی کوئی تاریخ رکھنا چاہ رہی ہوں؟“

”بات کی تھی میں نے، مگر بھائی صاحب اتنی جلدی پر کچھ متعرض ہیں۔“

”تم نے بات منوانے کی کوشش تو کی ہوئی۔“

”مجھے کیا لگتا ہے میں نے کچھ نہیں کیا، ہر طرح سے کوشش کی، مگر بھائی بیگم بھی راضی نہ ہوئیں۔“ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔

”تمہاری ماں، کبھی بڑی نہیں ہوگی، اب دوست کو ستائیں گی اور پھر خوب اُس کا مذاق بنا کر نہیں گی، وہ خفا ہائے گی تو دوڑی دوڑی اُسے منانے جائیں گی۔“ یوسف اکسن بیوی کو پیار سے دیکھتے ہوئے بیٹے سے بولے تھے کیونکہ دولت سے جائیں یا ایرضی میں وہ ہی تو انہیں 27 سالوں سے لے جا رہے تھے، ارحم محض مسکرا دیا تھا، کیونکہ وہ بھی اپنی ماں کے

اس خوبصورت روپ سے بے خبر ہوئی واقف تھا۔ وہ ایک زندہ دل ہنسنے والی خاتون تھیں، کسی کو ناراض تو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

”مجھ سے کچھ نہیں ہوگا، میں کل ہی بھائی صاحب کے گھر جاؤں گی، اور دیکھنا تاریخ لے کر ہی لوٹوں گی۔“ مہوش کے لہجے میں وہ مان بول رہا تھا جو نوید عالم نے انہیں سونپا تھا اور وہ برملا کہتی تھیں کہ اُن کا ایک نہیں دو بھائی ہیں۔

”ٹھیک ہے، ٹوکل بھائی صاحب کے گھر پوری تیاری کے ساتھ آجا، پھر ہم دونوں مل کر انہیں منالیں گے۔“ انہوں نے مہوش کا مان بڑھانے کے لیے اُسے سچائی نہیں بتائی تھی۔

”اور یہ بتا دیتا صاحب سے میرا کی شادی کی کیا ڈیٹ لی ہے؟“

”اس ماہ کی 24 کی مایوں، 25 کی برات اور 26 کا ولیمہ، جبکہ فیاض کہہ رہے تھے ولیمہ کچھ دن کے گپ سے رکھ لینے ہیں، مگر بھئی صاحب نے اس کے لیے منع کر دیا۔“

”ٹھیک ہے، ٹوکل بھائی صاحب کے گھر آجا، اور ایسا کرنا بھئی صاحب کو بھی لے کر آنا، تاکہ دونوں بچپن کی تاریخ ساتھ ہی طے کر لیں۔“

”ہاں!... بھئی ٹھیک رہے گا، بس اللہ کرے بھائی صاحب مان جائیں، کیونکہ فضل کے سر پر سہرا اپنی ہی زندگی میں سجا دیکھنا چاہتے ہیں، فضل کو بھئی صاحب نے ہمیشہ بیٹوں کی طرح ہی سمجھا ہے۔“ وہ کچھ اُداس ہو گئی تھیں۔

”پریشان نہ ہو مہوش! اللہ سب بہتر کرے گا، اور دیکھنا بھئی صاحب کو بھی کچھ نہیں ہوگا، وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔“

”آمین!...“ ان دونوں نے ایک ساتھ دل سے کہا تھا۔

”اچھا اب میں فون رکھتی ہوں، کل بھائی صاحب کے گھر ملاقات ہوگی، اور بیٹا پوری تیاری سے آنا، ہم لڑکی والے ہیں، تاریخ دینے میں کچھ تو خیرے دکھائیں گے۔“

”تیرے خیرے سر آنکھوں پر، مگر یاد رکھنا، صرف لڑکی کی نہیں، تم لڑکے کی بھی اکلوتی پچھو ہو۔“ انہوں نے فریدہ کو کچھ یاد دلانا چاہا تھا۔

”یاد ہے مجھے، نیک لینے کا وقت آیا ہے تو بھولوں گی نہیں، اور میرے دودھ بھتیجیوں کی شادی ہے، نیک بھی اُسی حساب سے لوں گی، یاد رکھنا۔“ فریدہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا تھا۔

”بھائی صاحب! وہ کل آ رہی ہے، تاریخ لینے۔“

”آپ کی باتیں ہم تم چکے ہیں، بات مختصر نہیں کر سکتی تھیں؟“

”آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں یوسف! مجھ سے ہاں ہاں، جی جی کر کے باتیں نہیں ہوتیں، بات سے بات خود ہی نکل جاتی ہے۔“ وہ کچھ خفا ہوئی تھیں۔

”اچھا بھئی! ہمیں اب اجازت دو، کافی وقت گزر گیا ہے، بچیاں بھی گھر میں پریشان ہو رہی ہوں گی اور اب تو کل کے انتظامات کرنے کی بھی فکر ہے۔“ راشدہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

”کل کی تو آپ فکر ہی نہ کریں بھائی بیگم! سب کام اچھے ہو جائیں گے، صبح ہی فریدہ وہاں آپ کی مدد کو پہنچ جائے گی۔“ یوسف اکسن کی اپنائیت پر وہ مسکرا دی تھیں اور وہ لوگ اجازت لے کر چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

(جاری ہے)

بندوبست لکی جاننا

”حنین ابھی سو کر نہیں اٹھی۔“

”مما! اُسے اٹھانے لگی تھی، مگر اُسے تو بہت تیز بخار ہے۔“ ڈاکٹرنگ ٹیبل پر بریک فاسٹ کے لیے سب ہی موجود تھے۔

حنین کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔

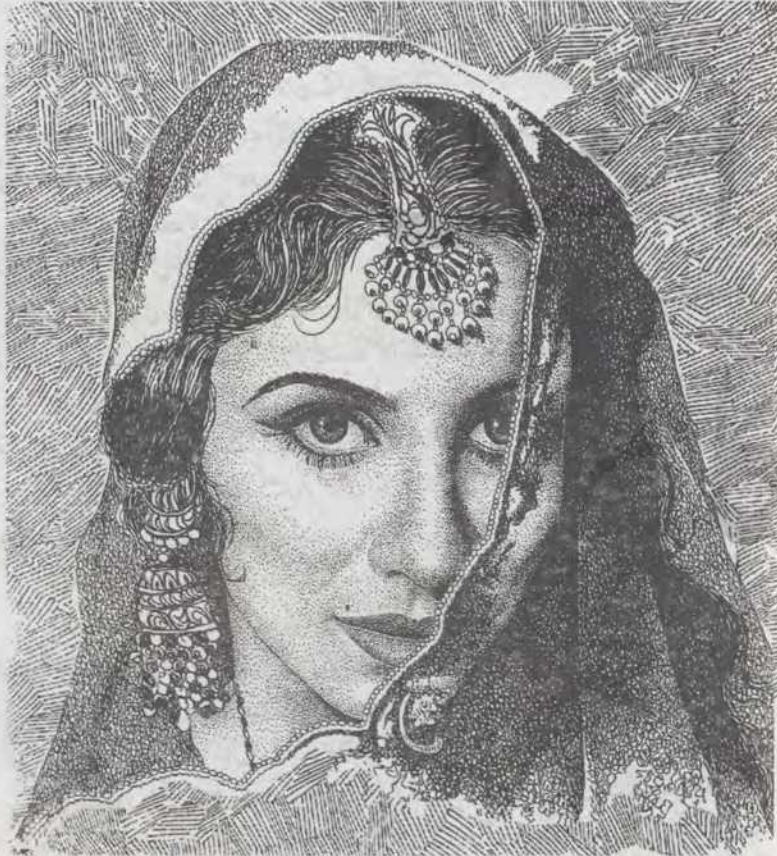
”کیا...؟ تم ایسا کرو ڈاکٹر کو فون کر دو، آپ سب ناشتہ کر لیں، آپ لوگوں کو دیر ہو رہی ہے، میں جا کر دیکھتی ہوں۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھیں۔

”مما! میں آپ کے ساتھ چل کر...!“

”اس کی ضرورت نہیں ہے راجم! تم ناشتہ کرو اور آفس جاؤ، میں ہوں ناں، دیکھ لوں گی۔“ وہ عجلت میں مائدہ کے روم کی طرف بڑھی تھیں، بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بڑی طرح جل رہی تھی۔

”حنین بیٹا! آنکھیں کھولو۔“ وہ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پیار سے بولی تھیں۔

”مما! ڈاکٹر سیکند آگئی ہیں۔“ ڈاکٹر سیکند ان کی ہی لائن میں 3 منٹ کے چھوڑ کر چوتھے منٹ کے میں رہتی تھیں اور اس وقت وہ اسپتال جانے کے لیے ہی نکل رہی تھیں، اس لیے فوراً ہی وہاں چلی آئی تھیں۔



”السلام علیکم سز یوسف! کیسی ہیں آپ؟“ ڈاکٹر خوشدلی سے خیریت دریافت کر رہی تھیں۔

”اللہ کا شکر ہے، جتنی ہے میری حسرتیں“ وہ اس کو چیک کر رہی تھیں، جب انہوں نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

”پریشان نہ ہوں سز یوسف! بخار کچھ ہی دیر میں اتر جائے گا۔“ پریسکشن انہیں دیتے ہوئے وہ بولی تھیں۔ وہ جو

ماننے کے لیے اجازت طلب کرنے لگی تھیں مائدہ ان کے لئے چائے لے آئی تھی۔

”مائدہ! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی، میں ابھی ناشتہ کر کے ہی آئی ہوں۔“

”چلیں تھوڑی سی پی لیں، میں زیادہ دیر چائے نہیں بناتی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ٹرے ڈاکٹر سیکینہ کے آگے کی

تھی۔

”میں نے آپ کی جتنی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا، کیا یہ کسی دوسرے شہر میں رہتی ہیں؟“

”ارے نہیں بیٹا! آپ نے شازمین کی تصویر دیکھی ہے ناں، یہ انہی کے ساتھ رہتی ہے، شازمین میرے بڑے بھائی

کی اور حسرت چھوٹے بھائی کی بیٹی ہے، جس کی کافی برس پہلے ڈیڑھ ہو گئی تھی۔“ وہ کچھ اداں ہو گئی تھیں۔

”شازمین وہی ہے نا جو آپ کی ہونے والی بہو ہے؟“ وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔

”مائدہ کی انجسٹ جس سے ہوئی ہے وہ ان کے کیا لگتے ہیں؟“

”اجد میرے بڑے بھائی کا بیٹا ہے، حسرت کا فرسٹ کزن۔ آپ سنا ڈاکٹر میں سب کیسے ہیں؟ غمزدگی کا کافی دنوں سے نظر

نہیں آئیں، طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ انہوں نے سیکینہ کی ساس کا پوچھا تھا، وہ ڈیڑھ سال قبل ہی نجمہ کی بہو بن کر آئی تھی۔

”امی جان خیریت سے ہیں، مگر آج کل آسیدہ کے گھر گئی ہوئی ہیں، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے نندا کا

نام لیا تھا جس کی آٹھ ماہ قبل ہی شادی ہوئی تھی۔

”اب میں چلوں گی، مجھے اسپتال جانا ہے، ان کی طبیعت کچھ ہی دیر میں سنبھل جائے گی، کوئی پریشانی والی بات ہو تو

میرے سب پر مجھ سے کونٹیکٹ کر لیجئے گا۔“ ڈاکٹر سیکینہ نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی تھی۔

”ممی.....!“ وہ نیم غودگی میں اس کو بیکار رہی تھی، فریدہ اس کے سر ہانے بیٹھے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھیں،

تقریباً 20 سے 25 منٹ میں اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا۔

”تھینکس گاڈ..... بیٹا! کہ تم نے آنکھیں تو کھولیں، میں تو ڈر رہی گئی تھی، اب کیسا فیل کر رہی ہو؟“ وہ ٹاول باؤل میں

ڈالتے ہوئے اس کے زرد چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

”پچھو! مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ اس نے رات مائدہ کے بہت کہنے پر بھی 4، 2 لقمے ہی کدائے تھے۔

”تم جا کر منہ تھو دو، میں تمہارے لیے جوس لے کر آتی ہوں۔“ وہ اتنا ہی بولی تھیں کہ مائدہ اس کے لیے جوس لے کر

خود ہی آگئی تھی۔

”مائدہ! جا کر حسرت اور میرے لیے ناشتہ لے آؤ۔“ وہ جوس کی ٹرے لیتے ہوئے بولی تھیں۔

”راجم اور ارحم چلے گئے؟“ خیال آنے پر پوچھا تھا۔

”جی ہاں! دونوں چلے گئے ہیں اور پایا پوچھ رہے ہیں کہ آپ ماموں جان کے ہاں کب تک جائیں گی؟ کیونکہ انہیں

انے دوست کی طرف جانا ہے۔“ وہ جاتے ہوئے پلٹ آئی تھی اور حسرتیں واداش روم کے ڈور کے پاس ہی رک گئی تھی۔

”پچھو! میں وہاں نہیں جاؤں گی، کیا آپ مجھے اپنے گھر میں نہیں رکھ....“

”تم فریش ہو کر آ جاؤ، تو زبردست قسم کی نیوز سناؤں گی اور بے فکر رہو، میں اب تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔“ اسے

کھڑے دیکھ کر تلی دی تھی اور وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔

”بالکل پاگل ہے یہ لڑکی۔“ وہ ایک سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

”پاپا سے کیا کہوں، آپ جائیں گی یا نہیں؟“

”اُن سے کہہ دو گیارہ بجے تک جاؤں گی، اگر انہیں جلدی جانا ہو تو چلے جائیں، میں عکسی سے چلی جاؤں گی۔“ کبل تہہ

کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

”مائدہ! ایسا! آپ نے آلیٹ بہت مزے کا بنایا ہے، بالکل زرمین آ پی.....!“ وہ جان کر ادھوری بات چھوڑ گئی تھی۔

”تم نے بالکل ٹھیک کہا، زرمین کے ہاتھ میں ڈانڈ بہت ہے، وہ تو مجھ سے بھی زیادہ ڈانڈ دار کھانا بناتی ہے۔“ مائدہ

نے اس کی ادھوری بات کو بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھایا تھا۔

”پلیز مائدہ! ایسا! مجھے ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی ہے۔“ اس نے حلقی کے اظہار کے لیے آدھا کھانا

ہوا سلاٹس پلیٹ میں واپس رکھ دیا تھا اور منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

”ناشتہ تو پورا کرلو۔“

”بس پچھو! میرا پیٹ بھر گیا ہے۔“

”تم زرمین سے کیوں ناراض ہو، کیا زرمین نے بھی تمہیں ڈانڈا ہے؟“

”نہیں، زرمین آ پی تو بہت اچھی ہیں، وہ ہمیشہ میری سائیڈ لیتی ہیں۔“ وہ منہ پھلائے پھلائے ہی زرمین کی تعریف میں

کہہ اٹھی تھی۔

”مگر شازمین بچو، وہ بہت گندی ہیں، وہ کبھی میری سائیڈ نہیں لیتیں، وہ تو ممی کی طرح یہ کرو، یہ نہ کرو کی گردان ہی کرتی

رہتی ہیں۔“

”اچھا، شازمین ایسی لگتی تو نہیں ہے، لاسٹ ٹائم میں نے فون پر جب اس سے بات کی تھی تمہاری بہت تعریف کر رہی

تھی۔“ مائدہ کے انداز میں کچھ حسرت سی گئی، جبکہ وہ چونک گئی تھی۔

”شازمین بچو..... اور میری تعریف کریں ناممکن، وہ تو مجھے زرمین اپنا کی بہن نہیں ممی کی جیلا لگتی ہیں۔“

”واٹ جیلی! حسرت!“ مائدہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

”مجھے ایگزیکٹ تو نہیں پتا، بٹ جو ممی کہتی ہیں وہی کہتی ہیں وہ۔“

”حسرت! لڑکیوں کو دیر تک نہیں سونا چاہیے، حسرت! دوپٹے کو سلینے سے اوڑھ کر رکھنا چاہیے، حسرت! یہ، حسرت! وہ۔“ اس نے

شازمین کی اور ساجدہ کی نقل اتارتے ہوئے مائدہ بنایا تھا۔

”بھائی جو کہتی ہیں تمہارے بھلے کے لیے ہی تو کہتی ہیں۔“ انہوں نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

”بھلے کے لیے نہیں کہتیں، ہر وقت بس میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں، کوئی موقع جانے نہیں دیتیں، تاپا یا بو کا کاندھے پر

بیار سے بانٹیں ڈالتی ہوں تو غصے سے گھورنے لگتی ہیں، کیا وہ میرے ابو نہیں ہیں؟ میں ان سے پیار نہیں کر سکتی، کوئی فرمائش

نہیں کر سکتی؟ مگر می کہتی ہیں مجھے ایسی حرکتیں نہیں کرنی چاہئیں، میں اب بڑی ہو چکی ہوں، مگر پیچھو! کیا جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو ہمیں اپنے پیرئس سے محبت نہیں کرنی چاہیے؟ می کو جب کبھی پیار سے کس کر لیتی ہوں تو بھی مجھے ڈانٹتے لگتے ہیں، انہیں بس مجھے ڈانٹنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔ بات کرتے ہوئے خود بخود آنسو بہنے لگے تھے۔

”حنین! بھائی تم سے بہت محبت کرتی ہیں۔“

”نہیں، وہ مجھ سے محبت نہیں کرتیں، ہر وقت ڈانٹتی تو رہتی ہیں اور کل تو مجھے انہوں نے مارا بھی۔“

”صرف اس لیے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہیں، تمہیں ایک دم پریکٹ دیکھنا چاہتی ہیں، کیونکہ جب کوئی تمہاری تعریف کرے گا تو ان کو خوشی ہوگی، اور تمہاری چھوٹی چھوٹی شرارتیں انہیں بھی پسند ہیں، اگر وہ تمہیں ٹوکتی ہیں تو صرف اس لیے کہ تم کچھ بچپور ہو جاؤ، کیونکہ انسان ہر وقت تو بھئی مذاق نہیں کر سکتا، اور کوئی تمہیں دیکھ کر یہ کہے کہ تم انٹر کی اسٹوڈنٹ ہو کر بچوں والی حرکتیں کرتی ہو تو وہ یہ نہیں سنا چاہتیں، کبھی بھی لاڈ سے باپ کے کاندھے سے لگ جانا، ماں کا چہرہ چوم لینا، بہت اچھا ہے، مگر ہر وقت یا کسی کے سامنے یہ سب کرنا، ہمارے منہ پر بعض اوقات برا اثر بھی ڈال سکتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنے انداز سے سوچتا ہے، وہ تمہاری ایسی پیار بھری ادا کو پوزیٹو بھی لے سکتا ہے اور نیکیو بھی، اور ہمیں تو ایسی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارا تاثر ہمیشہ مثبت ہی پڑے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

”تمہیں پتا ہے حنین! کہ جب کبھی مجھے رات میں ڈر لگتا ہے یا نیند نہیں آ رہی ہوتی تو ماما کو میں اپنے کمرے میں بلا لیتی ہوں اور ماما کے بازو پر سر رکھ کر ان کا ہاتھ تمام کر سو جاتی ہوں، اگر میں روز روز ایسا کروں گی تو ڈر پوک مشہور ہو جاؤں گی۔“

آخری بات کہہ کر ماندہ ہنسنے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”یہی تو می بھی کہتی ہیں، مجھے روز ہی رات کو سوتے میں ڈر لگتا ہے اور میں اپنے کمرے سے ماما کے کمرے میں آ جاتی ہوں تو می کہتی ہیں میں اکیلے سونے کی عادت ڈالوں ورنہ سب مجھے ڈر پوک کہیں گے اور اس بات کا شاز میں بچو تو بہت ہی مذاق بناتی ہیں، مگر مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے تو کیا کروں؟“ وہ کچھ لمبی سے ماندہ کو دیکھنے لگی تھی۔

”میری طرح پر یو بنو یا ر! مجھے زیادہ ڈر لگتا ہے کبھی، تو میں آنکھیں تختی سے میچ کر آتی۔ الکرسی کا ورد شروع کر دیتی ہوں اور پتہ بھی نہیں چلتا کب سو جاتی ہوں، روز ماما کو پریشان نہیں کرتی۔“

”اچھا... اب میں بھی ایسا ہی کروں گی ایسا! کیونکہ ماما کو میں پریشان نہیں کرنا چاہتی، میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔“

”وہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں اور کتنا تمہارا خیال رکھتی ہیں، سچ کہوں ناں حنین! تو کبھی کبھی مجھے تم سے جیسی فیمل ہوتی ہے اور میں سوچتی ہوں کہ کاش ماما میری ماما ہوتیں۔“

”آپ... ایسا سوچتی ہیں؟ پیچھو می تو آپ سے کتنا پیار کرتی ہیں؟“

”ماما مجھے واقعی بہت پیار کرتی ہیں، لیکن اتنا نہیں جتنا ماما تم سے کرتی ہیں، تمہیں ماماں جان اور ماما جان بھی بہت پیار کرتے ہیں، ماما اور پاپا کو ہر وقت تمہاری فکر لگی رہتی ہے، زمین اور شاز میں کو تمہارا کتنا خیال رہتا ہے، تم بہت لگی ہو حنین! مجھ سے بھی زیادہ، کیونکہ تم تینوں فیملیز میں سب سے چھوٹی ہو، اس لیے ہر کسی کو تمہاری فکر رہتی ہے، سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔“

”یہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ایسا! سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں، لیکن میری رائے اہمیت نہیں رکھتی، کچھ کبھی کہنا چاہتی ہوں تو چھوٹا کہہ کر کبھی می تو کبھی ماما جان چپ کر دیتی ہیں۔ اب دیکھیں میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں، تاپا اب تو راضی بھی ہو گئے، مگر می... وہ کہتی رہتی ہیں کہ میں ابھی بچی ہوں، اتنی بڑی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی اور امجد بھائی... انہیں تو میری ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے، تو وہ یہاں کیوں پیچھے رہتے؟“

”امجد اگر تمہیں کسی بات سے منع کرتا ہے تو وہ تمہارا خیال بھی تو رکھتا ہے، آکس کریم، چاکلیٹ، کتابیں جو تم منگواتی ہو یا جو تمہیں پسند ہے وہ تمہارے کہنے سے تو کبھی بغیر کہے تمہیں لا کر دیتا ہے اور وہ تمہارا بھائی ہے، کیا اس کا اتنا حق نہیں ہے کہ وہ تمہیں کچھ برا کرنے سے روکے؟“

”جواب کرنا برا ہے پیچھو؟“

”نہیں، بالکل نہیں، مگر ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے، جب تم ماسٹر کی ڈگری لے لیتیں، جب تم ایسی کوئی بات کرتیں تو امجد کبھی منع نہیں کرتا، مگر ابھی تمہارا انٹر کالز آؤٹ نہیں ہوا اور تم آفس جوائن کرنا چاہتی ہو تو وہ تمہیں منع ہی کرے گا۔“

”وہ مجھے پیار سے بھی تو کہہ سکتے تھے، مگر انہوں نے اتنے سخت لہجے میں بات کی اور تو اور مجھے تھپڑ مارا۔“ کل کی بے عزتی یاد کر کے اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

”تمہیں امجد نے کب تھپڑ مارا؟ جب تم نے اس سے بدتمیزی کی یا تم جیسے ہی اس سے بات کرنے لگیں اس نے تمہاری سنے بغیر تمہیں تھپڑ مار کر کرے سے نکال دیا۔“ فریدہ اس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھیں کہ وہ اب کیا جواب دیتی ہے اور کس طرح دیتی ہے؟

”وہ... پیچھو! میں نے ان سے بدتمیزی کی تھی۔“ وہ کافی دیر بعد انک ایک کر بولی تھی اور وہ کچھ شرمندہ سی بھی نظر آ رہی تھی یہ اعتراف کرتے ہوئے۔

”امجد بھائی نے کہا تھا وہ کچھ پریشان ہیں اس لیے وہ مجھ سے صحبت بات کریں گے، لیکن میں نے ان کی یہ بات نظر انداز کر دی اور بہت غصے میں جودل میں آبا کہتی چلی گئی، میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ آفس پر صرف ان کا نہیں میرا بھی حق ہے، ان کے روکنے کے باوجود میں آفس جوائن کروں گی اور انہوں نے مجھے تھپڑ مار کر چپ رہنے کو کہا، مگر میں ان سے بدتمیزی کرنے لگی جبکہ وہ مجھ سے سوری کرنا چاہتے تھے، شاید غلطی میری ہی تھی، مجھے ان سے زبان نہیں چلانی چاہیے تھی۔“ وہ بات کے آخر تک اپنی غلطی کا اعتراف کر گئی تھی۔

”بات اتنی سی ہے حنین! کہ ہمیں دوسرے کو کبھی ایسا موقع ہی نہیں دینا چاہیے، اگر وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا تم خاموش ہو جاتیں، غصے میں تو بس بات ہی خراب ہوتی ہے اور جس طرح تم غصے میں گھر سے نکلیں اگر کچھ ہو جاتا تو...؟“ وہ اس کا سر کاندھے سے لگائے پیٹھ تھپک رہی تھیں۔

”وہ سب بس غصے میں ہو گیا، مجھے لگا کہ مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا۔“

”سب کتنا پریشان ہو گئے تھے، بھابی کا تو دور دورہ کر رہا حال تھا اور بھابی جان نے امجد کو کس قدر ڈانٹا، تم نے سوچا ہے اگر ارم وہاں نہ پہنچتا تو کیا ہوتا؟ یہ دنیا بہت خراب ہے بیٹا! اور لڑکیوں کو بے سوچے سمجھے گھر سے قدم نہیں نکالنا چاہیے۔“ وہ اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

”آئی ایم سوری پھچھو! ایسی غلطی میں کبھی نہیں کروں گی، میں سب سے معافی بھی مانگ لوں گی، سب کو بہت پریشان کیا ہے میں نے۔“

”معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، بس پکا وعدہ کرو آئندہ ایسا نہیں کرو گی، اگر کوئی بات گھر میں ہو بھی جائے تو اس رنجری ایکٹ نہیں کرو گی۔“

”بھئی بھی نہیں پھچھو! اور اس وقت میں کتنا ڈر گئی تھی، وہ تو اچھا ہوا ارحم بھیا وہاں آگئے ورنہ وہ ڈراؤنی شکل والے آدمی، مجھے بجانے کہاں لے جاتے، وہ اتنی واہیات گفتگو کر رہے تھے۔“

”اچھا اب اس قصے کو جانے دو، اس موضوع پر ہم کبھی بات نہیں کریں گے اوکے؟“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

”اوہ گاڈ..... حنین! تم بہت فضول لڑکی ہو، صبح سے ہمیں باتوں میں لگایا ہوا ہے، مجھے ابھی جبکہ گھر کی صفائی اور بکن کی صفائی بھی کرنی ہے، اس لیے میں تو چلی کام کرنے، تم اب صرف ماما کا دماغ کھاؤ۔“ وہ جلدی جلدی کبھی ناشتہ کے برتن اٹھانے لگی تھی۔

”میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ مجھ سے باتیں کریں، مجھ سے بات کرنا اتنا ہی ناگوار گزر رہا ہے تو میں اپنے گھر چلی جاتی ہوں۔“ ان دونوں کا دل چاہتا تھا کہ اپنا انسا پریٹ لیں، یہی تو اس میں بچپنا تھا کہ وہ مذاق چھتی تھی نہ کوئی بات۔ اور ہر ایک بات دل پر لے جاتی تھی اور پھر وہ ہوتی تھی اور اس کے واویلے کہ ”مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا، سب میرا مذاق اڑاتے ہیں“ وغیرہ وغیرہ۔

”کیوں بھئی! اپنے گھر کیوں جاؤ گی، یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟“

”میں تو بھتی ہوں جی تو آئی ہوں، مگر آپ کو میرا آنا شاید پسند نہیں آیا“

”ایک لگاؤں گی تو عقل ٹھکانے آ جائے گی، میں تو کب سے تمہیں بلارہی ہوں، مگر تمہارے خمرے ہی نہیں ملنے، مجھے تو لگتا ہے کہ شاید میں تمہیں اچھی ہی نہیں لگتی، تمہیں تو صرف زمین ہی اچھی لگتی ہے۔“ اس کا موڈ اسی طرح ٹھیک کیا جاسکتا تھا، جیسے وہ دوسروں کو اموشنل بلیک میل کرتی تھی، دوسروں کی اموشنل بلیک میلنگ میں بھی لحوں میں آ جاتی تھی اور ابھی بھی یہی ہوا تھا۔

”نہیں ایسا! اچھی ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔“

”رہنے دو بس، دل مت رکھو میرا۔“

”پھچھو! آپ کچھ بولیں نا ان سے۔“

”بھئی میں تم دونوں کے معاملے میں کچھ بول کر کیوں بُری بنوں؟“ وہ صاف پہلو بچا گئی تھیں جبکہ دل ہی دل میں جھنجھی کی معصومیت پر فخر رہتی تھیں۔

”ایسا! میں سچ کہہ رہی ہوں، آپ مجھے بہت بہت اچھی لگتی ہیں، یقین نہیں آیا نا تو ابجد بھائی سے فون کر کے پوچھ لیں، میں ان سے آپ کی بہت تعریفیں کرتی رہتی ہوں۔“ وہ اپنی ایکساٹمنٹ میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ وہ کچھ دیر پہلے تک ابجد سے ناراض تھی۔

”مجھے تمہاری بات پر یقین آ گیا ہے۔“ وہ کچھ جھینپ کر بولی تھی۔

”تم ابجد سے کیا کہتی ہو؟“ فریدہ بیٹی کو دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

”یہی پھچھو! کہ مامہ آپی بہت اچھا کھانا بناتی ہیں، ان کی پیٹنگ بہت اچھی ہے، ہر کام صفائی سے کرتی ہیں۔“ وہ ان کی شرارت سمجھے بنا اسٹ گنوار ہی تھی اور وہ شرمیں مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی جبکہ حنین اسے آوازیں ہی لگاتی رہ گئی تھی۔

”جانے دو اے، ابھی بہت کام کرنے ہیں اور تم یہ تھیلکس کھا لو، بخاری حرارت سی ہے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے وہ دونائیں جو ڈاکٹر سلکندوے کر گئی تھیں دے دیں۔

”پھچھو! آپ مجھے زبردست بات بتانے والی تھیں۔“ اسے ایک دم خیال آیا تھا اور وہ فوراً ہی پوچھ بیٹھی تھی تاکہ ان کا ذہن بٹ جائے کیونکہ وہ دواؤں کی توسدا سے چور تھی، ساجدہ اور زرین ہی بہت مشکل سے کھلاتی تھیں۔

”ہاں، دیکھو ذرا باتوں میں ذہن سے ہی نکل گیا، یوسف بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔“ وہ بیڈ سے پاؤں لٹکا کر چپل ڈھونڈنے لگی تھیں۔

”بات مجھے بھی تو بتائیں۔“

”زرین کی شادی کی تاریخ لینے ہوش کی پوری فلی آ رہی ہے۔“

”کیا مطلب پھچھو؟“

”مطلب یہ کہ اسی ماہ زرین اور فیصل کی شادی ہے۔“

”کیا..... سچ پھچھو! کتنا مزہ آئے گا۔“ وہ بیڈ سے اُچھل کر ان کے کاندھے پر چھوٹ گئی تھی۔

”پھچھو! میں تو بہت سارے کپڑے، ان کی میچنگ جیوری، سینڈلز، چوڑیاں ایک ایک چیز خریدوں گی۔“

”ہاں بھئی، جو چاہے لے لینا، میں اور یوسف جارہے ہیں بھائی صاحب کے ہاں، تم مامہ کے ساتھ ہی رہنا، میں رات تک آ جاؤں گی۔“ وہ اپنے کاندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتی چپل پہن کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

”کیا..... میں کیا آپ کے ساتھ نہیں جا رہی؟“ وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

”ہاں..... تم کیوں جاؤ گی، خود ہی تو کہہ رہی تھیں، وہاں اب کبھی نہیں جاؤں گی، میں تمہیں اپنی پیاری بیٹی بنا کر رکھوں گی۔“ وہ اس کی حیرت کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے نہایت اطمینان سے بولی تھیں۔

”آپ کی بیٹی تو میں ہوں پھچھو! مگر میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا، میں ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس رہنے نہیں آئی، میں تو می اور تاپا ابو کے پاس آ ج ہی جاؤں گی، مجھے ان سے سوری بھی تو کرنی ہے۔“

اور دھیان نہ دو، بھابی جو بتا رہی ہیں توجہ سے لکھو، کوئی ایک چیز بھی لانے سے روکھی تو مسئلہ بنے گا، اور تم کھڑی کیوں ہو جاؤ، اور ہاں رات میں پینے کے لیے اسٹائلش ساسٹ اور اس کی میچنگ کی ہر چیز بھی نکالتی آنا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا ساتھ ہی لے آؤں گی۔“ وہ فریڈہ کی ہدایت پر وہاں سے نکل گئی تھی۔

”شازمین! تم حنین کے ساتھ مل کر صفائی کر لینا اور تمہیں تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے؟“ شازمین نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”ویری گڈ حنین! تم نے تو بہت ہی زبردست لسٹ بنائی ہے، آئی ایم ایمپیرس۔“ اس کے ہاتھ سے لسٹ لی تھی اور ان کی تعریف پر ایک فخریہ مسکراہٹ حنین کے چہرے پر چمک رہی تھی۔

”تھینک یو پیچھو!“

”حنین! تم شازمین کی مدد کروادینا، زمین کو پارلر لے کر نہ جانا ہوتا تو میں تم سے نہیں کہتی اور تم تو جانتی ہو یہ شازمین کم اور زمین زیادہ کام کرتی ہے، تم مدد کروادو گی تو سارا کام جلدی ہو جائے گا۔“ وہ سب فریڈہ کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کہہ کیا رہی ہیں، ورنہ تو شازمین اپنا ہر کام نہایت ذمہ داری اور پھرتی سے ہی کرتی تھی۔

”پیچھو! آپ فکر نہ کریں، میں شازمین بنجو کے ساتھ برابر سے کام کرواؤں گی۔“ اتنی تعریف سننے کے بعد وہ کافی ایکسائیٹڈ ہو چکی تھی۔

”اچھا، اب جا کر زمین کو بلا لاؤ، کافی دیر ہو رہی ہے۔“

”پیچھو! آپ کو میں ایسی لگتی ہوں؟“

”ارے نہیں بیٹا! میں نے تو بس حنین کا دل رکھنے کو کہا اور تم خود سوچو میں یا کوئی بھی اُسے یہ برتن بھی اٹھا کر چکن میں رکھ کے آنے کو کہتا منع کر دیتی، مگر اب دیکھنا وہ تمہارے ساتھ کام کروائے گی اور وہ بھی خوش خوشی۔“ انہوں نے شازمین کا گال تھپتھپایا تھا۔

”میں جب تک سامان لے کر آتی ہوں، آپ لوگ چھوٹے موٹے کام نہ لیں۔“ وہ آتی ہوئی زمین کو دیکھ کھڑی ہو گئی تھیں۔

”اور میں زمین کو اپنے ساتھ اس لیے لے جا رہی ہوں کہ اسے پارلر چھوڑ دوں گی، کنگ، فیشل اور مینی کیور و پیڈی کیور ہوگا جتنی دیر میں، میں بھی فارغ ہو جاؤں گی۔“ وہ اپنا پرس اٹھاتی باہر نکل گئی تھیں۔

”یوسف! آپ پہلے زمین کو پارلر چھوڑیں اور پھر مجھے چھوڑ کر دوست کی طرف نکل جائیں، میں فارغ ہو کر آپ کو کال کر کے بلا لوں گی۔“ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

”اوکے! مادام! جیسے آپ کہیں، ورنہ میں آپ کے ساتھ بھی چل سکتا ہوں، دوست کی طرف جانا اتنا ضروری بھی نہیں ہے، خادم آپ کی مدد کے لیے حاضر ہے۔“ مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے شرارت سے کہا گیا تھا۔

”خادم صاحب! زیادہ پھیلے نہیں، پیچھے بچی بیٹھی ہوئی ہے، کیسا سوچے گی؟“

”بچی بہت اچھی ہے، اس لیے اچھا ہی سوچے گی۔“ ان پر گویا کوئی اثر نہ ہوا تھا اور وہ دلکشی سے ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”مئی کو تنگ کرنے میں بہت مزا آتا ہے پیچھو! ہر وقت چپ اور سنجیدہ ہی بیٹھی رہتی ہیں، میری حرکتوں پر مجھے ڈانٹتی اور ہنسی بہت اچھی لگتی ہیں، اسی لیے تو میں جان کر مئی کو بہت ستاتی ہوں۔“ اس نے اپنی اسی دھن میں کہا۔

”ان کی باتوں کا بڑا امت مٹایا کرو، بلکہ وہ جو کہتی ہیں اُسے غور سے سنا کرو اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کیا کرو۔“

”پر اس پیچھو! آج سے مئی کی ہر بات غور سے سنوں گی، لیکن کچھ باتیں رہنے بھی دوں گی، ورنہ میں اتنی سی عمر میں مئی کی طرح ایک دم سنجیدہ ہو جاؤں گی۔“

”بہت شرارتی ہو حنین!“ وہ ہنسی ہوئی جتنی کا شانہ نہ سکتی اس کی شرارت پر ہنسی اُسے تیار ہو کر آنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھیں اور اُس نے مادہ کی وارڈروب میں سے سب سے اسٹائلش سوٹ نکالا تھا اور شاؤر لینے چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”بھابی بیگم! آپ فکر کیوں کرتی ہیں، سارے کام ہو جائیں گے۔“ وہ کچھ ہی دیر پہلے ہی آئی تھیں اور آنے سے پہلے

کال کر کے کہہ دیا تھا کہ حنین سے کچھ نہ کہا جائے، جو ہو گیا سو ہو گیا، باتیں دہرانے سے کیا حاصل۔ حنین نے آتے ہی اُن سے سواری کی تھی اور ان لوگوں نے اسے کچھ کہنے سے پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔

”مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ کس طرح ہوں گے سب کام؟“

”آپ دیکھتی جائیے سب کام وقت سے پہلے کس طرح ختمتے ہیں، یہ بتائیے رات کا مینو تیار کر لیا ہے؟“

”ہاں، میں سوچ رہی تھی کہ بریانی، تورمر، کشرڈ میٹھے میں بن جائے گا، اس کے علاوہ کباب اور سلاد وغیرہ ہو جائے گی تمہیں کچھ کم لگ رہا ہے تو بتاؤ؟“

”ایک دم پرفیکٹ بھابی! آپ جلدی جلدی سامان کی لسٹ بنالیں، جاؤ حنین! کاپی پین لے کر آؤ۔“ انہوں نے حنین کو دوڑایا تھا۔

”میں چلوں، آپ خواتین کی سودا سلف کی باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں۔“ چائے ختم کرتے ہی وہ جانے کے لیے اٹھ گئے تھے۔

”کیا چلوں..... بیٹھ جائیے، یہ سارا سودا سلف لے کر کون آئے گا؟“ وہ شوہر کو دیکھنے لگی تھیں۔

”فریڈہ! بھئیاجی کو جانے دو، میں اجد کو بلا لوں گی، وہ کہہ کر گیا تھا۔

”اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس، یوسف آپ بس 10، 5 منٹ رُک جائیے، میں آپ کے ساتھ چلوں گی، باقی باتیں گاڑی میں بتا دوں گی۔“ اسی وقت حنین مطلوبہ چیزیں لے کر آ گئی تھی۔

”بھابی! آپ بتاتی جائیے، حنین لسٹ بنا لے گی۔“ انہوں نے کہتے ہوئے زمین کو آواز لگائی تھی۔

”آپ نے بلایا تھا پیچھو!“ وہ اس کا جائزہ لے رہی تھیں، جب اس نے پوچھا تھا اور وہ اس کے صاف ستھرے کاشن کے سوٹ سے مطمئن ہو گئی تھیں۔

”تم جا کر اپنا پیڈیک لے آؤ۔“

”پیچھو! آپ زمین آپی کو لے جائیں گی تو کھانا کون بنائے گا؟“ لسٹ بناتے ہوئے اس کی زبان ہلکی تھی۔

”ایک صرف تمہاری آپی کو کھانا بنانا نہیں آتا، ہم تینوں خواتین بھی یہ کارنامہ اچھے سے انجام دے سکتی ہیں اور تم اچھے

”پچھو! وہ میں اکیلے پارلر میں کیسے رہوں گی؟“ ان کی آپسی نوک جھونک کے اختتام پر وہ کچھ سوچ کر بولی تھی۔
 ”کیا مطلب... کیسے رہو گی؟ اور زمین میری فرینڈ کا پارلر ہے، جہاں میں تمہیں چھوڑ رہی ہوں، یوڈنٹ وری، اور تم
 گھر پر کہتیں تو میں جنین کو ہی ساتھ لے آتی۔“

”پچھو! میں تو سبھی سچی کہ آپ ساتھ جائیں گی۔“
 ”بیٹا! ایک کام نہیں ہے، سو بکھیرے ہیں، اس لیے میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی اور بعد میں سامان خریدیں گے۔“
 اس طرح پورا دن اسی میں گزر جائے گا۔“

”زمین بیٹی بھی ٹھیک کہہ رہی ہے فریدہ! یہ وہاں اکیلے نروس فیل کرے گی، تمہیں اس کے ساتھ پارلر میں چھوڑنے
 کے لیے کسی کو تولا نا ہی چاہیے تھا۔“

”مگر اب ہم کافی دور نکل آئے ہیں، واپس جائیں گے تو ٹائم ویسٹ ہوگا۔“
 ”میں ایسا کرنا ہوں پہلے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، اور بعد میں زمین بیٹی کو چھوڑ دوں گا، میں تمہیں چھوڑ کر جنین کو...“
 ”جنین کو رہنے دیں یوسف! پارلر ہمارے گھر کے نزدیک ہے اس لیے آپ ماندہ کو زمین کے ساتھ چھوڑ دیجئے گا،
 اب تک اپنے کاموں سے فارغ نہیں ہو گئی ہوگی، میں اسے فون کر کے تیار ہونے کا کہہ دیتی ہوں۔“ وہ گھر کا نمبر ڈائل کرنا
 لگی تھیں۔

”ماندہ بیٹا! کیا کر رہی تھیں؟ سب کاموں سے فارغ ہو گئی؟“
 ”جی ہاں! سب کام ہو گئے ہیں، شاور لے کر نکلی ہوں ابھی، بس دوپہر کے لیے کچھ بنانے جا رہی ہوں، ارحم بھینا کا فون
 آیا تھا وہ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں گھر آ رہے ہیں، پھر شاید انہیں کہیں جانا ہے۔“ ایک ہاتھ سے سیل تھاے اور دوسرے سے
 بالوں میں برش کرتی وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

”ایسا کرو تم تیار ہو، تمہیں پاپا لینے آ رہے ہیں، تمہیں زمین کے ساتھ پارلر جانا ہے، اور ارحم سے میں خود کا نمبر
 کر لوں گی۔“ انہوں نے بیٹی کو ہدایت دے کر لائن کاٹی تھی اور ارحم کا نمبر ملانے لگی تھیں۔
 ”جی ہاں! کہیے کیسے فون کیا؟“

”ارحم بیٹا! تک تک گھر آ رہے ہو؟“
 ”مما! ڈیڑھ گھنٹہ تو کم از کم لگے گا، کھانا گھر پر ہی کھاؤں گا۔“
 ”اوکے، گھر جاتے ہوئے مجھے یہاں مال سے پک کر لینا۔“

”اوکے ماما! آپ جب فارغ ہو جائیں مجھے بتادیں، اور اگر میں پہلے فارغ ہو گیا تو آپ سے کوئی کٹ کر لوں گا
 لائن کٹ کر کے سیل پرس میں ڈال دیتا تھا۔“

”زمین! جب پارلر سے فارغ ہو جاؤ اپنے پچھا جان کو فون کر کے بلا لینا، آپ بچیوں کو گھر چھوڑ دیجئے گا، میں
 کے ساتھ آ جاؤں گی۔“

”ماندہ کو کہاں چھوڑنا ہے؟“ گاڑی مطلوبہ جگہ روکتے ہوئے پوچھا تھا۔
 ”یوسف! آپ دیکھ لیجئے گا، اگر آپ کو مناسب لگے تو بھائی صاحب کے ہاں لے جائیے گا، ورنہ پہلے اسے گھر

کر دیجئے گا۔“ وہ کہتے ہوئے پرس اور دوپٹے سنبھالتیں گاڑی سے اتر گئی تھیں اور وہ گاڑی بڑھالے گئے تھے، فریدہ نے
 خریداری سے فارغ ہو کر بیٹے کو کال کی تھی اور ارحم نے انہیں 15 منٹ بعد ہی پک کر لیا تھا اور وہ اس کے ساتھ سامان سے
 لدی چھدی ”کاشانہ عالم“ چلی آئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”پچھو! سلام میں بناؤں گی۔“
 ”جنیں! سلام! ماندہ بنائے گی، تم ایسا کرنا بیٹیوں میں سلیقے سے سجا دینا۔“ یوسف ارحم کو کاشانہ عالم ہی لے
 آئے تھے اور ان کے پوچھنے پر بولے تھے۔

”یہ ماندہ کا سرال بعد میں اور ماموں کا گھر پہلے ہے، اس لیے میں ماندہ کو یہیں لے آیا ٹھیک کیا میں نے؟“
 ”جناب! آپ کچھ غلط کرتے ہی کب ہیں، ٹھیکس!“ مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ بھی دھیمے
 سے مسکرائے تھے۔

”میں گھر جا رہا ہوں فری! شام تک آ جاؤں گا۔“ یہ کہہ کر وہ چلے گئے تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر ارحم بھی ان کے ساتھ
 نکل گیا تھا، شازمین نے دوپہر کے کھانے کے برتن سیٹ کر دھوئے تھے اور جب سے ہی ساری خواتین بے حد مصروف
 تھیں۔ فریدہ نے بریانی، ساجدہ نے قورمہ، راشدہ نے کباب بنانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی اور اب جنین راشدہ کے ساتھ مل
 کر کبابوں کے مسالے کی نکیہ بخوار ہی تھی۔

”فریدہ! تم نے ایک ہی رات میں جادو کر دیا ہے، ہر کام یہ کتنی ذمہ داری سے سب کے ساتھ مل کر کر رہی ہے، ورنہ تو
 مل کر پانی بھی نہیں پیتی۔“ بیٹی کو دیکھتے ہوئے وہ سرگوشی میں بولی تھیں۔

”بھابی! آپ سے کہا تھا میں نے کہ جنین کو پیار اور توجہ دی جائے گی تو یہ ہماری اُمیدوں سے بڑھ کر ثابت ہوگی،
 ڈانٹ پھینکار سے صرف دور ہوگی، اور آپ نے اس وقت چہرہ دیکھا تھا اس کا جب میں نے اس کی بنائی لٹ کی تعریف کی
 تھی، اس کے معمولی سے کام کی بھی تعریف کریں گی نا تو یہ اُس سے بھی اچھا کرنے کی کوشش کرے گی، اور دیکھئے گا پھر ایک
 دن ایسا آئے گا جب یہ زمین اور ماندہ سے اچھا کھانا بنائے گی۔“ وہ بریانی کو دم لگاتے ہوئے جنین کے حوالے سے پُر اُمید
 تھیں۔

”ٹھیکس فریدہ! تمہاری مول سپورٹ میرے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی ہے، میں ماں ہو کر جنین کو نہیں سمجھ سکی
 اور تم...“

”بھابی! بریانی کو تھوڑی دیر بعد الٹ پلٹ دیجئے گا، میں مہوش سے فون کر کے پوچھ آؤں کہ وہ کب تک آئیں گی؟“
 وہ ان کی بات کاٹ کر کہتیں باہر نکل گئی تھیں۔

”بھابی نیگم! باقی کام بچیاں دیکھ لیں گی، آپ دونوں ایک گھنٹہ آرام کر لیں، وہ لوگ 7 بجے تک آئیں گے اور
 شازمین! تم کسٹمر ڈیٹا بنالو، ماندہ! کھیر دیکھ لینا، بن گئی ہے بس، اب تم اسے بیالوں میں نکال لینا اور یہ سب کام جلدی جلدی
 کر کے ڈائننگ ٹیبل سجا دینا، باقی مہمانوں کے آنے کے بعد دیکھ لیں گے اور یہ سب کام جلدی کرنا کیونکہ تم دونوں نے
 تیار ہی ہونا ہے۔“ وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولی تھیں اور یکن سے نکل گئی تھیں۔

”مائدہ اپنا! آپ کون سے کپڑے پہنیں گی؟ آپ کپڑے لے کر تو آئی نہیں ہیں۔“ حنین گرجا کھاتے ہوئے کار پر بیٹھ گئی تھی۔

”تم نے آتے کے ساتھ ہی میرا سوٹ اتار دیا ہوتا تو میں یہی پہن لیتی، مگر اب سوچا ہے زرمین کا سوٹ پہن لوں گی، شازمین نے سب کے کپڑے استری بھی کر دیئے ہیں، یہاں تک کہ تمہارے بھی کپڑے استری ہو گئے ہیں۔“ وہ پیالوں میں کھیر نکالتے ہوئے اُسے دیکھ کر بنا مصروف سے انداز میں بتا رہی تھی۔

”میں آپ کا سوٹ ابھی آپ کو اتار کر دے دیتی ہوں، مجھے تو پچھونے کہا تھا اس لیے پہن لیا، ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی کے کپڑے پہننے کا۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ سوٹ تم ہی رکھ لو، میں نے ایک دفعہ ہی پہنا ہے اور مجھ سے زیادہ تم پر ہی رہا ہے، یقیناً نہ آئے تو شازمین سے پوچھ لو اور حنین! تم کھیر کے پیالوں میں چاندی کے ورق اور پتے و بادام سے گارڈشک کر دو۔“ اُسے کچھ کہنے سے پہلے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے اس نے کام بتایا تھا۔

”میں بہت تھک گئی ہوں، اس لیے میں نہیں کر رہی۔“ اس کے انداز میں زروٹھاپن تھا۔

”اچھا، ہاں رہنے دو، آج تم نے سب کی بہت ہیلپ کی ہے اس لیے جا کر آرام کر لو، ہم فارغ ہو کر آئیں گے تو ساتھ ہی تیار ہو جائیں گے۔“ وہ اپنا کام چھوڑ کر فوراً اس تک آئی تھی اور پیار سے اس کا گل تھپتھپاتا تھا۔

”میں یہ سب کر رہی ہوں، اس کے بعد چلی جاؤں گی، اور اب مجھے سلا بھی تو سیٹ کرنی ہے ورنہ پچھو کیا کہیں گی، میں اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتی۔“ وہ مسکراتے ہوئے کار سے اُترتی تھی اور کام کرنے لگتی تھی۔

”شازمین بچو! آپ نے میرے کون سے کپڑے نکالے ہیں؟ میں نے تو آپ کو اپنے روم میں بھی جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ یاد آنے پر وہ پتے چھڑکتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی تھی۔

”میں نے تمہارا سی گرین سوٹ جو تم نے لاسٹ ملٹھ بنایا تھا وہ پریس کر دیا ہے۔“

”وہ کیوں بچو؟ اس کی تو جوڑیاں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی میچنگ سینڈل ہے، وہ سوٹ ٹومی نے مجھے گھر میں پہننے کے لیے بنا کر دیا تھا، اس لیے اس کی میچنگ کی چیزیں نہیں ہیں میرے پاس۔“

”نہ پکے ہو، تمہیں ہر ایک چیز میچنگ کی ملے گی، آخر آل تم زرمین آپی کی سب سے لاڈلی اور جیتی بہن ہو۔“

”وہ تو ہے، زرمین آپی مجھے آپ سے زیادہ چاہتی ہیں، اور میں ان کے جانے کے بعد ان کے بغیر کیسے رہوں گی؟“

”اب رو نہ مت بیٹھ جانا، مہمان آنے والے ہیں اور تمہارا کام ختم نہیں ہوا تو سب کیا کہیں گے؟“ شازمین کی بات پر وہ آنکھ میں آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میں تو چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم دونوں بچوں کی ایک ہی دن ایک ہی ہال میں شادی کر لیتے ہیں آخر میری تو میرے لیے میری بیٹی جیسی ہیں۔“ نوید عالم نے غلوں سے ایک آفر کی تھی، جس کو سب ہی سراہ رہے تھے۔

”بھیا صاحب! بات تو نوید بھائی صاحب نے بہت اچھی کی ہے، ہم بھی الگ الگ فضیل اور فیصل کی برأت لے جانے سے بچ جائیں گے، یہ دونوں بھائی اور وہ دونوں ہمیں ایک ساتھ ہی رخصت ہو جائیں گی۔“ فیاض حمایت میں بوسے

تھے۔

”یہ تو نوید کی اعلیٰ طرفی ہے جو یہ اتنی اپنائیت سے بات کر رہے ہیں۔“

”بھیا صاحب! تو بس طے ہو گیا 24 کو مایوں اور مہندی کی رسم چاروں بچوں کی ایک ساتھ ہو جائے گی، 25 کو برأت اور 26 کا ولیمہ، نہ یہاں کوئی غیر ہے، اس لیے جتنی اپنائیت سے اور دل بڑا کر کے آج ہم نئے رشتوں کی بنیاد رکھیں گے، اتنی ہی ہمارے بچوں کی آنے والی زندگی خوشگوار گزرے گی۔“ مہوش نے غلوں سے نوید عالم کے مشورے کو سراہتے ہوئے سارا پروگرام طے کر دیا تھا۔

”جیسے آپ سب کی مرضی، میں تو بس تمہاری اور سب کی خوشی میں خوش ہوں۔“ شاکر مسکراتے ہوئے ان کی بات مان گئے تھے۔

”میں مٹھائی لے کر آتی ہوں، تاکہ سب کا منہ میٹھا کیا جاسکے۔“ راشدہ کہتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئی تھیں۔

”اتنا بڑا کام تو خوش اسلوبی سے نہٹ گیا بس آگے کے کام بھی اچھے سے ہوں اور ہم سب بڑے بچوں کی شادی سے نہٹ جائیں۔“ یوسف الحسن نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھ لیا تھا۔

”انشاء اللہ! سارے کام اچھے سے نہٹ جائیں گے، نیت نیک تو منزل آسان۔“ فیاض بولے تھے۔

”ایک بندہ تو یہ ذمہ داری نہیں سنبھال سکتا، اس لیے ہم سب مل کر ذمہ داریاں اٹھائیں گے تو کام نہٹ بھی جائیں گے اور کسی پر بڑھن بھی نہیں پڑے گا اور خواتین کا یہ خوف بھی نکل جائے گا کہ اتنے کم وقت میں اتنے ڈھیر سارے کام کیسے ہوں گے؟“ یوسف الحسن احترام بھری نگاہوں سے راشدہ کو دیکھتے ہوئے بولے تھے اور وہ ان کا اشارہ سمجھ کر محض مسکرا دی تھیں۔

”ہاں، اور کیا... کام کم ہوتے ہیں، مگر آ رنگناؤز طریقے سے نہیں ہوتے اور ساری ذمہ داری کسی ایک پر ہی ہو تو صحیح کام بھی غلط ہو جاتے ہیں۔“

”اسی لیے تو ہم مل کر کام کریں گے، اب ہم خود ڈیٹائیڈ کر لیں گے کہ کون کیا کام کرے گا۔“

”بھئی! مجھے تو کوئی آسان کام سوچ دینا، بیمار آدمی ہوں زیادہ کچھ نہیں کر سکوں گا۔“ شاکر اپنائیت سے بولے تھے۔

”بھیا صاحب! فکر ہی نہ کریں، اور آپ کوئی پیارو بیمار نہیں ہیں، بیٹی کو خوشی خوشی رخصت کریں، کون سا کسی غیر کے گھر جا رہی ہے۔“ یوسف الحسن نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

”کام کس طرح کرنے ہیں وہ تو ہم سوچ ہی لیں گے، مگر میں سمجھتا ہوں اس وقت ہمیں دینے دلانے کی بات کر لینی چاہیئے۔“

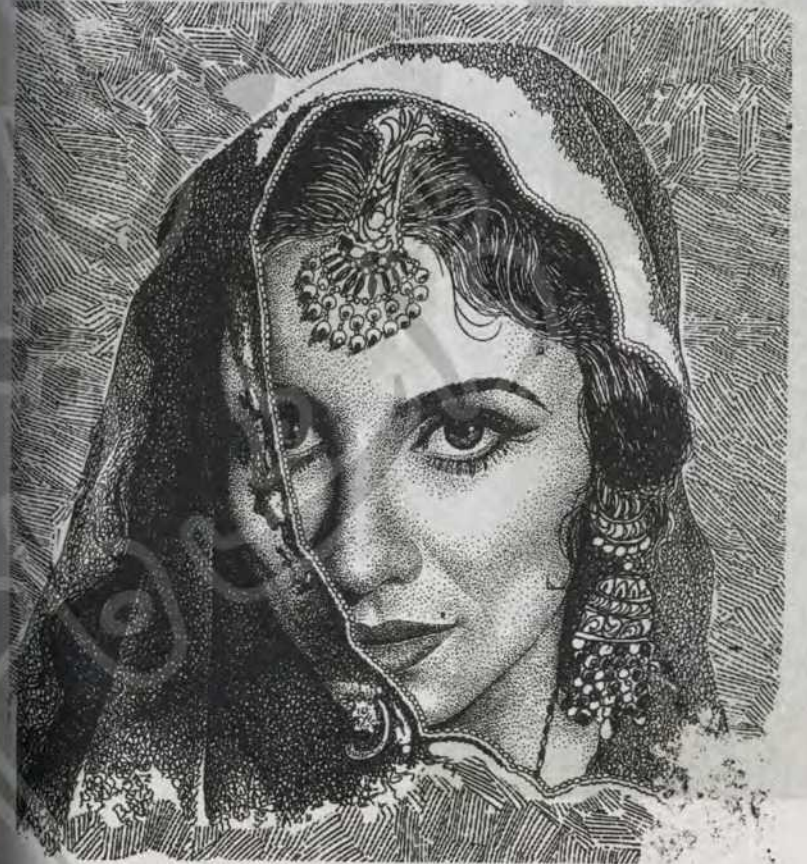
”بھائی صاحب! دینے دلانے کی بات تو بالکل نہیں ہے، ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے، ہمیں صرف زرمین بیٹی چاہیے، ہاں آپ زرمین کو جو چاہیں دیں، مگر جہیز وغیرہ کی بات بالکل نہ کریں۔ ہاں حق مہر اور جو چاہیں وہ آپ زرمین بیٹی کی سستی کے لیے لکھو الیں۔“

”زرمین آج تک میری بیٹی تھی، مگر آج سے وہ آپ کی بیو، آپ کی بیٹی ہے اور حق مہر شرع کے حساب سے رکھ لیں، اس کے علاوہ ہمیں کسی قسم کی ضمانت نہیں چاہیئے۔“ نوید عالم نے صاف الفاظ میں اپنا موقف بیان کر دیا تھا۔

”باقی باتیں میرا خیال ہے بعد میں کر لیں گے، ابھی کھانا کھا لیتے ہیں۔“ فرید نے کہا تھا اور جواب مثبت پاکر انہوں

بشرِ قباکھنہ لگی جانا

”تمہی جان نے میری نظر بھی اُتاری ہے، وہ کہہ رہی تھیں میں بہت اچھی لگ رہی ہوں اور آج تو محی اور شازمین بچہ نے بھی میری تعریف کی، اسی لیے میں بھاگی بھاگی آپ کے پاس آئی ہوں۔“



”تمہیں اتنے لوگوں کی بات پر یقین نہیں تھا؟“

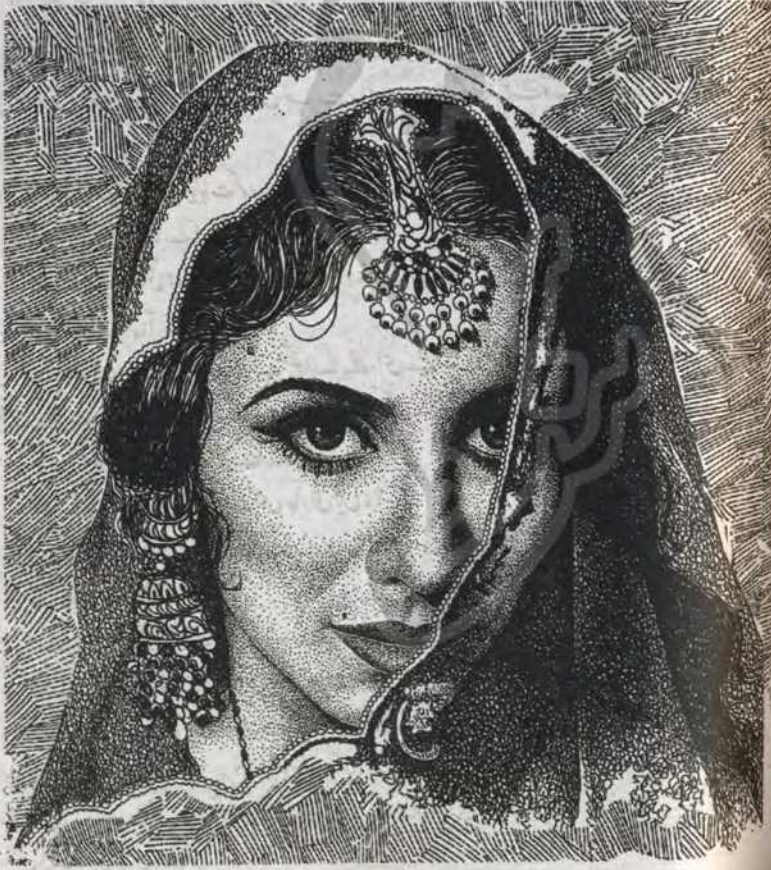
”یقین تو تھا، مگر آپ کی بات اور ہے، آپ مجھے کبھی مس گا یہ نہیں کرتیں۔“ اس کے لہجے میں زرمین کے لیے محبت اور مان ہی مان تھا۔

”تم سے یہ کہا تھا کہ تم یہاں آ کر جم جاؤ، نیچے سب انتظار کر رہے ہیں اور محترمہ یہاں کھڑی باتیں کر رہی ہیں۔“ شازمین نے انٹری دی تھی۔

”وہ.... سوری بھو! میں تو بھول ہی گئی تھی۔“

”آپ! ہال میں جانے کے لیے بس آپ کا ہی انتظار ہو رہا ہے اور پچھو نے کہا ہے آپ بڑی سی چادر اوڑھ لیجئے۔“

”لیکن کیوں؟ آپ نے تو میک اپ تک نہیں کیا ہے۔“ زرمین نے زرد رنگ کے شلوار قمیض میں سبز اور زرد ڈوڈیہ



سلجے سے سر تک لیا ہوا تھا اور وہ محض پھولوں کا زیور پہنے ہوئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں تھوڑی تھوڑی کانچ کی چوڑیاں پہن رکھی تھیں اس کے علاوہ وہ ہر آرائش سے سزا تھی۔

”آپ کی دہن ہیں، ان پر کسی کی نظر نہیں پڑے گی۔“

”لیکن کیوں؟“

”اور پلیز جنین! یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔“

”کیوں.....؟ اب اتنی بھی کم داغ نہیں ہوں۔“

”یہ باتیں چالاک لوگوں کے سمجھنے کی ہیں اور تم بہت معصوم ہو۔“ اس سے بحث کرنے سے پہلے ہی اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، جہاں اس نے لڑنے کا ارادہ ترک کیا تھا وہیں زمین مسکرا دی تھی۔

☆.....☆.....☆

”یار! ہم رسم سے پہلے لڑی ڈال لیتے ہیں۔“

”نہیں، رسم کے بعد، ابھی تو ہم گانے گائیں گے، کیوں ماندا اپنا؟“ اس نے وہاں سے گزرتی ہوئی ماندا کو اس طرح مخاطب کیا تھا جیسے وہ ان کی باتوں میں کب سے ساتھ دے رہی تھی بلکہ اسے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ بات کیا ہو رہی تھی۔

”ماندا آپ کو کیا پتہ کہ ہم کیا بات کر رہے تھے؟“ سحرش نے طنز کیا تھا۔

”ماندا اپنا! ہم لوگ گانے کب گائیں گے؟“

”مما سے پوچھ کر بتاتی ہوں اور تم ذرا ارحم بھیا کو تو دیکھو، کہاں ہیں؟“

”ارحم بھیا ابھی نہیں آئے۔“

”وہ آگئے ہیں، ان سے ممانے گجرے منگوائے تھے، اسی لیے انہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔“ ماندا کی بات کرتے ہوئے

انٹریکس پر کھڑے باتیں کرتے ارحم کے ساتھ اجد پر نگاہ پڑی تھی۔

”جنین! تم جا کر ارحم بھیا سے گجرے لے آؤ، میں.....!“

”اوہ..... آپ اجد بھائی کی وجہ سے نہیں جا رہی ہیں نا؟“

”ایسی بات نہیں ہے، ارحم بھیا اشارے سے بلارہے ہیں، پلیز تم چلی جاؤ۔“

”میں کیوں جاؤں؟“

”مت جاؤ، میں بھی نہیں جا رہی اور ممانے کہہ دوں گی ارحم بھیا ابھی تک نہیں آئے۔“ وہ کچھ چوکر کہتی اسٹیج کی

جانب بڑھ گئی تھی اور وہ ہنستے ہوئے ارحم کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ اپنی ہی وجہ میں کسی سے کرا گئی تھی اور مقابل کی نگاہ اس

پر اٹھی تو انہی کی آنکھیں رہ گئی۔ ماہ کنعان بہوت سا کھڑا اس حسن کے پیکر کو نگاہوں کے راستے میں آتا رہا تھا۔

”دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے؟ میرا تو سر گھوم کر رہ گیا، آپ انسان ہیں یا پتھر؟“ اس کا ماتھا ماہ کنعان کے سینے سے ٹکرا

تھا، جسے سہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تھے اور اس نے نگاہ اٹھا کر لانے چوڑے ماہ کنعان کو دیکھا

تھا، جس کی نگاہ اسی پر جمی ہوئی تھی۔

”جنین! تم ٹھیک تو ہو؟“ ارحم نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آواز پر جیسے وہ حال میں لوٹ آیا تھا۔

”ہاں..... نہیں، ارحم بھیا! میرا سر بڑی طرح گھوم رہا ہے، یہ دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے؟“ وہ دونوں ہاتھوں میں سر ہٹا

مٹی تھی۔

”آئی ایم سوری، بٹ شاید غلطی میری نہیں تھی۔“

”آپ کی ہی ساری غلطی تھی، آنکھیں بند کر کے چل رہے تھے۔“

”جنین! میں نے خود دیکھا تھا، غلطی تمہاری تھی، یہ تم سے نہیں تم ان سے کرائی تھیں، اس لیے سوری کرو۔“

”اٹس اوکے، سوری کی ضرورت نہیں ہے۔“ ماہ کنعان نے سنجیدگی سے ارحم کی بات قطع کی تھی اور ”ایکسیکوی زی“ کہتا

آگے بڑھا تھا کہ کسی نے اسے پکارا تھا۔

”واٹ آپلیز نٹ سر پر انا؟“ فیصل اس سے بغل گیر ہوتا ہوا ہاتھ تھامے بولا تھا۔

”کیوں میرے آنے کی توقع نہیں تھی؟“

”جج بولوں تو ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ آئے گا۔“

”چل، دیکھ لے میں تیرے یقین پر پورا نہ آتے ہوئے چلا آیا۔“ ان دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا تھا، جنین تو

جنین، ارحم بھی حیران رہ گیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے فیصل کو شاز و نادر ہی مسکراتے دیکھا تھا اور کہاں وہ کھل کر نرس رہا تھا۔

”ارحم بھیا! سورج آج مغرب سے نکلا ہے کیا؟“ فیصل بھیا..... اور نرس رہے ہیں، امیزنگ!“ اس کی آواز میں

حیرت ہی حیرت تھی۔

”آرام سے بولو وہ سن بھی سکتا ہے۔“ ارحم نے اسے ڈپٹا تھا جبکہ وہ دونوں ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ اس

کی آواز اتنی بلند تھی کہ کچھ فاصلے پر موجود ان دونوں تک خود بخود ہی پہنچ گئی تھی۔

”آج تو نئے نئے انکشاف ہو رہے ہیں، میں تو سمجھتی تھی فیصل بھیا نہ نرس سکتے ہیں اور نہ ہی سن.....!“ وہ اس کو اپنے

عین سامنے دیکھ کر ہونٹ دانتوں تلے دبائی تھی اور بے اختیاری میں اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ وہی کر کے رہ گئی تھی۔

”ارحم بھائی! ان سے ملیے، یہ میرے بیٹ فرینڈ ماہ کنعان ہیں اور کنعان! یہ ارحم اکن ہیں، میری مام کی فرینڈ کے

بیٹے، اور میرے بیٹ فرینڈ، میرے لیے بالکل فیصل بھائی جیسے۔“ فیصل کے تعارف کروانے پر ان دونوں نے

معافی کی گئی تھی۔

”اور یہ جنین ہیں، ارحم بھائی کی کزن سسٹر اور سحرش کی بیٹ فرینڈ۔“ وہ اب کے جنین کا تعارف کروا رہا تھا۔

”ٹائکس ٹو میٹ یو مس جنین!“ وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔

”مجھے فار میٹیر نہیں آتیں، مجھے آپ سے مل کر بالکل خوشی نہیں ہوئی اور میں جھوٹ نہیں کہہ سکتی، ٹائکس ٹو میٹ یو مسٹر

ماہ کنعان!“ وہ لفظوں کو چبا چبا کر کہتی کسی کو دیکھنے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔

”آئی ایم سوری کنعان! تھوڑی دیر پہلے جو ہوا، وہ اس کی وجہ سے.....!“

”اٹس اوکے مسٹر ارحم!“ ماہ کنعان کا انداز نہایت فارل تھا جبکہ فیصل کو اس پر شدید غصہ آ رہا تھا، جس کو ارحم محسوس کرتا

ایکسیکوی ذکر کے جنین کے پیچھے لپکا تھا۔

”حنین! کیا ضرورت تھی وہ سب بکواس کرنے کی؟“

”وہ مجھے اچھے نہیں لگے تو کہہ دیا۔“

”مگر وہ تمہیں اچھا کیوں نہیں لگا؟“

”وہ مجھ سے لکرائے، میرا سرا بھی تک ہلکے ہلکے گھوم رہا ہے۔“

”غلطی کنعان کی نہیں، تمہاری تھی، تم اندھا دھند چل رہی تھیں۔“

”آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں؟“

”نہیں، میری یہ بھال کہ میں تمہیں ڈانٹوں۔ اسے رونے کو برو تو لے دیکھ وہ قدرے خفگی سے کہتا آگے بڑھ گیا تھا،

جیسی اُسے شازمین بلانے چلی آئی تھی۔

”کہاں تھیں تم اتنی دیر سے؟ پچھو کہہ رہی ہیں سنگین مقابلہ کرتا ہے تو ٹھیک، ورنہ رسم شروع کر رہے ہیں۔“

”کیا... رسم شروع کر رہے ہیں، میرے بغیر؟“ وہ چیختی تھی اور کتنے ہی لوگ متوجہ ہو گئے تھے۔

”پاگل! چیخو تو مت۔“ شازمین نے اُسے ڈپٹا تھا۔

”اور یہ تمہاری بندی کہاں گر گئی؟ جیسے ہی نظر پڑی تھی شازمین نے اس کی توجہ اس جانب دلائی تھی ورنہ تو اُسے پتہ

ہی نہیں تھا کہ اس کی بندیا کہیں گر گئی ہے۔

”یہ یقیناً اس سے لکراتے وقت ہی گری ہوگی۔“

”تم کس سے لکرا گئی تھیں؟“

”فیصل بھٹا کا کوئی دوست تھا، ماہ کنعان، اندھوں کی طرح چل رہا تھا، میرا سرا اس کے سینے سے لکرا گیا تھا، جیسی گری

ہوگی، میں دیکھ کر آتی ہوں۔“ وہ اپنی غلطی اس کے سر ڈال جلدی جلدی کہتی پلٹنے لگی تھی، مگر شازمین اُسے روک گئی تھی۔

”دیر ہو رہی ہے حنین! ابھی بہت سے کام کرنے رہتے ہیں، اگر تم نے یوں ہی وقت ضائع کیا تو گانوں کا مقابلہ نہیں

ہو سکے گا اور رسم شروع ہو جائے گی جبکہ تم نے ابھی لڑی بھی ڈانٹی ہوگی۔“ شازمین کے کہنے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس

کے ساتھ اسٹیج کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”یار! میں بہت آگے کو ڈھکیل کر رہا ہوں، یہ خالص تمہارا گھریلو فنکشن ہے، مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔“

”اب میری مہندی کا فنکشن بزنس پارٹی کی طرح فارل نہیں ہو سکتا اور زیادہ ہنگامہ اس لیے ہے کہ فیصل بھٹی کی

بھی آج ہی مہندی ہے۔“

”تمہاری ہونے والی سزا اور بھائی کیادونوں نہیں ہیں؟ مجھے یاد ہے تمہاری تو سیرا سے...!“

”ارے نہیں یار! میری شادی سیرا سے ہی ہو رہی ہے۔“

”تو پھر ایک ساتھ مہندی کا فنکشن...؟“

”ہاں، لمبی کہانی، کبھی فرصت میں سناؤں گا، تو بتالاج کو ساتھ کیوں نہیں لایا؟“

”لاج کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ممکن ہو سکا تو کل ساتھ لے آؤں گا۔“

”تھینک گاڈ! کہ تم کل آ رہے ہو، ورنہ تو میں سمجھا تھا کہ تم کل نہیں آؤ گے۔“

”تو میرا واحد دوست ہے، اور دوست کی زندگی کے اتنے بڑے دن میں نہ آؤں، اب اتنا بھی بے مروت نہیں

ہوں۔“ ماہ کنعان نے کچھ خفگی دکھائی تھی، فیصل نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کاٹکا سا بتا کر اس کے سینے پر ہلکے سے مارا تھا،

جیسی اس کے ہاتھ میں کچھ چھب سا گیا تھا۔

”کیا یار! سینے میں سوئیاں چھو کر گھر سے نکلا ہے؟“ کہتے ہوئے اس کی نگاہ شرٹ کے بٹن کے ساتھ اٹھتی ہوئی

گولڈن چین پر پڑی تھی، ہاتھ بڑھا کر نکالا تھا اور ہاتھ میں خوبصورت سی بندیا آگئی تھی۔

”یہ یقیناً اُن ہی خاتون کی ہے جو مجھ سے لکرا گئی تھیں۔“ اس کے دیکھنے پر وہ جلدی سے بولا تھا کہ کہیں وہ کچھ ایسا دیا

نہ سوچ لے۔

”خدا کو مان یا راہ وہ لڑکی تجھے خاتون نظر آ رہی تھی؟“

”پلیز فیصل! چیخ دانا پک۔“ وہ قدرے بے زاری سے بولا تھا اور فیصل کے سیل فون پر فیصل کا میسج آیا تھا کہ وہ اسٹیج

کی طرف آ جائے اس لیے وہ ماہ کنعان کو لیے وہیں چلا آیا تھا، جہاں میرا اور زرین گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھیں اور ان سے

فاصلے پر ایک جانب لڑکیاں اور دوسری جانب لڑکے براجمان تھے، فیصل نے ماہ کنعان سے مصافحہ کیا تھا اور فیاض صاحب

سے ملنے کے بعد وہ فیصل کے برابر بیٹھ گیا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں بھی اپنی اپنی نشستیں سنجال چکے تھے، نوجوان پارٹی کے

ساتھ بڑے بھی براجمان تھے، پھر دونوں ٹیوں کے درمیان گانے کا مقابلہ شروع ہوا، کنعان نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور

نظریں غصے سے گھورتی حنین پر پڑھ گئی تھیں، اس کی مسکراہٹ سٹ گئی تھی۔

”میں ابھی آتا ہوں، کال آ رہی ہے۔“ وہ جیب سے موبائل نکالتا ہوا بولا تھا اور شور ہنگامے سے دراپر سکون جگہ پر

چلا گیا تھا۔

”فریڈ! میرا خیال ہے اب رسم کر لینی چاہیے۔“ راشدہ نے ہال میں سے اٹھ کر آ کر نوید عالم کے کہنے پر سلسلہ

موسیقی موقوف کر دیا تھا، پھر لڑکیوں نے لڑی ڈالی۔

ماہ کنعان آفیشل کال کر کے جب لوٹا تھا تو ساکت رہ گیا تھا، اس کی نگاہ نے حنین کے خوبصورت چہرے سے ہٹنے

سے انکار کر دیا تھا، وہ دھیمے دھیمے مسکاتی، دھیرے دھیرے گھومتی، آگے پیچھے جاتی، ہاتھوں میں موجود اسٹک کو جنش دیتی

حنین کو تک کی باندھے دیکھ رہا تھا، اس کا دل تھا کہ اس کی شرمیلی مسکراہٹ، لہرائی چوٹی، ہلنے آویزوں اور شرارتی نمیوں

میں ایک ایک سا جارا رہا تھا، وہ نظر چراتا تو بھی کہاں تک؟ اس کی سیاہ نگاہیں اس ساحرہ کے حرم میں جکڑتی جا رہی تھیں۔

گانا تو چل رہا تھا مگر یکدم ہی حنین اسٹیپ بھول گئی تھی، حشر اُسے اشارے کر رہی تھی، مگر اُسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا

وہ ایک دم اسٹل کھڑی ہو گئی تھی اور بس بیٹے جا رہی تھی۔

”میں بھول گئی ہوں، آگے کیا کروں؟“ وہ نرمی طرح ہنستے ہوئے بولی تھی، وہ اُسے غصے سے گھورنے لگی تھی، ہال

تالیوں سے گونج اٹھا تھا اور وہ شرمندہ نظر آنے لگی تھی، مگر حنین کا اندھے اچکا کر وہیں کھڑی رہی تھی، فریڈ نے ہی آگے

بڑھ کر اسے کاندھے سے لگایا تھا۔

”زبردست بھی! تم دونوں نے تو کمال کر دیا۔“

”آئی! اتنی پریکٹس کی تھی ہم نے اور یہ بھول گئی، میں اشارے بھی کر رہی تھی کہ جیسے میں کر رہی ہوں، ویسے کر لو، مگر

یہ تو جسے جاری تھی۔ سحرش کو بہت غصہ آ رہا تھا۔

”یار! سوری، بٹ جب میں کرتے کرتے اسٹیپ بھول گئی تو میری ہنسی چھوٹ گئی اور میں اپنی ہنسی بالکل کنٹرول نہیں کر سکی، ویری سوری۔“ ہنسنے ہنسنے اس کا چہرہ ہورنگ اور آنکھوں میں موتی چمک آئے تھے اور فریدہ اُن دونوں کو لیے اسٹج کی جانب بڑھ گئی تھیں اور ماہ کنعان ایک سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

”تو جناب ماہ کنعان! آج آپ پر حسن کا جادو چل ہی گیا اور آپ بے دل ہو گئے۔“ اندر سے آواز آئی تھی اور وہ ہر جھکنے آواز کو انور کتا فیصل کی جانب بڑھ گیا تھا، جہاں اس کی رسم حنا چل رہی تھی، ہنسی مذاق، شور شرابے اور ہنگامے کے ساتھ خوشگوار ماحول میں رسم حنا اختتام کو پہنچی تھی۔

☆.....☆.....☆

”شاز! بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ راحم اُسے پُرشوق نگاہوں سے تنگ رہا تھا۔

”کیا مطلب.... صرف پیاری لگ رہی ہوں؟ میں پیاری ہوں نہیں۔“

”تم کیا کچھ ہو، میرے اس دل سے پوچھ کے دیکھو۔“ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے بھی وہ نہایت شرارت سے کہتا اس کا ہاتھ تمام کر سینے پر دائیں جانب لگا گیا تھا اور وہ بُری طرح گھبرا گئی تھی۔

”یہ کیا کر رہے ہیں راحم! کوئی دیکھ لے گا۔“ وہ ہاتھ چھڑا رہی تھی، مگر وہ اور زیادہ اس کے ہاتھ پر گرفت کرتا اس کے نزدیک بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے ہوتے ہوتے دیوار سے جا ٹکرائی تھی، ڈر کے مارے چیخ بلند ہوتی کہ وہ اس کے منہ پر اپنی چوڑی تھیلی جما گیا تھا۔

”اب بتانا شروع کروں کہ تم کتنی پیاری، اچھی خوبصورت اور ساحرہ ہو کہ بُری طرح مجھے اپنے سحر میں جکڑ چکی ہو۔“ وہ وارنگلی سے کہتا اس کا دل دھڑکا گیا تھا، وہ اس کے چہرے پر بھگائی تھا کہ دروازہ بُری طرح دھکیل کر کوئی بولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا اور وہ اس کی کلائی چھوڑ جلدی سے فاصلہ قائم کر گیا تھا۔

”آپ.... شاز مین بچو کے روم میں کیا کر رہے ہیں؟“ حنین اس کو دیکھتے تھیں۔ وہ خود کو سنبھال چکا تھا، مگر شاز مین خود کو کنٹرول نہ کر سکی تھی اور نگاہیں تھیں کہ ز مین پر گڑی ہوئی تھیں، وہ تو یہ سوچ کر ہی پسینہ پسینہ ہو رہی تھی کہ حنین کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتا؟

”اوہ.... کبھی، چوری چھپے ملنے آئے تھے نا، جیسے فلموں میں ہیروئن سے ملنے آتا ہے۔“ اس نے قیاس آرائی کی تھی۔

”اور تھوڑی ہی دیر میں ولن کی انٹری ہو جاتی ہے۔“ وہ پہلے تو کچھ سمجھی نہیں، مگر جیسے ہی راحم کی بات سمجھ آئی تھی وہ اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

”راحم بھیا! آپ مجھے ولن کہہ رہے ہیں؟ دیکھئے اب میں کیا کرتی ہوں، پورا ولن کا رول پلے کروں گی، سب کو جا کر بتاؤں گی کہ آپ بچو کے روم میں ان کا ہاتھ پکڑ کے کھڑے تھے۔“ حنین کا جتنا ہوا لہجہ شاز مین کو سن کر گیا تھا۔

”یار! مذاق کر رہا تھا میں اور تم نیچے جا کر بے شک سب کے سامنے کہہ دو، مجھے تو ممانی جان نے شاز مین کو بلانے بھیجا تھا۔“

”بلانے بھیجا تھا نا، ہاتھ پکڑنے کے لیے تو نہیں۔“

”کیوں مرواؤ گی حنین! میری اچھی بہن نہیں ہو، کسی سے.....!“

”کچھ نہیں کہوں گی، میں تو بس آپ کو ڈرا رہی تھی، ولن کہا تھا نا آپ نے، صرف اس لیے۔“ وہ ان دونوں کی جان کا لئے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے ہوئے مزے سے ہنس رہی تھی۔

”آپ نے مجھے یہ بھی بھلا دیا کہ میں بچو کے پاس کس کام سے آئی تھی۔“ وہ کمرے سے جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی تھی۔

”شاز.....!“

”بات نہ کریں مجھ سے اور پلیز جائیں یہاں سے۔“

”اچھا اب رو تو نہیں، میں تو صرف تمہیں تنگ کر رہا تھا۔“

”آپ نے سوچا ہے حنین کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کیا ہوتا؟“

”کچھ نہیں ہوتا، تم رونا بند کرو، اتنی اچھی لگ رہی تھیں، کیوں آنسوؤں سے میک اپ کو دھو دینا چاہتی ہو؟“ اس نے آنسو صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا تھا، جسے جھٹکتی وہ اسے گھورتے ہوئے خود ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ سب انٹرنس پر گلاب کی پتیوں سے بھری پلیٹیں تھامے کھڑی تھیں، جیسے ہی دلہا والے آئے تھے وہ الٹ ہو گئی تھیں، آگے آگے چلتے دولہوں کے ساتھ ان کے دوست اور پیچھے گھر کے افراد کے ساتھ دیگر اقارب ہال میں انٹر ہونے لگے تھے اور وہ پیتاں نچھا کر تیش ان آنے والے مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں۔

”راحم بھیا! آپ دلہا کے دوست بن کر آئے ہیں، اپنی خیر منائے گا۔“

”کیوں بھئی! دلہا کے دوستوں کے ساتھ تم لوگ کون سی تحریب کاری کرنے کا پلان بنائے بیٹھی ہو؟“ وہ شرارت سے حنین کو دیکھتا ہوا بولا تھا۔

”وہ تو بعد میں ہی پتہ چلے گا، کیوں شاز مین بچو؟“ اس نے ہنسنے ہوئے کہتے سامنے کھڑی شاز مین کی حامی چاہی تھی اور وہ محض مسکرا دی تھی اور اس کا یہ مسکراتا روپ راحم کے کمرے میں مقید ہو گیا تھا، فلیش کی روشنی پڑنے پر اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور راحم کے اسماں پاس کرنے پر منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی، جو اس بات کا اظہار تھا کہ وہ اس سے کچھ خفا ہے، فیصل کے ساتھ کھڑے ماہ کنعان نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور جو پلٹ کر آنے میں کافی وقت لگا گئی تھی۔ پتک کلر کے شرارے سوٹ میں، سلور جیولری، لائٹ پتک میک اپ کیے میچنگ چوڑیاں کلائیوں میں بجائے وہ مسکراتے ہوئے ارم الحسن کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ماہ کنعان کو آتے ہوئے دیکھا تھا، مگر وہ اسے نظر انداز کر گئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پلیٹ تھی اور دوسرے ہاتھ سے پیتاں نچھا کر رہی تھی، اس نے منہ میں پیتاں بھری تھیں، ڈالنے کو ہاتھ بلند کیا تھا اس کی تصویر لینے کے لیے راحم نے اُسے مخاطب کیا تھا وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی اور ہاتھ بونی اٹھا کا اٹھا رہا تھا، ماہ کنعان آگے بڑھا تھا اور اس کا ہاتھ اس کے سینے سے ٹکرا گیا تھا، اس کی منہ کی کھلی تھی اور پیتاں اس کے قدموں میں جا گری تھیں، مگر اتنی زور سے ہوئی تھی کہ اس کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر ماہ کنعان کے قدموں میں ڈھیر ہو گئی تھیں، دوسرے ہاتھ میں موجود کاج

کی پلیٹ اس کے ہاتھ سے یکبارگی چھوٹی تھی اور اس کے پاؤں پر آگری تھی، اس کی چیخ بہت بے ساختہ تھی۔
”ممی!“ سب ہی اسے پریشانی سے دیکھنے لگے تھے۔

”آرٹو اوکے؟“ ارحم، فیصل کے پہلو سے نکل کر اس تک آیا تھا۔

”میں.... میرا پاؤں.... ارحم بھٹا! بہت تکلیف ہو رہی ہے۔“ وہ ضبط کرتے ہوئے بولی تھی، ارحم اس کا بازو تھامے اسے بھینٹے نکال کر کرسی تک لایا تھا اور قدرے جبک کر اس کے پاؤں کا جائزہ لیا تھا، سلور نازک سی پچل میں مقید اس کے نازک پیر کا کچ کا کوئی ٹکڑا چھ جانے کے باعث لہورس رہا تھا۔
”مامی! میں جنین کو ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے بھٹا! میں نے فرسٹ ایڈ باکس منگوایا ہے، بیڈنگ ہی تو کرنی ہے۔“ ارحم بولا تھا جیسی ویٹر فرسٹ ایڈ باکس لیے چلا آیا تھا۔

”حصین! رو نہیں، ابھی میں بیڈنگ کر دیتا ہوں۔“ ارحم نے کہتے ہوئے اسے سہارا دے کر ٹیبل پر بٹھایا تھا اور خود کرسی پر بیٹھ کر بیڈنگ کرنے لگا تھا۔

”جنین! بس چپ کر جاؤ، سارا کا جل بھیل گیا ہے۔“ سب ہی متشکر سے وہیں کھڑے تھے، فریدہ نے بمشکل اسے پانی پلا کر چپ کروایا تھا اور بیٹے سے بولی تھیں۔

”ارحم! تم سب کو لے کر اندر آ جاؤ، اتنا سیریس میٹر نہیں ہے۔“

”پھپھو! مجھے گھر جانا ہے۔“

”جنین! کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹا!“ ساجدہ نے اس کا بازو تھامنا تھا۔

”ممی! مجھے ابھی گھر جانا ہے۔“ وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

”میں ایسا کرتا ہوں جنین کو کھر چھوڑ آتا ہوں، زرین صرف اس سے ناراض ہی تو ہوگی کہ یہ اس کی شادی اینڈ کے بغیر چلی گئی، چلاؤ جنین!“

”ارحم بھٹا! میں خود کب ایسے جانا چاہتی ہوں، زرین آپی کو تو میں ناراض کر ہی نہیں سکتی، بٹ مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا، بہت تکلیف ہو رہی ہے۔“

”جنین بیٹا! ہم سب ہیں تا تمہارا خیال کرنے کے لیے، اور تم کھڑی مت رہنا، تم اپنے زرین آپی کے ساتھ بیٹھ جانا اوکے!“ ارشدہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

”اوکے، آپ سب لوگ جائیں، میں کچھ دیر میں آ جاؤں گی۔“ وہ زبردستی مسکراتی تھی، ماہ کنعان، فیصل کے ساتھ اسٹیج کی جانب چلا گیا تھا، مگر اس کی ساری توجہ یہیں مرکوز تھی، وہ اتنی دور سے بھی اسے روٹے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

”آپ سب جائیں، میں تھوڑی دیر میں اسے لے کر آ جاؤں گی۔“ شازمین کے کہنے پر وہ سب آگے بڑھ گئے تھے سحرش کے ساتھ ارحم بھی وہیں رک گیا تھا۔

”یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، نہ میں تمہیں تصویر کھینچنے کے لیے مخاطب کرتا نہ یہی سب کچھ ہوتا۔“ ارحم نے اس کے برابر والی جیسر کھینچی تھی۔

”آپ کا قصور نہیں ہے ارحم بھٹا! ساری غلطی فیصل بھٹا کے دوست کی ہے، اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی بڑی آنکھیں دے رکھی ہیں انہیں، مگر ان کا استعمال نہیں کرتے، بل مجھ سے ایسے ٹکرائے کہ میرا سر گھوم کر رہ گیا اور میری بندیا بھی گم گئی اور آج میرا پاؤں زخمی کیا اور میری ساری چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔“ ڈھیر ساری چوڑیوں میں سے چند ایک ہی بچی تھیں۔

”جنین! تمہارے ہاتھ سے تو خون نکل رہا ہے۔“ شازمین کی نظر اس کی کلائی پر پڑی تھی، ٹوٹی چوڑیوں کے کاٹچ اس کی کلائی میں جگہ جگہ کھب سے گئے تھے۔

”ہاں، میرا ہاتھ اس فولاد کے آدی سے ٹکرایا تھا۔“ اس کے منہ بنا کر کہنے پر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

”مجھے یہاں تکلیف ہو رہی ہے اور آپ لوگ ہنس رہے ہیں۔“ اسے کچھ نہ کہنا ہی ان لوگوں نے مناسب سمجھا تھا، شازمین نے بڑی احتیاط سے باقی چوڑیاں اتاری تھی اور ارحم نے اس کی کلائی کی بیڈنگ کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆

”زرین آپی! کتنی پیاری لگ رہی ہیں، ہیں نا عرش!“ اپنا خیال ظاہر کر کے اس کی رائے پوچھی تھی۔

”ہاں بھئی! آخر بھائی کی ہیں۔“

”تم بہت لکڑی ہو عرش! کہ زرین آپی تمہاری بھائی بن گئی ہیں، آخر آل میری آپی دنیا کی میسٹ آپی ہیں، دیکھنا یہ تمہارا بھی کتنا خیال رکھیں گی، شہی از دیری کیئرنگ۔“ جنین کے لہجہ و انداز میں زرین کے لیے اپنا تین اور محبت ہی محبت تھی۔ سرخ عروسی جوڑے میں روایتی دلہنوں کی طرح سولہ سنگھار کیے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

”آپ کی آپی ہمارا خیال رکھیں گی تو ہی ہم کہہ سکیں گے کہ شہی از دیری کیئرنگ۔“ فیصل کے انداز میں شکستگی و شرارت تھی۔

”کیوں نہیں، فیصل بھٹا! آپی تو سب کا ہی بہت خیال رکھتی ہیں، دیکھئے گا آپ کا بھی کتنا خیال رکھیں گی۔“

”آپ سننا رش کر دو تو زیادہ رکھیں گی۔“

”آپی جلی کاموں کے بہت خلاف ہیں، انسان میں کوئی ہونی چاہیے، جیسے کہ میں، گھر میں آپی سب سے زیادہ میری پرواہ کرتی ہیں اور مجھے ہی سب سے زیادہ چاہتی ہیں۔“ یہ سب کہتے ہوئے فخر سا اس کے چہرے پر ڈر آیا تھا۔

”آپ کی آپی کی چاہتوں کی لسٹ میں میرا نام ہے یا.....!“ فیصل نے گردن ذرا سی ترچھی کر کے زرین کو دیکھا تھا اور جان کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

”آئی ڈونٹ نو، میں نے کبھی پوچھا نہیں۔“

”شرافت سے بیٹھ جاؤ، اولڈ پارٹی آرہی ہے، کیوں اپنا اچھا خاصا ایجنج خراب کرنے پر تلے ہو؟“ ارحم نے مصنوعی خشکی دکھائی تھی، جنین و عرش ہنسنے لگی تھیں، فریدہ اور ارشدہ ہاتھوں میں سہرے لیے اسٹیج پر چڑھ گئی تھیں، اور سات سہاگنوں کو دونوں سہرے باری باری لگانے لگی تھیں۔

”اٹس امیزنگ پیچھو! یہ میرے بھی لگائیں ناں۔“ جنین کی فرمائش پر وہ ہنس دی تھیں۔

”اوہوں.... یہ صرف سات سہاگنوں کے ہی لگایا جاتا ہے۔“ انہوں نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کا سہرا اجداد اور ارحم کو

دیتے ہوئے زمین کو باندھنے کے لیے کہا تھا۔

”پھو! ایسا کیوں، اس کے لیے شادی شدہ ہونا کیوں ضروری ہے؟“

”بھئی! یہی رسم ہے۔“

”ساجدہ! بس اب تم بھی بیٹی کے سر سہرا سجا کر اسے رخصت کرنے کی تیاری کر لو، تمہاری لڑکی کو شوق بھی بہت ہے۔“ کوئی دور پرے کی رشتہ دار خاتون نے مزے سے کہتے ہوئے ہنسنے لگا دیا تھا۔

”واٹ ڈو یو مین آئی! مجھے کوئی شوق ووق نہیں ہے، پھو کا ایسا کرنا دلچسپ لگا تو کہہ دیا۔“ جنین کو ناراض ہونے میں تو ویسے ہی لحد لگتا تھا اس وقت بھی وہ بری طرح خفا ہوتی ناگواری سے بولی تھی۔

”ساجدہ! تمہاری بیٹی کی تو گز بھری زبان ہے، میں نے تو ازراہ مذاق کہا تھا اور یہ تو انگریزی میں ٹرٹری کرنے لگی۔“ خاتون کو اس کا بولنا بری طرح کھٹا تھا اور انہوں نے محفل کا خیال کیے بغیر جو منہ میں آیا کہہ دیا اور یہ اس سے کہاں برداشت ہو سکتا تھا کہ کوئی اسے برا کہے، وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ فریدہ اس کا بازو تھام گئی تھیں۔

”پھو! یہ میرے بارے میں اس طرح کیسے.....!“

”جنین! چپ کر جاؤ۔“ ساجدہ نے اس کے نزدیک آتے ہوئے دبے دبے لفظوں میں اسے ڈچا تھا اور اس کی آنکھیں پٹپٹ لگی تھیں۔

”مئی! میں تو.....!“

”ماندہ! اسے اسے نیچے لے جاؤ۔“ ساجدہ کے کہنے پر وہ آگے بڑھی تھی، مگر اس نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

”نہیں، میں ٹھیک ہوں۔“ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے پھو ہوئی تھی اور ماہو کھان سے نکلے لکراتے بیٹی تھی، اسے کھانے بھری نگاہوں سے دیکھتی وہ آگے منہ کر کے کھڑی ہو گئی تھی اور وہ اس کے موتی بھرے عین کوروں کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے پلٹ جانے پر اس کی پشت پر بکھرے سیاہ آبشار پر نگاہیں ٹھہر گئی تھیں، دل میں آیا تھا کہ اس کی آنکھوں کے موتی ہونٹوں سے چلتے ہوئے اس کے دراز بالوں کی لامعت کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر محسوس کرے، مگر وہ ایسا صرف سوچ ہی نہ کیا تھا،

راشدہ نے اپنے ہاتھ کا سہرا فضیل اور ارحم کو دیا تھا جو وہ دونوں ل کر میرا کے سر پر سجانے لگے تھے، اجد نے زمین کے اور ارحم نے میرا کے سر پر قرآن کا سایہ بنایا تھا اور وہ دونوں روتی دھوتی اپنوں کی دعاؤں اور آنسوؤں تلے رخصت ہو گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

دیگر رسموں کے بعد سیرا کو فضیل کے روم میں پہنچا دیا گیا تھا، سیرا اس کمرے میں بار بار آئی تھی، مگر اس کے کمرے کی آج چھب ہی نہ آئی تھی، بیڈ کے وہ عین وسط میں گلاب کی پتیوں میں گھری بیٹھی تھی، درود یوار پر نظر دوڑاتے اس کی نگاہ ڈرائنگ کے شیشے میں نظر آتے اپنے وجود پر پڑی تھی، اس نے اتنا ہارنگھار زندگی میں پہلی دفعہ کیا تھا، تقریبات میں وہ پہلا پہلا سا ہی تیار ہو کر جایا کرتی تھی اور آج سرخ عروسی جوڑے میں دلہن بنی وہ بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اس کی معصومیت اور کم عمری نے بھی اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے، وہ لہکا سنبھالتی بیڈ سے اتر گئی تھی، مگر کمرے کے باہر اسے آہٹ سی محسوس ہو گئی تھی اور وہ دھڑکتے دل کو سنبھالتی واپس بیٹھ گئی تھی۔

”فیصل بھائی!“ اس نے اسے دل میں مخاطب کرنا چاہا تھا، مگر نئے رشتے کا خیال آتے ہی لب دانتوں تلے دبائی تھی۔

”یہ ہمیشہ مجھے ڈانٹتے ہی آئے ہیں، لیکن آج.....!“ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اور گاہیں جھٹکتی چلی گئی تھیں، فیصل مضبوط قدم اٹھاتا چلتا ہوا بیڈ تک آیا تھا اور عین اس کے سامنے بیڈ پر بک گیا تھا اور خاموشی سے اس کا جائزہ لینے لگا تھا، اس چہرے کو تو وہ اس کے بچپن سے ہی دیکھتا آ رہا تھا، مگر اس کی جج دجج آج صرف اس کے لیے تھی، اس کی آنکھوں میں پسندیدگی ڈرائی تھی، اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر حسین لگے گی، وہ استحقاق بھری نگاہوں سے اس کے سچے سنورے روپ کو دیکھ رہا تھا اور لمبے خاموشی سے سرکتے جا رہے تھے، اس نے بہت ڈرتے ڈرتے لرزتی پلکیں اٹھائی تھیں، اس کی نگاہوں سے نکلانی تھیں، وہ ان آنکھوں کا مفہوم بالکل نہ جان سکی تھی، اسے لگا تھا کہ وہ شاید اسے غصے سے گھور رہا ہے۔

”آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ سچ اب تو میں آپ کے کمرے میں بھی بہت دن بلکہ مہینوں بعد آئی ہوں اور کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔“ وہ بغیر سانس لیے جلدی جلدی کہہ رہی تھی اور وہ پہلے تو سمجھا نہیں، حیرانگی سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا، مگر جیسے ہی سمجھا آیا اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا اور اس کی بڑی بڑی سحر آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹکی پھٹی رہ گئی تھیں۔

”آپ..... آپ..... آپ..... آپ.....“ وہ بہت بے یقین تھی، اس نے اپنی سترہ سالہ زندگی میں سوائے ایک دو دفعہ کے اسے مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا اور کہاں اس کا قہقہہ، وہ حیران نہ ہوتی تو کیا کرتی؟ اس نے تو فیصل کو ہمیشہ عجیبہ اور غصہ کرتے ہی دیکھا تھا اور یہ اس کی بد قسمتی تھی یا نجانے خوش قسمتی، ہمیشہ اس کے عتاب کا نشانہ وہی بنتی تھی۔

شرارت وہ اور عرش مل کر کرتے تھے، مگر فیصل کے آگے مجرم وہی بنتی تھی، کتنی دفعہ تو اس نے فیصل سے کمرے میں آنے پر ڈانٹ کھائی تھی، کیونکہ ایک دفعہ اس نے فیصل کی فائل پر پانی گرا دیا تھا اور ایک دفعہ اس کا خوبصورت مہنگا ترین شوٹیں توڑ دیا تھا جو وہ لندن سے لے کر آیا تھا، اس کے علاوہ بھی اس کے نت کے کارناموں اور شرارتوں کی ایک لمبی فہرست تھی، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ فیصل سے ڈانٹ کھایا کرتی تھی۔

”کیوں..... کیا میرے ہنسنے پر پابندی ہے؟“ اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا تھا اور اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ قلم لیا تھا۔

”سز فیصل! آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔“ معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

”کیا کیا کر رہے ہیں؟“ ہاتھ چھڑا کر وہ کچھ فاصلے پر ہو گئی تھی۔

”کیا کیا کر رہا ہوں؟“ وہ انجان بنا تھا اور اس کے گھبرائے شرمائے انداز سے محظوظ ہوتے ہوئے شیر دان کی جیب سے ایک بیہنگالی تھی اور اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

”کیسا ہے؟ خاص تمہاری پسند پر بنوایا ہے، ہاتھ میں لے کر دیکھو۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈبیہ سے چین نکالی تھی، کولنگ چین میں ڈائننگ تازک سا پیڈنٹ تھا اور اسے ڈائننگ پیڈنٹ بہت پسند تھے اور یہ تو تھا بھی بہت خوبصورت،

بارٹ شپ میں ٹگینوں سے بناواٹ روز، اس کے لیوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

زمین کا دل بہت بڑی طرح گھبرا ہوا تھا، آنکھوں میں یادوں کی برات سی اترتی اسے بڑی طرح سہارا ہی تھی، وہ جو اتنے دنوں سے خود کو ریلیکس شوکر رہی تھی، اسے لگتا تھا کہ وہ اس کے خیال اور یکطرفہ چاہت کی کبک بھلا کر فضیل کو اس کی جگہ دے دے گی، مگر سچے سنورے روپ میں وہ کسی کی سچ جھانے بیٹھی تھی تو اصل حقیقت اس پر آشکار ہوئی تھی کہ یہ سب اتنا آسان بھی نہیں ہے، جس شخص کے سینے نو عمری میں پلکوں کی دلیز پر جائے تھے وہ ایسے تو اتنی آرام سے اپنا گھناؤنا بدل سکتے تھے، اس کا دل آنے والے وقت کا سوچ کر ہی سبے جا رہا تھا، ہاتھ پر ہنسنے ہونے لگے تھے۔

”اللہ جی! میری مدد کیجئے، محبت کرنے میں بہت بے اختیار تھی، ایک ایسے شخص کو چاہا جو میرا نہ تھا، میری قسمت میں اسے لکھا ہی نہیں گیا تھا، میں نے ایک ایسے شخص سے رشتہ جوڑا جسے میرے والدین نے تیری رضا سے میرے لیے منتخب کیا، میں فضیل کے ساتھ بددیا ہی نہیں کرنا چاہتی، میں نے پورے غلوں سے اس رشتے کو تسلیم کیا تھا پھر میرا دل کیوں ڈوب رہا ہے؟ مجھے میرا آپ فضیل کا مجرم کیوں لگ رہا ہے؟ مجھے آنے والا وقت کیوں ڈر رہا ہے؟ اس شخص کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہتی، مگر اس کا خیال ہے کہ دل و دماغ سے آچٹا ہے، کہیں میں نے اتنا بڑا فیصلہ غلط میں تو نہیں لیا؟ ایسا ہے تو مجھے زسوا ہونے سے بچا لیجئے گا، میری آپ سے صرف اتنی سی التجا ہے کہ میرے دل سے اس شخص کا ہر ایک خیال نکال کر صرف فضیل کا خیال ڈال دیجئے، مجھے کمزور ہونے سے بچا لیجئے تاکہ فضیل کبھی یہ نہ جان سکے کہ میں نے کبھی کسی اور سے محبت کی تھی، میری وفاؤں کو فضیل کے نام لکھ دیجئے، جیسے آج میرا وجود.....!“ ڈور لاک لگنے کی آواز پر وہ خیالوں سے باہر آئی، جلدی سے آنسو صاف کرتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

”آداب عرض ہے مرفض!“ وہ بیڈ کے کنارے بیٹھا ہوا مخاطب ہوا تھا اور اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں۔

”جو اباً وعلیم السلام تو کہا ہی جا سکتا ہے۔“ اس کی خاموشی پر وہ ہنسنے لگے میں بولا تھا اور گھٹنوں پر رکھے اس کے حنائی ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ باقاعدہ لرزنے لگی تھی۔

”تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو؟ یار! میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا، مجھے تو تمہیں اپنی داستان محبت سنانی ہے، تمہیں بتانا ہے کہ تم نے کس لمحے مجھے اپنا اسیر بنالیا تھا، میں تم سے کب، کیسے محبت کر بیٹھا، بہت کچھ تمہیں بتانا ہے، اپنے جذبوں کی شدت تمہارے وجود میں اُٹھ پٹنی ہے، تمہیں جذبہ محبت سے آشنائی دینی ہے۔“ اس کا لہجہ جذبوں سے چور تھا۔

”تم کچھ تو بولو، کچھ ایسا کہ مجھے اظہار کی منزل طے کرنا آسان، بہت آسان لگے، اتنا کہ میں لکھوں میں وہ سب کہ دوں جو کتنے سالوں سے کہنے کی چاہ میں کہہ نہ سکا۔“ یکبارگی اسے زمین کی خاموشی بڑی طرح کھلی تھی اور وہ اس کا ہاتھ دھیرے سے آزاد کرتا اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا، جہاں بے چینی، گھبراہٹ اور خوف سامنے لا رہا تھا۔

”فضیل! آپ کہتے جاییے، میں سن رہی ہوں۔“ لہجہ کچپکپا سا رہا تھا۔

”کچھ ہو گئی نہیں؟“

”میں..... میں کیا کہوں؟ ہماری شادی اتنی جلدی میں ہوئی کہ میں آپ کے بارے میں کچھ بھی سوچ ہی نہیں سکتی۔“

آپ کی بنادی گئی۔۔۔ وہ دھیرے دھیرے نظریں جھکائے جھکائے بولی تھی۔

”کیا..... تمہارے ساتھ زبردستی کی گئی ہے؟“ سوال تھا کہ کوئی آبلہ جو اس کے چھلی چھلی دل میں آگ سی لگا گیا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے فضیل! یہ شادی ٹوٹتی میری مرضی سے ہوئی ہے، مجھے کچھ وقت ملتا تو میں اس رشتے سے خود کو روشناس کراتی، لیکن اس سب سے پہلے ہی میں آپ کے جیون میں آگئی، اسی لیے کچھ گھبراہٹ سی ہے، آپ کسی بدگمانی کو پلزل دل میں جگہ مت دیجئے۔“ اس نے فضیل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

”آپ کو کچھ وقت چاہیے، لیکن کتنا وقت؟ ایک ماہ، 3 ماہ، 6 ماہ؟“ وہ کھڑا ہوتا ہوا شیر وانی کے منہ کھولنے لگا تھا اور وہ ہکا بکا سی رہ گئی تھی۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا۔“

”کچھ باتیں کہنے کی نہیں، محسوس کرنے کی ہوتی ہیں اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ تم اس رشتے کے لیے دل سے تو دور کی بات، دماغ سے بھی راضی دکھائی نہیں دیتیں اور میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔“

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“

”تم مجھے ایک دفعہ کہہ کر تو دیکھیں کہ اتنی جلدی شادی تمہارا ذہن قبول نہیں کر پارہا، یہ شادی کینسل ہو جاتی، مگر بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے۔“ شیر وانی اُتار کر اس نے اپنی وارڈروب کھولی تھی اور ہینگر میں ڈال کر الماری میں لٹکا دی تھی۔

”رات بہت ہو گئی ہے زمین! چنچ کر کے سو جاؤ۔“ اس نے ایزی سا شلوار قمیض نکالا تھا اور واش روم میں چلا گیا تھا جبکہ وہ تو ساکت بیٹھی رہ گئی تھی اور آنسو ٹپ کرتے گالوں پر لڑھکتے جا رہے تھے، اسے شادو لینے میں 15 سے 20 منٹ لگے ہوں گے، ناول سے بال رگز تا وہ روم میں داخل ہوا تھا اور اسے اب تک یوں ہی بیٹھے دیکھ کر حرکت کرتے ہاتھ پلٹا بھر کوزے کے تھے اور اسے روٹا محسوس کر کے وہ ناول گلے میں ڈالتا اس تک آیا تھا۔

”زمین!“ بیڈ کے کنارے کھٹے ہوئے شخص اس کا نام پکارا تھا کہ وہ اس کے کاندھے پر پیشانی ٹکاتی پلک اُٹھی تھی اور وہ پریشان ہو گیا تھا۔

”پلزل..... ڈونٹ کرائے۔“

”آپ میرے بارے میں بہت غلط طریقے سے سوچ رہے ہیں۔“ وہ سیدھی ہوتے ہوئے آنسو گڑ رہی تھی۔

”غلط میں نہیں، تم سوچ رہی ہو یار! زندگی تو ہماری شروع ہوئی ہے، ہمیں ابھی ایک ساتھ بہت سا وقت گزارنا ہے، آج کی رات آخری تو نہیں ہے، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زمین! اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ تم اس رشتے سے فی الحال خوفزدہ ہو اور میں تمہیں صرف اس خوف سے نکالنا چاہتا ہوں، تمہاری طرف سے بدگمانی نہیں ہوں، میں قربت کے لمحوں کو ان چاہا احساس نہیں دینا چاہتا، جو لمحے میری زندگی کا حاصل ہوں گے، وہی لمحے تمہاری زندگی بھی بنیں، بس اس کا انتظار کروں گا، جس دن مجھے یہ احساس ہوا کہ تم نے ہمارے رشتے کو قبول کر لیا ہے، اسی دن بیاہد محبت سے تمہاری طرف پیش رفت کروں گا، اسی دن تمہاری روحانی بھی دوں گا، لیکن تمہیں صبح سب کو میرا دیا ہوا گفٹ دکھانا ہوگا، اس لیے یہ پھول تمہیں دوست بنا کے دے رہا ہوں، اسے قبول کرو اور آرام سے سو جاؤ۔“

فضیل نہایت سنجیدگی سے کہتا سناؤ ٹیبل پر رکھے بوکے میں سے ایک پنک روز نکال کر اس کی جانب بڑھا گیا تھا جسے وہ تھیری تمام گئی تھی۔

”فضیل! میرے ان کہے کیسے سب کچھ جان گئے؟“ سوچ کی پرواز بھٹکی تھی اور وہ سی کر رہ گئی تھی۔

”زرین! زندگی بالکل اسی گلاب کی مانند بہت خوبصورت ہے جس کی خوبصورتی کو بڑھانے میں کہیں نہ کہیں ان کانٹوں کا بھی ہاتھ ہے اور کہیں نہ کہیں اس کی خوبصورتی کو گہن لگانے میں بھی، اکثر لوگ گلاب پسند تو کرتے ہیں مگر کانٹوں کے خوف سے چھونے سے ڈرتے ہیں، مگر انسان اپنی ہی زندگی میں بے حد بے بس ہوتا ہے، گلاب چھونے کی آرزو میں کانٹوں کو چھو بیٹھتا ہے، آرزو ہمیشہ ناکام ہوتی ہے، اس لیے انسان کو آرزو نہیں کرنی چاہیے، زندگی کے گلاب چھوتے ہوئے یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ کانٹے بھی ساتھ ہی ہیں اور انگلیاں جن سے ٹکراتیں زخمی بھی ہو سکتی ہیں، سختی و نرمی کا توازن ملے ساتھ ہے، جہاں سکھ ہے وہاں دکھ بھی ہے، پھولوں کی نرمی وہی ہاتھ سہہ سکتے ہیں جو ان پھولوں کے کانٹوں سے کھیل سختی برداشت کر سکتے ہیں، کیونکہ زخموں پر پھائے سختی سے نہیں زخمی سے رکھے جاتے ہیں۔“ اس کی انگلی پر خون کا قطرہ بڑا نمایاں ہو رہا تھا اور وہ نہایت تنگدستی سے ایک ایک بات کہتا اس کے دل میں ڈر آنے والے سوالوں کا بھی جواب دے گیا تھا اور وہ اسے ایک نظر دیکھ بیٹھ سے اتر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”حنین! تم لوگوں کے ساتھ نہیں آئی؟“ مائدہ، شازمین اور راحم ناشتہ لے کر آئے تھے، وہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں لے آئی تھی، میرا اور حشر بھی وہیں آ گئی تھیں۔

”اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔“

”کیا ہوا ہے اُسے؟“

”آپی! اسے فیور ہے اور بس، آپ پریشان نہ ہوں۔“

”وہ ضد تو آنے کی بہت کر رہی تھی، مگر ماما نے منع کر دیا، کیونکہ اس کے پاؤں میں بھی تکلیف ہے اور رات دیر سے فٹنشن ہے، آرام نہیں کرے گی تو ریسپشن اسٹینڈ کیسے کرے گی؟“ مائدہ نے بتایا تھا۔

”ہاں، اسے یہ قہر دے کر آئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہی آئیں گی۔“

”زرین! اس قہر کو جانے دو اور یہ بتاؤ فضیل بھینا نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟“ مائدہ کے انداز میں شرارت تھی، اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ سے کھلی اٹھا کر ان لوگوں کے سامنے کر دی تھی۔

”صرف یہ ادھ کھلا گلاب۔“ شازمین کچھ متحیر تھی۔

”بھینا مجھے اتنے کنبوس تو نہیں لگتے کہ انہوں نے آپ کو صرف ایک پھول پر ہی فرخا دیا، وہ کوئی شاندار سا بونے ٹو کے ہی دے دیتے۔“ حشر بھی متحیر تھی۔

”بھئی! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فضیل بھینا کو بھابی کے شایان شان کوئی گفٹ ملا ہی نہ ہو، صرف اس لیے انہوں نے بھابی کو پھول دیا اور پھول تو جذبوں کی ترجمانی بہت خوبصورتی سے کرتے ہیں۔“

”اوہو.... اتنی میٹنگ فل ٹنکو تم کر رہی ہو، کچھ یقین سنا نہیں آیا۔“ میرا پر حشر نے ہنستے ہوئے چوٹ کی تھی۔

(جاری ہے)

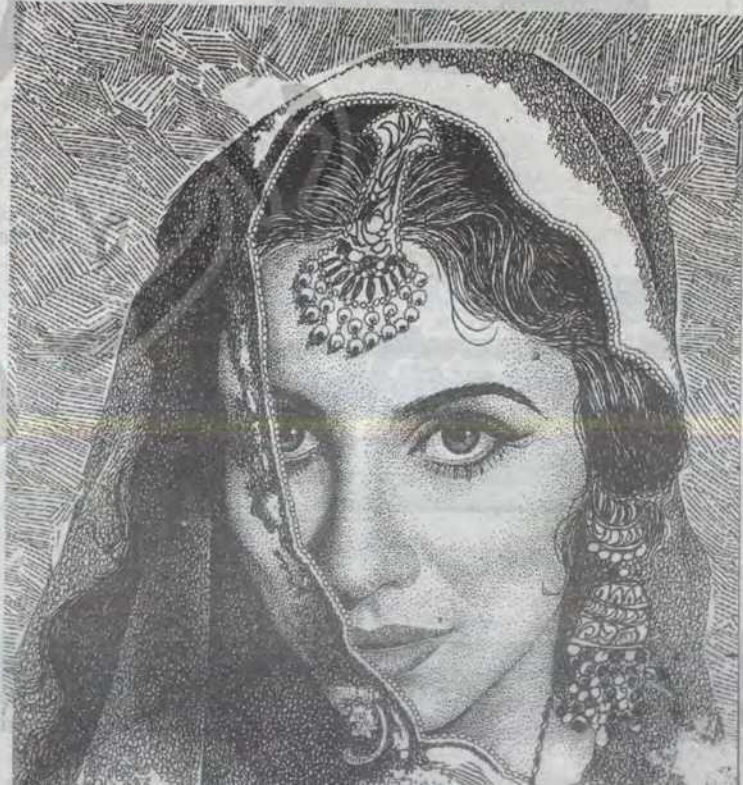
بندوبست لکی جانا

”جناب! یہ اسکپر بنس بول رہا ہے، بائے داوے، تمہیں منہ دکھائی میں کیا ملا؟“ ان لوگوں کے براہ راست وار کرنے پر وہ کچھ بھینپ گئی تھی اور شرمیلی مسکراہٹ سے گلے میں پہنے چین لاکٹ کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور ان چاروں

نے فیصل کی پسند کی تعریف کی تھی۔

”یار سیرا! ایک بات تو بتاؤ، بھیتانے یہ تمہیں بس دے دیا تھا یا خود ہی تمہارے گلے میں پہنایا ہے؟“
 ”وہ انہوں نے خود ہی....! جبکہ میں نے کہا بھی تھا کہ میں پہن لوں گی، مگر وہ نہیں مانے۔“ سیرا کے چہرے پر روشنی پھوٹی پوری تھی اور نگاہیں تھیں کہ لرزتی ہوئی عارضوں کو چھو رہی تھیں۔
 ”اوہو....!“ ان تینوں نے کورس میں اس کا ریکارڈ لگنا چاہا تھا، مگر وہ اٹھ کر بھاگ لی تھی، زمین کے روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور فیصل سے ٹکرا گئی تھی۔
 ”آئی ایم سوری، فیصل بھیتا!“

”اِس اوکے، بٹ اب بڑی ہو جاؤ، تمہاری ان ہی حرکتوں سے فیصل چڑتا ہے، یہ برقرار رہیں تو....!“ فیصل نے ہنسنے ہوئے چھیڑا تھا اور وہ اس کی بات سننے بغیر اثبات میں سر ہلاتی سیڑھیاں اترنے لگی تھی، سامنے سے آتے فیصل پر نگاہ



پڑی تھی اور وہ سامنے دیکھنے کے چکر میں دو میڑھیاں بھلا گئی تھی اور یہ تو اچھا تھا کہ فیصل نے کمال کی غلت دکھا کر اسے گرنے سے بچا لیا تھا اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے بازو سے لگی کھڑی تھی اور آج اسے فیصل نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اور اس کے گلزار چہرے کو دیکھ کر یوں پر تبسم بکھر گیا تھا اور یہ سارا منظر اوپر کھڑے فیصل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کے لبوں پر چھوٹے بھائی کی خوشیوں کے لیے دعا آٹھری تھی اور وہ ان دونوں کی خوشگوار زندگی کی دعا دل سے دے رہا تھا اور وہاں سے ہٹ گیا تھا اور فیصل اسے بازو سے تھامے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا، وہ جو اس کی ڈانٹنے کی منتظر تھی دھیرے سے ہنس دی تھی۔

☆.....☆.....☆

”نین! تم سارے فنکشن میں آج سب سے زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔“

”تھینک یو.... اور میں صرف اچھی لگتی نہیں ہوں، میں ہوں ہی اچھی۔“ سحرش کے تعریف کرنے پر اس نے فخر سے

فرضی کا لکھڑے کیے تھے۔

”خوش فہمی ہے تمہاری۔“

”جلنے کی بو آ رہی ہے۔“ اس نے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا اور وہ دونوں یکدم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں

تھیں۔

”اب تمہارا پاؤں کیسا ہے؟“

”زیادہ نہیں، لیکن تکلیف ابھی بھی ہے اور تکلیف کی نسبت غصہ زیادہ ہے۔“ وہ دونوں چلتی ہوئیں ہال کے پڑوس

ایریا میں آ گئی تھیں، کیونکہ سحرش کو اپنی فرینڈ کو فون کرنا تھا اور وہ دونوں اسی لیے اسٹیج سے اتریں تھیں، ورنہ وہ تو پورے

زمین کے برابر ہی بیٹھی رہی تھی، سحرش کے کہنے پر ہی وہاں سے ہٹی تھی کیونکہ زہمت ان دونوں کی ہی اسکول فرینڈ تھی کی

بھی فنکشن میں نہیں آئی تھی، لیکن صبح فون کر کے کہا تھا کہ وہ آج ضرور آئے گی، اب نہیں آئی تھی تو وہ اس سے پوچھنا چاہا

رہی تھیں کہ وہ آج بھی رہی ہے یا نہیں؟

”غصہ کیوں آ رہا ہے؟ یار ہونے والی بات تھی ہوگئی۔“

”کیا ہونے والی بات تھی؟ کل میرا سارا میک اپ خراب ہو گیا، میں ڈھنگ سے مووی بھی نہیں بنا سکی، اور آج

صرف اس بینڈ کی وجہ سے میں اتنے دل سے لائی ہوئی سلیر نہیں پہن سکی، کیونکہ میرے پاؤں میں بینڈ کی گئی ہوئی ہے

اور سلیر بہت نازک تھی، جسے آج پہن نہ سکنے کا مجھے بے حد افسوس ہے۔“

”یار! یہ جو تم نے سلیر پہنی ہوئی ہے یہ بھی بہت اچھی لگ رہی ہے۔“

”لگ رہی ہوگی، مگر مجھے نہیں لگ رہی، تم تو جانتی ہو کہ مجھے اسٹیپ اور اسٹریپ والی بے حد نازک سینڈلز اور سلیر

اچھی لگتی ہیں اور آج مجھے می کی پورے پنجے کی سلیر پہننی پڑی ہے۔“

”جانے بھی دو نین! تم اپنے پیروں کو لے کر کچھ زیادہ ہی کوشش رہتی ہو۔“

”ہاں، تو مجھے اپنے ہاتھ پاؤں بے حد عزیز ہیں۔“

”وہ تو مجھے بھی ہیں، تمہیں کوئی نرالے پسند نہیں ہیں، مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی ہر ایک چیز

ہے البتہ، انکھیں، اپنے ہونٹ۔“

”نین، مجھے صرف اپنے ہاتھ پیروں کے علاوہ کوئی چیز پسند اور عزیز ہے تو وہ ہیں میری آنکھیں۔ یار! اکثر لوگوں کو

میں نے دیکھا ہے ہر لحاظ سے ٹپ ٹاپ ہوتے ہیں اور دکھائی بھی دیتے ہیں، مگر ان کے پیروں کی طرف دیکھو تو شخصیت کی

حد سناڑی کھل کر سامنے آ جاتی ہے، اکثر خواتین پیروں اور ان کی سینڈلز کی طرف توجہ ہی نہیں دیتیں اور تم جانتی ہو کہ مجھے

بصورت ہاتھ پیروں کے اٹریکٹ کرتے ہیں، بندہ خوبصورت نہ ہو مگر ہاتھ پیروں اس کے خوبصورت ہوں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شکل کالی اور ہاتھ سفید ہوں، یار! ہاتھ پیروں میں خوبصورتی و جاذبیت ہونی چاہیے، نرم و

مٹا مٹا نہیں ہو چکی اٹھلیاں۔“

”شاید ہم زہمت کو فون کرنے آئے تھے۔“ وہ دونوں اس ناک پر پہلے بھی بات کر چکی تھیں۔

”ہاں، تو ملو.... میں کون سا منع کر رہی ہوں۔“ اس کے بات کاٹنے پر وہ چڑ گئی تھی۔

”ویسے نین! ایک بات ہے، تم جو اپنے ہاتھ پیروں کی اتنی کیئر کرتی ہونا، تو بالکل ٹھیک کرتی ہو، مجھے بھی تمہارے

ہاتھ پیروں بڑے ہی اچھے لگتے ہیں، ویسے ایک بات ہے، تمہیں لاکھوں میں یہ کوالٹی اچھی لگتی ہے یا لاکھوں میں بھی؟“

”زہمت کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے کچھ سوچ کر پوچھ رہی تھی۔“

”اوہ سیلی یار! دونوں میں، کیونکہ خوبصورتی، سیمیل یا میل سے منسوب تھوڑی ہے، بس جو خوبصورت ہوتا ہے وہی

تمہیں کا بھلا لگتا ہے۔“

”تمہاری آنکھوں کو کوئی بھلا لگا؟“

”نہیں، جس سینس میں تم پوچھ رہی ہو اس میں تو بالکل نہیں ہے۔“

”تم اپنے شوہر میں اپنی پسند کی جھلک دیکھنا چاہو گی؟“

”یہ شوہر سچ میں کہاں سے آ گیا؟“

”آیا نہیں ہے، آ سکتا ہے، مگر اس وقت جسٹ ایک سوال ہے۔“

”ہاں، تمہیں 10 ویں کلاس کی آرمایا ہے؟“

”ارما... نہیں، تم کس کی بات کر رہی ہو؟“

”یار! وہی جس کے ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔“

”اور جن کی وجہ سے تم نے اس سے دوستی کی تھی۔“

”ہاں.... وہی ارما۔“

”اس کا یہاں کیا ذکر؟“

”بات اتنی ہی ہے کہ وہ لڑکی میری دوست بنی اور وہ بھی میرے پہل کرنے پر، ورنہ تم تو جانتی ہو لڑکیاں مجھ سے دوستی

کر لیتی تھیں، میں نہیں۔“ وہ پرانی باتیں یاد کر کے مسکرائی تھی۔

”اور یہ بات تمہاری کچھ میں آ جانی چاہیے کہ میں ایک لڑکی سے صرف اس کے ہاتھوں کی اٹریکشن کی وجہ سے دوستی کا

ہاتھ بڑھا سکتی ہوں، تو میں یہ کیوں نہیں چاہوں گی کہ سوکا لڈ میرا جو شوہر ہوگا، اس کے ہاتھ پاؤں خوبصورت نہ ہوں گے۔
تک مردوں کے ہاتھ پر خوبصورت ہونے کی بات ہے تو میں نے کبھی کسی مرد کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا، اور نہ ہی
سے ہی اس پر ریر سرج کی ہے۔ ہاں مئی کہتی ہیں کہ میرے پاپا کے ہاتھ پاؤں بے حد خوبصورت تھے، وہ ایک خوش خلق
تھے، لیکن ان کے ہاتھ بیروں میں الگ ہی جاذب تھے اور میں نے جتنی پاپا کی تصویریں دیکھی ہیں تو میں نے بھی
کیا ہے، بس پاپا کی تصویریں دیکھ کر ہی خیال آیا تھا کہ ریشمی میں پاپا کے ہاتھ کتنے خوبصورت ہوں گے، بس اسی وقت
نے حقیقت میں اتنے خوبصورت و پرکشش ہاتھ پیر چاہنے کی تمنا کی تھی، جواب تک تو پوری نہیں ہوئی۔

”یار! اگر تمہارے شوہر کے ہاتھ بیروں میں انہی جاذبیت و کشش نہ ہوئی تو....؟“

”تو کیا، کچھ نہیں ہوگا، ہاں ایک خلش سی رہ جائے گی۔“

”اس کا مطلب جنین عالم! کسی مرد کو اس کے پرکشش چہرے، زبردست جاب، گلدرد، پینشن ان تمام خصوصیات
پر نہیں بلکہ اس کے پرکشش ہاتھ بیروں کی وجہ سے محبت کرے گی؟“

”سے بی۔ اس نے لا پرواہی سے کانڈھے اچکا دیئے تھے اور اسے فون پر بڑی دیکھ کر وہ پانی پی کر آنے کا
کر کے آگے بڑھی تھی کہ اسے کولڈ ڈرنک سرد کرنا دیکھ کر اس نے اشارے سے اسے بلا کر کولڈ ڈرنک سے بھر کر
اٹھالیا تھا اور جیسے ہی وہ عرش کی طرف بڑھنے لگی تھی کسی نے اسے بازو سے تھام کر اپنی جانب کھینچا تھا اور کولڈ ڈرنک کا
اس کے اوپر نذر کے کپڑوں کو گیل کرنا زین بوس ہو گیا تھا۔

”آپ.... آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی میرا بازو تھامنے کی؟“ ماہ کنعان کو دیکھ اس کا غصہ آسان کو چھوٹنے لگا تھا۔

”جنین! میں آپ سے!...“

”اوہ یو شٹ اپ.... آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ مجھے تین دن سے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے، پہلے ٹکرائے اور
بند یا گم گئی، لیکن ارحم بھیتا سے مجھے ہی ڈانٹ پڑی اور کل میری چوڑیاں توڑیں اور میرا پاؤں صرف آپ کی وجہ سے
اور آج میں آپ کی وجہ سے تکلیف میں ہوں اور اپنی پسند کی سینڈل بھی نہ پہن سکی اور ابھی اس طرح میرا بازو پکڑ
مطلب؟“ اس کی زبان فرمائے بھر رہی تھی کہ ماہ کنعان نے اس کے ہنڈی سے نازک لیوں پر انگلی رکھ دی تھی۔

”تم بولتے ہوئے سانس نہیں لیتیں؟“ اس کی ہنڈی بھٹی نکا ہوں میں جھانکا تھا۔ اس نے ماہ کنعان کی انگلیوں
ہٹانا چاہی تھی مگر اس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ایسے جھکا دیا تھا کہ اس کی پشت ماہ کنعان کے سینے سے آگئی تھی۔

”تمہارا ہر الزام جھوٹا ہے، مگر اس طرح نان اسٹاپ بولتے ہوئے اپنے احرمیں لیوں پر تو ترس
ہوتا۔“ اس نے سرگوشی کی تھی، مگر وہ خود کو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش میں محض بلکان ہی ہو رہی تھی اور ماہ کنعان

اس کی پشت پر بکھرے سیاہ آبشار کو زنی سے ایک سائیڈ پر کیا تھا۔

”تمہارے یہ بال بہت خوبصورت ہیں، سیاہ ریشمی!...“

”پلیز بلیو می!“ اس کے ہونٹ کپکپائے تھے اور اس نے دایاں ہاتھ زنی سے اس کے ہونٹوں پر رکھا تھا اور

ہاتھ کی مدد سے اس کی کمر پر حصار باندھا تھا اور معمولی سا جھک کر اس نے جنین کی صراحی وار گردن پر اپنے ہونٹ رکھ
تھے، اس کی جساتیں اور بڑھتیں کی عرش بولتے ہوئے وہاں آ رہی تھی تو اس نے جنین کے وجود کے گرد سے اپنا

ہٹاتے ہوئے فاصلہ قائم کر دیا تھا۔
”تم یہاں کیوں آ کھڑی ہوئی تھیں؟ نہ ہمت تم سے بات....! وہ بولتی ہوئی آ رہی تھی، مگر اس کے ساتھ کھڑے ماہ
کنعان کو دیکھ کر بات اور حوری چھوڑ دی تھی۔

”آپ.... کیسے ہیں؟“ سلام کے بعد خیریت دریافت کی تھی۔

”آئی ایم فائن۔ اس نے بات کرتے ہوئے جنین کو دیکھا تھا۔

”ارے.... تم رورہی ہو، کیا ہوا؟ کہیں پھر تمہاری اور کنعان بھیا کی ٹکروٹ نہیں ہوگئی؟“ وہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”کچھ ایسا ہی ہے، اور اس بار غلطی میری تھی، آئی ایکسٹیکٹ دیم.... بٹ نقصان تو میرا بھی ہوا ہے، صرف ان کے
نہیں میرے کپڑوں پر بھی کولڈ ڈرنک گری ہے۔“ ماہ کنعان کے انداز دلچسپی میں بلا کی سنجیدگی تھی اور وہ جو اس کی اتنی
جرات پر انگشت بدندان تھی، اتنے صاف جھوٹ پر نگاہ اٹھاتی تھی اور اس کے مسکراہٹ اچھالنے پر وہ وہاں سے نکلنے لگی تھی
اور عرش اس کو وہاں سے جاتے دیکھ ماہ کنعان سے ایک سیو زکرتی اس کے پیچھے بھاگی تھی اور جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر
روک لیا تھا۔

”جنین! پلیز چپ کر جاؤ، اس طرح روتے ہوئے سب کے درمیان جاؤ گی تو سب پریشان ہو جائیں گے، اتنی
”معمولی سی بات کو بڑھانے سے فائدہ؟“

”معمولی سی بات؟ تم.... تم نہیں جانتیں عرش! کہ فیصل بھیتا کے دوست نے میرے ساتھ....! وہ ہنگیوں سے
روتے ہوئے اس سے بولی رک گئی تھی۔ کیونکہ اسے وہ سب بتانے میں جھجک سی آگئی تھی۔

”تم پاگل ہو جنین! ان کے ٹکرانے سے کولڈ ڈرنک گر گئی تو کیا ہوا، جا کر کپڑے واٹ کر لو، اس میں اتار دینے والی کیا
بات ہے؟“

”تم میری بات سمجھ نہیں رہیں عرش!“ ماہ کنعان کو وہاں سے نکل کر آگے جانے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی تھی۔

”چھوڑو ان باتوں کو، تم اس روم میں جا کر کپڑے واٹ کر لو، اس طرح جاؤ گی تو سب پریشان ہوں گے۔“ وہ اس کا
ہاتھ تھامے واٹ روم پنکس ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔

”تم جاؤ جنین! میں ڈراما کی بات سن لوں۔“ وہ ڈریسنگ کے باہر سے ہی پلٹ گئی تھی اور وہ عرش کو روکنے کے لیے
بولتی تھی، مگر اس کے چلے جانے پر وہ یکدم دروازہ کھولتی اندر چلی گئی تھی اور اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ لیڈیز واٹ روم کی
بجائے مٹکس واٹ روم میں داخل ہو گئی ہے۔

☆.....☆.....☆

”بات کیا ہے، کچھ بتاؤ تو سہی۔“

”مجھے گھر جانا ہے، پلیز ارحم بھیتا! میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں، آپ مجھے یہاں سے لے جائیں۔“

”اوکے، چلو۔“ اس نے سادھے سے گھر جانے کو کہا تھا، وہ اس کے رونے سے پریشان ہو گئی تھیں، مگر ایسے دیر چھوڑ
کر کیسے جا سکتی تھیں؟ اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ جانے پر بعد جتنی اور ارحم کے پیچھے پڑ گئی تھی کہ وہ اسے گھر چھوڑ
آئے۔ اس کو بری طرح روتے ہوئے دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا، اس سے وجہ پوچھی تھی، مگر وہ صرف گھر جانا ہے کہے

جاری تھی، اسے کچھ انہوہنا سا احساس ہوا تھا، بس اسی لیے وہ راضی ہو گیا تھا۔

”مامی! میں گاڑی میں ماندہ کا انتظار کر رہا ہوں، آپ پلیز اسے جلدی سے بھیج دیں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہال سے نکلتا پارکنگ ایریا میں گیا تھا اور اپنی گاڑی پارک کر کے لے آیا تھا۔

”تم گاڑی میں بیٹھی رہو، میں دیکھوں کہ یہ ماندہ کہاں رہ گئی ہے۔“ وہ اس کے چپ کروانے پر بھی روئے جاری تھی، تب وہ ڈرائیونگ ڈور کھولتا اترنے لگا تھا کہ وہ اس کا بازو دبوچ گئی تھی۔

”پلیز ارحم بھینا! مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ اس کے انداز دلچسپ کے ساتھ اس کے متورم چہرے پر بھی خوف کا جال بچھا تھا اور اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔

”حنین! کیا ہوا ہے گڑیا! اپنے ارحم بھینا کو نہیں بتاؤ گی؟“

”میں.... میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، کچھ بھی نہیں.... اور بتاؤں کیا؟ کیسے.... پلیز! مجھ سے کچھ مت پوچھیں، اور مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ اس کا کپکپاتا لہجہ، ادھورے جملے، وہ کچھ کچھ نہیں یار ہاتھ، اپنے بازو سے اس کا ہاتھ بٹاتے ہوئے اس کی نظر ہاف سیلوزڈ ٹرائٹ میں سے جھانکتے اس کے دو دھریا بازو پر پڑی تھی اور اس نے بڑی تیزی سے اس کا بازو تھاما تھا اور جائزہ لیا تھا، انگلیوں کے نشانات بڑے واضح تھے، اس کا ڈراسہا انداز، مستقل رونے سے بگڑ جانے والا میک اپ، ہونٹوں کے کنارے پھیلی لپ اسٹک، وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھنے اور سوچنے لگا تھا۔

”ارحم! میں حنین کو لے کر ماموں جان کے گھر جا رہا ہوں، تم ماندہ کو لے کر پہنچو۔“

”بھینا! حنین کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”نہیں، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، اسی لیے میں ارحم بھینا کو لے کر آیا، یا پھر شاز مین کو، نہیں پریشانی والی بات نہیں ہے، تم کسی سے ذکر مت کرنا، خاص کر مامی سے، ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی۔“ ارحم نے اس کا بازو چھوڑ کر تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور ارحم کو فون کر کے ہدایت دے کر سیل فون ڈیشن بورڈ پر ڈال کر کچھ دور جا کر گاڑی روک دی تھی۔

”حنین! مجھے بتاؤ، تم اتنا رو کیوں رہی ہو؟ تم آخر کس سے اتنی خوفزدہ ہو؟ پلیز ٹیل می۔“ اسے خاموش دیکھ کر وہ زور دے کر بولا تھا۔

”کسی سے بھی نہیں ارحم بھینا!“

”تم جب تک رونے کی وجہ نہیں بتاؤ گی، میں گاڑی اسٹارٹ نہیں کروں گا۔“

”میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔“

”کیوں.... آخر بات کیا ہے ایسی جو تم مجھ سے نہیں کر سکتیں؟“ اس کی ایک ہی رٹ اسے غصہ دار رہی تھی اور اس کے رونے میں تیزی آتی جا رہی تھی۔

”ٹھیک ہے، میں تمہیں ابھی گھر لے چلا ہوں اور جب سب گھر والے آئیں گے میں تب ہی تم سے بات کروں گا، تم مامی یا ماما.... کسی کو تو بتاؤ گی۔“

”آپ پلیز می سے کچھ مت کہیں گے، وہ مجھے ڈانٹیں گی اور پچھو کو میں کچھ نہیں بتا سکتی۔“ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رکھی تھی۔

”حنین! تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو چندا! بھائی ہوں ناں میں تمہارا، اور دوست بھی، تو تم مجھ سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں کرو گی؟“ ارحم نے نہایت نرمی سے آنسوؤں کی وجہ سے چپک جانے والے بال اس کے چہرے سے ہٹائے تھے اور بہت سی باتوں پر شفقت سے بولا تھا اور وہ اس کے کندھے سے لگی سسک اٹھی تھی۔

”ارحم بھینا! وہ فیصل بھینا کے دوست.... انہوں نے میرے ساتھ....!“ وہ جھجک گئی تھی اور اسے تشویش ہونے لگی تھی۔

”رک کیوں کنکین حنین! بولو۔“

”وہ فیصل بھینا کے دوست نے ہال میں میرا بازو پکڑا اور مجھ سے عجیب عجیب باتیں کرنے لگے، میں نے کچھ کہنا چاہا تو میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا، انہوں نے میرے بال چھوئے، مجھے کمرے سے تھام کر انہوں نے میری گردن....!“ یہ سب بتاتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، آواز رندھنے لگی تھی اور وہ تو ساکت سا اسے سن رہا تھا، غصے و اشتعال سے مٹھیاں بھینچتی تھیں اور وہ چپ نہ کر جائے اور حوری بات چھوڑ کر صرف اس لیے وہ دب بھینچے اسے سن رہا تھا، مگر اس کی آخری بات پر وہ کنٹرول کھو بیٹھا تھا۔

”میری گردن پر کس کیا، وہ اور نہ جانے کس حد تک بڑھتے کہ حشرش کے آجانے پر انہوں نے میرے بازو اور کمر پر سے ہاتھ ہٹالیا۔“

”تم کہاں تھیں اس وقت جو اس ذلیل انسان نے یہ سب کیا؟ اور تم نے کسی کو بلایا کیوں نہیں؟“ غصے سے وہ بری طرح کھول رہا تھا۔

”میں اور حشرش ہال کے پرسکون ایریا میں نہایت کوفون کرنے گئے تھے، وہاں لوگ بھی نہ تھے اور الائننگ بھی نہ ہونے کے برابر تھی، نہ بہت سے حشرش فون پر بات کر رہی تھی اور میں پانی پینے جا رہی تھی، ویٹر کو وہاں سے گزر کر اندر کی جانب جاتے دیکھ کر میں نے اس سے کولڈڈرینک لے لی تھی اور جب اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے کھینچا تو کولڈڈرینک میرے پیکروں پر گر گئی، حشرش آئی تو میں اس کو بتانا چاہتی تھی، مگر فیصل بھینا کے دوست نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔ میں رو رہی تھی اور حشرش بھی کہ میں کپڑے خراب ہو جانے کی وجہ سے رو رہی ہوں، وہ مجھے ڈریسنگ روم میں لے کر جا رہی تھی کہ اسے ہینوش آئی نے بلالیا اور وہ پلٹ گئی اور میں نے جیسے ہی واش روم میں قدم رکھا وہاں اسی شخص کو دیکھ کر میں چیخا جا رہی تھی، لیکن اس نے بہت سختی سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور میں چیخ بھی نہیں سکی۔“ اس نے تمام تفصیل روتے ہوئے ایک ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا تھا، ان سب کی وہاں موجودگی کے باوجود اتنا سب کچھ ہو گیا اور ان کو ذرا سی بھی ہینک نہیں پڑی۔

”تم نے اس وقت مجھ سے کیوں نہیں بتایا؟ میں اس کی جان لے لیتا۔“ اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

”مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا ارحم بھینا! اسی لیے میں نے می سے گھر جانے کو کہا، مجھے لگ رہا تھا کہ وہ پھر کہیں سے آہائے گا اور....! لیکن می نے مجھے بہت ڈانٹا کہ میں وقت دیکھتی ہوں نہ موقع ضد کرنے بیٹھ جاتی ہوں، اسی لیے میں سنا آپ سے کہا۔“ وہ چہرہ چھپائے بغیر بہا رہی تھی۔

”تم بس اب چپ کر جاؤ اور اس بات کا کسی سے بھی ذکر مت کرنا، مامی اور ماما سے بھی نہیں، سمجھ رہی ہوں کہ یہ کہہ رہا ہوں؟“ آنکھیں اس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھا تھا اور اس کے آنسو پونچھے تھے۔

”ارم بھئی! وہ مجھے پھر کبھی تو تنگ نہیں کریں گے؟“ اس کے انداز میں انجانا سا خوف تھا۔

”جین! میں ہوں ناں، میں دیکھ لوں گا، تمہیں اس سے خوفزدہ ہونے کی یاد وہ سب سوچ کر پریشان ہونے کی یاد بھی ضرورت نہیں ہے۔“ اسے تسلی دی تھی اور یاد آنے پر پوچھا تھا۔

”کھانا کھا لیا تھا تم نے؟“ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”اب گھر جا کر کھا لیتا، یہاں اس طرح گاڑی روکے باتیں کرتے کافی وقت گزر گیا ہے، راقم، ماندہ کو لے کر گھر گیا تو پریشان ہوگا، اس لیے ہمیں چلنا چاہیے۔“ کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی، مگر 10 منٹ بعد ہی اسے گاڑی روک دی تھی، کیونکہ سڑک کے کنارے ایک شخص کھڑا تھا اور وہ اس خیال سے گاڑی روک کر نیچے اتر اٹھا کہ رات کے ڈیو بجے اگر وہ گاڑی خراب ہو جائے تو وجہ سے کھڑا ہے تو یقیناً اسے ہیلپ کی ضرورت ہوگی، مگر وہ ماہ کنعان کو دیکھ کر بے چارہ

تھا جبکہ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکتا تھا۔

”اوہ جینک گاڑی کے تم ہو، میں کافی دیر سے یہاں کھڑا ہوں، گاڑی میں نہ جانے ایسی کیا خرابی ہو گئی ہے کہ چل سکے نہیں دے رہی، اور کوئی کونٹریں بھی نہیں مل رہی، تم مجھے ڈراپ کر سکتے ہو؟“ اسے دیکھ کر اطمینان تو ہوا تھا، مگر پوچھنا ضروری سمجھا تھا، مگر اس کے جواب پر وہ تمہیر ہوا تھا، کیونکہ اسے اس جواب کی کم از کم بالکل امید نہیں تھی۔

”سوری، مسٹر ماہ کنعان! میں آپ کو ٹکٹ نہیں دے سکتا، کیونکہ میرے ساتھ میری سسٹر بھی ہیں۔“

”اوکے... میں آپ سے فوس...!“

”آپ یہ نہیں پوچھیں گے کہ میں نے ایسی بات کیوں کی؟ اس لیے ماہ کنعان کہ آپ بھروسے کے بالکل بھی نہیں ہیں۔“

”واٹ ڈو یو مین؟“

”فیصل کو یقیناً آپ پھر بھروسہ ہوگا، جیسی اس نے آپ کو اپنے فیملی فنکشن میں انوائٹ کیا، لیکن آپ اتنے گم ہوئے انسان ہوں گے، یہ فیصل نے نہیں سوچا ہوگا۔“

”مسٹر ارم! مجھ پر انگلی اٹھانے کا مطلب؟“

”دل و دماغ تو اس وقت بھی چاہ رہا ہے کہ آپ کی جان لے لوں، آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی جین کو وہ سب نے اور کرنے کی، شرم آنی چاہیے تھی آپ کو کنعان! ہمارے ہی فیملی فنکشن میں مہمان بن کر آئے اور ہمارے ہی گھر کی بیٹی کے ساتھ زبردستی۔“

”مسٹر ارم! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“

”جین جھوٹ نہیں بولتی اور اسے ضرورت بھی کیا ہے ایسی باتیں کرنے کی؟ وہ آپ پر بے بنیاد الزام کیوں لگاتا ہے؟ یقیناً آپ نے اپنی ٹمپس کر اس کرنے کی کوشش کی ہے، مجھے تم سے زیادہ فیصل پر غصہ ہے کہ آخراں نے تم سے

انسان کو فیملی فنکشن میں کیا سوچ کر انوائٹ کیا؟“

”مسٹر ارم! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔“ وہ دونوں سڑک کے کنارے کھڑے بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔

”حد سے میں نہیں تم نے بڑھنے کی کوشش کی ہے، مگر یاد رکھنا کہ آئندہ تم نے میری سسٹر کو تنگ کرنے کی بھول کر بھی کوشش کی تو انجام بہت برا ہوگا، حوالات کی سیر نہ کروادی تو میرا نام بھی ایس بی ارم الحسن نہیں۔“

”بابا بابا! ایس بی ارم الحسن! تم مجھے کیا سڑک چھاپ کوئی فقیر سمجھتے ہو جو یوں دھمکیاں دے رہے ہو؟ اس عہدے تک پہنچنے میں تمہیں کتنے ہی برس لگے ہوں گے اور میں چاہوں تو کھڑے کھڑے تمہاری وردی اتروا دوں، تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میری پہنچ کہاں تک ہے، اس لیے مجھ پر اپنے عہدے کا رعب نہ ڈالو تو اچھا ہے۔“ ماہ کنعان نے ایک جھٹکے سے

اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹاتے ہوئے نہایت ٹیش سے کہا تھا۔

”مجھے اپنے عہدے کا رعب ڈالنے کا ذرا بھی اشتیاق نہیں ہے اور نہ ہی ایسا میں کر رہا ہوں، مگر اب تم نے میری بہن...!“

”مسٹر ارم الحسن! میں نے آپ کی سسٹر کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کیا ہے، ہاں میں نے اس کا بازو پکڑا تھا، لیکن کسی غلط ارادے سے نہیں، فیصل کی شادی والی ٹائٹ جو کچھ ہوا اس کی سوری کرنے کے لیے۔ بٹ وہ جو یوں شروع ہوئیں تو مجھے

انہیں چپ کروانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تو بس اس لیے ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا کہ اس لیے کہ وہ چیخ کر کسی کو مدد کے لیے نہ پکار سکیں، کیونکہ نہ میری نیت خراب تھی نہ ہی میرے کردار میں جھول ہے۔ ہاں جو میں نے کیا وہ نہیں کرنا چاہیے تھا، بٹ وہ سب خود بخود ہو گیا، اس کے لیے میں آپ سے اور آپ کی سسٹر سے ایسکسکو ذکر کرنے کو تیار ہوں، سزا دینا چاہیں تو موٹ و ملکم۔“

”ایسکسکو ذکر نہایت آسان ہے مسٹر! مگر وہ سب جو تم نے جین کے ساتھ کیا اگر وہی سب کوئی تمہاری بہن کے ساتھ کرتا؟“

”جان لے لیتا اس کی۔“ کنعان نے اس کا گریبان تھام لیا تھا۔

”غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے، اس لیے آج تم زندہ بچ گئے ہو، مگر یہ یاد رکھنا کہ آئندہ کبھی بیو لے سے بھی میری بہن کے بارے میں اس طرح سے کہنے پر ذرا سوچ لینا۔“ جھٹکے سے اس کا گریبان آزاد کیا تھا۔

”واہ... مسٹر ماہ کنعان! آپ کی بہن کی عزت، عزت ہے اور دوسروں کی بہن بیٹیوں کی عزت آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی؟“

”معنی رکھتی ہے ارم! معنی رکھتی ہے۔ جیسی تم اتنے اڑ کر مجھ سے بات کر رہے ہو، مگر نادانی میں یا انجانے میں جو غلطی تمہاری بہن کر بیٹھی تھی، میں اگر اتنا ہی کیریکٹر لیس ہوتا تو تم سب اس کی سزا سنکتے۔“ وہ چیخ کر رہ گیا تھا، دونوں ہی اشتعال کی آخری حدود کو چھو رہے تھے۔

”میں ہی تھا وہ جس نے جین کو بڑی احتیاط سے چھینٹس واٹس روم سے باہر نکالا تھا، اگر میں ایسا نہ کرتا...!“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”کیوں، تمہیں تمہاری بہن نے اتنا سب کچھ بتا دیا، مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ چھینٹس واٹس روم میں اتر ہو گئی تھی؟“ اس کے بولنے پر اسے خیال آیا تھا کہ جین نے یہی کہا تھا کہ وہ جب واٹس روم میں اتر ہوئی تو کنعان وہاں پہلے سے موجود تھا، مگر وہ

”فیصل! یہ بندیا کس کی ہے، اور آپ کے پاس کیا کر رہی ہے؟“
 ”جہاں رہی ہوگی، میں کون سا جوہری پوز کرتا ہوں۔“ وہ مصروف سے انداز میں بولا تھا۔
 ”میری نہیں ہے یہ فیصل!“ وہ رو دینے لگی۔

”مجھے کیا پتہ کہ کس کی ہے، تم مجھے پلنر اس وقت ڈسٹرب نہ کرو، مجھے یہ فائل اسٹڈی کرنی ہے۔“ وہ ضروری فائل اسٹڈی کر رہا تھا، ڈسٹرب ہونے لگا تو جھنجھلا گیا تھا۔

”پہلے آپ یہ بتائیں کہ یہ کس کی ہے؟ یہ آپ کے کپڑوں میں سے ہی گری ہے، اس لیے آپ جھوٹ بھی نہیں بول سکتے۔“ آج ان لوگوں کی چوتھی کی رسم تھی اور وہ سب ”کاشانہ عالم“ میں انوائنڈ تھے، کیونکہ یہ رسم نوید عالم اور راشدہ نے زمین کی تو کر لی تھی، اس لیے انہوں نے میرا بھی اپنے گھر ہی میں کرنے کا سوچا اور ان کی محبت دیکھتے ہوئے میرا کے قادر بھی اس کے لیے راضی ہو گئے، بحر ش، فیصل کے دھلے ہوئے کپڑے دے کر گئی تھی، وہ وہی رکھ رہی تھی کہ اس کے قدموں میں کوئی چیز آگري اور اٹھا کر دیکھنے پر وہ از حد متحیر رہ گئی، فیصل آفس کے کام میں مصروف تھا، اس لیے اس کے لیے میں موجود شک اور تشویش محسوس ہی نہ کر سکا اور وہ اس کے سر پر آکھڑی ہوئی۔

”میں جھوٹ کیوں بولوں گا سیر! تم کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔“ وہ قدرے جھلا کر رہ گیا تھا۔

”میں فضول باتیں کر رہی ہوں، ہاں، میری باتیں تو اب آپ کو فضول ہی لگیں گی، کوئی نئی جوبل گئی ہے، مگر میں نے یہ خوب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ آپ مجھ سے بے وفائی کریں گے۔“ وہ بری طرح شک کی پلیٹ میں تھی۔

”سیر! کیا ہو گیا ہے یا! کیسی باتیں کر رہی ہو اور رو نے کیوں بیٹھ گئیں؟“ وہ فائل میز پر ڈالتا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”آپ نے مجھ سے بے وفائی کی ہے، میرا حق کسی اور کو دے دیا ہے اور میں روؤں بھی نہیں میں اس کے لیے آپ کو معاف نہیں کروں گی، مجھے سچ بتائیں کہ وہ لڑکی کون ہے جس کی بندیا آپ کے کپڑوں سے ملی ہے، ورنہ میں ابھی ما سے جا کر کہتی ہوں۔“

”مما کو درمیان میں کیوں لا رہی ہو، اتنی سی بات کا بیٹنگل بنانے کا مقصد؟“

”اتنی سی بات..... یہ اتنی سی بات ہے آپ کے نزدیک؟ وہ لڑکی نجانے آپ کے کتنے نزدیک آئی ہوگی کہ اس کی بندیا آپ کے پاس رہ گئی، کبھی میری چیزیں تو سنبھال کر نہیں رکھیں اور اس کی بندیا کو اتنا سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔“

”مثلاً آپ سیر! نجانے کیا کچھ بکواس کیے جا رہی ہو۔“ اس کا تیز لہجہ اسے سہا کر چپ کر دیا گیا تھا اور وہ بہت غصے میں کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تمام کر ڈور لاک کر گیا تھا۔

”کہاں جا رہی تھیں؟“ برد چڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

”میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی، میں ڈیڑی کے پاس جا رہی ہوں۔“

”پلنر سیر! اچھ کر جاؤ، کیوں فضول میں بات بڑھا رہی ہو، یا یہ حسنین کی بندیا ہے جو مجھے ہماری مہندی والی رات لگائی دینا یا نہیں رہا اور تم نجانے کیا کچھ سمجھ رہی ہو۔“

اس وقت یہ بات بالکل نہیں سمجھا تھا اور وہ غصے میں اسے ساری تفصیل بتانے لگا تھا جبکہ وہ اس کا انتظار کرتے کرتے ہی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں میوند کر بیٹھی تھی کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور وہ دونوں اتنی رات کو بیچ سڑک پر سواں جوا بکھیل رہے تھے۔

ماہ کنعان واش مین کے آگے کھڑا، کوٹ پر پانی ڈالتے ہوئے کوڈ ڈرنک کا نشان دھونے کی کوشش کر رہا تھا کہ جھٹکے سے ڈور کھل کر بند ہونے کی آواز پر چونکا تھا۔ حسنین کی جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی تھی وہ لمحہ بھر کو خوفزدہ ہو گئی تھی اور چیختا چاہتی تھی کہ وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گیا تھا، جسے اس نے فوراً ہٹا دیا تھا اور ڈور کھولنے لگی تھی، مگر ماہ کنعان اس کی کلائی تمام کر اسے اپنی جانب کھینچ گیا تھا، وہ کچھ کہتی کہ اس کے منہ پر ہاتھ پٹختی سے جھادیا تھا اور وہ اس کی گرفت میں مچلنے لگی تھی۔

”ہیلینز.... ڈور نہیں، میں نہ کچھ کہہ رہا ہوں اور نہ ہی کچھ بھی کروں گا، میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹاؤں گا، مگر تم کچھ بھی نہیں کہو گی اور وہی کرو گی جو کرنے کو میں کہوں گا اور اگر میرے ہاتھ ہٹانے کے بعد کچھ کہنے کی یا پھر چیخنے کی کوشش کی تو میں ہاتھ دوبارہ رکھ لوں گا اور پھر ہٹاؤں گا بھی نہیں۔“ ماہ کنعان نے لرزتی ہوئی حسنین کو بغور دیکھا تھا، ایئر لائن فراک اور ٹراؤزر میں پھیلے ہوئے میک اپ اور متناسب سراپے کے ساتھ وہ اس کے بے حد نزدیک تھی۔ اتنی کہ وہ اس کی سانسون اور دل کی دھڑکن سن سکتا تھا۔ اس کے لرزتے وجود کے ساتھ چھیر چھڑ کر سلکتا تھا، مگر اس نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے فاصلہ قائم کیا تھا مگر کلائی اب بھی تھامی ہوئی تھی۔

”میں ڈور کھول کر باہر دیکھتا ہوں، آس پاس کوئی نہیں ہوا تو تمہیں اشارہ کروں گا اور تم باہر نکل جانا، کیونکہ اس طرح تمہیں یہاں سے کسی نے نکلنے دیکھ لیا تو بہت برا ہوگا، آجوشلی تمہارے حق میں۔ اس لیے آنسو صاف کرو، باہر کسی کو بھی شک نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ تم غلطی سے جینس واش روم میں آ گئی ہو، یہاں میری موجودگی تم پر کئی سوال اٹھا سکتی ہے، میں اپنی بات نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا، اب آنسو پونچھو۔“ اس کو لرزتے دیکھ کر ماہ کنعان نے خود ہی آنسو صاف کیے تھے اور دروازہ کھولا تھا، باہر کا جائزہ لیا تھا اور بہت احتیاط کے ساتھ اسے وہاں سے نکال دیا تھا۔

”مسٹر ارحم! میں اتنا ہی برا ہوتا تو ضرور برائی ثابت کرتا، کیونکہ وہ اس وقت میرے رحم و کرم پر تھی، بیٹ میں نے ایسا نہیں کیا تو اس سے میری شرافت ثابت نہیں ہو جاتی، میں نے جو کیا وہی مناسب لگا تھا اور آپ بے شک اپنی سسر سے پوچھ سکتے ہیں کہ میں نے اپنی لمٹس کراس نہیں کی تھیں، ہاں ہال کے مدہم اندھیرے میں جو ہوا میں خود بھی اس کے لیے شرمندہ ہوں، میں نے دنیا کے تقریباً سب ہی ممالک میں دو، دو، چار چار دن اسے کیا ہے، بہت سی عورتیں میری لائف میں آئی ہیں مگر ایسا کچھ کبھی نہیں ہوا، آج کیسے ہوا، میں خود سمجھ نہیں پا رہا اور شرمندگی.....!“

”ماہ کنعان! آپ شرمندہ ہیں یہی بہت ہے، اور میں آپ سے اپنے برے رویے کے لیے ایک سکیزو نہیں کروں گا کیونکہ میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہوں، میری جگہ آپ بھی ہوتے تو یقیناً اسی طرح مجھ سے پیش آتے، بیٹ اپنی ویز، گزری باتیں جانے دیتے ہیں، آئیے! میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

”نہیں، اس اوکے، میں چلا جاؤں گا، آپ بھی چلیے۔“ اس کے بہت بولنے پر بھی وہ راضی نہ ہوا تھا اور وہ ہاتھ ملاتا گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔

”سمیرا! ہر وقت ایسا فیشنل نہیں ہونا چاہیے، انسان کو دماغ کا بھی استعمال کرنا چاہیے، تمہیں بالفرض کوئی چیز مل بھی گئی تھی تو تم فیصل سے سکون سے بیٹھ کر پوچھ لیتیں، بائیر ہونے کی ضرورت نہیں تھی، اور تمہاری زیادہ غلطی یہ ہے کہ تم نے فیصل کی بات پر یقین نہیں کیا، وہ تمہارا شوہر ہے، اس پر اعتبار کرنا تمہارے رشتے کی اولین ضرورت ہے، تمہیں کمرے سے نہیں لکنا چاہیے تھا، اب سوچو، میری جگہ ماما یا ڈیڈی میں سے کوئی تم دونوں کی باتیں سن لیتا تو فیصل کا ایجنڈا خراب ہوتا یا نہیں؟“ وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

”مجھ سے غلطی ہو گئی بھائی! مگر اس خیال نے ہی میری جان لے لی تھی کہ فیصل کسی لڑکی میں انوالو ہیں۔“ آنسو رگڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

”اچھا اب توجو ہوا ہو گیا، مگر آئندہ خیال رکھنا، میاں بیوی کی آپسی چپقلش اور معمولی جھگڑوں کی کسی کو بھی بھینک نہیں پڑنی چاہیے، اس کے لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”مجھے نہیں سمجھ آتی یہ باتیں، شادی کیا ہوئی ہے ہر وقت انسٹرکشنز ہی ملتی رہتی ہیں، شوہر کو یہ نہ کہو، وہ نہ کہو، اس کی خوشی کا خیال رکھو، تو کیا میری خوشی معنی نہیں رکھتی؟ مہمانگاہی ہیں کہ میں فیصل کی مرضی اور خوشی کا خیال رکھا کروں، میں رکھتی تو ہوں، مگر وہ پھر بھی کسی نہ کسی بات پر غصے میں آ جاتے ہیں، مجھ سے زیادہ توجہ تو آفس کی فائلز کو ہی دے لیتے ہیں، کبھی جلدی سو جاتے ہیں اور نیند نہیں آ رہی ہوتی تو چاہتے ہیں کہ میں بھی جاگتی رہوں، مجھے نیند آ رہی ہوتی ہے تو غصہ کرتے ہیں کہ مجھ نے ان کا خیال نہیں ہے، ہماری شادی کو ابھی ہفتہ ہی ہوا ہے اور سب چاہتے ہیں کہ میں ایک دم سے ہی فیصل کی پسند کے سانچے میں ڈھل جاؤں، میں کوشش کر رہی ہوں، مگر میری برائیاں اور اچھائیاں ایک دم سے تو ختم نہیں ہو جاتیں گی، اور مجھے یہ سب باتیں سمجھ بھی نہیں آتیں، اچھی بجلی ڈیڈی کے ساتھ رہتی تھی، لے کے فصول میں شادی کر دی، ڈیڈی کی مجھے کتنی یاد آتی ہے۔“ زمرین اسے خاموشی سے سن رہی تھی، اس کے حسن چہرے پر غصہ و جھنجھلاہٹ سی تھی، وہ اسے بالکل حین کی طرح لگتی تھی، بھولی بھالی، سادہ سی، شرارتیں کرنے والی، وہ ابھی کم عمر تھی، سارے رشتے اور اس کی نزاکتیں دھیرے دھیرے ہی اسے سمجھ آتی تھیں۔

”ہم اس موضوع پر کبھی فرصت میں بات کریں گے، ابھی ہمیں جانے کی تیاری بھی تو کرنی ہے۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ، شازمین کا فون آیا تھا کہ ہم لوگ جلدی آ جائیں، تاکہ کچھ دیر مل بیٹھیں گے تو گپ شپ ہی ہو جائے گی۔“

”آپ نے کپڑے سلیکٹ کر لیے؟“

”ہاں، آج کے لیے امی نے خود ہی ڈریس سلیکٹ کر کے دیا تھا، تم کیا پہن رہی ہو؟“

”وہ سوری بھائی! میں آپ کو بتانا بھول گئی، ایک گھنٹہ پہلے ڈیڈی کا فون آیا تھا، وہ ہم دونوں کے شام میں پہننے کے کپڑے لے کر کچھ ناٹم تک آئیں گے۔“

”اچھا، یہ بات ہے تو میں وہی کپڑے پہن لوں گی، جو انکل لائیں گے، فیصل کسی کام سے باہر جا رہے ہیں، وہ مجھے اہی کے ہاں چھوڑ دیں گے، تم میرے کپڑے لے آنا، اور پلیز! جلدی آ جانا۔“ اس کا گال نرمی سے تھپتھپایا تھا۔

”ٹھیک ہے، میں فیصل سے کہتی ہوں، وہ راضی ہو گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلی چلوں گی اور کپڑے ہم جاستے ہوئے ڈیڈی سے لے لیں گے، میں فیصل سے پوچھ کر آتی ہوں۔“ وہ جلدی سے آگے بڑھتی تھی کہ رک گئی۔

”حنین کی بندیا کو آپ نے اتنا سنبھال کر رکھا ہوا ہے، کیوں؟“

”کہنا دینا بھول گیا تھا۔“ اس کا غصہ عود کر آنے لگا۔

”جھوٹ بول رہے ہیں آپ، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے اس نے بندیا لگا گئی ہی نہیں تھی، سچ سچ بتائیں کہ یہ کس کی...!“

”لعبت از لعبت سمیرا! یقین کرنا ہے تو کرلو، نہیں تو تمہاری مرضی۔“ وہ اس کی ٹکڑ سے چیخ کر رہ گیا تھا اور وہ روتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

”سمیرا! اس کمرے کی بات اس کمرے سے نکلی تو اچھا نہیں ہوگا۔“

”کیا کریں گے، اس بندیا والی کو گھر لے آئیں گے؟ ایسا بھی ہے ناں تو میں جا رہی ہوں، پھر چاہے جس کو لائیں، میری بلا سے۔“ وہ اس کے روکنے پر بھی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، تھکی وہ بھی اس کے پیچھے ہی لپکا۔

”بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہو، میں کیوں تم سے جھوٹ بولوں گا؟“

”مجھے کیا پتہ، کوئی تو بات ہے جس کو آپ چھپانا...!“ زمرین کو دیکھ کر اس نے سمیرا کا بازو چھوڑ دیا تھا اور وہ بھی چپ کر گئی تھی۔

”کمرے میں چلو، وہیں بات کریں گے۔“ اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

”میں نہیں جاؤں گی، جب تک آپ مجھے بتائیں دیں گے کہ وہ بندیا کس کی ہے؟“

”سمیرا! کوئی بات ہو گئی ہے تو اس طرح یہاں کھڑے ہو کر اس کو ختم کرنے کا کیا مقصد؟“

”تم اپنے کمرے میں جا کر بات کرلو۔“ اس کے تیز لہجے میں کہنے پر اس نے مداحلت کی تھی۔

”آپ نہیں جانتیں بھائی! کہ فیصل نے میرے ساتھ کیا کیا ہے، ان کے کپڑوں میں سے کسی کی بندیا ملی ہے، اگر آپ کو فیصل بھیتا کپڑوں میں سے ایسی کوئی چیز ملتی تو آپ کیا کرتیں؟ ان کی جھوٹی باتوں پر یقین کر کے بیٹھ جاتیں؟“ سمیرا روتے ہوئے بولی تھی اور فیصل کا ازلی غصہ عود کر آ رہا تھا۔

”تم اب میرے کمرے میں بھول کر بھی قدم نہ رکھنا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“

”فیصل! آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں، سمیرا کو سمجھانے کی بجائے۔“

”بھائی! میں سمیرا سے کہہ چکا ہوں کہ بندیا مجھے مہندی کی شب ملتی تھی تو اسے میری بات کا یقین کرنا چاہیے، اگر یقین نہیں آ رہا تو کمرے میں رہ کر ہی مجھ سے یقین مانگتی، یوں میری ذات کی تشہیر کرنے کو نہ نکل پڑتی۔“ وہ غصے سے اسے گھورتا کمرے میں چلا گیا تھا اور زمرین کے پوچھنے پر وہ اسے ساری بات بتانے لگی تھی۔

”حنین نے بندیا لگا گئی تھی جو کہیں گر گئی تھی، اس لیے فیصل جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہی ہوگا، ممکن ہے وہ بندیا ہمیں کی ہی ہو، بالفرض وہ حنین کی نہیں ہے تب بھی تمہیں فیصل کی بات پر یقین کرنا چاہیے تھا، وہ تمہارا شوہر ہے، اس کی عزت کرنا تمہارا فرض ہے، جو بات کمرے میں ہی ختم ہو سکتی تھی، وہ بات تم نے گھر کی چار دیواری تک پھیلا دی۔“

”میں کیا کرتی بھائی! وہ بندیا دیکھ کر مجھے عجیب سے خیالات آنے لگے اور فیصل نے بھی تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا، مجھے لگا کہ وہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتے ہیں۔“

”بھابی! فیصل نے مجھے کمرے میں آنے سے منع کیا ہے، وہ بہت غصہ...“

”تم جاؤ، وہ کچھ نہیں کہیں گے، اور اگر غصہ کریں تو پیارے سے منالینا۔“

”اتنا آسان نہیں ہے ان کو ماننا، میں تو بچپن سے ہی ان کے غصے سے ڈرتی ہوں اور اتنے دن سے میں نے پوری کوشش کی کہ وہ غصے میں نہ آئیں اور حیرت انگیز طور پر ان کا موڈ رہا بھی بہت اچھا، مگر اب نجانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟“ وہ ڈر اور دوسوں کا شکار تھی۔

”پہلے کی بات اور تھی میرا! مگر اب تم ان کی بیوی ہو، وہ تمہیں ڈانٹ کر کمرے سے نہیں نکالیں گے۔“ وہ اس کا مکمل تھپتھا کر وہاں سے ہٹ گئیں اور وہ ڈرتے ڈرتے کمرے تک چلی آئی، دروازہ ناک کیا، جو تھوڑی سی دیر میں کھل بھی گیا۔

”فیصل...!“ اسے واپس فائل میں مصروف ہوتے دیکھ کر پکارا۔

”بلیئر! ڈونٹ ڈسٹرب می، جو بات کرنی ہو وہ میرے کام سے فارغ ہونے کے بعد کر لینا، سوا ایکسکیز“۔ صفحہ پلٹے ہوئے مصروف انداز میں بھیدگی سے کہا۔

”فیصل! آئی ایم سو...!“ نزدیک آتے ہوئے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخڑ سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا، آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے، اس نے زمین کو جانے کے لیے کہہ دیا، یہ سوچ کر کہ جب فیصل تھوڑی دیر بعد آئے گا تو وہ اس کے ساتھ چلی جائے گی، مگر شام کے 6 بج گئے اور وہ نہیں آیا، اس نے فیصل کے ہاتھ وہ سارے ڈبے زمین کو بھیج دیے جو اس کے ڈیڈی زمین کے لیے لائے تھے، وہ مہوش کے کہنے پر بے دلی سے تیار ہونے لگی، کیونکہ وہ سیل فون ساتھ نہیں لے گیا تھا، اس لیے وہ کنیکٹ بھی نہیں کر سکتی تھی اور اس نے زمین کی بات مانتے ہوئے مہوش سے گزری باتوں کا بالکل بھی ذکر نہیں کیا تھا، مگر وہ اس کے لیے بہت پریشان ہو رہی تھی۔

”زمین! آئی! کتنی خوبصورت ساڑھی ہے، آپ پر تو اور بھی چمکے گی“۔ حنین نے جھلمل کرتی ساڑھی کو ہاتھ میں لیے ہوئے ستائش بھرے لہجہ میں کہا۔

”فیصل بھئی! یہ آپ نے خود پسند کی ہے؟“ فیصل سے براہ راست پوچھا۔

”یہ ماموں جان کی پسند ہے“۔ اس نے مسکرا کر بتایا۔

”ہے بہت زبردست، ہر چیز بہت خوبصورت ہے، جب یہ سب آپ کی پہن کر آپ کے سامنے آئیں گی تو آپ پلٹیں تک جھپکنا بھول جائیں گے“۔ وہ شرارت سے بولی اور وہ دھیمے سے مسکرایا، کیونکہ شازمین اور ماندہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

”آئی! امی کہہ رہی ہیں آپ تیار ہو جائیں کیونکہ آپ کے سرال والے آنے ہی والے ہوں گے“۔ شازمین نے کچھ دیر بعد خیال آنے پر کہا، کیونکہ وہ اس کے کمرے میں یہی پیغام لے کر تو آئی تھی۔

”ماندہ! تم کس کے ساتھ آئی ہو؟“ زمین نے اس سے پوچھا تھا۔

”ارجم بھئی! چھوڑ گئے تھے“۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی جبکہ فریدہ صبح سے آئی ہوئی تھیں۔

”ارجم بھئی! اندر کیوں نہیں آئے؟“ حنین کو فکر ہوئی۔

”بھئی! کو پولیس اسٹیشن جانا تھا، وہ رات تک آجائیں گے“۔ اس نے حنین کو تسلی دی تھی۔

”میں چلا ہوں، مجھے کچھ کام ہے“۔ اس جانتے ہی تھا کیا تھا۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں، کوئی کام وام نہیں ہے، زیادہ بھانے مت کریں، صبح بھی آئی کو چھوڑ گئے تھے اور پھر جا رہے ہیں، کیا تم اتنے ہی رے ہیں؟ آپ ہمارے ساتھ کچھ وقت نہیں گزار سکتے؟“ حنین کے انداز میں خفگی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے، میں واقعی کسی کام سے جا رہا تھا، مگر تم نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے، نہیں جا رہا۔ اپنی جھوٹی بہن کو ہراس تو نہیں کر کے جاسکتا، آپ تو ویسے بھی ہماری بیوی کی لاڈلی بہن ہیں، آپ کو ناراض کر کے اپنی شامت تھوڑی بلوانی ہے“۔ شرارت و شوخی سے کہا گیا تھا، زمین نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی، وہ اتنا ہی اچھا اور کیرنگ تھا، دوسروں کو خوش رکھنے کے لیے اپنی خوشی تیاگ دینے والوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

”زمین! آئی! کیا فیصل بھئی! کو نظر لگانے کا ارادہ ہے؟“ حنین کے جملے پر وہ بری طرح گڑبڑا کر نگاہ بٹانگی تو اس کے چہرے پر دوڑتی خفت فیصل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

”ارے زمین! تم اب تک یوں ہی بیٹھی ہو، تیار ہو بیٹا! ساڑھے 6 ہو رہے ہیں، مہوش لوگ بھی آجائیں گے“۔ فریدہ نے مخصوص اسٹائل میں انٹری دی تھی۔

”اور تم تینوں کو تیار نہیں ہونا جو یہاں بیٹھی باتیں بنا رہی ہو؟“

”میرا تو ابھی ارادہ نہیں ہے پھپھو! میں نے زبردستی فیصل بھئی! کو جانے سے روکا ہے، اب میں انہیں کہنی نہیں دوں گی تو یہ ناراض ہوں گے“۔

”اچھا جیسے تمہاری مرضی، مگر بعد میں یہ مت کہنا کہ میں تیار نہیں ہوئی اور سب آ بھی گئے“۔ فریدہ کے کہنے پر بھی اس کاٹھنے کا ارادہ نہیں ہوا تھا۔

”تمہیں تیار ہونے کے لیے کسی کی ہیلپ چاہیے یا یہ دونوں چلی جائیں؟“

”میک اپ تو ہلکا پھلکا میں خود ہی کر لوں گی، اصل مسئلہ تو ساڑھی کا ہے، میں اس کو کیسے سنبھالوں گی؟“ زمین کے چہرے پر پریشانی سمٹنے لگی۔

”زمین! چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہ ہوا کرو بیٹا! میں ساڑھی باندھنے میں تمہاری ہیلپ کر دوں گی اور تم اسے سنبھال لو گی، اتنا بھی مشکل نہیں ہے، تم ایسا کرو، بلاؤ دوڑ پہن کر آ جاؤ اور میک اپ میں تمہاری ماندہ ہیلپ کر دے گی اور پھر میں ساڑھی سیٹ کر دوں گی“۔

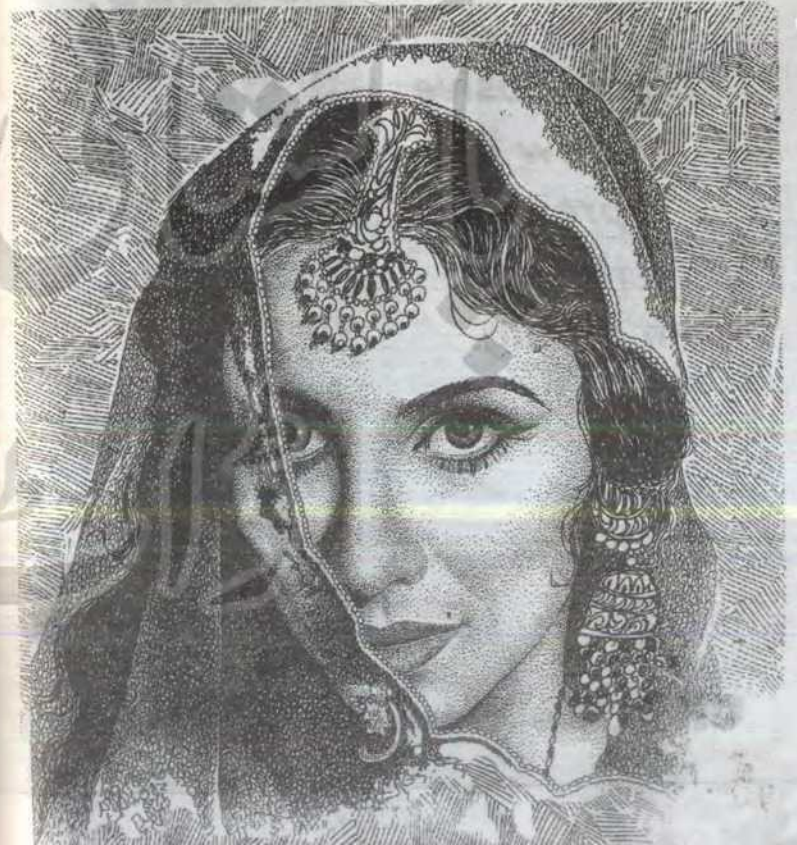
”نہیں، میں خود کر لوں گی، تم جا کر تیار ہو جاؤ، اور پھپھو ساڑھی سیٹ کرنا ہوگی تب میں آپ کو بلا لوں گی“۔ وہ تینوں باہر نکل گئی تھیں، فیصل اور حنین ایک دوسرے کو اسٹوڈنٹ لائف کے قصے سنا رہے تھے، زمین منہ دھونے چلی گئی اور واپس آ کر میک اپ کرنے لگی، اتنے دنوں میں یہ فرسٹ ٹائم ہی تھا کہ وہ اس کی موجودگی میں تیار ہو رہی تھی، مگر نہ وہ تو کمرے سے ہی چلا جاتا تھا تا کہ وہ غروں نہ ہو، اور وہ اس وقت کچھ سکون سے ہی تھی کیونکہ فیصل کی طرف سے اسے اب تک پریشانی نہ ہوئی تھی اور اس وقت حنین بھی موجود تھی، آدھے گھنٹے میں اس نے چہرے کے ساتھ بال بھی بنا لیے تھے، لائے بالوں کی چوٹی بنائی تھی اور میک اپ بھی کافی لائٹ سا کیا تھا۔

(جاری ہے.....)

سلسلے وار ناول

بشر قبائلی لگی جانا

”اچھی لگ رہی ہیں آپ!“ شازمین تیار ہو کر اس کے روم میں آ گئی تھی۔
”جھینکس.... تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو“۔ وہ بہن کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔



”کیا وہ سب لوگ آ گئے ہیں؟“ حنین نے پوچھا۔

”نہیں ابھی نہیں آئے، شاید وہ لوگ کچھ لیٹ ہو جائیں، کیونکہ فیصل بھیا، کسی کام سے کہیں گئے ہوئے ہیں، حشر نے ابھی فون کر کے اطلاع دی ہے، بٹ تم جا کر تیار ہو جاؤ اور ویسے بھی تمہیں چچی بلارہی ہیں۔“ شازمین کے کہنے پر وہ جلدی سے روم سے نکل گئی کہ کہیں اسے ساجدہ سے ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔

”آپ چیخ کر لیں، میں جا کر دیکھتی ہوں کہ ماندرہ اپنا تیار ہوئیں یا نہیں، فیصل بھیا! آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟“ خیال آنے پر مسکرا کر پوچھا تھا۔

”ایک کپ چائے مل جائے تو کیا بات ہے، سر میں تکلیف سی محسوس ہو رہی ہے۔“

”حنین نے آپ کا دماغ خالی کر دیا ہے، بہت بولتی ہے۔“

”ارے، نہیں ایسی بات نہیں ہے، صبح سے ہی آج مجھے کچھ تھکن سی فیل ہو رہی ہے، اسی لیے گھر جا رہا تھا کہ کچھ دیر



آرام کر لوں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔

”ایسی بات ہے تو آپ آرام تو یہاں بھی کر سکتے ہیں، یہ گھر بھی تو آپ ہی کا ہے، میں آپ کے لیے اسٹرائنگی چائے لاتی ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ زرمین شیشے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے نزدیک چلی آئی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں زرمین! بس میں کچھ درد ہو رہا ہے۔“

”بیڈ پر آ کر لیٹ جائیے میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔“ وہ اسے دیکھنے لگا۔

”اتنا تو میں کر ہی سکتی ہوں فضیل! یا آپ اس کے لیے بھی مجھے کچھ وقت دینا چاہتے ہیں کہ جب میں بنا کہے سمجھ جایا کروں گی کہ آپ کسی تکلیف میں ہیں اور خود سے آپ کا سر دبا دیا کروں گی۔“ اس کے انداز میں خفگی محسوس کرتے ہوئے وہ محض مسکرا دیا اور کچھ کہے بغیر اس کے کہنے کے مطابق لیٹ گیا اور وہ اس کے سر ہانے بیڈ کے زمری سے اس کا سر دبانے لگی۔ نرم ہاتھوں کا لمس بہت ہی بھلا لگ رہا تھا اور سکون سا محسوس کر کے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ 10، 15 منٹ بعد دروازہ ٹاک ہوا اور وہ آہستگی سے اس کے پہلو سے اٹھ گئی کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے، آنے والی فریڈہ تھیں جو چائے لے کر آئی تھیں اور اسے سوتا دیکھ کر وہ اس کی ساڑھی باندھنے لگی تھیں اور مکمل تیار ہونے کے بعد وہ اس پر کبیل درست کرتی لائٹ آف کر کے روم سے نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”فضیل! کچھ تو بتا کر گیا ہو گا کہ کہاں جا رہا ہے، کب تک آئے گا؟“ وہ سب جانے کے لیے بالکل ریڈی تھے مگر فضیل کا کہیں اتنا پیہ نہیں تھا، فریڈہ کتنے ہی فون کر چکی تھیں، 8 بجے والے تھے اس لیے مہوش کو بھی تشویش ہونے لگی تھی۔

”وہ اتنا غمزہ دار تو نہیں ہے، بتا کر نہیں گیا تھا تو کم از کم اب تو اسے آ جانا چاہیے تھا، اور سیل فون کیوں نہیں لے گیا، میرا بیٹا! کیا تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“

”نہیں پچھو! وہ آفس کا کوئی کام کر رہے تھے کہ چھٹیاں ختم ہو گئی ہیں، کل آفس جائیں گے تو فائل اسٹڈی کر لیں، کام کرتے کرتے ہی کہیں چلے گئے۔“ اتنا سب کہنے میں آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تھے مگر وہ خود کو روکنے نہیں دینا چاہتی تھی، کیونکہ اسے یہ ڈر تھا کہ بات زرمین کو پتہ چلی تھی تو اس نے ایساری ایکٹ کیا تھا سب کو پتہ چل جاتی تو وہ نہ جانے کیا کرتا؟

”ادھر دیکھو میری طرف، اور صاف صاف بتاؤ کوئی بات ہوئی ہے؟“ مہوش نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اپنی طرف کیا اور وہ کچھ کہنے لگی کہ لاؤنج میں قدموں کی آواز ابجری اور وہ دونوں دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

”فضیل! کہاں چلے گئے تھے بیٹا! ہم سب کتنا پریشان ہو رہے تھے۔“

”سوری ماما! بس ایک مشکل میں پھنس گیا تھا۔“ وہ دھیسے سے کہتا ہوا ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ماہ کنعان نے آگے بڑھ کر مہوش کو سلام کیا اور میرا کو سلام کر کے خبریت پوچھتا صوفے پر بیٹھ گیا، مہوش نے اس کے سلام کا جواب دے کر ماہ لاج سے مصافحہ کیا اور اس کا میرا سے تعارف کروانے لگیں۔

”میرا بیٹا! یہ ماہ لاج ہے، فضیل کے دوست کنعان کی سسر۔“ وہ چاہ کر بھی خوش دلی نہ دکھا سکی تھی، اس کی نظر تو فضیل

6

الف مارچ 2012

کے بینڈ توج ہوئے ہاتھ پر ٹھہر گئی تھی، مگر وہ خوف کی وجہ سے کچھ بھی پوچھ نہیں پاری تھی، وہ خود ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے تفصیل بتانے لگا کہ وہ جس وقت گھر سے نکلا اس کا ارادہ تھا کہ وہ کنعان کی طرف چلا جائے مگر راستے میں حادثے کو دیکھ کر رک گیا تھا، مڑک پر بے یار و مددگار زخمی پڑے بچے کو اٹھا کر اس نے ہاسپٹل پہنچایا تھا، 2، 3 گھنٹے اسے وہیں لگ گئے پھر وہ کنعان کے آفس چلا گیا، وہاں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا، اس نے آج کنعان کو بھی انوائسٹ کیا ہوا تھا مگر وہ آنا نہیں چاہ رہا تھا، اس لیے اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ تم نہیں آنا چاہتے تو نہ آؤ، ماہ لاج کو وہ خود پک کر لے گا اور واپس بھی چھوڑ دے گا، فضیل کی ضد کے آگے اسے مانتے ہی تھی مگر اس نے بہن کو تیار ہونے کے لیے کہہ دیا تھا اور وہ آفس سے گھر جانے کے لیے ساتھ ہی نکلے تھے، فیصل کی گاڑی کا نائز بچہ تھا، اس لیے دونوں نے ڈیسا بیڈ کیا کہ فیصل اس کے ساتھ گھر جائے گا اور وہ تیار ہو کر اس کے ساتھ ہی چلیں گے۔ کنعان کے روم میں بیٹھے ہوئے اسے یہ خیال آیا تھا کہ وہ گھر فون کر کے بتا دے، مگر اس نے غصے میں ایسا نہیں کیا تھا اور جس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ گھر پہنچا تھا 8 بج رہے تھے۔

”بیٹا! تم فون کر کے بتاؤ دیتے۔“ تفصیل جان کر بیٹے کو خفگی سے دیکھا۔

”ماما! بس خیال ہی نہیں آیا۔“ آنسو چھپانے کی چاہ میں سر جھکائے بیٹھی میرا سے نگاہ ہٹا کر کہا۔

”اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا ہے؟“

”وہ... بس ماما! یہ کنعان صاحب کی مہربانی ہے۔“ وہ دوست کو دیکھتے ہوئے مسکرایا اور تفصیل بتانے لگا، وہ چائے کے سبب لیتے ہوئے کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا اور اسے معلوم نہیں تھا کہ کھڑکیوں کے نئے شیشے لگ رہے ہیں اور کام ابھی اہورا ہے اس نے بے خیالی میں کھڑکی کا پتہ پکڑ کر کھولا تھا اور شیشہ اندر تک اس کی ہتھیلی کا غٹا چلا گیا کیونکہ فنک کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

”اچھا! تم جا کر چیخ کر لو، ہم لوگ آل ریڈی لیٹ ہو چکے ہیں، فریڈہ کے کتنے ہی فون آچکے ہیں، جب تک میں حشر سے کہہ کر ریفریجمنٹ کا انتظام کرواتی ہوں۔“

”تکلف کی بالکل ضرورت نہیں ہے آنٹی!“ ماہ کنعان نے روکنا چاہا تھا۔

”ارے کیسے نہیں ہے، تم تو چلو آتے رہتے ہو، لاج بیٹی تو سالوں، مہینوں میں ہی آتی ہے، پوری شادی گزر گئی، نہ لاج آئی اور نہ ہی تمہارے پیئرس۔“

”ماما! بیڈ ڈیڈ، یو۔ کے گئے ہوئے ہیں اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے میں نہیں آسکی، ورنہ تو خود میرا بہت دل تھا کہ میں فیصل لالہ کی شادی میں شرکت کروں۔“ ماہ لاج نے نہ آنے کا عذر دیا اسی سے بتایا۔

”ماما! ایسا کریں کہ آپ لوگ نکل جائیں، میں تیار ہو کر کنعان کے ساتھ آ جاؤں گا۔“ میرا کے ساتھ آتی ہوئی عرش کو دیکھ کر کہا اور عرش، ماہ لاج سے ملتی، ڈیڈی کو بلانے چلی گئی تھی، میرا اس کے نظر انداز کرنے پر بری طرح ہرٹ ہوئی تھی، مگر اس نے کہا کچھ نہیں۔

”ہم لوگ جا رہے ہیں میرا! تم فیصل کی تیاری میں مدد کرو دینا اور اس کے ساتھ ہی آ جانا۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے ماما! میں خود ہی تیار ہو کر آ جاؤں گا، تم بھی ساتھ ہی چلی جاؤ، مجھے کچھ وقت ملے گا۔“ اس

نے اپنی ہوتی نظر سیرا پر ڈالی، ساڑھی میں اس کا مناسب سراپا خوب چ رہا تھا، مگر وہ اسے نظر انداز کرتا کرے کی طرف بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی ماہ کنعان بھی اٹھ گیا، سیرا بے دلی سے ان سب کے ساتھ ہی چل دی تھی، اس کو بہت رونا آ رہا تھا وہ بمشکل خود پر کنٹرول رکھے ہوئے تھی، ان سب کا استقبال بہت اچھے طریقے سے ہوا۔ ماہ لاج کا تعارف سن کر حنین نے ہاتھ ملانے کے لیے ماہ لاج کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر دیا اور ایک سیکیوڑی کہہ کر اس کے سامنے سے ہٹتی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی، اس کی اس حرکت کو ماہ لاج سمجھ نہیں پائی اور حشر شرمندہ ہو گئی، حنین کی حرکت پر۔

”آئی ایم سو، سوری لاج! یہ حنین۔“

”اٹس اوکے حشر!“ وہ محض اسے شرمندگی سے نکالنے کے لیے بولی تھی ورنہ تو وہ بھی بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

”حنین! تم نے لاج سے ہاتھ کیوں نہیں ملایا تھا، وہ ہماری مہمان ہے اور تمہارا فرض ہے کہ ہمارے مہمانوں کے ساتھ اچھے سے پیش آؤ۔“ حشر موقع ملتے ہی بولی تھی۔

”میرا دل نہیں چاہ رہا تھا تو نہیں ملایا اس سے ہاتھ، اور وہ کون سی کہیں کی فطر ہے کہ جن کی عزت کرنا مجھ پر فرض ہے۔ نہایت جلد ہوئے کڑوے لہجے میں کہا تھا۔

”حنین! مجھے یقین نہیں آ رہا، تم اتنی بدتمیز بھی ہو سکتی ہو۔“ حشر ہنسنے لگی تھی۔

”میں اتنی ہی بدتمیز ہوں سمجھیں تم، اور جو لوگ مجھ سے تیز سے پیش نہیں آتے میں بھی ان لوگوں سے خوش دلی سے نہیں ملتی۔“ اس کا لہجہ نہایت سخت تھا اور حشر اسے عجیب لگا ہوں سے ہنسنے لگی تھی۔

”ماہ لاج نے تم سے کون سی بدتمیزی کی ہے، وہ تو تم سے ملی ہی فرسٹ ٹائم ہے۔“ حنین کی بے نیکی باتیں اسے غصہ دلانے لگی تھیں۔

”اس نے نہیں تو اس کے بھائی نے تو کی ہے نا، اور یہ تم بھی جانتی ہو۔“ وہ دونوں لان میں کین کی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں، فیصل اسے دیکھنے لگا تا کہ یہ جان سکے کہ حنین کون سی بدتمیزی کی بات کر رہی ہے، مگر کنعان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حنین نے خود ہی جواب دے دیا۔

”وہ مجھے جتنی دفعہ ملے مجھے انہوں نے تکلیف پہنچائی اور جس وقت ہم نزہت کو فون کرنے گئے تھے انہوں نے جو میرے ساتھ کیا تھا میں اگر تمہیں وہ سب بتا دوں تو تم بھی میری طرح ان کو ناپسند کر دو گی۔“ آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔

”ایسی کیا بات ہوئی تھی؟“ حیرت سے پوچھنا چاہتا تھا۔

”میں نہیں بتا سکتی۔“ حشر نے بولی تھی۔

”لیکن کیوں؟ ایسی کیا بات ہے کہ تم مجھ سے شہر نہیں کر سکتیں؟“

”ہاں ہے ایسی بات، اور مجھے ارحم بھینا نے بھی کسی کو بھی بتانے سے منع کیا ہے اسی لیے تو میں نے زمین آبی تک سے ذکر نہیں کیا، ورنہ تم جانتی ہو، میں چھوٹی سے چھوٹی بات ہو یا میری کوئی غلطی، وہ سب میں صرف زمین آبی سے شہر کرتی ہوں، تمہارا اور پیچھو کا فیسر تو بعد میں آتا ہے۔ پیچھو سے بعض باتیں میں نہیں کر پاتی مگر زمین آبی سے کہے بغیر مجھے چین نہیں ملتا، ارحم بھینا کے منع کرنے پر میں نے وہ سب آبی کو بھی نہیں بتایا، جبکہ ان کی شادی کے بعد کے ہنس پورے

بھتیجی میں بتا رہی ہوں اور وہ مجھ سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں۔“

”ایسی کیا بات ہے کہ تم نے بھابی سے بھی شہر نہیں کی، تو پھر تم نے ارحم بھینا سے وہ سب کیسے کہہ دیا؟“ وہ از حد حشری سوال کر رہی تھی۔

”وہ بعد ہو گئے تھے اور اس وقت مجھے سہارے کی ضرورت تھی اور تم جانتی ہو کہ ارحم بھینا مجھے وکتے عزیز ہیں اور وہ بھی میرا اتنا خیال رکھتے ہیں، بس اسی لیے ڈرتے جھجکتے میں نے انہیں سب بتا دیا، مگر تم سے نہیں کہہ سکتی، اتنا بھی نہ کہتی کہ اگر تم مجھ کو اس بات کے لیے مجبور نہ کرتیں کہ میں اس شخص کی سسر کے ساتھ اچھے سے پیش آؤں۔“ وہ ناگواری سے بول رہی تھی۔

”مجھے تمہاری باتیں سمجھ نہیں آ رہیں حنین! مگر اس سب میں لاج کا تو کوئی قصور نہیں ہے، ہرٹ تمہیں کنعان بھینا نے کیا ہے اور تم نے جولان کے ساتھ کیا وہ ہرٹ ہوئی ہے، تمہیں زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا، وہ تمہارے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی؟“

”کچھ بھی سوچے، میری بلا ہے۔“ وہ اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی پھر ان دونوں پر اس کی نظر پڑی تھی اور کنعان کو دیکھ کر وہ بڑی پھرتی سے اندر کی طرف بڑھ گئی اور حشر بھی ان دونوں کو دیکھ کر چائے کے خالی کپ اٹھاتی لان سے نکل گئی تھی۔

”میں جانتا ہوں، تم مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے ہو، ابھی نہیں میں تمہیں بعد میں سب بتا دوں گا، اسی لیے تو میں نہیں آتا چاہتا تھا، مگر تجھے ناراض بھی تو نہیں کر سکتا تھا کہ تجھے منانا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے۔“ ماہ کنعان غیر معمولی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”میں نے تجھ سے کچھ پوچھا۔۔۔۔۔! نہیں نا؟ تو تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ آ جا اندر چلتے ہیں۔“ فیصل ہلکے ہلکے انداز میں کہتا اسے لیے اندرونی حصے کی جانب قدم بڑھانے لگا تھا۔

”بھئی! کہاں رہ گئے تھے، مہمان خصوصی ہو کر اب پہنچ رہے ہو؟“ یوسف الحسن بغل گیر ہوتے ہوئے شکستگی سے پوچھ رہے تھے۔

”پاپا! دیر سے پہنچنا بھی رعب جتانے کا سب سے خوبصورت طریقہ ہے، فیصل بھینا کو ہی لے لیں، یہ کمرے سے ہی نکل کر اب آ رہے ہیں۔“ راحم نے ان دونوں کو ایک ساتھ ہنستے ہوئے دگیدا تھا۔

”جناب! اہمیت جتانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے جس پر آپ عمل پیرا ہیں کہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاؤ۔“ فیصل اس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”فیصل بھینا! آپ کو تو لگتا ہے فور ہو رہا ہے۔“ ہاتھ ملاتے ہوئے گرامت محسوس کر کے بولا تھا۔

”جناب! اسی لیے آنکھ لگ گئی تھی اور آپ نے لڑا کا ساسوں کی طرح طنز کرنے شروع کر دیئے کہ کمرے میں ہی مجھے بیٹھے رہنا، آئے گئے کا بھی کوئی خیال نہیں ہے۔“

”قسم سے فیصل بھینا! لڑا کا ساس بن جانے کے فن سارے آپ میں موجود ہیں، اللہ زمین کے حال پر دم کرے، مہوش آئی سے نہ کہیں اسے آپ سے تو باخبر ہی رہنا پڑے گا۔“ راحم کے انداز میں شرارت تھی اور وہ سب ہی ہنس دیئے

اور وہ رات کو گھورنے لگا۔

”مائٹرمٹ کریں، میں مذاق کر رہا تھا، یہ بتائیے کوئی ٹیلیٹ لی ہے؟“

”ہاں، لے چکا ہوں۔“ مختصر آئیٹیا اور کنعان کی طرف متوجہ ہو گیا، مردوں کے درمیان کسی سیاسی موضوع پر بحث چھڑ گئی، خواہمیں دسترخوان لگانے کی تیاریاں کرنے لگیں اور وہ سب کی سب شازمین کے کمرے میں ڈیراجا کر بیٹھ گئیں۔

”سمیرا بھابی! آپ کچھ افسردہ سی لگ رہی ہیں؟“ شازمین نے اسے پہلی دفعہ فیصل کے رشتے سے پکارا، اسے عجیب تو لگا، مگر مہوش کے سختی سے کہنے پر حشرش نے اسے بھابی کہا شردو کر دیا تھا اور ان تینوں کو بھی یہی کہا تھا کہ وہ سمیرا کو بھابی کہیں، اس لیے آج شازمین نے اسے بھابی کہہ کر پکارا تھا۔

”نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔“ بدقت تمام مسکرا کر بولی۔

”شازمین بھو! یہ بھیتا کی وجہ سے پریشان ہیں، پہلے تو فیصل بھیتا بغیر بتائے کنعان بھیتا سے ملنے چلے گئے اور وہاں آئے تو زخمی ہاتھ کے ساتھ، اور یہ نہ ان کی خیریت پوچھ سکیں اور نہ ہی انہیں ان کی تعریف کرنے کا موقع ملا، بس اسی لیے یہ اداس ہیں، ٹھیک کہہ رہی ہوں تا سمیرا بھابی!“ حشرش شوخ ہو رہی تھی اور وہ مسکرا بھی نہ سکی، زمین البتہ چونک گئی، مگر اس وقت اس سے کچھ بھی پوچھنا غیر مناسب ہی تھا، اس لیے وہ خاموش بیٹھی ماہ لاج سے مخاطب ہوئی تھی۔

”تم کیوں خاموش بیٹھی ہو، کوئی بات کرو، کیا ہمارے ہاں آنا اچھا نہیں لگا؟“

”نہیں، ایسی بات نہیں ہے، میں آپ سب کی گفتگوں رہ رہی تھی۔“

”اچھا، تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ، کیا کرتی ہو، کس کلاس کی اسٹوڈنٹ ہو، مجھے تو بالکل حنین کی ہی ہم عمر لگ رہی ہو۔“

”جی... وہ میں نے انٹر کے ایگزامزد دیے ہیں، زلزل آنے کے بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوں گی، مگر میں تو فارغ ہی ہوتی ہوں۔“ اس نے دھیمے دھیمے اپنے بارے میں بتایا۔

”شادی میں کیوں نہیں آئی تھیں؟“ مانندہ نے پوچھا تھا۔

”مام اینڈ ڈیڈ، یو کے گئے ہوئے ہیں اور میں بیمار تھی، اس لیے میں نہیں آ سکی اور آج لالہ جان کے ساتھ فیصل لالہ گھر آئے تو میں ان کے کہنے پر آ گئی کیونکہ ان کی شادی مس کر دینے کا فوس تو مجھے بھی ہے۔“

”چلو آج آ گئی ہوتا، تو بس آتی رہنا، اور پھر ہماری شازمین اور مانندہ کی شادی میں بھی شرکت کر لینا۔“ زمین اپنائیت سے بولی۔

”کب ہے ان کی شادی؟“ مسکرا کر پوچھا۔

”تقریباً 51 سے 6 ماہ میں، اور شازمین کی شادی، تم ابھی جن سے لاؤنج میں ملی تھیں، راحم الحسن ان سے ہوئی اور مانندہ ہمارے اکلوتے بھائی کی بیوی بن کر ہماری پیاری بھابی بن جائے گی۔“ زمین نے مسکراتے ہوئے اسے جھڑاؤ دوںوں ہم عمر تھیں اور ان میں دوستی بھی خوب تھی۔ مانندہ کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”آپ سب لوگوں میں اپنائیت اور محبت بہت ہے، آئی ریٹلی امپریس۔“

”ارے، اس میں امپریس ہونے والی کیا بات ہے، انسان کی پہچان اس کے رشتے ہی تو ہوتے ہیں۔“ یہ شازمین

تھی۔

”شازمین بھو! جہاں پیسوں اور رتے کا خیال رکھا جاتا ہو وہاں رشتوں کی اپنائیت کے بھلی لگتی ہے، طاقت کے زور

پر لوگوں کو سرنگوں کیا جاتا ہے اور دوسروں کو بے بس کر کے وہ خوش محسوس کرتے کمال کی اداکاری کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ اچھا اور شریف تو کوئی ہوگا ہی نہیں، جبکہ اندر سے یہ کتنے گھٹاؤنی شخصیت کے حامل ہوتے ہیں یہ کسی کو اندازہ ہو ہی نہیں پاتا، کیونکہ وہ اپنے چہروں پر نقاب چڑھا کر دنیا سے ملنے ہیں اور ہم جیسے ٹڈل ٹیلے سے تعلق رکھنے والے ماڈرن واپر ہائی کلاس ٹیلے سے ملنے ہوئے ان کی طاقت کے حشر میں جکڑ کر ان کی اصلیت جان نہیں پاتے اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے درپردہ راز کھل بھی جائیں تو ہمیں اپنے لیے خاموش ہونا پڑتا ہے، کیونکہ ان کی طاقت کا اثر ہوتا ہی اتنا ہے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش رہتے ہیں۔“ حنین کے انداز میں حقارت اور لہجے میں نفرت اور ناگواری سی تھی، ماہ لاج تو سن ہو گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے یہ سب کس کے بارے میں کہا ہے، مگر کیوں وہ یہ نہیں جانتی تھی، ان میں سے کوئی اسے اس کے برے رویے کا احساس دلاتا کہ وہ ایسکیو ز کہتی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

”شاید انہیں سمیرا بھابی آنا اچھا...!“

”نہیں ماہ لاج! ایسی بات نہیں ہے، بٹ اگر حنین کی کسی بات نے تمہیں ہرٹ کیا ہے تو میں اس کی طرف سے تم سے سوری کرتی ہوں۔“ زمین بری طرح شرمندگی کے حصار میں بندھ گئی تھی۔

”پلیز، آپ کو سوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ماہ لاج جلدی سے بولی تھی کیونکہ وہ اسے بہت اچھی لگتی تھی، ان کی سوسائٹی میں اور گید رنگز میں اس طرح کی پر خلوص لڑکیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔

”تم مجھے حنین اور شازمین کی طرح آتی کہہ سکتی ہو۔“

”نہیں لاج! تم بھابی کو میری طرح بھابی ہی کہنا۔“ حشرش نے مداخلت کی اور وہ مسکرا دی۔

”جیسے تم لوگوں کی مرضی۔“

”میں جا کر دیکھتی ہوں، ہم سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور ماما اور ماما وغیرہ کام میں لگی ہوں گی۔“ مانندہ کے ساتھ ہی شازمین بھی چلی گئی تھی۔

”حشرش! ایرا کر تم لاج کو پورا گھر دکھاؤ۔“ زمین کے کہنے پر وہ اسے لیے باہر نکل گئی۔

”سمیرا! کیا بات ہے؟ تم اتنی خاموش کیوں ہو، اتنی دیر میں ایک لفظ نہیں بولا تم نے، فیصل نے تم سے کچھ کہا ہے؟“ کمرے میں بس وہی دونوں رہ گئی تھیں، سمیرا کو لیکن احساس نہیں ہوا تھا وہ انگلی میں انگلی اتار اور چڑھا رہی تھی، زمین کی آواز بہت قریب گونجی تھی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی اور زمین نے اپنی بات دہرائی، کیونکہ اسے لگا تھا کہ اس نے کچھ سنا نہیں ہے۔

”بھابی! انہوں نے مجھ سے نہیں کہا، میرے کمرے میں جا کر انہیں مخاطب کرنے پر وہ کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل گئے تھے اور ہمارے آنے سے 10، 15 منٹ پہلے ہی آئے ہوں گے، ان کے چہرے وہ انداز میں اتنی سختی تھی کہ میں تو انہیں مخاطب کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکی اور یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ ان کے ہاتھ میں کیا ہوا؟ اس سب کی میں ڈے دار ہوں نہ میں ان سے جھگڑا کرتی اور نہ ہی وہ غصے میں گھر سے نکلے اور نہ ہی ان کا ہاتھ ڈھکی ہوتا۔“ وہ کب سے بند باندھے

بیٹی تھی، سارا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رونے لگی۔
 ”سمیر! پلیز چپ کر جاؤ، رونا مسائل کا حل نہیں ہوتا۔“
 ”وہ مجھے جان کر اکتور کر رہے ہیں۔“

”کب تک کریں گے، تم حوصلہ رکھو، اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو سب کو پتہ چل جائے گا اور یہ بات فیصل کو پسند نہیں آئے گی، فیصلہ کرنا سیکھو سمیر! وہ اگر تمہیں اکتور کر رہے ہیں تو فی الحال ایسا کرنے دو، موقع ملتے ہی پوچھ لینا، اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا، وہ سب بھول جائیں گے، مگر تمہارا یہ کھویا کھویا انداز سب کو ہی تشویش میں مبتلا کرے گا۔“ زرمین نے اسے سمجھایا۔

”میں کیا کروں بھائی! مجھ سے روتے ہوئے دل کے ساتھ ہنسی کے ڈرامے نہیں ہوتے، میں ہی جانتی ہوں کہ میں نے اب تک خود پر کیسے کنٹرول رکھا ہے، ورنہ تو میں ذرا سی پھانس بھی چبھ جاتی تھی تو دوڑ کر ڈیڑی کے پاس جاتی تھی اور آج ڈیڑی کو اداس ہونے کا سبب بھی نہ بتا سکتی۔“ زرمین نے اس کے آنسو صاف کیے۔

”میں ہوں نا، جو بھی بات ہوا کرے تم مجھ سے شیر کر لیا کرو، اس طرح تمہارے دل پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا، تم یہ سب باتیں اگر انکل سے کہو گی تو وہ پریشان ہوں گے اور ماما سے کہو گی تو وہ فیصل سے جواب طلبی کریں گی، اور یہ تمہارے رشتے کے حق میں مضر ثابت ہوگا۔ اور تم بھی خود کو چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے پریشان نہ کیا کرو، فیصل ابھی ناراض ہیں، تھوڑی دیر بعد راضی ہو جائیں گے، مگر اتنے عرصے میں تم اپنا سیروں خون جلا چکی ہو گی، اس لیے مانی لعل سسر! چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ دو، اسی لیے تو میں کہتی ہوں کہ تم نین کے جیسی ہو، وہ بھی اسی طرح ڈر اور ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے۔“ زرمین نے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سمجھایا، اور وہ دونوں باہر آ گئی تھیں۔

”ارے، یہ دو پیاری سی خوریں کہاں سے آئی ہیں، اس دنیا کی تو نہیں گتیں۔“ وہ دونوں تقریباً ایک جیسی ڈریننگ میں بیٹھیں ہی لگ رہی تھیں۔ یوسف الحسن کی شرارت پر وہ دونوں ہی جھینپ کھیں اور باپ کے اشارے سے بلائے پر سمیرا چلتی ہوئی ان کے پاس چارکی اور انہوں نے اسے اپنے برابر بٹھالیا اور وہ ان سے بات کرنے لگی، جان کر اس نے ساتھ والے صوفے پر کھان اور فیصل کے ساتھ بیٹھے فیصل کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

”بچو! آج کی محفل کچھ پھسکی پھسکی ہی نہیں لگ رہی؟“ یہ فیاض صاحب تھے۔
 ”وہی تو انکل! خواتین اپنے مشغلوں میں مصروف ہیں اور ہم فضول کے مباحثوں میں، کچھ اوشل تو ہونا ہی چاہیے۔“

راحم جلدی سے بولا۔
 ”تمہارا کیا خیال ہے یوسف! کچھ رونق تو لگنی ہی چاہیے کہ یہ وقت بھی یادگار بن کر ہماری یادوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔“

”یار! اب اس عمر میں کیا کریں گے؟ اتنا کشری تو مہندی کی شب کھیل لی تھی، اب کیا ڈانس کرنے کا ارادہ من گیا ہے؟“ یوسف الحسن بنے تھے۔

”ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔“ فیاض کے کہنے پر ان دونوں نے ہی ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔
 ”میں آپ دونوں کی مسز کو بلاتا ہوں، آج زبردست کھیل ڈانس ہو ہی جائے۔“ راحم حرے سے کہتا ہوا کچن کی

جانب بڑھ گیا۔

”کھانا لگ گیا ہے، پہلے سب کھانا کھالیں اس کے بعد جیسے چاہیں رونق لگائیں۔“ فریدہ کے کہنے پر وہ سب ڈانٹنگ ہال میں آ گئے۔

”شاز مین! یہ حنین کہاں ہے، کب سے نظر نہیں آئی، جا کر دیکھو ذرا، کھانا نہیں کھائے گی؟“ وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گئی۔

”وہ کھانا نہیں کھا رہی، اسے بھوک نہیں ہے۔“ کچن میں اس وقت فریدہ کے ساتھ ساجدہ تھیں اور پانی لینے آئی زرمین چونک اٹھی۔

”یہی حرکتیں ہیں فریدہ! اس کی جو مجھے جین سے جینے نہیں دے رہیں، ہر دوسرے دن ایک نیا ڈرامہ، نئی فرمائش و مند، مجھے تو اس لڑکی نے تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔“ ساجدہ اس کے ایک دم کمرے میں بند ہو جانے پر اپ سیٹ تھیں۔

”بھائی! میں دیکھتی ہوں جا کر۔“ وہ بھی اس کی کمی محسوس کر رہی تھیں۔
 ”نہیں، ضرورت نہیں ہے، کوئی یہاں مہارانی صلبہ کے ملازم نہیں بیٹھے کہ منٹ منٹ میں انہیں کمرے میں بلانے جائیں گے نہیں کھانا تو نہ کھائے۔“ وہ بریانی کی ڈش لیے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

”زرمین بیٹا! آ جاؤ کھانا نہیں کھا رہیں؟“
 ”پھسچا جان! میں بس ابھی آ رہی ہوں، آپ لوگ شروع کریں۔“ وہ تینوں سمجھ گئی تھیں کہ وہ حنین کو بلانے جا رہی ہے۔

”حنین! کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟ چلو سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“ اس نے سر ہانے بیٹھے ہوئے اس کے بال ہٹا کر چہرہ سامنے کیا تھا۔

”آئی! مجھے بھوک نہیں ہے، آپ جا کر کھالیں، میں بعد میں کھالوں گی۔“
 ”تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟ میں نوٹ کر رہی ہوں کہ تم کافی دیر سے اپنے کمرے میں ہو۔“

”نہیں آئی! بس میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“
 ”ادھر دیکھو میری طرف۔“ اس کے لہجے میں کمی محسوس کر کے اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا تھا۔

”کیا چھپا رہی ہو مجھ سے، بولو؟“
 ”آئی! آج کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے اپنے آنسو رگڑے تھے۔

”کوئی بات نہیں ہے تو رو کیوں رہی ہو؟“ وہ خمیر ہوئی تھی اور وہ اس کا ہاتھ اپنے کاںدھے سے ہٹاتی واش روم میں جا بند ہوئی تھی۔

”کوئی بات تو ضرور ہے، مگر میں پوچھوں کس سے؟ کھانے کے بعد شاز مین سے پوچھوں گی۔“ وہ دل میں ارادہ کرتی سب لوگوں کے خیال سے ڈانٹنگ ہال میں آ گئی۔

”حنین کہاں ہے، اسے کھانے کے لیے نہیں بلایا؟“ یوسف الحسن بولے۔
 ”بھائی صاحب! زرمین بیٹی بلانے گئی ہے، آپ بسم اللہ کریں۔“ ساجدہ نے اپنی جیسر سنبھالی تھی۔

لینے لگا۔

”اوہ مائی گاڈ! یہ مجھے اسے دیکھ کر کیا ہونے لگا تھا؟“ وہ سر ہٹا کر گیا اور وقت گزرنے کا خیال جیسے ہی آیا وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا، کوٹ دھونے کی بجائے اس نے لٹکا دیا اور منہ پر پانی ڈالتا، ٹاول سے خشک کرتا وہ روم سے نکل آیا۔

”یار! بڑی دیر کر دی؟“ فیصل نے اس کے سنجیدہ چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

”ہاں..... میں نے وہ کوٹ اجد کے واش روم میں ہی چھوڑ دیا ہے۔“

”اچھا کیا بیٹا! ہم ڈرائی کلین کروا کے تم کو دے دیں گے، تم آ کر کھانا کھاؤ۔“

”نہیں، آنٹی! میں کھا چکا ہوں۔“ آستین فولڈ کرتے ہوئے راشدہ سے کہا تھا۔

”یار! کیا کھا چکے ہو، بمشکل چند نوالے ہی لیے ہوں گے، آ جاؤ کھانا.....!“

”بس فیصل! میرا موڈ نہیں ہے۔“ وہ غیر معمولی سنجیدگی سے بولا تھا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ وہ اس کے پاس آ کر کھانا۔

”مجھے اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی، اس وقت تم مجھے اجازت دو اور پلیز تم لاج کو گھر چھوڑ دینا۔“ فیصل نے دوست کا جائزہ لیا، بلیک پینٹ، وائٹ شرٹ میں اس کا لاناقد بڑا ہی نمایاں تھا اور وہ کافی ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

”اوکے! میں لاج کو ڈراپ کر دوں گا۔“ فیصل نے حامی بھر لی اور وہ اس کے ساتھ اس کے جانے کا بتانے آیا مگر نوید عالم نے اسے اس طرح جانے سے منع کر دیا، انہیں یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ وہ ان کے گھر سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد بھی کچھ کھائے بغیر چلا جائے۔

”انکل! مجھے ایک ایمر جنسی کال.....!“

”کچھ نہیں ہوتا یار! اساتھ مل بیٹھنے کا موقع کہاں روز روز ملتا ہے۔“ اور وہ سب کے انسٹ کرنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا، مگر کچھ کھانے پر پھر بھی راضی نہیں ہوا تھا۔

”چلو جیسے تمہاری مرضی بیٹا! اور ابھی ارحم آنے والا ہے، تم اس کے ساتھ کھانا کھا لینا۔“ یوسف الحسن کے کہنے پر وہ صوفے پر آ بیٹھا مگر اس کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔

”انکل! پھر کیا ارادے ہیں کپل ڈانس کر رہے ہیں یا بس ویسے ہی مذاق کیا تھا؟“ راحم نے شرارت سے پوچھا۔

”بیٹا جی! ہم تو تیار ہیں، مگر آپ کی آنٹی راضی نہیں ہوں گی۔“ فیاض نے ہنستے ہوئے بیوی کو دیکھا۔

”کیوں آنٹی! پھر کیا خیال ہے؟“

”آپ کا خیال بہت ہی برا ہے، اس لیے چپکے بیٹھے رہے۔“ مہوش نے اس کے ایک دھپ لگائی تو وہ ہنسنے لگا۔

”انکل! یہ پروگرام تو کینسل ہو گیا، کچھ نیا سوچیں۔“ وہ کہاں باز آنے والوں میں سے تھا۔

”بیت بازی کیسی رہے گی؟“ شاکر نے پوچھا تھا۔

”زبردست آئیڈیا!.....! بت سب ہی کو اس میں حصہ لیتا پڑے گا، یہ نہ ہو، ہم دو چار لوگ ہی شعر پڑھتے رہیں، بھائی صاحب اور بھائی جان بھی کھیلیں گی تو ٹھیک، ورنہ سب کینسل۔“ یوسف الحسن نے حمایت کرنے کے بعد فیصلہ سنایا۔

”آپ میری وجہ سے کچھ کینسل نہ کریں، جناب! ایک دو شعر تو ہمیں بھی آتی ہیں، وہی سنا دیں گے۔“ نوید عالم

”زرعین! جیتیں نہیں آئی؟“ نوید عالم نے بیٹی سے پوچھا تھا۔

”ابو! وہ سو گئی ہے، اٹھے گی تو کھالے گی۔“ جواب دیتے ہوئے وہ اپنی چیئر پر بیٹھ گئی، ماہ کنعان کو اپنا آپ بھرم لگنے لگا تھا۔

”کنعان بیٹا! آپ کچھ لے کیوں نہیں رہے؟“ فیصل کے برابر براجمان ماہ کنعان کو فیاض نے نوک تو وہ چونک اٹھا اور بے خیالی میں اس کے ہاتھ سے اسپون چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا اور بریانی کے دانے ادھر ادھر بکھرتے رائے کے چھینٹوں کے ساتھ اس کے کوٹ پر بھی نشان چھوڑ گئے تھے۔

”آریو اوکے، کنعان؟“ فیصل نے تشویش سے پوچھا تھا۔

”اوہو..... ہاں سوری!“ اس کے خیال کی طنائیں یکدم ٹوٹی تھیں اور وہ کرسی کھسکا کر اٹھ گیا۔

”اجد! انہیں اپنے کمرے میں لے جاؤ تاکہ یہ کپڑے واش کر لیں۔“ نوید عالم نے کہا اور وہ اٹھنے لگا تھا کہ ماہ کنعان رک گیا۔

”آپ پلیز مجھے صرف یہ بتا دیجئے کہ مجھے کس طرف جانا ہے، آپ میری وجہ سے کھانا چھوڑ کر نہ اٹھیں۔“ اسے سب کے ہاتھ روک دینے پر شرمندگی ہوئی تھی۔

”اُس اوکے کنعان!“ اجد نے چیئر کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں نے کہا تھا آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔“

”اجد! رہنے دو، کنعان خود ہی چلا جائے گا، کنعان! تم اسٹیرز کے اوپر جا کر لیفٹ سائیڈ پر بنے اجد کے روم میں چلے جانا۔“ فیصل کے کہنے پر وہ بیٹھ گیا اور کنعان ڈائننگ ہال سے نکل گیا، تیزی سے اسٹیرز چڑھتا اوپر پہنچا تھا اس کے ذہن سے نکل گیا کہ فیصل نے لیفٹ سائیڈ کی بات کی تھی یا رائٹ کی، وہاں تین کمرے تھے اور جس میں سے ایک کے دروازے کے ہینڈل پر اس نے ہاتھ رکھا، جو کھانے سے کھل گیا، کمرے میں قدم رکھا، کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لائٹ پنک کلر کے کمرے میں کمرہ ڈیکوریت تھا، اور ڈیکوریشن سے ہی وہ کسی کم عمر لڑکی کا روم لگ رہا تھا، دروازے سے ہوتی اس کی نظر بیڈ پر سوئے وجود پر پڑی اور اس کی نگاہ ساکت ہو گئی، بیڈ کے عین وسط میں وہ پہلو کے بل لیٹی ہوئی تھی، اس کا فیروزہ آئینہ اسٹیل میں اس طرح رکھا ہوا تھا کہ آدھا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا، دایا ہاتھ اس نے ماتھے پر لٹا رکھا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ گال کے نیچے رکھا ہوا تھا، فیروزہ رنگ کے کاشن کی میض میں اس کے جسم کے نشیب و فراز عیاں تھے، ٹراؤزر کے پانچے قدرے اوپر تھے، ایک پاؤں میں پائل تھی جو اس کے سرخ و سپید خوبصورت پاؤں کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہی تھی، دوسری پائل گرہنی تھی یا اس نے پہنی ہی نہیں تھی۔ یہ وہ نہیں جانتا تھا، بیروں سے ہوتی اس کی نظر چہرے کے خدوخال پر انک گئی، شکرنگ لب آپس میں باہم پیوست تھے، سرخ اناروں جیسی شڑکاں، لاجبی ستواں ناک، آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے وہ ان کا کلر اور گہرائی تو نہیں دیکھ سکا، بند آنکھوں پر سیاہی لگن سیاہ پلکیں اور آنکھوں کے کناروں پر ان کے چند موتی کان میں پڑی تھیں ہی گولڈن بالی اور ترکیہ کے دائیں بائیں کھڑے سیاہ ریشمی بال، توجہ کے طلب گار معلوم ہو رہے تھے، کوئی انجمن قوت اسے اس کی جانب کھینچ رہی تھی، وہ ایک نیک مہبت سارے دیکھتا، عجیب دیوانگی کے عالم میں اس پر جھٹکتے کھتا کہ وہ رک گیا اور ایک نظر اسے دیکھ کر جلدی سے باہر نکل گیا تھا کہ کہیں اس سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد نہ ہو جائے، وہ اس کے برابر کے کمرے کی بجائے لیفٹ سائیڈ پر بنے کمرے میں داخل ہو گیا اور لائے لائے گہرے گہرے سانس

کے شکستگی سے کہنے پر وہ سب ہی المٹ ہو گئے، اور دو ٹیمیں بن گئیں۔

”شاز مین بیٹا! ایسا کرو جنہیں کو بھی اٹھالو، اس کے بغیر محفل کچھ سوئی سوئی لگ رہی ہے، اس کی شرارتیں محفل میں جان ڈال دیتی ہیں۔“ یوسف الحسن چائے سرو کرتی جھنجھی سے بولے۔

”ہاں بھئی پاپا! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، جنہیں کے بغیر محفل کچھ جم نہیں رہی۔“ راحم نے حسب عادت ٹکڑا لگایا تھا۔

”السلام علیکم! راحم نے داخل ہوتے ہوئے سلامتی بھیجی تھی۔

”کافی دیر نہیں کر دی بیٹا! تم نے آئے میں؟“ راشدہ پیار سے بولی تھیں۔

”مامی! ڈیوٹی آف کر کے سیدھا آ رہا ہوں، شاز مین! مجھے پانی پلا دو۔“

”کھانا کھا لو بیٹا! ساجدہ نے کہا۔

”نہیں ابھی تو بھوک نہیں ہے، پھر کھاؤں گا تم مجھے بھی چائے دے دو۔“

”شاز مین! میرے لیے بھی چائے لے آنا، میری آدمی چائے اس ارحم کے بچے نے پی لی ہے۔“ فضیل نے جاتی ہوئی شاز مین کو آواز لگائی، کیونکہ ارحم نے اس کا چائے کا کپ اٹھا کر چائے پینا شروع کر دی تھی۔

”پاپا! شروع کریں ناں، ٹائم ویسٹ ہو رہا ہے۔“

”ممی!...“ حج کی آواز پر وہ سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔

”جنہیں بقیدینا سوتے میں ڈرگئی ہوگی، میں دیکھتی ہوں۔“ ساجدہ پریشانی سے لگی تھیں۔

”چچی! آپ رہنے دیجئے، میں جارہی ہوں۔“ زرمین نے ساجدہ سے کہا تھا اور چائے کا آدھا کپ یونہی چھوڑ کر وہ

غلت میں وہاں سے نکل گئی تھی۔

”تم چائے نہیں پی رہے؟“ اس نے فضیل کو ٹھوک دیا تھا۔

”میری چائے تم پی چکے ہو، اور میں تو حیران ہوں کہ ایسا تم نے کیسے کر لیا؟“

”سب تیری محبت کا نتیجہ ہے، اور چائے کا کپ سامنے تو رکھا ہے، پی لو، تمہاری بیوی نے ہی پی ہے، اس لیے

نوپرا بلے۔“ وہ مذاق کے موڈ میں تھا۔

”صحیح کہا، مجھے تو خیال ہی نہیں آیا تھا، یاد دلانے کا شکریہ۔“ وہ دونوں دھمے دھمے گفتگو کر رہے تھے اور اس نے

مسکراتے ہوئے ادھ پیچا چائے کا کپ منہ سے لگا لیا تھا۔

”شرم کر لے کچھ، بجائے مجھے منع کرنے کے، غناغت چڑھا گیا۔“ اس نے اسے کچھ شرم دلانی چاہی تھی۔

”ہم بے شرم تو شرع ہی سے۔“ اس نے آنکھ ماری تھی اور وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ جی جنین اور زرمین وہاں طلی آئی تھیں۔

”بلو پر پی کرل! خیریت آج اتنی جلدی کیسے سو گئی تھیں؟“

”وہ بس آنکھ لگ گئی تھی ارحم بیٹا! مگر آپ کب آئے؟“ اس نے جمائی روکتے ہوئے استفادہ کیا اور فریاد کے برابر

جا بیٹھی۔

”بس تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے، تم سناؤ کب بڑی ہوگی، بچوں کی طرح نیند میں ڈر جاتی ہو۔“ اس نے ہنسنے ہوئے مذاقاً

کہا تھا، لیکن اس کا منہ بن گیا۔

”سب تو میرا مذاق بناتے ہی ہیں، مگر آپ سے مجھے امید نہیں تھی۔“ ماہ کنعان کی نگاہ اس کے سونے ہوئے خفا چہرے تک گئی، اس کی بھوری آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خراباب بھی جا گزیر تھا، اس نے دوسرے ہی پل نگاہ چرائی کہ کہیں پھر سے وہ اس کے حشر میں نہ پکڑنے لگے۔

”میں تمہارا مذاق نہیں بنارہا تھا، یہ بتاؤ کھانا کھالیا ہے؟“

”نہیں، اور ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔“ ہنوز نکلی سے بولی تھی۔

”گلد، مجھے بھی بھوک نہیں ہے، کچھ دیر بعد ساتھ ہی کھائیں گے۔“

”آپ لوگوں کی باتیں ختم ہو گئی ہوں تو ہم بیت بازی شروع کریں؟“

”بیت بازی کیا ہوتی ہے راحم بھائی؟“ کہتے ہوئے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، مگر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ماہ کنعان کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، جو ارحم سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

”چلو بھئی! ہو گیا مقابلہ، ان محترمہ کو یہ بھی نہیں پتہ کہ بیت بازی کیا ہوتی ہے، تو یہ کھیلیں گی کیسے؟“ انداز سراسر چڑانے والا تھا۔

”اب نہیں پتہ تو آپ کی طرح جھوٹ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے سب معلوم ہے، مجھے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی طرح ڈر نہیں لگتا۔“ وہ نزوٹھے انداز میں بولی اور مہوش اسے گم اور اس کے رد کرتے لگیں۔

”لیکن آنٹی! جیسے شعر نہیں آتے تو میں سناؤں گی کیسے؟“ اسے نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔

”تم شعر نہیں گیدڑ سناؤ۔“ فضیل نے کہا تھا۔

”اور یہ مت کہنا کہ تمہیں نہیں آتے۔“ فضیل کے شرارت سے کہنے پر ارحم نے بھی ٹکڑا لگایا تھا اور وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرنے لگی تھی کہ فریاد اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں۔

”ہم سب ہیں ناں تمہاری ویلپ کے لیے۔“

”اور تم کم از کم بیٹھ کر دیکھو اور سن تو سکتی ہی ہو۔“ زرمین نے اسے اپنے ساتھ بٹھالیا اور طے پایا کہ یہاں موجود سب ہی لوگ کوئی نہ کوئی شعر ضرور سنائیں گے اور گیم کا باقاعدہ آغاز شکر کرنے کیا، کیونکہ اس گیم کا مشورہ ان کی ہی جانب سے آیا تھا اس لیے سب ان کے پیچھے پڑ گئے کہ پہلا شعر وہی پڑھیں اور وہ مان بھی گئے تھے۔

”رکھتے ہیں جو اوروں کے لیے پیار کا جذبہ

وہ لوگ کبھی ٹوٹ کر بکھر نہیں کرتے۔“

شکر کرنے بڑی خوبصورتی سے محفل بیت بازی کی شروعات کی، ان کے بعد ساجدہ نے شعر پڑھا۔

”یہ طرف کی بات ہے کوئی سینے رکھتا ہے کس طرح خود کو

جتنے دکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے۔“

”بھائی صاحب! یہ“ سے نہیں تو“ ہے“ شعر پڑھ دیں۔“ فیاض، نوید عالم سے بولے تھے۔

”ہم کم کر دیتی ہوئی رت کو بھی منالیتے تھے

ہم نے دیکھا ہی نہ تھا موسم بھراں جاناں“

یا خوبصورت شعر پڑھا ہے۔“ یوسف اُسن نے ان سب کی دل کی بات کو زبان دے دی تھی۔
پنے زبردست جواب دینا ہے بس لفظ کی کوئی قید نہیں ہے۔“ یہ فریدہ تھیں۔
”زندگی تیری عطا تھی تو ترے نام کی ہے
ہم نے جیسے بھی بسر کی ترا احساں جانوں“
انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شعر پڑھا، ان دونوں میاں بیوی کی نگاہیں ٹکرائیں تھیں اور وہ دونوں ہی مسکرا
دیئے، سب ہی داد دینے لگے۔

”آپنی ایہ گیم بہت فضول ہے، میں جارہی ہوں۔“
”ارے بیٹھی رہو نا، اتنا تو مزہ آرہا ہے۔“ زرمین کے کہنے پر وہ مجبوراً بیٹھ گئی۔
”قربتوں میں بھی جدائی کے زمانے مانگے
دل وہ بے مہر کہ رونے کے بہانے مانگے“
زرمین نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی، یہ سنجیدگی اس کی شخصیت کا خاصہ ہرگز نہیں تھی۔

”بار ہا دل تری قربت سے دھڑک اٹھا ہے
گو ابھی وقت حقیقت میں وہ آیا بھی نہیں“
فصیل نے بھی اسے دیکھا، اور اس کی پلکیں عارضوں پر جھپک آئی تھیں اور اس کے گلزار چہرے کو دیکھ کر اسے لگا شاید
کہ اس کا انتظار ختم ہونے کو ہے، اس کے لبوں پر اسی سوچ نے مسکراہٹ بکھیر دی۔
”اگر میں سو یا تو وہ کیوں نہ سو یا“ اگر میں جا گا وہ کیوں نہ جا گا“
وہ میرا تھا تو اسے میرے حسب حال ہونا تو چاہیے تھا“
فصیل نے سیرا کے اداس چہرے کو دیکھ کر شعر میں دل کی بات کہی تھی، فیصل کے بعد سیرا کی باری ہے، مگر اس نے
معذرت کر لی، اس کی جگہ شازمین نے نوٹی گیلائی کا شعر پڑھا۔

”کوئی خواہش نہیں تجھ سے اے مری عرواں
میرا بچپن میرے جگنو مری گڑیا لا دے“

راحم جو کسی روز بینک شعر کا منتظر تھا، سخت بور ہوا تھا۔

”محبت اپنی بھی اثر رکھتی ہے فراز، بہت یاد آئیں گے ذرا بھول کر تو دیکھو۔“

راحم کے بعد باقی سب نے معذرت کر لی، ماہ کنعان جو خاموشی سے بیٹھا محفل انجوائے کر رہا تھا اس نے یکدم
نگاہ اٹھائی، جو تین کے دلکش چہرے سے ہوتی اس کے خوبصورت ہاتھوں پر رک گئی، وہ ہاتھ میں پڑی چند چوڑیوں
سے کھیل رہی تھی، یہ محفل نہ اس کے مزاج کے مطابق تھی اور نہ وہ یہاں دل سے بیٹھی تھی، وہ تو زرمین اور فریدہ کے بیچ
میں گویا پھنسی ہوئی تھی، اور محفل جو برخواست ہونے لگی تھی، ماہ کنعان کی خوبصورت آواز پر ایک بار پھر جرج سی گئی اور
محفل کا آخری شعر تھا، اس لیے سب نے ہی کہا کہ اگر اسے پوری نظم یاد ہے تو وہ پڑھ سکتا ہے، اور اس کے دل کی کلی
کھل گئی تھی۔

”کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا ٹکٹن ہوتا
تو بڑے پیار سے بڑی چاہت سے بڑے مان کے ساتھ
اپنی نازک سی کلائی میں جاتی مجھ کو
اور بے تابی سے فرقت کے خزاں لمحوں میں
کسی سوچ میں ڈوبی جو گھمائی مجھ کو“

وہ حتی المقدور کوشش کر رہا تھا کہ نگاہ اس تک نہ جائے، مگر بے خودی سی بے خودی تھی، نگاہ تھی کہ بھٹک بھٹک جارہی
تھی، اور وہ جو ہاتھ میں پڑی کا کچ کی چوڑیوں کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے جنبش دے رہی تھی، نگاہ اٹھائی اور اس کی نگاہ خود
پر محسوس کرتی وہ لمحہ کے ہزاروں حصے میں نگاہ بٹاتی اپنے دلچسپ فعل کی انجام دہی سے یکدم رک گئی، یہ اس کی پختہ عادت
تھی کہ جب کبھی فرصت سے اکیلے میں ہوتی، یا محفل اس کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتی تو وہ ہاتھ میں موجود چوڑیوں،
بریسلیٹ، یا پھر گھڑی کو گھماتی اوپر سے نیچے کرتی رہتی تھی اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہتی تھی اور اس
وقت نجائے کیوں اسے لگا کہ وہ اس پر چوٹ کر رہا ہے، اس لیے وہ نہ صرف اپنی حرکت سے باز آئی بلکہ دونوں ہاتھوں کی
انگلیاں آپس میں باہم پیوست کر لیں اور اس کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی۔

”اور جب کبھی موڈ میں آ کر تو اسے چوما کرتی

تیرے ہونٹوں کی حدت سے میں دھک سا جاتا

اور جب کبھی بند باندھنے لگتی جانوں

اپنی آنکھوں کو تیرے حسن سے خیرا کرتا

مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ

میں تیری زلفوں کے آگن میں مہکتا رہتا“

ایک عجیب سا احساس اس کی رگ و جال میں اترنے لگا اور وہ ہاتھ اپنی پونی ٹیل سے بٹاتی اٹھ گئی اور اس کے ہاتھ
بٹانے پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی کہ اس کے اٹھ جانے پر سٹ گئی، فیصل حیران سا اسے دیکھنے لگا، اور اراحم اُسن
کے چہرے پر غصے کے اثرات نمودار ہونے لگے۔

”کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا

کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا ٹکٹن ہوتا“

وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی، سب اس کے انداز اور کلام کی تعریف میں رطب السان ہو گئے اور اس کو
کھانے پر روکنے پر بضد ہو گئے، ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اس کا چہرہ اس کی مرمیں کلائی اور اس میں ٹکٹناتی چوڑیوں
کو تصویر کی آنکھ سے دیکھتا، وہ دل میں ان آخری 2 شعروں کو دہرائے جا رہا تھا اور مسکراہٹ تھی جو اس کے شکرانی
لبوں پر ٹھہری گئی تھی۔

(جاری ہے.....)

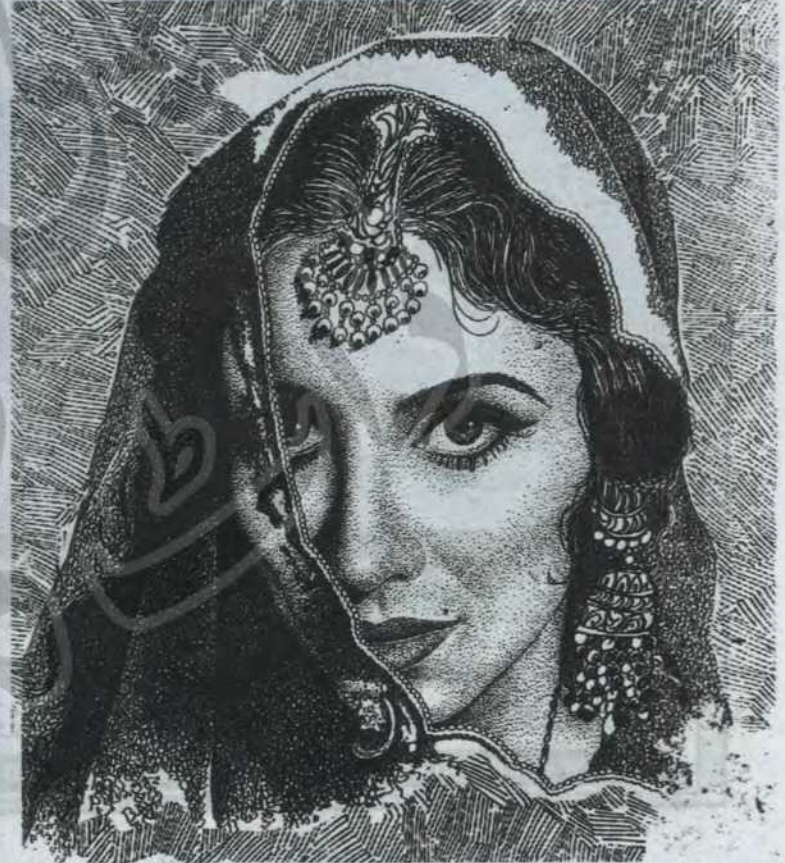
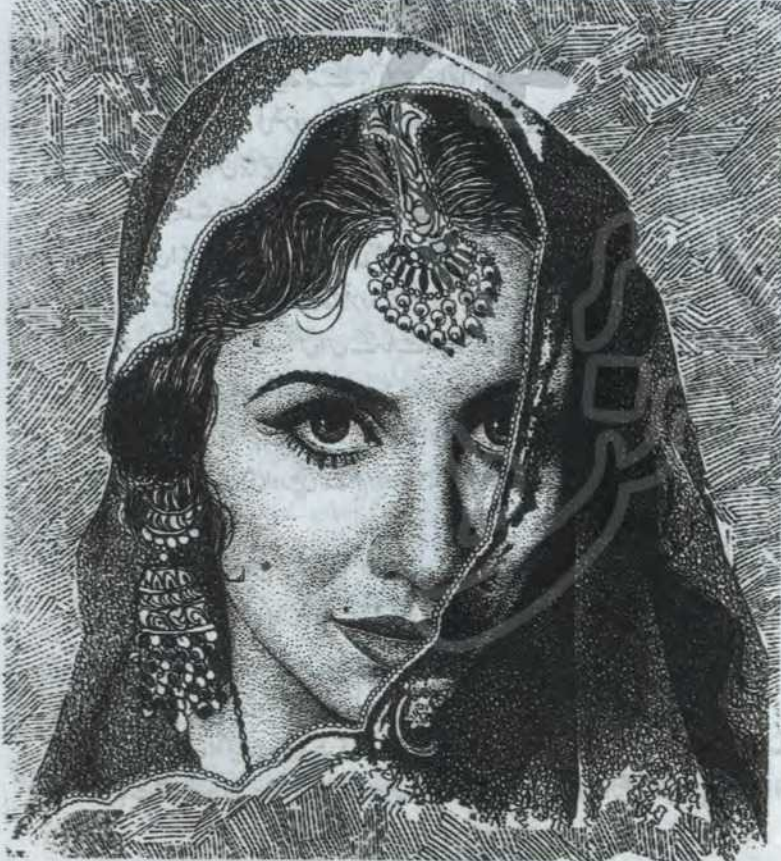
مشرقیات کے لیے جانا

”فضیل! سب فون دیجئے گا ذرا، مجھے ایک کال کرنی ہے۔“ وہ کمرے میں آئے ہی اس سے بولی اور اس نے خاموشی سے جیب سے فون نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”جھٹکس! آپ چاہیں تو پیسج کر کے سو جائیں، مجھے کچھ ٹائم لگے گا۔“
 ”کوئی بات نہیں ہے زمین! آج تم مجھے کافی ڈسٹرب لگ رہی تھیں؟“
 ”فضیل! بات آپ کو بتانے کی ہوئی تو ضرور بتاؤں گی۔“

”میں تم سے کچھ پوچھ نہیں رہا۔“
 ”لیکن میں آپ کو ضرور بتاتی، مگر بات مجھ سے جڑی ہوئی نہیں ہے، اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتی، آپ ڈسٹرب نہ ہوں، اس لیے بالکل میں جا کر بات کر لیتی ہوں۔“
 ”کمرے میں ہی رہ کر بات کر لو، میں اسٹڈی میں ہوں۔“ وہ اسے موقع دیے بغیر وہاں سے ہٹ گیا، ڈور بند کرتے ہوئے اس نے اتنا ہی سنا۔

”ارم! میں زمین بول رہی ہوں۔“ اور وہ توجہ دیے بغیر دروازہ بند کر گیا۔



”زرین! تم فضول میں پریشان ہو رہی ہو۔“

”ارحم! آپ مجھے سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے، حشر سے میری بات ہوئی تھی کہ آپ نے جنین کو مجھے کچھ بھی بتانے سے منع کیا ہے، ایسی کیا بات ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ مجھے پتہ چلے؟“ زرین نے شازمین سے پوچھا تھا کہ گھر میں کوئی بات ہوئی ہے، جسے لے کر جنین پریشان ہے، تب اس نے کہا تھا کہ جنین کی ولیمہ کی شب سے طبیعت خراب ہے اور اسی لیے ارحم اسے گھر لے گئے تھے، اتفاق سے یہ سب باتیں کرتے حشر نے سن لیا، تب اس نے ساری باتیں زرین کو بتا دی تھیں اور اس نے ارحم سے وہیں پوچھا تھا تب اس نے کہا تھا کہ وہ گھر جا کر فون کرے گا، مگر اس نے فون کا انتظار کرنے کی بجائے خود وہی اسے کال کر لی تھی اور اس کو ارحم نے وہ سب کچھ جو اسے جنین نے بتایا تھا کہہ سنایا۔

”آپ نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یہ فیصل کی کن لوگوں سے دوستی ہے اور اس کی اتنی ہمت کہ وہ ہمارے گھر تک آ گیا؟“ وہ تو سن کر ہی شاک ہو گئی تھی۔

”اسی لیے جب سے وہ آتا تھا، جنین اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی، اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے جنین نے بتایا تک نہیں۔“ وہ صدمے کی سی کیفیت میں آ گئی تھی۔

”میں نے منع کیا تھا، اور پلیز! تم اس سے ذکر مت کرنا، جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔“

”آپ اتنے آرام سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ہونا تھا ہو گیا۔“

”زرین! ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کنعان برا شخص نہیں ہے، جس سوسائٹی سے اس کا تعلق ہے، وہاں یہ سب باتیں عام ہیں، مگر وہ ان برائیوں سے دور ہے، جو کچھ اس نے کیا، وہ سب اس نے سوچ کر نہیں کیا اس کی نیت میں کھوٹ ہوتا تو وہ جنین کو بعد میں نقصان پہنچا سکتا تھا۔“ ارحم نے اسے واٹس روم کا احوال بھی کہہ سنایا۔

”زرین! میں جانتا ہوں بات معمولی نہیں ہے، مگر خاموشی تو ہمیں ہی اختیار کرنا ہوگی، جتنا پھیلاؤ گے اتنا ہی نقصان ہوگا، جنین اس سب کے بعد کچھ خوفزدہ ہے، مگر وہ دھیرے دھیرے اس سے باہر آ جائے گی۔“

”تب آئے گی کہ جب وہ شخص اس کے سامنے نہیں آئے گا، اس نے جنین کی ہلیپ کی، مگر اس سے پہلے اس نے جو جو کیا، وہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، آپ نے سوچا ہے اس سب کا جنین کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوا ہوگا، ہمارے گھر کا ماحول بہت مختلط ہے اور جنین کو تو ہم نے کبھی موویز وغیرہ بھی دیکھنے نہیں دیں کہ لاڈ پیار کی وجہ سے اس میں بچپنا ہے اور وہ کسی بھی چیز کا غلط اثر لے سکتی ہے، امی اور چچی نے ہم دونوں بہنوں کا اتنا خیال نہیں رکھا جتنا جنین کا رکھتی ہیں، اور یہ سب آپ سے ہرگز بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔“

”اچھا تو خود ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ کنعان سے میں نے باز پرس کی تھی، وہ شرمندہ ہے، ایکسکیوز کر رہا ہے، تو اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی کہاں بچتی ہے؟ مگر تم کو جو لگتا ہے وہ بتا دو، میں اسے ویسے ہی ٹریٹ کر لوں گا۔“ ارحم کے لہجے میں تنبیہ تھی اور وہ صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا جبکہ وہ تو کھڑے سے بیٹھنا بھی بھول گئی تھی۔

”آپ کچھ مت کریں، میں خود ہی فیصل سے بات کروں گی۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے، جو بات کسی کو نہیں پتہ کیوں سب کو خبر کر دینے پر تلی ہو؟“ اسے زرین نے پر غصہ آنے لگا تھا، ”بات کرنا ضروری ہے ارحم! کہ بات صرف جنین کی نہیں ہے، گھر میں اور بھی لڑکیاں ہیں، اور وہ تو ہمارے ہاں

بڑے دھڑلے سے آتا ہے اور میں نہیں چاہوں گی کہ وہ شخص کبھی بھی کچھ بھی ایسا دیکھ کر حشر۔۔۔!“

”تم اس وقت بات نہیں سمجھو گی، سوچو سمجھ کر منہ نہ کرو، اور وہ شخص اتنا بھی برا نہیں ہے، تمہیں کیا لگتا ہے کہ اس نے شرمندگی ظاہر کی اور میں اس کے ایکسکیوز کو قبول کر کے بیٹھ گیا، میں نے ماہ کنعان کی فیملی اور اس کے بارے میں پوری انویسٹی گیشن کی ہے، ہائی سوسائٹی سے لی لوگ کرنے کے باوجود اس کی کوئی گرل فرینڈ تک نہیں ہے، شراب تو دور، وہ سگریٹ بھی نہیں پیتا، اس لیے مجھے خود کچھ نہیں آ رہا کہ اس نے جنین کو کیوں پریشان کیا؟“

”آپ کچھ بھی کہیں ارحم! مگر میں اب اس شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی، اور میں اس مسئلے کو سولو ضرور کروں گی، آپ بے فکر ہیں، جنین کا نام تک نہیں آئے گا، اس کی عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے، میں اب فون رکھتی ہوں، کچھ سوچ کر کل فون کروں گی۔“ لائن ڈسکنکٹ ہو گئی تھی، مگر وہ کتنی ہی دیر ساکت سی وہاں کھڑی رہی تھی۔

”زرین! آؤ اوکے؟“ وہ اسے کھڑے دیکھ کر پریشان ہوا اور وہ چونکتی اسے دیکھنے لگی اور پھر ٹی میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی، مگر ارحم کی بتائی بات نے تو اس کی نیند ہی اڑا دی تھی اور وہ بے چینی سے کروٹیں پر کروٹیں بدلتی فیصل کو پریشان کر گئی، مگر اس نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔

☆.....☆.....☆

”فیصل! ایک بات پوچھوں؟“ وہ شادی کے بعد آج آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وہ اس کے سامنے آ کر کی تھی۔

”ہاں، پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟“ پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اسے دیکھا اور اس نے جو کچھ پوچھا، اس کی تو اسے ہرگز بھی توقع نہیں تھی۔

”فیصل کے دوست ماہ کنعان کس قسم کے انسان ہیں؟“

”میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا، تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟“

”صرف اتنا کہ ماہ کنعان بائے نیچر اور بائے کیریئر کیسے ہیں؟ پلیز یہ مت پوچھیں گے کہ میں کیوں پوچھ رہی ہوں؟“ اس نے پہلے ہی حفاظتی بند باندھ لیے تاکہ وہ اس سب کے پوچھنے کی وجہ نہ پوچھ لے۔

”بہت اچھا انسان ہے، فیصل کی اور کنعان کی دوستی اسکول سے ہے اور وہ ہمارے گھر بھی اکثر آتا رہا ہے جبکہ فیصل سے وہ دو سال سینئر تھا، مگر ان کی دوستی پھر بھی ہوئی اور اب تک قائم ہے جبکہ ہمارا تعلق مل کلاس فیملی سے ہے اور کنعان ہائی سوسائٹی سیاست دان گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، مگر آج تک کبھی کنعان کے بارے میں کچھ بھی ایسا دیکھنا نہیں ملا، ہائی کلاس سوسائٹی کی برائیاں اس میں میرا خیال ہے بالکل نہیں ہیں، ورنہ تم تو جانتی ہو زرین کہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتا ہے، وہاں برائیاں کبھی برائیاں کبھی ہی نہیں جاتیں جبکہ کنعان کی تو کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے۔“

”یہ آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں فیصل؟“

”میری آؤ ریشن ہی یہی ہے اور اخبار وغیرہ میں بھی کبھی اس کا اسکیڈنڈل نہیں بنا، تم خود سوچو، آج کل تو ایکٹرز سے زیادہ سیاست دانوں کے اسکیڈنڈل سننے میں آتے ہیں، مگر کبھی کنعان کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں چھپا، تو شاید نہیں یقیناً کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں تو اس میں اچھائی ہوگی۔“ وہ پوچھنے کا سبب جانے بغیر بھی پوری سچائی سے کہہ رہا تھا، مگر اس کی

انجمن تھی کہ تم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

”فضیل! سیاست سے لو اس کے فادروا بستہ ہیں، وہ خود نہیں۔ وہ ٹینشن میں پکنا نہ بات کر گئی تھی۔“

”وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کنعان کے فادر کے کتنے ہی اسکینڈل منظر عام پر آ چکے ہیں، جن میں سے کچھ میں سچائی ہے تو کچھ ان کی اپوزیشن پارٹی کی سازش، مگر ہر اسکینڈل جھوٹا نہیں ہے، اس کی کمی، سیٹیٹ کی ممبرہ چکی ہیں اور وہ خود براہ راست سیاست کا ابھی حصہ نہیں ہے، مگر مستقبل قریب میں امکانات تو ہیں، اور کنعان کے فادر کے خائفین ان کے وارث کو سیاست میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اس کے خلاف پروپیگنڈہ کر سکتے ہیں، تاکہ اس کا بیج اتنا خراب ہو کہ وہ قدم ہی نہ دیکھ سکے، اور کنعان کے خلاف پروپیگنڈہ بھی ہوا ہے، مگر اس انداز میں نہیں اور صاف بات تو یہ ہے زمین کہ اگر وہ برا ہے، اچھا ہے تو ہمیں فرق نہیں بڑتا، وہ فیصل کا دوست ہے، اس کے ساتھ اور اس کی فیملی کے ساتھ فیئر ہے، تو بس ٹھیک ہے، وہ نئی زندگی میں کیسا ہے یہ ہمارا پرائیلم نہیں ہے، کیونکہ ظاہری طور پر جو نظر آتا ہے وہ بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا، اور جو چھپا ہوا ہو ضروری نہیں کہ وہ غلط ہی ہو۔ اس کو دیر ہو رہی تھی، اس لیے اس نے بات ختم کر دی۔“

”مگر تم کیوں پوچھ.....!“

”ویسے ہی پوچھ رہی تھی، میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ فیصل کے دوست کیسے بنے، کیونکہ ایسے لوگوں کی ندرشتی اچھی ہوتی ہے اور نہ ہی دوتی۔“

”تمہیں شاید نظر بہارے گھر کنعان کا جانا پند نہیں آتا۔“ وہ ٹائی باندھ رہی تھی۔

”ہاں، شاید۔ اس کے نیم اقرار پر وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ اس سے پوچھنا تو بہت کچھ چاہ رہا تھا، مگر یہ سوچ کر نہیں پوچھا کہ بتانے والی بات ہوتی تو وہ خود بتا دیتی، اور اس کی نیچر میں فورس نہیں تھا، وہ کسی کو بھی کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کرتا تھا، یہ سادہ طریقیے سے کام کرنا اسے پسند تھا، نہ وہ دوسروں کی لائف میں فضول انٹرنٹ لیتا تھا، نہ ہی بد اس کی نیچر تھی اسی لیے وہ ہر حال میں مطمئن رہتا تھا۔“

☆.....☆.....☆

”زمین آپی! ہم لوگ پکنک پر جا رہے ہیں، آپ بھی ساتھ چلیں گیں، بہت مزہ آئے گا۔“ جنین سب کے ساتھ ان کے گھر آ گئی تھی اور آج راتم نے آفس سے چھٹی کی تھی اس لیے وہ بھند ہو گئی کہ پکنک پر چلا جائے اور فریڈ کے کہنے پر راتم اور ماندو راضی ہو گئے، جیسی اس نے زمین کو فون کیا، کیونکہ وہ اس کے بغیر کوئی پروگرام نہیں بناتی تھی۔

”کون کون جا رہا ہے؟“

”ہیں میں، راتم بھیا اور ماندو اپنا، اگر آپ جائیں گی تو شازمین، جو کو بھی لے لیں گے۔“

”تم لوگ ایسا کرنا شازمین کو ساتھ ضرور لے جانا، کبھی کبھی تو باہر نکلنے کا موقع ملتا ہے، مگر میرا جانا پوسٹیل نہیں ہے۔“

”لیکن کیوں آپی! آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا، کیا آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتیں؟“

”جنین! میں تم سب لوگوں کے ساتھ ضرور چلتی، لیکن فیصل شادی کے بعد آج ہی آفس گئے ہیں تو میں کیسے جا سکتی ہوں؟“

”آفس تو فیصل بھیا گئے ہیں، آپ تو گھر ہی میں ہیں نا تو پھر ہمارے ساتھ چلیں۔“

”آج پوسٹیل نہیں ہے، نیکسٹ ٹائم میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی۔“

”شادی کے بعد آپ بدل گئی ہیں زمین آپی! پہلے تو میرے کہنے سے بھی پہلے میری بات مان جاتی تھیں، اور اب میرے اتنا کہنے پر بھی.....!“

”جنین! تم سمجھ نہیں رہی ہو، میں تمہاری خوشی کی خاطر تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں، مگر کیا تم یہ چاہو گی کہ میں اداس رہوں اور پکنک انجوائے نہ کر سکوں؟“

”یہ کیا بات ہوئی، آپ اداس کیوں ہوں گی؟“

”میں اس لیے اداس ہوں گی کہ فیصل میرے ساتھ نہیں ہوں گے۔“ فیصل کھلے دروازے سے اندر آتا ہوا پکنک اٹھا، زمین کی دروازے کی طرف پشت تھی، اس لیے وہ فیصل کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔

”آفر آف فیصل میرے سینڈ ہیں اور میں ان کے ساتھ پکنک پر جانا چاہوں گی تاکہ پکنک انجوائے کر سکوں۔“

”آپ اکیلے ہمارے ساتھ جائیں گی تو پکنک انجوائے نہیں کر سکتیں، اور فیصل بھیا مجھ سے زیادہ اہم ہو گئے؟“

”تم سے زیادہ میرے لیے کوئی اہم ہو ہی نہیں سکتا، بٹ تم ہو اور فیصل، فیصل ہیں، نہ تم فیصل کی جگہ لے سکتی ہو اور نہ ہی وہ تمہاری۔“

”میں فون رکھ رہی ہوں، آپ سے مجھے بات نہیں کرنی، فیصل بھیا، فیصل بھیا کوئی اور بات نہیں کر سکتیں، صاف بتا دیں کہ آپ چل رہی ہیں یا نہیں؟“

”جنین! ہمارے فون پر نہ۔“

”ہاں، ہاں، ہاں؟ مجھے دوسری کوئی بات نہیں سننی۔“

”تم لوگ جھاؤ گے کب تک؟“

”ابھی شاید 4 بج رہے ہیں، 6 بجے تک جائیں گے، کیونکہ ہم لوگوں کا لیٹ ٹائم تک آنے کا ارادہ ہے۔“

”جا کہاں رہے ہو؟“

”سی ویو جائیں گے، میکڈونلڈ سے زبردست ساؤنڈ کریں گے، اور خوب مستی اور شور بھی، مگر اس کے ساتھ نہیں لے جائیں گے، اسی لیے تو شازمین بجو سے میں نے پوچھا نہیں، وہ مجھے مئی کی کاربن کا پی لگتی ہیں۔“ وہ اس کے پوچھنے پر خوش ہو گئی تھی کیونکہ اسے لگا تھا کہ وہ چل رہی ہے۔

”بربی بات جنین!“

”سوری آپی! فون رکھتی ہوں، آپ جلدی سے آجائیے، میں فون کر کے شازمین جھو کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کر لیتی ہوں، خدا حافظ!“ اس نے زمین کی بے بغیر جلدی جلدی کہہ کر لائن ڈسکنکٹ کر دی۔

”اومانی گاڈ! یہ جنین کی بچی بھی ناں، سمجھ رہی ہے میں ساتھ جا رہی ہوں، اب فون کر کے منع کروں گی تو ہرٹ بھی ہوگی اور مجھ سے ناراض بھی، ایسا کرتی ہوں فیصل سے پوچھ لیتی ہوں، انہوں نے منع کیا تو پھر کچھ سوچوں گی کہ جنین کو کیسے پینڈل کرنا ہے۔“ وہ با آواز خود سے باتیں کرتی فیصل کا نمبر ملانے لگی، وہ اب تک کمرے میں اس کی موجودگی سے لاعلم تھی اور فیصل کا سیل واچریشن پر تھا، اس لیے تل کی آواز سنائی نہیں دی تھی، اس نے سیل کان سے لگا لیا، زمین نے سلام

کر کے خیر خیریت دریافت کی اور اصل موضوع پر آ گئی۔

”فضیل! کچھ دیر پہلے حنین کا فون آیا تھا وہ لوگ پبلک پر جا رہے ہیں، اگر آپ کہیں تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں، کیونکہ میری باتوں سے حنین بھی کہ میں راضی ہو گئی ہوں اور اب منع کروں گی تو وہ غصا ہوگی۔“

”زرمین! تم حنین کو منع کر دو، تم پبلک پر نہیں جا رہی ہو۔“

”آپ... آپ کب آئے؟“ آواز سے اسے محسوس ہوا کہ بہت قریب سے آ رہی ہے، پلٹی اور اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”میں جب آیا تھا جب تم فون پر حنین کے ساتھ بڑی تھیں۔“

”آئی ایم سوری، مجھے پتہ ہی نہیں چلا، پانی لاؤں آپ کے لیے؟“

”پانی کی ضرورت نہیں ہے اور چائے کے لیے میں سحرش سے کہہ چکا ہوں، تم یہ بتاؤ کہ کیا یہی تھیں؟“ تو اس نے حنین سے فون پر ہوئی بات دہرا دی۔

”تم ان لوگوں کے ساتھ چلی جاؤ۔“

”میں جا کر کیا کروں گا، اور ویسے بھی کچھ تھک گیا ہوں۔“

”آپ نہیں جا رہے تو میں منع کر دوں گی، آپ کے بغیر میں بھی جا کر کیا کروں گی، اور میں بھی تو صرف حنین کی وجہ سے ہی جانا چاہ رہی ہوں۔“

”تم حنین کو ناراض نہیں کر سکتیں زرمین! اور میں تمہیں بھی ناراض کرنا نہیں چاہوں گا۔“ وہ بڑی گہری نظروں سے اس کے تھکے منقش دیکھ رہا تھا اور آج پہلی بار زرمین کے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی تھی۔

”تم تیار ہو جاؤ، میں کچھ دیر آرام کروں، اور ہاں! تم فون کر کے جگہ صحیح سے پوچھ لینا، ہم خود سے چلے جائیں گے، ورنہ لمبا چکر پڑے گا۔“ وہ اس کے سرخ ہوجانے والے چہرے سے نگاہ ہٹا تاہیڈ پر دراز ہوتا کہہ رہا تھا اور وہ ایک نگاہ اس پر ڈالتی اس کے کہے پر عمل کرنے لگی تھی، اس نے سحرش کو راضی کر لیا تھا، میرا سے بھی پوچھا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا، کیونکہ وہ آج صبح ہی اپنے فادر کے ہاں گئی تھی اور فیصل اس وقت آفس میں تھا، فضیل تو سائٹ پر گیا ہوا تھا کام ختم کر کے وہ گھر آ گیا تھا، اس لیے وہ ان کے پروگرام کا حصہ بن گیا تھا، جاتے ہوئے فضیل نے شازمین کو بھی پک کر لیا تھا کیونکہ اگر راحم اسے پک کرتا تو لمبا چکر پڑتا، کیونکہ ان کے گھر سے ”کاشانہ عالم“ بہ نسبت فضیل لوگوں کے گھر کے کچھ دور تھا، نوجوان پارٹی نے بڑوں کو بھی شامل کرنا چاہا تھا، مگر وہ پہلو بچا گئے تھے، اس لیے یہ ساتوں ہی سی ویو چلے آئے تھے اور انجوائے کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”کنعان یار! بتانا بات کیا ہے جو تو اتنا ڈسٹرب ہے؟“

”فیصل! مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں تجھ سے کیسے کہوں؟“

”سوچ نہیں اور جودل میں ہے کہہ دے، کل ٹوکس قدر اپ سیٹ لگ رہا تھا، اتنا فرسٹ سبھی میں نے تجھے نہیں دیکھا، اسی لیے میں نے تجھے نہ چاہتے ہوئے بھی صرف تیرے خیال سے تجھے جانے کی اجازت دی، مگر تجھے نوید انگل اور ڈیڈی کی وجہ سے رکنا پڑا، اور میں محسوس کر سکتا تھا کہ تو کتنا اب سیٹ تھا، مگر کیوں، یہ سمجھ نہیں پایا تھا، چلیز! کہہ دے جو

تیرے دل میں ہے اور تجھے پریشان کر رہا ہے۔“ کل کے کنعان کے رویے کی وجہ سے وہ آفس سے گھر آیا تھا اور چیخ کر کے اس سے کوئیکٹ کیا تھا اور اس کے کہنے پر کنعان نے اسے گھر سے پک کر لیا تھا اور وہ سی ویو آ گئے تھے، یہاں وہ اکڑ آ جاتے تھے اور آج بھی اپنی مخصوص جگہ پر اونچے سے پتھروں پر قدم پر سکون جگہ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

”فیصل! میں تجھ سے سب شیئر تو کروں، مگر مجھے تیری ناراضی کی پرواہ ہے، میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا، اور مجھے لگتا ہے کہ تو میری بات سن کر مجھ پر ضرور غصا ہوگا، اور تو میرا واحد بہترین ایسا دوست ہے جسے میں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔“ ماہ کنعان اس سے نظر چرائے کہہ رہا تھا۔

”کنعان! میں نے تجھ پر خود سے زیادہ بھروسہ کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ تو غلط کر ہی نہیں سکتا، مگر تو انسان ہے ناں تو غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، اگر کچھ غلط کر بیٹھا ہے تو کہہ دے مجھ سے، میری دوستی میں اتنا ظریف ہے کہ میں تیری غلطی کیا گناہ بھی نظر انداز کر سکتا ہوں، اور تو اتنا یقین اپنے ساتھ ضرور رکھنا کنعان! کہ میں خود سے ناراض ہو سکتا ہوں، مگر تجھ سے نہیں۔ ہم نے زندگی کا بہت سا وقت ساتھ گزارا ہے، ہم دونوں تو ایک دوسرے کے لیے مانند کھلی کتاب ہیں تو پھر مجھ سے کیا پردہ؟“

”میں پردہ رکھنا نہیں چاہتا، بس مجھے لگتا ہے کہ میں نے کچھ غلط کیا ہے۔“

”غلطی سدھاری جا سکتی ہے۔“

”کبھی ہوئی بات اور کیا ہوا عمل کبھی لوٹنا نہیں جا سکتا فیصل!“

”آئندہ کے لیے بچا تو جا سکتا ہے؟“

”وہی تو مجھ سے نہیں ہو رہا، مجھے بنانے کیا ہو گیا ہے فیصل! کہ میں اپنے معیار سے ہی گر گیا ہوں۔“ اس نے سر ہاتھوں میں گر لیا تھا اور وہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولا تھا۔

”کسی لڑکی کا چکر ہے؟ کیا تجھے کسی سے محبت ہو گئی ہے؟“

”ہاں، لیکن محبت کی مجھے خبر نہیں ہے، اس نے مجھے بہت بے بس کر دیا ہے، اتنا فیصل! کہ لڑکیوں کو اہمیت نہ دینے والا ایک فاصلہ رکھ کر ملنے والا کنعان لہجوں میں فاصلہ مٹا دینا چاہتا تھا، کیا تو یہ سوچ سکتا ہے کبھی فیصل! کہ میں کسی لڑکی کو بازو سے تھام کر اپنے نزدیک کروں گا، اتنا کہ اس کی دھڑکن صاف سن سکوں، اس کے گداز لیوں کو چمک کر گردن چوم لوں، اس کے بالوں کی نرمیٹ پوروں پر محسوس کروں، اس کے سن کی تعریف کروں؟“ وہ نگاہ بھٹکاے بول رہا تھا اور وہ حیران ہی ہوتا جا رہا تھا، کیونکہ ان دونوں کی ہی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی، کلاس فیلوز سے ہائے ہیولوزور تھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

”تو مجھے کھل کر ساری بات بتا، اس طرح مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، اور یہ لڑکی ہے کون، اور تجھے ملی کہاں؟“

”تیری مہندی میں فرسٹ ٹائم اچانک ٹکرا گیا تھا، اور اس پر نظر کیا پڑی، بننے سے ہی انکاری ہو گئی، میں نے لڑکیوں کو کبھی غور سے نہیں دیکھا، دیکھا بھی تو اہمیت نہ دی، مگر وہ چہرہ اہمیت منوانا جانتا تھا شاید، اور مجھے اپنے سحر میں جکڑ گیا۔“ وہ اس لمحے کے سحر میں کھونے لگا۔

”اس کی آنکھیں، ہونٹ، مڑمڑاں اور اس پر ٹپکنا تار و سن سیاہ تل، میں کس کس کی بات کروں، اس لمحے میں اپنا وجود

بھول گیا تھا، یاد تھا تو اس کا پیشانی مسلنا، پلکوں پر موتیوں کا آنکنا اور ہلے احمر لب، میں اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا، کسی پکار پر سر ٹوٹا تھا اور میں سمجھا تھا کہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا، یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سحر تو مجھ پر طاری ہونے کو ہے، وہ لڑی ڈالتی، آگے پیچھے جاتی، دھیمے دھیمے مسکاتی اپنی لہرائی چوٹی اور نین کٹوروں میں میرا دل پیوست کر گئی، اس کی ہنسی نے دل میں جلتے ٹنگ بجا دی، اس لمحے احساس ہوا کہ سینے میں میرے بھی دل تھا جو اس ساحرہ کی آنکھوں، لیوں، لہرائی چوٹی یا اس کے جوں میں اٹک گیا، اس کا ہاتھ میرے سینے سے ٹکرایا تو عجیب سا سحر مجھ پر طاری ہو گیا، اس کی چھوٹ، اس کا لمس، قرب کی خواہش جگا گیا، اور جب وہ پیچھے ہوتے ہوئے مجھ سے ٹکراتے ہوئے پئی تو اس کی بھوری آنکھوں میں چمکنے آنسو ہونٹوں سے چن لینے کی خواہش دل میں در آئی، وہ پٹلی تو اس کے سیاہ ریشمی بالوں کی زرباٹ محسوس کرنے کی حسرت انگیزیوں میں چمکنے لگی، اس نے جب خوبصورت ہاتھ پیروں کی بات کی تو خود اپنے ہاتھوں کو کسراتے ہوئے دیکھا کہ کتنے ہی لوگوں نے میرے ہاتھ پیروں کی تعریف کی تھی، جسے اہمیت ہی نہیں دی تھی، اس وقت وہ اہمیت کے حامل لگتے لگے، اسے جانے سے روکنے کے لیے آواز دے سکتا تھا، مگر نہ جانے کیوں اس کا بازو تھام لیا، وہ جھٹکے سے آزاد کرانی نہ جانے کیا کچھ کہنے لگی، میں تو بس اس کے ہلے لب دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہ تو اس کی آنکھوں پر تھی، گردن پر جھنگ گتے تل پر تھی، بولنے کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا اور میں نے اس کے لیوں پر انگلی رکھ دی، کتنی حیرانگی در آئی تھی ان بھوری آنکھوں میں، اور وہ وہاں سے بھاگنے کو تھی کہ میں نے اسے بازو سے تھام کر اپنی طرف ایسے کھینچا تھا کہ اس کی پشت میرے سینے سے آگئی تھی، اس کے بال مجھے چھو رہے تھے، میرے چہرے پر اپنا حصار باندھ رہے تھے اور میں نے انہیں نری سے ایک سائیز پر کیا تھا، اس کی دو جھیا گلابی صراحی دار گردن اور اس پر چمکتا سیاہ تل میری نگاہوں میں آ گیا تھا اور جس پر میں نے اپنے لب رکھ دیے تھے، وہ چل کر میرا حصار توڑ کر نکلی تھی، اس کے چہرے کا رنگ اناری ہو چلا تھا، اور بھوری آنکھوں میں آنسوؤں کی آمیزش کے ساتھ حیرانگی، خوف، بے چینی دے بیٹھتی کیا کچھ نہیں لکھا تھا، اس کا جسم ہونے ہوئے لرز رہا تھا اور ہونٹ کپکپا رہے تھے، وہ تو حشر کے آ جانے کی وجہ سے میں اس سے کچھ کہہ نہ سکا، مگر نہ کم از کم جس مقصد سے روکا تھا یعنی سوری تو کر لیتا، میں وہاں سے ہٹ گیا تھا اور داش روم میں کوٹ پر گری کو لڈو تک صاف کرنے گیا تھا کہ وہ وہاں چلی آئی تھی، مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گئی تھی، وہ غلطی سے جینٹلس داش روم میں چلی آئی تھی اور مجھے دیکھ کر چیخا جاتی تھی جسے میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر نا کام بنادیا تھا اور اسے بڑی احتیاط سے وہاں سے نکالا تھا تاکہ اسے وہاں میرے ساتھ دیکھ کر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہ مل سکے، ارحم نے جب مجھ سے اس سب کے بارے میں پوچھا تو مجھے ایک شرمندگی نے آ گھیرا تھا اور اسی لیے میں تمہارے ساتھ دعوت میں جانا نہیں چاہ رہا تھا، مگر اس خیال سے چلا گیا کہ میں اس سے ایکسکیز کر لوں گا، مگر وہ میری موجودگی کی وجہ سے ایٹوں کے درمیان آنے سے کتراری تھی اور یہ بات میری شرمندگی بڑھا گئی تھی، اسی لیے میں وہاں سے آ جانا چاہتا تھا، اور جس وقت میں کپڑے واش کرنے گیا تھا میں جان کر نہیں غلطی سے اس کے ہی روم میں چلا گیا تھا، چاندنی میں دھلا اس کا نازک تراشیدہ پیکر بستر پر جو استراحت تھا، وہ مجھے اپنی جانب سنبھری تھی، اس سے پہلے میں بھٹکا کہ لحوں میں اس کے کمرے سے نکل آیا تھا اور جس وقت وہ محفل کا حصہ بنی تھی، میں جان کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، مگر جب مجھ سے سب نے انسٹ کیا کہ اب میں ہی کوئی شعر سنائوں گا تو میری نگاہ انہی تھی اور اس کے مرمیں سے دو دھیا گلابی نازک ہاتھوں پر ٹھہر گئی تھی اور میرے لب بے ساختہ ہی شعر پڑھنے لگے تھے (کاش

میں تیرے حسین ہاتھ کا ٹکٹن ہوتا تو بڑے چاؤ سے بڑے مان کے ساتھ مجھے اپنی مرمیں کلائی میں پہنا کرتی) ٹو جانتا ہے فیصل! کہ شاعری سے مجھے کبھی بھی شغف نہیں رہا، میں نے تو کبھی پوری غزل بھی نہ پڑھی ہوگی، یہ نظم میں نے کب پڑھی اور مجھے کیسے یاد رہی، آئی ڈونٹ بلیووس، میں خود اپنے آپ پر حیران ہوں کہ اس کی ایک جھلک نے مجھے کیا سے کیا بنادیا ہے، اس کا تصور کروں تو مجھے شرمندگی ہی ہوتی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ مگر میں خود کو بہت مجبور پاتا ہوں، اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کا ایک ایک انداز میرے دل اور آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہے، مجھے جو کبھی اپنے بارے میں یاد نہیں رہتا کہ میں نے صبح کیا کیا، کیا پہنا، کب ہنسا، مگر اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ پہلی ملاقات پر وہ کیا پہنے ہوئے تھی، کس بات پر اور کب ہنسی تھی، خفا ہوتی ہے تو اظہار کیسے کرتی ہے، روتے ہوئے کیسی لگتی ہے، آنسو کیسے پونچھتی ہے، ہوا سے چہرے پر نکھر آنے والی زلف کو کس طرح کان کے پیچھے اڑتی ہے، کوئی بات نہ کہنی ہو اور کہہ دے تو کیسے لب دانتوں تلے دبا جاتی ہے، میں کیا کیا باتوں فیصل! اور تو کیا کیا نہ گا؟ مجھے تو اس نے پاگل کر دیا ہے، ٹو بتا فیصل! کہ یہ محبت ہے یا میں بھی عام مردوں کی طرح نفس کا غلام ہو چلا ہوں؟ مگر باخدا فیصل! اس کے بارے میں غلط انداز سے میں نے نہیں سوچا، میری آنکھوں میں اس کے لیے کچھ بھی کیوں نہ در آیا ہو، مگر غلاظت نہیں۔ اس نے لہروں پر نظر جمائے اپنی بات اسے بتائی تھی اور اپنی اچھی نیت کا یقین دلانے کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا جو کچھ محمد سا اسے سن رہا تھا، اس کی موجودگی میں اتنا سب کچھ ہو گیا تھا اور وہ لاعلم ہی رہا تھا۔

”تم اب کیا چاہتے ہو؟ تمہاری نیت اگر صاف ہے تو تم نے کیا سوچا ہے، تم اسے اپنا نا چاہتے ہو یا نہیں؟“ خود کو سنبھالتے ہوئے بہت دیر بعد بولا تھا۔

”یہ مجھے نہیں پتہ کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ جو ہوا میں تو وہ بھی نہیں چاہتا تھا، مگر سب کیسے ہو گیا، میں سمجھ نہیں پارہا۔“ اس کی بے یقینی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے ذہن و دل سے چپک کر رہ گیا تھا اور جس کا جواب تو وہ گزیرے دنوں میں نہیں پاسکا تھا، اب فیصل کوئی جواب دے دیتا تو اور بات تھی ورنہ اس نے تو کوشش کر دینی تھی۔

”کنعان! تمہیں کچھ دن اپنا جائزہ لینا چاہیے، جو کچھ تم ابھی اس کے بارے میں قیل کر رہے ہو، یہ فینٹک کتنا عرصہ راقی ہیں، اس کے بعد ہی کوئی حل نکالا جاسکتا ہے، کیونکہ جو کچھ تم نے بتایا، یہ عوالم محبت کے بھی ہو سکتے ہیں اور اٹریکشن کے بھی، محبت کر بیٹھے ہو تو کوئی برائی نہیں ہے، مگر صرف اٹریکٹ ہونے ہو تو تمہیں اپنے قدم پیچھے ہٹانا ہوں گے کیونکہ میں اس میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، ہاں تم سیریس ہوئے تو مجھ سے جیسی بھی مہلپ تمہیں درکار ہوگی وہ تمہیں ضرور ملے گی۔“ فیصل نے فیصل کن لہجے میں کہا تھا۔

”یہی تو میں سمجھ نہیں پارہا فیصل! کہ جو کچھ ہوا اس کے پیچھے کون سے جذبے چھپے تھے؟ میں نے کتنے ہی ممالک میں اسے کیا ہے، ایک سے ایک حسین لڑکی میری نگاہ سے گزری، تنہائی کے بھی بے شمار مواقع آئے، مگر کبھی نہیں نے کسی لڑکی کا ہاتھ تھاما، اور نہ ہی کسی کے آنسو پونچھ لینے کی خواہش جاگی، اور کہاں میں اتنا آگے بڑھ گیا۔“ وہ خود اپنے جذبوں پر یا اٹھا بے باکیوں پر بے یقینی کا شکار تھا۔

”میں اسے جانتا نہ ہوتا ناں کنعان! تو شاید یہی کہہ دیتا کہ اس نے تجھے اپنے ناز و انداز سے وہ سب کرنے پر مجبور کیا ہوگا، مگر اس کی زندگی، اس کے طور طریقے، اس کا دربار سب ہی کچھ میرے سامنے ہے، تو میں تو اس پر کوئی الزام رکھ ہی

نہیں سکا، قصور تو میرے ہی نکلے ہیں، ٹو نے جذبول کے حصار میں بہہ کر کیا یا انٹرکشن اتنی تھی کہ ٹو خود کو روک نہ سکا، مگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے، اب تجھے خود کو روکنا ہوگا، صرف تیری ہی نہیں اس کی نیک نامی کا بھی سوال ہے، تو تو مرد ہو کر کچھ نکلے اور وہ.... فضول میں ماری جائے گی، اور ج بات تو یہ ہے کھانا! کہ ٹو نے جو کچھ مجھے بتایا صرف تیرا دوست ہو کر دیکھوں تو میں تجھے سمجھا سکتا ہوں، روک سکتا ہوں، تجھے جیٹی فائی بھی کر سکتا ہوں، مگر اس کے حوالے سے سوچوں تو مجھے تجھ پر غصہ بھی آئے گا اور سارے قصور مجھے تیرے ہی لگیں گے کیونکہ یہ بھی چاہی ہے کہ مجھے اس سب میں اس کا رول نظر نہیں آتا۔
”ٹو مجھے بتانا میں کیا کروں، کیسے اس سے ایکسکوز کروں؟“

”رہنے دے، اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خاموشی اختیار کر اور اپنے اوپر گہری نظر رکھ، تب ہی فیصلہ ہوگا کہ ٹو کیا چاہتا ہے؟ اگر میں تجھ سے اور تیرے کردار سے واقف نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور غلط ٹھہراتا، مگر ایسا میں چاہ کر بھی نہیں کر پار ہا، اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ ٹو اپنی فیلنگ کو سمجھنے کی کوشش کر، ٹو ابھی سمجھ نہیں پار ہا، مگر حقیقت یہی ہے کہ تجھے اس سے محبت ہوگئی ہے۔“

”اگر بات یہی ہوئی تو؟“ سوالیہ لگا ہوں اسے دیکھنے لگا۔

”ابھی سے کچھ مت کہہ، اور نہ ہی مجھے زیادہ خیال آرائی کرنے دے، خود کو وقت دے، ہر چیز وقت کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے، مگر یہ انٹرکشن ہوئی تو میرا اور تیرا کچھ نہیں جائے گا، اس مصمم کی زندگی خراب ہو جائے گی، اس لیے زیادہ مت سوچ، ریلیکس ہو جا، جو ہونا تھا ہو گیا، آگے بس کوشش کرنا کہ ایسی غلطی نہ ہو اور مجھے یقین ہے کہ ٹو اب اپنی غلطی دہرائے گا نہیں۔“ فیصل نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے لب بچھ کر کاندھے پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ یہ یقین دلانے کے لیے رکھ دیا تھا کہ وہ اس کا یقین ٹوٹے نہیں دے گا۔

☆.....☆.....☆

”آپ نے مجھے کیوں روکنا فیصل! میں اس شخص کی جان!۔“

”انسٹاپ زرین! کیا ہو گیا ہے تمہیں، یہ وقت اور جگہ ان باتوں کے لیے غیر مناسب ہے، کول ڈاؤن، تمہارے جا کر کچھ کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔“ وہ دونوں ٹھٹھٹے ہوئے ان سب سے الگ ہو گئے تھے، چلتے چلتے تھک گئے تو وہ دونوں پتھروں پر ٹپک گئے، اپنی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں دھیمے دھیمے انداز میں کسی کے باتیں کرنے کی آواز آنے لگی تھی اور جب فیصل نے کہا تھا کہ یہ فیصل کی آواز ہے اور وہ دونوں وہاں سے اٹھے تھے، کچھ آگے بڑھے تھے کہ کھانا بولنا شروع ہو چکا تھا اور اس کی آواز اور باتیں سن کر وہ فیصل کا ہاتھ تمام گئی تھی اور اشارے سے چپ رہنے کو کہا تھا، اور جیسے جیسے وہ کھانا کی باتیں سن رہے تھے، فیصل متحیر جبکہ اس کو غصہ آنے لگا تھا اور وہ نہایت غصے میں پھری اس کی جانب بڑھ رہی تھی کہ وہ اس کو روک گیا تھا، اور اسے بازو سے تھامے اس جگہ سے لے آیا تھا اور اب وہ اس سے الجھ رہی تھی۔

”کیسے کچھ نہیں ہوگا، میں اسے آئینہ دکھاؤں گی۔“

”ہوگا کیا اس سے؟ جو کچھ ہو چکا ہے وہ پلٹا نہیں جاسکتا۔“

”یہ کیا بات ہوئی فیصل! ہمیں اس سے جواب طلبی تو کرنی ہی چاہیے، اور یہ فیصل، یہ کتنے آرام سے وہ سب سن رہے تھے، اس نے جو کواں کی وہ میری بہن کے لیے کی ناں اس لیے، وہاں عرش بھی تو موجود تھی، اگر یہ سب اس نے عرش

کے ساتھ کیا ہوتا تب بھی وہ اسے ہی مطمئن ہوتے اور آپ بھی؟“

”فاراگا ڈسک، زرین! اس سب میں عرش کو کیوں بیچ میں لارہی ہو؟“

”اس لیے تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ جس شخص پر آپ کو اور آپ کے بھائی کو بہت یقین ہے وہ اس کے لائق نہیں ہے، اپنی فیلنگ میں ہر ایرے غیرے کو نہیں بلا لیتے۔“ اس کا پارہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، مگر وہاں حنین اور شازمین کو آتے دیکھ وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

”زرین آئی! ہم کب سے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں، کیا یہاں سے جانے کا ارادہ نہیں ہے؟“ وہ سامنے آتے ہوئے بولی تھی۔

”ہم لوگ بس آ رہے تھے۔“ زرین کے بجائے فیصل نے کہا اور وہ ان کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئے، اب ان لوگوں کا ارادہ میکنڈ وٹلڈ جانے کا تھا، مگر زرین بری طرح ڈسٹرب ہو چکی تھی، وہ نہ ان لوگوں کے مذاق کا حصہ بنی تھی اور کھانا بھی برائے نام ہی کھایا تھا، اسے تو کھانا سے زیادہ فیصل پر غصہ آ رہا تھا اور فیصل پر بھی، اس لیے اس نے فیصل سے گھر آ کر بھی کوئی بات نہیں کی تھی، اور اس نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

☆.....☆.....☆

”فیصل! آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے، میں شرمندہ ہوں آپ سے؟“ وہ تین دن سے میرا سے بات نہیں کر رہا تھا، وہ اپنے ڈیڈی کے ہاں چلی گئی تھی، وہاں 2 دن رہی، اس نے ایک دفعہ بھی اسے فون تک نہیں کیا اور اسے لینے بھی نہیں گیا، اس کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لیے میوش اسے ڈاکٹر کو کھاکر گھر لے آئی تھیں جبکہ اس کی ناراضی ہنوز برقرار ہے۔
”تمہاری طبیعت کیسی ہے؟“ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور بخار کی شدت سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر وہ کچھ نرم لہجے میں پوچھنے لگا۔

”میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں فیصل! آپ کی ناراضی کے خیال سے میں سو تک نہیں سکی، آئی ایم سوری! وہ بند یاد کچھ کر میں نے بہت بُرائی ایکٹ کیا تھا، آپ کو جانے کیا کچھ کہا، میں ویسا آپ کے بارے میں بالکل نہیں سوچتی، وہ تو بس میں اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی، اس لیے وہ سب کہا، بٹ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔“ وہ ہیڈ پر اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی رو تے ہوئے ہاتھ تمام گئی تھی۔

”تم نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے میرا! اتنی سی بات کو تم نے اتنا بڑھا دیا اور جب میں تم سے کہہ رہا تھا کہ جو بات کرنی ہے کرے میں وہ کر دوں تو تم کمرے سے کیوں نکلیں؟“ اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

”آئینہ ایسا نہیں کروں گی فیصل! بٹ میں کیا کرتی، مجھے ایسی چیوشن کو پنڈل کرنا نہیں آتا، میرا نقصان معمولی ہو یا بہت بڑا، میں تو دوڑ کر ڈیڈی کے پاس چلی جاتی تھی اور وہ ہر طرح کی چیوشن پنڈل کر لیتے تھے، اس وقت بھی مجھے پہلا خیال ڈیڈی کا آیا تھا، میں سب ڈیڈی کو بتا کر آپ کو ڈیڈی گریڈ کرنا نہیں چاہتی تھی، مجھے تو یہی لگا کہ میں ان کو بتاؤں گی تو وہ ہمیشہ کی طرح چیوشن پنڈل کر لیں گے اور آپ نے بھی تو مجھے کچھ ٹھیک سے نہیں بتایا تھا، اگر آپ مجھے تسلی بخش جواب دے دیتے تو مجھے ڈیڈی کا خیال نہیں آتا۔“ وہ اپنی مجبوری کے یا کمزوری، اسے بتا رہی تھی۔

”دیکھو میرا! تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو، اور چیوشن کو خود پنڈل کرنا سیکھو، اور مجھے تم پر غصہ صرف اس لیے آیا کہ جب

میں نے کہا کہ وہ بند یا حسین کی ہے اور مجھے ملی تھی، مگر دیکھا مجھے یاد نہیں رہا تو تمہیں میری بات پر یقین کرنا چاہیے تھا، مگر تم نے میری بات جھٹلائی اور مجھے لگا کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔

”میں آپ پر شک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”پھر وہ سب کیا تھا میرا! اگر تم شک نہیں کر رہی تھیں تو تمہیں اگنور کر دینا چاہیے تھا، مگر تم نے بات بمالائی تک پہنچا دی۔“ وہ اپنے جیسے ہیٹے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے پرہیزی سے بولا تھا۔

”آئی ایم سوری!“ اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ ہم زدہ لہجے میں بولی تھی۔

”تمہیں ابھی بہت تیز بخار ہے، ٹیبلٹس لے لی ہیں؟“ وہ دگر بندی سے بولا تھا۔

”وہ سب چھوڑیں اور پہلے یہ بتائیں آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں؟“ اس کی ایک ہی رٹ تھی اور اس نے بایاں ہاتھ اس کے گال پر رکھا تھا جبکہ دایاں اس کے ہاتھ میں تھا۔

”میں تم سے ناراض نہیں تھا، مجھے تم نے ہرٹ کیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ اس بات کا تمہیں احساس ہو، تاکہ تم جذبات میں آئندہ ایسا کچھ نہ کرو، ہم میاں بیوی ہیں میرا! اور ہماری آپسی محبت اور خفگیوں ہمارے تک ہی محدود رہنی چاہئیں، کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری اور میری بیوی کی ذات وجہ موضوع بنے، میں ایک دم پر فیکٹ نہیں ہوں، مجھ میں بہت سی خامیاں ہیں، جو صرف مجھ کو پتہ ہیں یا اب تم ان کی واقف کار ہو، اور میں چاہتا ہوں کہ میری کوئی خامی تمہیں ابریشیت کرے تو تم مجھ سے شیر کرو، نہ کہ تم اس کا زمانے بھر میں اشتہار لگا دو، کیونکہ ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہی ہوتی ہیں، مگر اس کی ہر خوبی و خوی زمانے کے علم میں نہیں ہوتی، کچھ باتیں انسان کی ذات تک محدود رہتی ہیں، اور وہی بھی چاہئیں کیونکہ جب انسان نکلی کتاب بن جاتے ہیں تو ان کی ذات اشتہار بن جاتی ہے، اور جس کو پڑھنا اور اپنا نمٹنسا دینا لوگ اپنا فرض عین سمجھتے ہیں اور کوئی میری اور میری بیوی کی ذات میں ایک حد تک دلچسپی لے تو ٹھیک ہے، مگر حد سے تجاوز کرے تو مجھے یہ بات برداشت نہیں ہو سکتی، تم اور میں اب ایک ہیں، میری تعریف تمہاری تعریف، اور تمہاری برائی یعنی میری برائی، اور کوئی تمہیں کچھ کہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ کوئی مجھے کچھ کہہ رہا ہے اور ہم دونوں کو یہی اس سے بچنا ہے، اب ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا راز بھی ہیں اور پردہ بھی۔ راز کو راز کس طرح رکھنا اور پردہ کس وقت سب کے سامنے کھولنا ہے، یہ ہم پر منحصر ہے، ہم کیوں لوگوں کو موقع دیں کہ وہ جب چاہیں ہماری ذات سے پردہ اٹھالیں اور جھانک کر ہم کو دیکھ لیں؟ اب اٹھو، جا کر منہ دھو کر آؤ، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلا ہوں۔“ اس نے اس کا گال تپتہ پتہ لیا تھا اور وہ اٹھ گئی تھی، جبکہ فیصل نے کتاب دوبارہ اٹھائی تھی تاکہ اس کے تیار ہونے تک وہ باقی صفحات پڑھ لے۔

☆.....☆.....☆

”تایا ابو! اب آپ مجھے گاڑی لے کر دیں گے، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں نے انٹر میں پوزیشن لی تو آپ مجھے گاڑی دلا دیں گے اور میں نے تو پورے بورڈ میں فرسٹ پوزیشن لی ہے۔“ حسین نے ان کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے فخریہ اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔

”تمہیں ڈرائیونگ کب آتی ہے؟“

”تائی جان! اس کے لیے میں ٹریننگ سینٹر جوائن کر لوں گی، آپ بتائیے تایا ابو! مجھے کار کب دلائیں گے؟“ وہ ان کو

جواب دے کر واپس نوید عالم کی جانب گھوم گئی تھی۔

”جب تم کہو۔“ انہوں نے اس کی اتنی بڑی خوشی کو خراب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”تایا ابو! ابھی شور دم طپس؟“ وہ جوش سے بولی تھی۔

”اوہوں۔۔۔ میں نہیں جاسکوں گا، ہم اجد کے ساتھ چلی جانا۔“ انہوں نے نہ جانے کی معذرت کر لی۔

”تایا ابو! میں ارحم بھٹا کے ساتھ چلی جاؤں؟“ اس نے پوچھا تھا اور ان کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، انہوں نے حامی بھر لی اور وہ ارحم کو فون کرنے دوڑی اور یہ اس کی خوش نصیبی ہی تھی کہ ارحم گھر پر ہی تھا اور بالکل فارغ بھی۔ اس لیے وہ فوراً ہی راضی ہو گیا اور کچھ ہی دیر میں ارحم نے اسے پک بھی کر لیا۔

”یو آر وری گلی حسین! انٹر میں، میں نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی، بٹ مجھے اتنا بڑا گفٹ کسی نے نہیں دیا، پاپا نے بھی نہیں۔“ وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا۔

”آپ نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی ارحم بھٹا! اور میں نے فرسٹ پوزیشن لی ہے۔“ اس نے فخر سے بتایا تو وہ مسکرا دیا۔

”اچھا تو فرسٹ پوزیشن ہولڈر مس حسین عالم! مجھ سے کیا گفٹ لیں گی؟“

”جو آپ دے دیں، گفٹ تو اپنی مرضی اور خوشی سے دیا جاتا ہے، تایا ابو نے بھی گاڑی دینے کا مجھے خود سے وعدہ کیا تھا۔“ وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھی۔

”تو تم نے صرف گاڑی لینے کی وجہ سے دن رات محنت کی تھی؟“

”جی نہیں، میں نے میٹرک میں بھی فرسٹ پوزیشن لی تھی، بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ تایا ابو کے وعدے نے میرا مورال ہائی کر دیا تھا۔“ وہ بہت خوش تھی اور اس کی خوش انداز و چہرے سے عیاں تھی، ارحم نے اسے کافی دن بعد اپنے اصلی روپ میں دیکھا تھا، وگرنہ وہ پورے 15 دن ان کے ہاں رہی تھی، مگر پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ حسین ان کے ہاں آئی ہوئی ہے، اس کا جوش اور بلی مادی تھی۔

”تمہارے پاس سیل فون نہیں ہے، اور اب تم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوگی تو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس لیے میں تمہیں سیل فون گفٹ کر دیتا ہوں۔“ وہ بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بولا تھا۔

”کیا...؟“ ارحم بھٹا! اس کے جوش سے پوچھنے پر اس نے ٹھٹھ سے جواب دیا تھا۔

”سیل فون میں اپنی پسند سے لوں گی۔“

”اوکے، جو چاہو لے لینا، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تم کہنی اور ماڈل جو چاہو لے سکتی ہو، فی الحال تو یہ بتا دو گاڑی کون سی لینی ہے؟“

”کرولا لینی ہے، ماڈل واڈل کا مجھے پتہ نہیں، اسی طرح سیل فون مجھے آپ فلیپ والا دلا دیجئے گا، ماڈل آپ خود دیکھ لیجئے گا۔“ اس نے اپنی پسند بتائی بھی تھی اور نہیں بھی، اور ساری ذمے داری اس پر ڈال دی تھی، جسے اس نے بڑی ہی خوش اسلوبی سے نبھایا تھا، اور اسی نے قابل اعتماد ڈرائیونگ انسٹیٹیوٹ میں اس کا ایڈمیشن کر دیا، وہ اس سب سے بے حد خوش تھی۔

”ابو! پلیز سمجھنے کی کوشش تو کریں۔“

”کیا سمجھنے کی کوشش کروں! اجد! میں اپنی بہن کو کھونا نہیں چاہتا، سمجھنے کی مجھے نہیں تمہیں ضرورت ہے۔“

”آپ بچھو سے بات تو کر کے دیکھیں، میں مائدہ کو خوش نہیں رکھ پاؤں گا، میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔“

”شرم آئی چاہیے، باپ کے سامنے ایسی باتیں کرتے“ نوید عالم کے لہجے میں سختی تھی۔

”ابو! میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا۔“ وہ بے بسی سے بولا تھا۔

”تمہاری شادی مائدہ سے ہی ہوگی اور اب میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“ انہوں نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

”ابو! میں نے آپ کے کہنے بلکہ مجبور کرنے پر مائدہ سے منگنی کی، شادی بھی کر لیتا، مگر وہ لڑکی جس سے میں نے محبت

کی وہ میری محبت میں معذور ہوگئی ہے اور میں اسے بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا، اسے میری ضرورت ہے ابو! مائدہ کو مجھ سے

اچھے اور بہترین شخص کا ساتھ مل جائے گا، مگر میری.... وہ جو پہلے غربت کی چکی میں پس رہی تھی، اب زندگی کا دائرہ اس پر

مزید تنگ ہو گیا ہے۔ ابو! وہ ایک یتیم لڑکی ہے، اس کا جو داس کی خالہ کے لیے بوجھ بن گیا ہے اور اس کا ذمہ دار کہیں نہ

کہیں میں بھی ہوں۔“ اس کے انداز میں قدرے بے چارگی سی تھی۔

”تم کیسے ذمہ دار ہو، اسے معذور تم نے بنایا ہے؟“ وہ چیخے تھے۔

”ہاں، اسے معذور میں نے بنایا ہے، اس کا ایک ڈنٹ میری گاڑی سے ہوا، اور وہ چل نہیں سکتی، یہ معذور ہی چند

سالوں کی ہے یا عمر بھر کی، مجھے نہیں پتہ، مگر اسے اپنا نام میں اپنے انسانی فرض کے ساتھ محبت کا فرض بھی سمجھتا ہوں۔“ اجد

کے انداز میں چٹائی اور اپنی کبھی بات پر عمل کرنے کا عزم موجود تھا اور نوید عالم کے کہنے پر اس نے انہیں ایک ڈنٹ کی روداد

اپنے انداز میں کہہ سنا لی تھی، جیسے ارحم کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ یسری اس کی گاڑی کے سامنے خود آئی تھی، یہ بات وہ باپ

سے بھی چھپا گیا تھا، مگر ارحم اس بات سے اب تک ناواقف ہی تھا کہ اس لڑکی کو اجد جانتا ہے، اس لیے ہی اس نے علاج پر

بیسہ پانی کی طرح بہایا ہے، وہ شادی کی مصروفیات میں بھی پابندی سے ہاسٹل جاتا رہا تھا اور 3 دن قبل اسے ڈاکٹر نے

یہ کہہ کر ڈسچارج کیا تھا کہ اسے بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے، مکمل احتیاط اور ورزش کے ساتھ کوشش سے وہ پھر سے اپنے

بیروں پر چل سکتی تھی، مگر کب؟ یہ ابھی نہیں اس کی 2 سے 3 ماہ میں کنڈیشن دیکھنے کے بعد ہی بتانا پوسمبل تھا۔

”تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟“ استفسار کیا تھا۔

”میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اور اسی ٹینشن میں، میں گھر آیا تھا اور حنین کے بحث کرنے پر فرسٹریشن میں

اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔“ اس نے کہتے ہوئے سانس خارج کی تھی۔

”اور پھر ذہن کی شادی اتنی ارجحی فلکڈ ہوئی کہ میں نے آپ سے ذکر نہیں کیا، میں جتنا کر سکتا تھا ابو! میں نے کیا،

ہر طرح سے اس کا علاج کروایا ہے، مگر وہ جو معذور ہوئی ہے تو صرف میری وجہ سے۔“

”تم اسے بہترین سے بہترین ڈاکٹر کو دکھاؤ، پیسے کی تم فکر مت کرو، مگر یہ خیال دل سے نکال دو کہ تمہاری اس سے

شادی ہوگی، میں اسے مالی طور پر سپورٹ کروں گا، مگر جذباتی طور پر نہیں، کیونکہ اسے سپورٹ کرنے کا مطلب ہوگا، اپنی

بہن سے بگاڑ پیدا کرنا۔“

”آپ بچھو کو چوبیس بتائیں گے تو وہ ضرور میری مجبوری سمجھیں گی۔“

”فریدہ میری اگلی تو بہن ہے اجد! اور میں بیٹے کی خاطر اسے نہیں چھوڑ سکتا، تمہاری شادی مائدہ سے ہی ہوگی اور اسی

ماہ ہوگی۔“ انہوں نے گویا کوئی ہم اس کی ساعتوں پر پھوڑا تھا۔

”لیکن ابو!...“ اس نے کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر وہ اسے بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔

”لیکن وہ یکن کچھ نہیں اجد! میں نے تمہارا مائدہ سے رشتہ جوڑا ہے اور تمہاری اس سے شادی بھی ہوگی، تم اپنی خوشی اور

اس لڑکی کے مفاد کی خاطر اپنی بہن کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہو؟ کیا تم نے سوچا ہے کہ تم مائدہ سے شادی نہیں کرو گے تو ارحم،

شازمین سے شادی کر لے گا؟“ وہ بیٹے سے سوال کر رہے تھے اور اس کے جواب دینے سے قبل خود ہی بولے تھے۔

”بہن نہیں کرے گا، تمہاری وجہ سے نہ صرف رشتوں میں دراڑ آ جائے گی بلکہ میری بیٹی کا رشتہ بھی ٹوٹ جائے گا،

کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوتے کہ بیٹی کو ذلیل کرنے والوں سے ہنس کر ملیں، فریدہ اور یوسف بھی ایسا نہیں کر پائیں گے

اور اس سب کے ذمہ دار صرف تم ہو گے، اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ مائدہ سے شادی نہیں کرو گے تو میں تم سے ہر ایک تعلق

ختم کر لوں گا، تمہیں عاق کر دوں گا، اپنی زندگی اور جائیداد سے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اس لڑکی کا علاج کروانا

ہے یا نہیں؟ اگر ہاں، تو مائدہ سے شادی کر لو۔“ نوید عالم نے نیچرے پر خلاف ایک سخت فیصلہ لیا تھا۔

”ٹھیک ہے، مائدہ سے میں شادی کر لوں گا، مگر اسے خوش نہ رکھ سکوں تو مجھے الزام مت دیجئے گا۔“ وہ ایک نظر باپ

پر ڈالتا وہاں سے ہٹ گیا اور نوید عالم نے ارجنٹ کی شادی کی تاریخ رکھ لی، اسی ماہ کی گیارہ کو اجد اور مائدہ اور ارحم اور

شازمین کی شادی تھی، زرین اور میرا کی طرح ان کی بھی شادی ایک ہی حال میں ایک ہی دن ہوئی تھی، اجد نے بالکل

خاموشی اختیار کر لی تھی، مگر وہ یسری سے اب بھی کوٹیکٹ میں تھا، اس نے یسری کی دیکھ بھال کے لیے اس کے گھر میں ایک

زیر رکھ چھوڑی تھی، اس نے یسری کو لیکن اپنی شادی کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جذبات میں

آ کر دوبارہ کوئی غلط قدم اٹھائے، یسری کی خالہ کو بھی اس نے ماہانہ 5 ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے وہ یسری کو

اپنے گھر میں رکھے ہوئے تھیں، مگر نہ اس کا وجود پہلے ہی ان کی آنکھوں میں ٹھٹھکتا تھا تو اسے ڈیل چیئر پر بٹھا کر وہ ہرگز بھی

سر آنکھوں پر نہیں بٹھا سکتی تھیں، مگر وہ ایک لالچی خاتون تھیں، جب گھر بیٹھے اتنا پیسہ مل رہا تھا تو وہ خاموشی اختیار کر گئیں،

وگر نہ یسری انہیں آج بھی ناپسند ہی تھی کہ بہن کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی کی ذمہ داری ان پر پڑ گئی تھی، جسے انہوں

نے شخص بوجھ سمجھ کر گھر میں رکھ لیا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

”اوامی گاڈ! یہ کیا ہو گیا مجھ سے۔“ حنین کو گاڑی سیکھے بہت زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، مگر وہ آج کسی کو بھی بتائے

فرسٹ ٹائم اپنی گاڑی لے کر نکلی تھی اور تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سامنے سے آتے ہوئے دیکھ نہیں سکی تھی اور جیسے

ہی نظر پڑی تھی بریک لگاتے لگاتے بھی اتنی دیر ہو گئی تھی کہ وہ بچہ خوشی حالت میں بے سددھ پڑا تھا، اس نے کار سے نکلنے

ہوئے اس بچے کو ہلایا تھا، مگر خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ دس گیارہ سال کا لگنے والا بچہ بے ہوش تھا، لوگ جمع

ہونے لگے تھے اور اس کی خوف کے مارے جان نکلنے لگی تھی۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

رداؤ نمبر 187 اپریل 2013ء

رداؤ نمبر 186 اپریل 2013ء

سعدیہ عابد

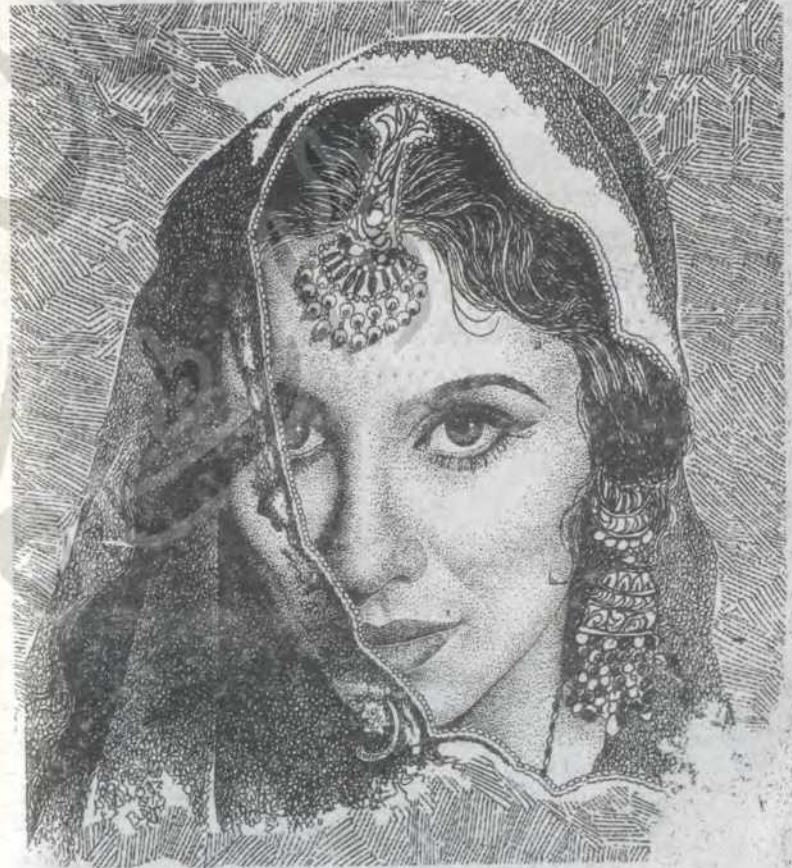
قسط نمبر 9۔

سلسلے وار ناول

بہر قیامت لگی جاناں

”یہ بچہ تو لگتا ہے مر گیا ہے۔“ کسی کے کہنے پر وہ دھک سے رہ گئی۔

”نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا ہے، پلیز اسے ہاسپٹل لے چلیں، ہو سکتا ہے یہ صرف بے ہوش ہو۔“ خوف سے آواز کاٹنے



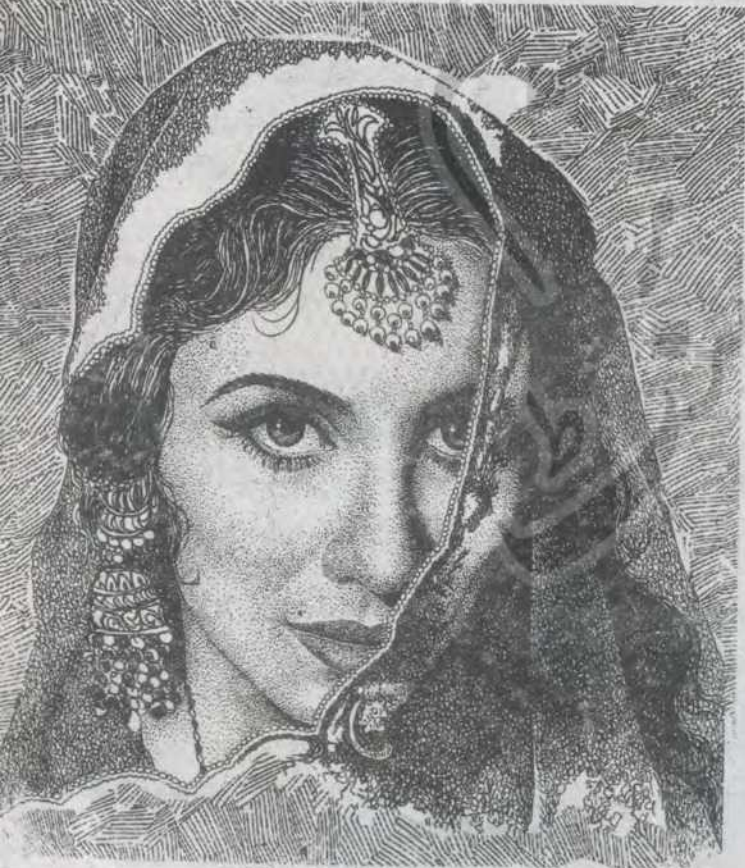
نوٹ: رڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈ اکو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

لگی تھی۔

”جان لے کر کہتی ہو کہ ہو سکتا ہے بے ہوش ہو، اندھوں کی طرح گاڑی کیوں چلا رہی تھیں؟“ ایک عمر رسیدہ شخص نے غصے سے کہا تھا۔

”پولیس کو بلا نا چاہیے ہمیں، یہ تو سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے۔“ ایک اور آواز آئی تھی اور وہ کھڑے ہوتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ مختلف آوازیں ایک ساتھ اس کو روکنے کو بڑھی تھیں۔

”روکو اس کو، یہ تو بھاگ رہی ہے۔“



”تمہیں نہیں میں تو بس گاڑی سے اپنا فون لینے جا رہی ہوں۔“

”یہ جھوٹ بول رہی ہے کسی کی جان لے کر کتنی آسانی سے یہاں سے لٹکنا چاہ رہی ہے۔“ کسی کو بھی سڑک پر پڑے بچے کی فکر نہ تھی، سب اس پر لحن طعن میں لگے ہوئے تھے اور وہ کچھ بھی کہہ رہی تھی تو وہ لوگ اس کی بات سننے بغیر کانٹے جارہے تھے، جیسی ایک جیب آر کی تھی اور ایک باوردی آفیسر کے ساتھ دو سپاہی بھی اس بھیڑ میں جگہ بناتے اس تک آ کرے۔

”یہ سب میں نے جان کر نہیں کیا سر! یہ بچہ اچانک ہی سامنے آ گیا۔“ وہ روتے ہوئے صفائی میں بولی۔

”جا کر بچے کی نبض چیک کرو، زندہ بھی ہے یا نہیں؟“ آفیسر نے حوالدار سے کہا۔

”سر! بچے کی نبض رک رک کر چل رہی ہے، ہمیں اسے ہسپتال لے کر چلنا چاہیے۔“ آفیسر نے بچے کو پولیس جیب میں ڈالنے کو کہا اور ساتھ ہی حنین کو بھی چلنے کو کہا۔

”پلیز مجھے صرف ایک کال کر لینے دیجئے۔“ لرزتے ہوئے سننائی۔

”جو کرنا ہے وہ پولیس اسٹیشن جا کر کرنا، تمہارے پاس تو مجھے لگتا ہے ڈرائیونگ لائسنس بھی نہیں ہوگا، امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولاد معلوم ہوتی ہو، مگر جیل کی ہوا کھاؤ گی تو سارا گھمنڈ نکل جائے گا۔“ ندیم ایک کرپٹ پولیس آفیسر تھا جو نہایت بخور اصفرت رکھتا تھا، وہ خوبصورت حنین کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیتے ہوئے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا اور اس کی توجیل کا نام سن کر ہی جان نکلنے لگی۔

”پلیز! آپ مجھے پولیس اسٹیشن نہ لے جائیں، وہ ارحم بھیتا، میرے ارحم بھیتا کو آپ جانتے ہوں گے، وہ ایس پی!۔۔۔!“

”زیادہ بک بک نہ کرو، اور شرافت سے چلو، ورنہ ہمیں زبردستی کرنا پڑے گی۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر درشت لہجے میں بولا اور جیسی ایک گاڑی کچھ دور جا کر ریورس ہو کر ان سے کچھ فاصلے پر آر کی اور ماہ کنعان ڈرائیونگ ڈور کھول کر بڑی پھرتی میں حنین تک پہنچا۔

”واٹ اپن حنین!“ اس کی نظریں روٹی ہوئی حنین پر جمی تھیں اور وہ اس کو کیا بتائی، اسے وہاں دیکھ کر اس کا خوف تو دوچند ہو گیا تھا، جسے محسوس کرتے ہوئے وہ پولیس آفیسر کی طرف گھوما۔

”آفیسر! کیا بات ہے؟ آپ نے انہیں کیوں روکا ہوا ہے؟“ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے پوچھا تھا، اور وہ تو فوراً ہی مودب بن گیا تھا۔

”ایکیڈنٹ... آئی مین ان کی گاڑی سے بچہ بری طرح ڈھکی ہو گیا ہے، بچے کا پچھتا مشکل!۔۔۔!“

”آپ اسے فی الحال ہسپتال لے جائیں، باقی بعد میں دیکھ لیں گے۔“ ماہ کنعان نے کاغذی ہوئی حنین کو ایک نظر دیکھ کر آفیسر سے کہا اور اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ ماہ کنعان کے فادر کا وہ منظور نظر تھا اور وہ ان کے لیے کتنے ہی غلط کام کر چکا تھا، تو یہ تو بہت ہی آسان کام تھا، وہ خاموشی سے ماہ کنعان سے ہاتھ ملاتا پولیس جیب کی طرف بڑھ گیا، بھیڑ جو پولیس کو دیکھ کر ہی چھٹ گئی تھی، اکا دکا لوگ بھی پولیس جیب کے ساتھ وہاں سے نکل گئے تھے اور سنسان سڑک پر صرف وہ دونوں ہی رہ گئے تھے۔

”حنین! آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ آواز پر اس نے نگاہ اٹھائی اور وہ تو جمیل ہی آنکھوں میں ڈوبے لگا تھا کہ وہ نگاہ جھکا گئی اور بڑی تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہی اس نے فرنٹ سیٹ پر پڑے سیل فون کو اٹھا کر احمد کا نمبر ملایا تھا، مگر نمبر آف جا رہا تھا تو اس نے ارحم کا نمبر ملایا تھا، جو بڑی تھا، وہ نوید عالم کا نمبر ڈائل کر رہی تھی کہ چارج نہ ہونے کی وجہ سے موبائل آف ہو گیا، اب گاڑی چلانے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، وہ اسٹیرنگ پر سرنگٹے بٹکنے لگی، ماہ کنعان اس کے جانے کے انتظار میں کھڑا تھا، مگر گاڑی آگے بڑھتے نہ دیکھ کر اس کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھنے لگے، شیشے سے اس نے حنین کو اسٹیرنگ پر سر رکھے دیکھ کر شیشے پر دستک دی تھی اور اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں تمہاری سیٹ پر کرسکتا ہوں۔“ وہ اداہد کھلے شیشے سے جھانکتے ہوئے بولا۔

”تمہیں مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے۔“ لہجے میں خوف کی آمیزش سی تھی اور وہ اسے دیکھنے لگا، جو آنسو صاف کرتی گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہ رہی تھی، مگر ہاتھ بیروں میں واضح کیکیپاٹ ہی اترتی اس کی اس کوشش کو نام نہانے لگی۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے جیب سے سیل فون نکالا۔

”میں ماہ کنعان بات کر رہا ہوں، فیصل سے بات کرائیے۔“

”فیصل تو شاور لے رہے ہیں، آتے ہیں تو میں آپ کی بات کراتی ہوں۔“

”بھائی! فیصل گھر میں ہیں تو میری اس سے بات کرو دیجئے، لیکن ذرا جلدی۔“ وہ بڑی غلٹ میں میرا سے بولا اور وہ کمرے سے نکل کر فیصل کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ وہ اسے سیز جیوں پر ہی مل گیا۔

”فیصل بھائی! اچھا ہوا کہ آپ مجھے یہیں مل گئے۔“

”کوئی کام تھا؟“

”حنین... وہ کنعان بھائی کا فون ہے، وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“ کہتے ہوئے سیل فون اس کی طرف بڑھا جائے وہ حیرت سے قہقہے لگاتا تھا۔

”ہیلو... کنعان! سب خیریت تو ہے، کیسے یاد کیا؟“ فیصل کے اتنا کہنے پر اس نے جلدی جلدی مختصراً اسے بات بتائی اور پچھنے کا کہا۔

”کنعان! میں بس پہنچ رہا ہوں، بت اتنی دیر تم وہیں رہنا۔“ کہتے ہوئے لائن کاٹی۔

”فیصل! سب خیریت تو ہے؟“ زور میں اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور اس نے زمین کو ساتھ چلنے کو کہہ دیا۔

”میرے ساتھ آؤ زمین!“

”بات کیا ہے آخر؟“ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”راستے میں بتاتا ہوں، تم فی الحال جلدی سے آؤ۔“ سیل فون میرا کو دیتے ہوئے اسے ابھی آنے کا کہہ کر وہ پورچ کی طرف بڑھا اور اسی کے پیچھے حیران پریشان ہی زمین تھی۔

”کہاں چلی گئی تھیں؟“ آئینے کے سامنے کھڑے برش کرتے فیصل نے اندر آتی میرا سے پوچھا اور اس نے کنعان

کے فون سے فیصل کے زمین کو لیے غلت میں نکل جانے تک کا اسے بتادیا۔

”ایسی کیا بات ہو سکتی ہے؟ ذرا فون دو مجھے، میں کنعان سے پوچھوں تو سہی۔“ پریشانی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے فون لے کر کنعان کا نمبر ملایا اور اس کے پوچھنے پر کنعان نے ساری تفصیل بتادی۔

”کنعان! جب تک بھائی بھابی وہاں پہنچے نہ جائیں، تم وہیں رہنا۔“

”اوکے جناب! اور کوئی حکم؟“ مودبانہ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھی حسنین کو دیکھا جواب تک رورہی تھی اور گاڑی اس سے اشارت ہی نہیں ہو رہی تھی، اس نے فیصل کی لائن ڈسکلینک کی اور اس سے بولا۔

”یو ڈونٹ وری، میں نے فیصل کو فون کر دیا ہے وہ اور بھابی آرہے ہیں۔“ وہ قدرے جھک کر بولا تھا، اور اس کی سہلی پلکیں ابھی تھیں اور سوالیہ انداز میں نگاہیں اس پر رک گئی تھیں۔

”آئی مین آپ کی زمین آئی...!“ اس نے بھابی کی وضاحت کی تھی اور اس کی آنکھوں اور چہرے پر اطمینان چھلک آیا تھا، جسے وہ محض دیکھ کر ہی رہ گیا، کچھ ہی دیر میں وہ لوگ آگئے تھے، زمین بڑی تیزی سے فرسٹ ڈور کھول کر حسنین کی گاڑی کی جانب بڑھی تھی، فیصل اسے راستے میں تفصیل بتاتا چلا تھا، حسنین کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی تھی، وہ ڈرائیونگ ڈور کھول کر گاڑی سے باہر آئی تھی اور زمین کے سینے سے لگی بلک اٹھی تھی۔

”حسنین! چپ کر جاؤ، ہم گھر چل رہے ہیں۔“ آنسوؤں کی وجہ سے چپک جانے والے چند بال اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

”زمین آئی! میں بہت ڈر گئی تھی، وہ بچہ میری گاڑی کے سامنے خود ہی آ گیا تھا، اور وہ انسپکو اور سب نے مجھ سے بہت تیز و گندے لہجے میں بات کی تھی، وہ مجھے پولیس اسٹیشن لے جا رہے تھے۔“ وہ ایک ہی سانس میں زمین کو سب کچھ بتادیا چاہتی تھی۔

”اب بس چپ کر جاؤ، ہم گھر چل کر بات کریں گے۔“ اسے ٹوک کر ہوا سے اڑنے والی اس کی دراز زلفیں کچھ میں صبح سے جکڑی تھیں۔ کنعان جو فیصل سے ہاتھ ملارہا تھا اس کی تمام توجہ وہیں رہی تھی، مگر وہ جان کر انجان بن گیا، وگرنہ اس کی اڑتی زلفیں کیسے کیسے طوفان اس کے دل میں مچا رہی تھیں یہ بس وہی جانتا تھا۔

”تھینکس مسٹر کنعان! کہ آپ نے میری حسنین کی اتنی مدد کی۔“

”اٹس اوکے بھابی!“ وہ مختصر آہ بولا اور وہ اسے لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی تھیں کہ فیصل کے کچھ کہنے پر رک گئی۔

”حسنین! کی گاڑی کو کیا ایسے ہی چھوڑ جائیں؟“

”ہاں، اور کوئی آپشن بھی تو نہیں ہے۔“

”آپ آرام سے بے فکر ہو کر جائیں، میرا ڈرائیور گاڑی آپ تک پہنچا دے گا۔“ ماہ کنعان کے مداخلت کرنے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے اور فیصل اس سے مصافحہ کرتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

”آپ پریشان نہ ہوں، میں تمام صورت حال معلوم کر کے آپ کو افکارم کر دوں گا۔“ فیصل نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے زخمی ہوجانے والے بچے کی خیریت دریافت کی تھی، جب اس نے فیصل کو تسلی دی تھی۔

☆.....☆.....☆

”پلیز چچی! وہ پہلی ہی خوفزدہ ہے۔“

”زمین! میں تو اس بچے کے بارے میں سوچ رہی ہوں، وہ نہ جانے کیا سا ہوگا۔“ ان لوگوں کو کچھ ہی دیر بعد حسنین کی غیر موجودگی کا پتہ چل گیا تھا، اس کے سیل پر کال منیٹ کیا تھا، مگر اس نے کال ریسپونڈ نہیں کی تھی کیونکہ موبائل تو گاڑی میں تھا اور وہ سڑک پر لوگوں کے جھوم میں چھٹی کھڑی تھی، زمین اور فیصل کے ساتھ اسے دیکھ کر وہ حیران پریشان رہ گئے تھے، جب زمین نے شازمین کو اسے کرے میں لے جانے کو کہتے ہوئے ان لوگوں کو ساری تفصیل بتادی تھی۔

”آئی! پریشان نہ ہوں، وہ بچہ بالکل ٹھیک ہے۔“ فیصل بولا تھا۔

”اور جو ہونے والی بات تھی وہ ہو گئی ہے، اس لیے بات کو طول دینے سے کیا حاصل ہوگا؟“ زمین نے کہا تھا۔

”مجھے تو اس لڑکی نے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔“

”چچی! اب حسنین بڑی ہو رہی ہے، وہ دوسری لڑکیوں کی طرح اپنی مرضی سے کچھ کرنا چاہتی ہے تو پلیز اسے کرنے دیجئے۔“

”لیکن زمین! وہ اس طرح گاڑی لے کر نکل گئی، فیصل کا دوست وہاں نہ پہنچتا تو اسے پولیس اسٹیشن...!“

”جو ہوا نہیں، وہ سوچئے بھی مت، اور حسنین نے اس طرح کیوں کیا یہی سوچا ہوگا اس نے کہ آپ لوگ اسے کبھی گاڑی لے کر نکلنے کی اجازت نہیں دیں گے۔“

”تو ٹھیک ہے ناں، ہم اسے کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ نہ اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے اور نہ ہی اسے ابھی گاڑی چلانی آئی ہے، نوید نے اسے گاڑی اس لیے دلائی کہ اس کی خوشی ماند نہ پڑے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح بغیر بتائے گاڑی لے کر گھر سے نکل جائے۔“ راشدہ کو بھی اس کا یہ اقدام پسند نہیں آیا تھا۔

”امی! میں اسے سمجھاؤں گی، مگر آپ لوگ بھی اسے سمجھنے کی کوشش کریں، اسے اپنے فیصلوں کے مکمل نہیں تھوڑے تو اختیار سونپ دیں، وگرنہ اسی طرح کی پچویشن رہی تو یہ معمولی معمولی سے اختلافات کہیں بغاوت کا روپ نہ دھار لیں کیونکہ حسنین کی طبیعت میں جہاں بچپنا ابھی تک ہے وہیں ضد اور ہٹ دھرمی بچپن ہی سے موجود ہے۔“

”اس کی یہی نرم گرم فطرت تو میں ماں ہو کر نہیں سمجھ پاتی، کبھی تو اس کی حماقتوں پر سر پکڑتی ہوں تو کبھی اس کی من مانگوں پر سر پکڑ کر روتی ہوں۔“

”چچی! حسنین کی طبیعت میں ضد ضرور ہے خود سری نہیں ہے، پیارا اور محبت سے سمجھایا جاتا ہے تو سمجھ جاتی ہے۔“

”یہ بھی تم نے خوب کہی زمین! کسی کی جان گئی اور اس کی ادا ٹھہری۔ میں ماں ہوں، جیسے مجھے میری بیٹی کی تکلیف لگاتی ہے مجھے احساس ہے کہ وہ ماں جس کے بچے کو حسنین نے زخمی کیا ہے وہ کس قدر اپنے بچے کے لیے پریشان ہوگی۔“

ساجدہ کی پریشانی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

”ساجدہ! اب جانے بھی دو، اور جا کر شکرانے کے نفل پڑھ لو۔“

”شکرانے کی نماز ادا کرنا تو میں بھی چاہتی ہوں کہ اللہ نے میری اولاد کو بہ حفاظت مجھ تک پہنچا دیا، مگر اس ماں کی تکلیف کا احساس مجھے روک رہا ہے، جسے میری بیٹی تکلیف دے کر آئی ہے۔“

”تم شکرانے کی نماز کے ساتھ ہی نماز حاجت ادا کر کے اس بچے کی صحت یابی کی دعا مانگ لیتا، اٹھو شاباش! پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا۔“ وہ بہن کے کہنے پر آنسو دوپٹے میں جذب کرتیں اٹھ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”مئی! آئی ایم سوری، بیٹ میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔“

”تم نے نہ صرف ہم سب گھر والوں کو پریشان کیا بلکہ تم نے کسی اور کو بھی تکلیف پہنچائی ہے۔“

”مئی! میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے سوچا تھا آپ سے پوچھوں گی تو آپ منع کر دیں گی، اس لیے میں اس وقت گاڑی لے کر نکلی جب آپ سب سو رہے تھے، لیکن مئی! اس ایکسڈنٹ میں میری غلطی نہیں تھی، وہ بچہ بہت اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گیا تھا، میں نے بیک لگانے کی پوری کوشش کی تھی، مگر بچے کو اپنی گاڑی کے سامنے دیکھتے ہی میں خوفزدہ ہو گئی تھی اسی لیے وہ سب ہوا۔“ وہ ماں کے سامنے شرمندہ سی بیٹھی تھی۔

”مگر آپ پریشان نہ ہوں زمرین آپنی بتا رہی تھیں کہ وہ بچہ بالکل ٹھیک ہے، ورنہ اس کا سوچ کر تو مجھے رات بھر نیند ہی نہیں آتی تھی۔“

”اچھا اب اس قصے کو جانے دو، لیکن آئندہ ایسی کوئی حرکت کی ناں تو میں تمہاری بہت پناہی کروں گی۔“ انہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی کے ایک چپٹ لگتی تھی اور وہ ان کے کاندھے پر جھول گئی تھی۔

”پراس مئی! اب بالکل آپ کو ٹھیک نہیں کروں گی۔“

”ہمیشہ یہی کہتی ہو، مگر عمل نہیں کرتیں۔“ وہ اپنی اکلوتی بیٹی سے زیادہ دیرنا راض رہ ہی کب سکتی تھیں۔

”چچی اب کروں گی، پکا پراس!“ اس نے ہنستے ہوئے ماں کے گال پر بوسہ لگایا تھا اور وہ بھی ہنس دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”اجد! میں بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہوں، پلیز مجھے آکر بچالیں۔“ اجد کی مینگ چل رہی تھی، جس سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنا سیل فون اٹھا لیا تھا اور سیرئی کی 20 سے 25 سڈ کا لڑو کچھ کر اس نے منتظر ہوتے ہوئے اسے کال بیک کی تھی اور اس کا بھاری غمزدہ لہجہ اس کی فکر بڑھا گیا تھا۔

”سیرئی! رونے کے بجائے مجھے صاف صاف بات بتاؤ۔“

”میرا آج شام نکاح ہے اجد!“ اس کا انکشاف اجد کی سماعتوں پر گویا کوئی دھماکہ کر گیا اور کچھ پہل تو وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکا، پھر خود کو سنبھال کر ایسی بات بولا کہ سیرئی اپنی راہ بدل لے، مگر سیرئی بھی اپنے عزائم کی کچی اور محبت کی چچی تھی کہ محبت پر جان وارنے پر ہر لحظہ تیار تھی۔

”تمہاری شادی جہاں ہو رہی ہو، وہیں کرو۔“

”ایسی کوئی بات نہ کہیں اجد! ورنہ میں مرجاؤں گی۔“

”ہر وقت مارنے مرنے پر کیوں تل جاتی ہو، مرنا تمہارے نزدیک اتنا ہی آسان ہے؟“ وہ جو اس کے انکشاف پر دیکھی تھا یکدم غصے میں آ گیا۔

”میرے لیے زندگی آسان کب ثابت ہوئی جو موت آسانی سے مہربان ہو جاتی، مرنے چلی تھی میں آپ کی محبت

میں، مگر صرف ٹانگیں گنوائی ہیں، مگر ایسا ہر بار تو نہیں ہوگا۔“

”تم جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی۔“

”میں آپ کو پانے کے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں، کسی کی جان لینا بڑے ناں تو وہ بھی کر سکتی ہوں، مگر میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی، آپ چاہیں تو میری شادی روک سکتے ہیں، چاہیں تو مجھے اپنا بھی سکتے ہیں، مگر آپ ایسا کچھ کرنا ہی کب چاہتے ہیں؟“

”سیرئی! تم مجھے غلط....!“

”غلط میں آپ کو نہیں سمجھ رہی، آپ نے مجھے سمجھا تھا، مجھے وقت گزاری کا ذریعہ سمجھا۔“

”سیرئی! ایسی بات نہیں ہے۔“

”یہی بات ہے، جب تک آپ کو بہتر لگا میرے ساتھ محبت کا ذرا مہر چایا اور اب دل بھر گیا ہے تو اپنے والدین کے راضی نہ ہونے اور منتقلی ہو جانے کی دہائیاں دے کر خود کو مجبور ظاہر کر رہے ہیں، مجبور آپ کب ہیں، مجبور تو میں آپ کی محبت میں اتنی ہو گئی کہ اپنے منہ سے خود کہا کہ آپ میرا رشتہ لے کر آئیں، تھ ہے مجھ پر اور میری محبت پر، جس نے مجھے اتنا بے بس و کمزور کر دیا کہ میں اپنی ذات کا غرور آپ کے قدموں میں رکھ گئی۔“

”پلیز، سیرئی! ایسی باتیں خدا کے لیے نہ کرو۔“

”آپ ہی بتائیے پھر میں کیا کروں؟“ اسی سے سوال پوچھ بیٹھی تھی۔

”تم مجھے پوری بات تو بتاؤ کہ آخر تمہاری خالہ شادی کر کس سے رہی ہیں؟ ہو سکتا ہے وہی شخص تمہارے لیے پرفیکٹ ہو، میں تو اب لو کو راضی تک نہیں کر سکا۔“ کہتے کہتے بے بسی و افسردگی اس پر طاری ہو گئی تھی۔

”اجد! وہ 60 سال کا بڑا حامیر ہے لیے پرفیکٹ لگتا ہے آپ کو؟ جس نے خالہ کو اتنا پیار دے دیا ہے کہ وہ لالچ میں آ کر میری اس سے شادی کر رہی ہیں، وہ مجھے شادی کے بعد علاج کے لیے باہر لے جائے گا، مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی، اس بڑھے سے شادی کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ میں تا عمر ایسی ہی اپنا چ رہوں، میرا آج شام اس سے نکاح ہے، مگر اس سے نکاح پڑھوانے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ میں زہر کھالوں۔“ اس کے لہجے میں قطعیّت تھی جو اجد کو ڈرا گئی کیونکہ وہ اس کا پاگل پن دیکھ چکا تھا۔

”تم کوئی ایسی دہی حرکت نہیں کرو گی سیرئی!“

”میں تنگ آ گئی ہوں اپنی زندگی سے۔“

”تمہاری زندگی صرف تمہاری نہیں ہے، مجھ سے محبت کرتی ہوتاں، تو اپنے ساتھ کچھ غلط نہیں کرو گی، میرا تم سے وعدہ ہے جو تم چاہو گی وہی ہوگا، میں تمہاری شادی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں ہونے دوں گا۔“ اجد نے دل کی سچائی سے کہا کیونکہ نوید عالم راضی ہو جاتے تو وہ کب کا اسے اپنی زندگی میں شامل کر چکا ہوتا، مگر باپ کی ضد کیسے یا حکم کے آگے وہ مجبور تھا اور اپنے دل اور سیرئی کی ضد اور خوشی کے آگے بھی وہ مجبور ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آپ کس طرح اپنی بھانجی کی شادی ایک عمر رسیدہ شخص سے کر سکتی ہیں؟“ اجد کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان کو کیسے روکے، جو اس کی کچھ سننا ہی نہیں چاہ رہی تھیں۔

”اس کے لیے پرستان سے کوئی شہزادہ نہیں آنے والا، میرشتہ ہی قیمت ہے آج کل جہاں خوبصورت و خوب سیرت اور بے عیب لڑکیوں کے رشتے نہیں ہیں تو میں کہاں اپنی لنگڑی بھانجی کے لیے رشتے ڈھونڈتی پھروں گی؟“ عارفہ کا لہجہ تند و سخت تھا۔

”وہ صحت یاب ہو جائیں گی ڈاکٹر ز پر امید ہیں، وہ پھر سے اپنے پیروں پر چلنے لگیں گی۔“ اسے ان کا یسریٰ کو منہ اٹھا کر لنگڑی کہہ دینا سخت برا لگتا تھا۔

”ہو سکتا ہے، اور میں کہاں اتنی لینڈ لارڈ ہوں کہ اس کا علاج کروا سکوں، صابر صاحب، اس کا علاج بھی کروائیں گے، وہ بہت امیر اور پیسے والے ہیں۔“ عارفہ کی جیسے رال ہی چٹکنے لگی۔

”نکاح کے فوراً بعد اس نے 5 لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔“ یہ رقم ہرگز بھی معمولی نہیں تھی، صابر ان کے شوہر کے دور پرے کے رشتے دار تھے، اور ایک دن اچانک ان کے ہاں چلے آئے تھے، صابر کی بیوی عرصہ پہلے مر گئی تھی، دونوں بیٹوں اور تینوں بیٹیوں کی وہ شادی کر چکے تھے اور فطر تارنگین مزاج تھے، ایک بیوی کو طلاق دے چکے تھے، جب یسریٰ کو دیکھا تو مانوں اس کے سادے حسن پر دل ہار بیٹھے، اکثر ان کے ہاں آنے لگے، جب آتے لے پھرتے ہی آتے،

اس لیے عارفہ کو ان کی آمد کافی بھلی لگتی تھی اور اس دوران وہ یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ یسریٰ کی اس گھر میں معمولی سی بھی اہمیت نہیں ہے، اس لیے بلا جھجک انہوں نے رشتہ ڈال دیا، مگر عارفہ کا بیٹا بھڑک اٹھا اور اس رشتے کی اس نے بے حد مخالفت کی، کیونکہ وہ یسریٰ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس کی مخالفت پر نادر بھی حمایتی بن گئے، اس لیے عارفہ نے کچھ

دنوں کے لیے خاموشی اختیار کر لی، کیونکہ وہ صابر سے اس عرصے میں کافی پیسہ وصول کر چکی تھیں، مگر جب یسریٰ کو تہہ صورت حال پتہ چلی تو اس نے اسجد سے رابطہ کیا اور اس کے بتانے پر کہ اس کی مفتی ہو چکی ہے اور وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا، وہ جو پہلے ہی حالات اور رشتوں کی ماری تھی ایک بڑھے سے کہیں بہتر اس نے خودکشی کرنے کو سمجھا اور غصے و جذبات میں آ کر اس نے انتہائی قدم اٹھالیا اور وہ بیساکھیوں کی محتاج ہو گئی، ناظر نے یہ دیکھتے ہوئے اپنے

قدم پیچھے ہٹا لیے اور جب صابر نے 5 لاکھ نقد دینے کا وعدہ کیا تو عارفہ کے ساتھ نادر اور ناظر بھی اس رشتے کے حامی ہو گئے اور یسریٰ کے لاکھ انکار کرنے کے باوجود ان لوگوں نے اس کا رشتہ صابر سے طے کر دیا اور آج اس کا نکاح تھا۔

”علاج کی آپ فکر نہ کریں، اب تک میں نے علاج کروایا ہے، آگے بھی...!“

”بہت مہربانی تمہاری، مگر اب تمہارا کام ختم ہو گیا، بہتر ہو گا تم ہمارے نجی معاملات میں دخل اندازی نہ کرو اور یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔“ عارفہ نے طوطی کی طرح آنکھیں پھیر لی تھیں، ورنہ اس کے آگے بچھ بچھ جاتی تھیں، کیونکہ وہ انہیں اچھی خاصی رقم دے رہا تھا، وہ اس بات سے انجان تھیں کہ یسریٰ اور اسجد کا کوئی فیئر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی کیا تھا اسجد نے کہا ایک سیٹ اس کی غلطی سے ہوا تھا، جس کا وہ کفارہ ادا کر رہا ہے اور بس۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کس طرح کے اس لڑکی کے اپنے ہیں، جو اسے جان کر کھائی میں دھکیل رہے ہیں۔“ اس کا ضبط جواب دینے لگا، مگر وہ ان سے کوئی بدتمیزی کر کے بات نہیں خراب کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے ان کے بدتمیزی سے اکٹڑ

لچے میں کہنے پر بھی رسائی سے بولا۔

”ہم جیسے بھی ہوں، تمہیں کاہے کو اتنا درد اٹھ رہا ہے؟ شرافت سے یہاں سے چلے جاؤ، فضول میں تماشہ بنانے کی

نبردست نہیں ہے، ہمارے مہمان آگئے ہیں، ان کے سامنے کو اس مت کرنا۔“ صابر صاحب کو وہ ہم عمر دوستوں اور قاضی کے ساتھ شہر کو اندر لاتے دیکھ کر وہ دبے دبے انداز میں غرائی تھیں۔

”مجھے آپ سے اکیلے میں کچھ بات کرنی ہے۔“ نکاح خواں کے ساتھ بیٹھے بلیک تھری بیس میں کافی زیادہ عمر کے صابر کو دیکھ کر وہ نادر کے پاس آ کر اور وہ بد نظمی پھیلنے کے ڈر سے وہاں سے اس کے ساتھ آگئے، اس نے ہر طرح سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ بیوی کی زبان بول رہا تھا۔

”ابھی آپ کیا اس کے ساتھ بیٹھے باتیں بگھارتے رہو گے، وہاں صابر صاحب اور قاضی انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ بے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھیں اور ایک زبردست گھوڑی اس پر ڈالی تھی، ہر کوشش ناکام ہوتے دیکھ کر اس نے ایک فیصلہ لیا تھا اور اس کی بات ان دونوں میاں بیوی کو ششدر کر گئی تھی۔

”ہوش میں تو ہو، کیا کہہ رہے ہو؟“

”میں نے کوئی بہت مشکل بات تو نہیں کہہ دی جو آپ کو سمجھ نہیں آرہی، اس صابر نے آپ کو جتنا پیسہ دیا ہے میں نے کویا ہوں، اس کے علاوہ بھی کوئی شرط ہے تو بتادیں، مجھے ماننے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ اسجد کا اطمینان قابل

د تھا اور وہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی شکل تک رہے تھے۔

”تمہیں آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟“ عارفہ جو پہلے ہی حیران تھیں اب ان کا ہاتھاری طرح ٹھٹھک گیا۔

”میں ہمیشہ اپنے ضمیر کا مجرم بن کر نہیں رہنا چاہتا، اس لیے مجھے اس لڑکی سے ہمدردی ہے، اور آپ لوگوں کو اعتراض

نہیں ہے تو میں ابھی نکاح کر بنے کویا ہوں۔“

”اور اگر ہم انکار کر دیں؟“ نادر نے اس کی جانب دیکھا۔

”کوئی بات نہیں، میں تو ویسے ہی اذرا ہر موت کر رہا ہوں، اگر آپ انکار کر دیں گے تو میں پھر پولیس کو بلاؤں گا۔“

”پولیس کو کیوں بلاؤ گے؟“ عارفہ چپک کر بولیں۔

”اس لیے کہ آپ لوگ ایک مجبور بے سہارا لڑکی کی شادی بغیر اس کی مرضی کے اس سے دو گنا بڑے شخص سے کر رہے

ہیں لڑکی راضی ہوتی تو اور کوئی بات تھی، مگر اب آپ لوگ اریٹ بھی ہو سکتے ہیں۔“ اسجد نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا اور انہوں کی ٹکڑی کی بندھ گئی تھی، کیونکہ ایک سیٹ کے بعد وہ لوگ جب ہاسپٹل گئے تھے، وہاں پولیس موجود تھی اور اسجد کے ساتھ اس طرح سے پیش آ رہی تھی، جس سے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ اس کی جان پہچان اوپر تک ہے، وہ لوگ تو یہی

”کہاں چلنا ہے؟“ تو قیر اس کا بچپن کا دوست تھا، جس کو اس نے ایڈریس سمجھا کر فوراً پہنچے کو کہا تھا، یسریٰ سے اس کی انچسٹ اسی کے آفس میں ہوئی تھی، کیونکہ یسریٰ اس کی بیکری تھی وہاں دیکھا اور دونوں کو محبت ہو گئی اور احمد کے کہنے پر ہی اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔

”جانا تو کھرہی چاہتا ہوں، مگر اب تو بختی سے کہہ دیا ہے کہ میں نے کبھی ایسا قدم اٹھایا تو وہ مجھے عاق کر دیں گے اور ڈھانٹا ہے ابوجتے نرم ہیں اس سے کہیں زیادہ سخت ہیں، کبھی اپنی بات سے پھر نہیں ہیں، اور نکاح کا سن کر اگر بچپونے قطع تعلقی کر لی تو ابوجتے پھر تو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ وہ ساری بات اور مسئلے جان کر بھی ان مسئلوں میں خود کو صرف یسریٰ کی خاطر الجھا بیٹھا تھا کہ پوری دنیا میں ہزاروں لڑکیوں کو دیکھ کر صرف اسی کو اپنا بنانے کا خیال دل کی سرزمین پر محبت بن کر جگمگایا تھا اور وہ اس کو آڑناشوں کی نظر نہیں کر سکتا تھا جبکہ آڑناشیں تو اب بھی تھیں، مگر وہ مطمئن تھا، یہ سوچ کر کہ اس نے محبت کو رسوا نہیں ہونے دیا، جس وقت اس کی محبت کو اس کی ضرورت تھی، اس نے قدم پیچھے نہیں بنائے تھے۔“

”دیکھ ایسی بات ہے تا تو ٹوٹی الحال بھائی کو گھر مت لے جا، اچانک جانے کا تو سب ہی کو صدمہ لگے گا، بالکل راضی نہیں ہوئے تو آؤ اپنی کوریاضی کرنے کی کوشش کرنا۔“

”وہ سب ٹھیک ہے تو قیر! مگر اس وقت یسریٰ کو کہاں لے جاؤں؟“ اس کا انداز پر سوچ تھا جبکہ وہ بیک سیٹ پر جھکائے آنسو بہا رہی تھی، وہ کب یہ سب چاہتی تھی، مگر اس نے 8 سال کی عمر سے ہی محرومیاں دیکھی تھیں، جب سے احمد اس کی زندگی میں آیا تھا، مانو زندگی میں بہار آگئی تھی اور جسے وہ خزاں میں بدلنے نہیں دینا چاہتی تھی، اور احمد کو وہ بھلائی نہیں پارہی تھی اس نے احمد کو مجبور خود غرضی میں نہیں اپنے حالات اور دل سے ہو کر کیا اور وہ اس کے ساتھ غیر تھی اس لیے ہر طرح کی اچھی و بری چیزیں سن سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار تھی، ان دونوں کی باتیں سن کر کبھی کہنا چاہتی تھی مگر اس نے سوچا کہ احمد خود فیصلہ کرے تاکہ وہ اس میں اس کا ساتھ دے سکے، اس لیے بڑی خاموشی سے بیٹھی تیر بہاری تھی، کیونکہ یہی ایک کام وہ بچپن سے بہت اچھے طریقے سے کرتی آئی تھی۔

”رہائش کا مسئلہ ہے تو قیر! پارٹنٹ ہے، تم بھائی کو وہاں دکھ سکتے ہو۔“ تو قیر نے دوستانہ انداز میں آفر کی تھی۔

”رہائش کا مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہے تو قیر! رہنے کے لیے جگہ تو کرائے پر بھی لی جاسکتی ہے، مگر میں یسریٰ کو اس لیے چھوڑ سکتا ہوں؟“ اس نے اصل مسئلہ دوست کو بتایا۔

”اس کی ٹو فکر نہ کر، بواجی ہیں ناں۔“

”میں سمجھا نہیں تو قیر!“ اس نے ڈرائیو کرتے تو قیر کو دیکھا۔

”سب سمجھ آ جائے گا، ٹوٹی الحال بھائی کو لے کر میرے پارٹنٹ پر چلا جا، میں کچھ دیر میں بواجی کو لے کر آ جا ہوں۔“ تو قیر نے پوری بات بناتے اسے اپنے پارٹنٹ کے سامنے اتار کر چابی دی اور خود وہیں سے پلٹ گیا اور یسریٰ کو لیے پارٹنٹ کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

”زبردست، آج کیسے دوست کی یاد آگئی؟“ وہ جو سو رہا تھا اٹھتے ہوئے بولا۔

”مجھے تو آگئی ہی، تجھے تو سن تو نہیں ہو جاتی ہے، اور یہ بے ناظم کا سونا کیوں منایا جا رہا تھا؟“ سندھ کے کونسلر

نے سیر کو اس کے ڈیڑی کی طرف چھوڑا اور خود کھان کی طرف نکل آیا اور شام کے ساڑھے 6 بجے اسے سوتے دیکھ کر کچھ حیرت سی ہوئی۔

”کچھ کرتے کو نہیں تھا، مگر میں بھی کوئی نہیں ہے، ٹی وی دیکھتے دیکھتے آنکھ لگ گئی، ٹو سنا بھائی کیسی ہیں؟ ساتھ لے آؤ۔“

”بالکل آئی آ جا میں تب لے آؤں گا، ویسے بھی ماموں جان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، اس لیے میزرا اکثر وہیں ہوتی ہے، کتنی ہی دعوتیں ہم نے اسی وجہ سے کینسل کر دیں کہ سیرا سیکے میں ہوتی ہے، بس دعا کرو ماموں جان ٹھیک ہو جائیں۔“

”بالکل کو بیماری کیا ہے؟“

”بلڈ پریشر۔۔۔ وہ بھی آخری اسٹیج پر ہے، ڈاکٹر نے تو جواب دے دیا ہے، مگر کہتے ہیں ناں جب تک سانس ہے تب تک آس ہے، بس اب تو آس ہی رہ گئی ہے۔“ وہ دل گرفتہ ہو گیا اور اسے اس کیفیت سے نکالنے کو وہ بولا۔

”یار ڈاکٹر نے اب تک بتایا نہیں کہ تیری شادی ہو کیسے گئی؟“

”کیا مطلب کہ میری شادی کیسے ہو گئی؟“ اس نے ابرو چڑھائے تھے۔

”آئی مین سیرا بے کیسے ہو گئی، جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تمہاری وہی کزن ہے جس کی حرکتوں سے تم نااں رہتے تھے۔“ مضاحمت کرتے ہوئے بات بڑھا رہی تھی۔

”تمہاری یادداشت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے اور سچائی بھی یہی ہے کہ مجھے سیرا کی بچکانہ حرکتیں سخت ابری ٹیٹ کرتی تھیں اور اسے لے کر میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا، مگر ماما جان کی وفات کے بعد ماموں جان میرا کے رشتے کو لے کر پھر پریشان تھے، کیونکہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور وہ اپنی زندگی میں ہی اکلوتی بیٹی کی شادی کر دینا چاہتے تھے، جبکہ اس وقت ہمیں میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی، مگر ماموں جان کی فکر کو دیکھتے ہوئے ماما نے سیرا کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ لیا، لیکن نے سیرا سے شادی نہ کرنے کی ماسے بات کی تھی، لیکن جب فیصل بھائی نے کہا کہ وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں اور اسی سے شادی کریں گے تو میں نے ماما اور ماموں جان کی خوشی کے لیے ہاں کر دی، اور ٹو تو ویسے بھی جانتا ہے کہ ان کی زندگی میں کوئی لڑکی دور دور تک نہیں ہے، اس لیے میں نے سیرا سے شادی کی حامی بھری کیونکہ وہ ان سے بچھوڑ گئی، اس کو تو اسے ایسے نہیں رہتا تھا، اس میں ابھی بھی بچپنا ہے، دماغ سے کم جذباتی ہو کر دل سے زیادہ سوچتی ہے، مگر اپنی خوشیوں اور خاموشیوں کے ساتھ وہ جیسی بھی ہے میری بیوی ہے، میں اپنے فیصلے اور اقدام سے خوش ہوں۔“

”صرف خوش ہے یا تجھے بھائی سے محبت ہو گئی ہے؟“ اس کے سچائی سے کہنے پر کھان شریروا تھا۔

”اس لیے یار وہ بیوی ہے میری، مجھے اس سے محبت بھی ہے۔“

”بیوی سے ضروری نہیں ہے کہ محبت بھی ہو، لوگ ایسے ہی تو نہیں کہتے کہ میاں بیوی کا رشتہ محض ضرورت کا ہوتا ہے۔“

”لوگ کہتے ہیں تو ضرور اس میں سچائی ہوگی، لیکن میں اس سچائی کا حصہ نہیں ہوں، لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں، اگرچہ اب تک میری کزن تھی اس کے لیے میں نے اس لحاظ سے اپنے دل میں سبک دیا کہ میں سبک نہیں کیا تھا کیونکہ

میں شادی سے قبل کی محبت کا ناقابل تلافی تھا اور نہ ہی ایسی واردات مجھ پر گزری، لیکن جس دن اس کے جملہ حقوق میرے ہم ہوئے، میرے دل کی حالت بڑی ہی عجیب تھی اور جب سولہ گھنٹہ کیے میرے کمرے میں موجود اس وجود پر میری نگاہ پڑی تھی تو یقین کر نہ کر سکتا تھا کہ میرا دل اسی لمحے میرے سینے سے نکل کر اس کا ہو چلا تھا، مجھے لگا تھا کہ میں تو سیرا کو کب سے چاہ رہا تھا، مگر اندازہ اب ہوا ہے، سیرا کو میں اس لیے سوچتا ہوں کہ وہ میری بیوی ہے، اس کی پروا بھی اسی لیے کرتا ہوں کہ یہ اس کا حق ہے، مگر وہ میری ضرورت نہیں ہے، وہ میری محبت ہے، اور اس کا ثبوت اتنا ہی ہے کہ میں اس کی پروا دینا دکھاوے کے لیے نہیں اپنے دل کی خوشی کے لیے کرتا ہوں، کیونکہ میں اس کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اگر وہ کوئی ضد کرتی ہے تو میں عام شوہروں کی طرح اسے جھڑکتا نہیں ہوں، اس کی ضد پوری کرتا میرے اختیار میں ہوتا ہے تو کرتا ہوں، ورنہ اسے پیار سے سمجھا لیتا ہوں، وہ میرے کام کرتی ہے تو مجھے اچھا لگتا ہے مگر میں اسے حکم نہیں دیتا کہ وہ میرے کام کرے، میں نے اس سے کبھی اپنے جوتے صاف کر دانا تو دور اور اٹھوائے تک نہیں، شادی سے پہلے میرے موزے کون دھوتا تھا مجھے نہیں پتہ، مگر اب میں خود دھوتا ہوں، کیونکہ مجھے نہیں پسند کہ میرا میرے موزے دھوئے، میرے جوتوں کو ہاتھ لگائے، میں اس سے سرد ہوا لیتا ہوں، مگر پاؤں کبھی نہیں دبوائے۔

”یہ تیری اچھی نیچر ہے، کیا میں نے نہیں دیکھا کہ تُو انجان عورتوں کو دیکھ کر کیسے نظریں جھکا لیتا ہے، ان کا احترام کرتا ہے تو وہ تو پھر تیری بیوی ہے، جس مرد نے غیر عورتوں کو عزت دی ہو کیا وہ اپنی بیوی کو عزت نہیں دے گا؟ تُو نے جو کچھ کہا ہے تیری کیرنگ فطرت اور اعلیٰ سوچ کا سبب ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس میں محبت کا ہاتھ ہے۔“ ماہ کنعان نے دھیرے دھیرے بولے فیصل کی بات قطع کر کے اس کی نیچر کا درست تجزیہ کرتے ہوئے اپنا خیال بھی ظاہر کیا تھا۔

”تُو کہتا ہے تو شاید ایسا ہی ہو، یہ محبت نہیں اپنائیت ہو، مگر تجھے وہ دن یاد ہے جب میں تیرے آفس آیا تھا اور وہ ابی میں تیرے گھر چلا گیا تھا؟“

”ہاں، تیری چوتھی کی رسم تھی نا اس دن؟“

”رائٹ... اس دن تُو بار بار پوچھ رہا تھا کہ میں کچھ اپ سیٹ ہوں؟“

”اور تُو نے میرے لاکھ پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”اس دن میرے کپڑوں سے سیرا کو وہی بندیا ملی تھی جو میری مہندی کی شب مجھے تیری شرٹ کے بٹن کے ساتھ آئی تھی۔“

”او... تُو تو بھائی سے جھگڑا کر کے آیا تھا؟“ اس کے کہنے پر فیصل نے تفصیل بتائی تھی۔

”مجھے اس دن سیرا پر بے تحاشہ غصہ آیا تھا، مگر جس بل اس نے کہا کہ وہ میرے ساتھ نہیں رہے گی تو میرے دل کو کچھ ہوا تھا، ایسا کچھ کہ میں نے اپنی نیچر کے برخلاف اسے صفائی دینا چاہی تھی، اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ جب کمرے سے چلی گئی تو میں اس لیے اسے روکنے کو آئے نہیں بڑھا تھا کہ وہ اس بات کا ذکر سب سے کرے گی، مجھے یہ ڈر تھا کہ وہ چل نہ جائے، اور جس وقت وہ کمرے میں آئی تھی اس کے متورم چہرے کو دیکھ کر دل میں آیا تھا کہ اس کی ساری اداسی دور کردوں، مگر وہ اس طرح کاری ایک دو بارہ نہ کرے اس لیے میں گھر سے ناراضی کا اظہار کرتا نکل آیا تھا، مگر یہ خیال کہ وہ رو رہی ہوگی، مجھے لے کر پریشان ہوگی، مجھے بہت ڈر سب کر رہا تھا اور جس وقت میں تیرے ساتھ گھر پہنچا تھا وہی سنوری

میرے دل میں اتاری جا رہی تھی، مگر میں نے جان کر اسے نظر انداز کیا، وہ مجھ سے ایکسکیز کرنا چاہتی تھی، مگر اس کے رد عمل نے مجھے بے انتہا ہرٹ کیا تھا، اس لیے میں نے اس سے لاطعلی اختیار کی، مگر اس کا ردنا مجھے برداشت نہیں ہو رہا تھا، اس لیے میں نے اسے ماموں جان کے ہاں چھوڑ دیا، اسے بخار ہو گیا تھا، مگر میری اس دن بہت اپورٹنٹ میننگ تھی، اس لیے میں نے کہا ہے فون کر کے کہا کہ وہ میرا کوڈا کر کے پاس لے جا کر گھر لے آئیں، اور جب وہ گھر آئی اس نے روتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہا تو میں نے اسے اس کی غلطیوں کا احساس نہیں دلایا، کیونکہ اس کی خطا تو میں معاف کر چکا تھا، ناراضی تھی مگر صرف اس لیے کہ اس نے میرے دل کو چوٹ پہنچائی تھی اور میں چاہتا تھا کہ جس کا اسے احساس ہو۔

”چپ کر جا یا ر! مان گیا کہ تُو بھائی سے محبت کرتا ہے۔“ فیصل کا کافی نپا تلا بولنے کا عادی تھا، اور ایسا ہی کچھ ماہ کنعان کے ساتھ بھی تھا، دونوں اپنے سرکل میں خاموش طبیعت مشہور تھے، مگر دونوں جب اکیلے میں بات کرتے تو اپنی اپنی فیلنگز شہر کرنے کے لیے بے تکان بولا کرتے تھے، اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا اور ماہ کنعان شرارت سے اسے ٹوک گیا اور اس نے چپ ہوتے ہوئے تکیہ اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔

”بہت کمینہ انسان ہے تُو، مجھے تجھ سے اپنی فیلنگز شہر کرنا ہی نہیں چاہیے تھیں۔“

”اچھا میں کمینہ ہوں اور تُو خود تو بہت بڑا سا دھور ویش ہے۔“ ماہ کنعان نے تپ کر کشن اسے مارا اور وہ ہنس دیا۔

”کچھ کھانے پینے کو بی لے آ، کب سے آیا ہوا ہوں، ذرا جو تجھے میرا خیال ہو۔“ وہ آسٹن کی چپل پہنتا ہوا کھڑا ہو گیا، تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی بچکن میں آ گیا۔

”شادی کر لے اب تُو بھی، چائے تو کم از کم خود بنانا نہیں پڑے گی۔“ وہ سیب کھاتے ہوئے بولا۔

”بیویاں میکے بھی تو جاتی ہیں۔“ چائے پکوں میں نکالے ہوئے اس نے فرق سے ایک نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

”یہ تُو نے ٹھیک کہا، اور میری بیوی تو زیادہ دن میکے میں ہی رہتی ہے اور مزے کی بات یہ کہ کھانا بنانا تو دور اسے چائے بھی بنانی نہیں آتی۔“

”شباباش ہے بھی! اس کے باوجود شادی کرنے کا مشورہ دے رہا ہے؟“ ایک سے انصاف کرتے ہوئے اسے گھورا۔

”یار! صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں ناں کہ شادی تو وہ لڈو ہے جو کھائے وہ بھی پیچھتائے، اور جو نہ کھائے وہ بھی پیچھائے، اس لیے نہ کھا کر پیچھتائے سے بہتر کھا کر پیچھتائے میں ہے۔“ اس نے آنکھ ماری تھی۔

”شادی کے بعد تُو بڑا ہی کمینہ ہو گیا ہے۔“

”اتنی جلدی بیچان لینے کا بہت شکریہ۔“ گویا کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

”ابھی کہیں جانے کا ارادہ ہے؟“ اسے جانے کو پر تو لے دیکھ کر پوچھا۔

”ماموں جان کی طرف جاؤں گا، سیرا کو لینے، مگر تُو کیوں پوچھ رہا ہے؟“

”ایسے ہی پوچھ لیا تھا، میں نے سوچا تھا کہ گھر جا رہا ہے تو دوستوں کی طرف نکل جاتے ہیں، سب تجھے یاد کر رہے ہیں، شادی کے بعد تُو بڑا ہی مصروف ہو گیا ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے، باہر سے کل میری بھی ملاقات ہوئی تھی اور نعمان سے فون پر رابطہ ہے، آفس کے بعد اتنی تھکن

ہو جاتی ہے کہ کہیں جانے کو دل نہیں کرتا اور عقوں کا سلسلہ اور ماسوں کی طبیعت، بس یہی کچھ وجوہات تھیں جو میں کہیں آجائے گا۔ اور جب تیری شادی ہوگی تاتب پوچھوں گا کہ دوستوں کی مجلس کتنی جتنی ہیں۔“

”تیری طرح محض بیوی کا ہی نہیں رہ جاؤں گا، اور میرا ویسے بھی ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

”لیکن جہاں تک میرا خیال ہے تجھے شادی کر لینی چاہیے۔“

”میرا کتورہ پن تجھے زیادہ ہی نہیں کلک رہا؟“

”بات یہ نہیں ہے، ذرا ایک سٹدک فون آرہا ہے۔“ کچھ کہتے کہتے رکھا تھا اور کال ریسو کر لی تھی۔

”فیصل! آپ مجھے کب تک لینے آئیں گے؟ ڈیڈی آپ کو یاد کر رہے ہیں۔“

”ابھی تو میں کھانا کی طرف ہوں، 10 گھنٹے تک آتا ہوں۔“

”خیریت تو تھی؟“

”ہاں، کھانے پر ماسوں جان انتظار کریں گے، اس لیے میرا کتورہ ہی تھی کہ میں کھانا وہیں کھاؤں۔“ سیل آف کر کے اسے دکھا، جیسا اسے کچھ یاد آیا۔

”کھانا! تو نے بتایا نہیں کہ تجھے حسن کیسے لگتی تھی اور وہ بچا بک کیا ہے؟“

”وہ ساری تفصیل میں تجھے فون پر بتا چکا ہوں اور وہ بچا اب بالکل ٹھیک ہے، بٹ یار! تمہاری بھائی کے گھر والے اسے کیتھریس کیسے ہو سکتے ہیں؟ غیر لائنس کے گاڑی لے کر اسے نکلنے کیسے تو دیا؟ اور مجھے تو لگتا ہے کہ اسے گاڑی چلانے سے آتی نہیں تھی۔“

”ہاں ٹھیک کہاؤں، مہینہ پہلے ہی تو اگل نوید نے اسے اسٹریم فرسٹ پوزیشن لینے پر گاڑی دلائی ہے اور وہ کار چلانے کی ٹریننگ لے رہی ہے، بھائی سے فون کر کے سیرانے بعد میں پوچھا تھا تب پتہ چلا کہ وہ کسی کو بھی بتاتا ہے فرسٹ ٹائم اپنی گاڑی لے کر نکلتی تھی، اور شکر تو یہ ہوا کہ تم نے اسے کچھ کر دیا، ورنہ تو پولیس کس میں جاتا تو؟ نے انیسٹر سے بات تو کر لی تھی؟“

”ہاں یار! ورنہ تو انیسٹر اسے پولیس اسٹیشن لے جا رہا تھا، میں نے ساری بات سنیا لی ہے، آگے بھی کوئی حیلہ نہیں ہوگا، مگر تیری بھائی کے گھر والوں کو خیال رکھنا چاہیے، حادثے میں اس کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا، اور جب وہ سب ہوا تو وہ کتنی ڈری ہوئی تھی۔“

”اگل نوید کی پوری فکلی حسن کا بے حد خیال رکھتی ہے، اور ان لوگوں کے بے جالاؤ پیار نے ہی اسے ضدی بنا دیا ہے۔“

اور جہاں تک ڈر جانے کی بات ہے، لکسی پوزیشن میں تو مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالک بھی خوفزدہ ہو جائیں اور حسن تو وہ ہے کہ اپنے سامنے سے بھی ڈرتی ہے، تو اپنی ہی کو اور گھر والوں کو ہی پکارتی ہے، اس دن خود تو نے اس کی چیخ سنی تو تھی، سوتے میں ڈر جاتی ہے، اندر سے میں خوفزدہ ہو جاتی ہے، یار! اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ جوش کو اپنے بچوں کا اتنا

زیادہ خیال بھی نہیں رکھنا چاہیے کہ بچے کھل طور پر ان پر ڈیپنڈ کرنے لگیں، ان کے بغیر ایک قدم بھی نہ چل سکیں، جنس کی شخصیت اکیلے ہو کر کچھ بھی نہیں ہے، جب وہ اینڈز کے درمیان ہوتی ہے بہت کھل لگتی ہے اور اکیلے میں لگتا ہے کہ کوئی

خوفزدہ ہی بنی ہے، میرا کبھی ماما اور ماسوں جان نے کچھ اسی انداز میں پالا ہے، مگر اس کی شخصیت اتنی بری طرح متاثر نہیں ہوئی، کیونکہ اس کے کچھ غلط کرنے پر بعض اوقات ماسوں جان ڈانٹ دیا کرتے تھے، مگر جنس کو تو کوئی ڈانٹنے کا سوچ

بھی نہیں سکتا، دن میں کئی فون بھائی کے پاس آتے ہیں اور وہ اپنی معمولی معمولی باتیں بھی بھائی سے شہر کر کے ان کی گائیڈنس میں روزمرہ کے کام کرتی ہے، یہ سب اپنائیت اور محبتیں بہت اچھی ہیں مگر یہ سب ل کر حسین کو کمرور کر رہے ہیں، اب کوئی اس سے اونچی آواز میں بات بھی کرتا ہے تو وہ خوف سے کانپنے لگتی ہے، اور کوئی کچھ کہو تو اسے لگتا ہے کہ کسی کو اس سے محبت نہیں ہے، ایکسٹریم لیول پر جا کر محبت کی جانے یا نفرت، نقصان وہی ثابت ہوتی ہے۔ فیصل نے وہ باتیں جو چاہا کر کبھی کسی سے نہ کہی تھیں آج وہ بھی کھانا کے سامنے کہہ سکتی تھیں۔

”ہاں، کہہ دو تو ٹھیک رہا ہے، میں نے تیری شادی کے دوران یہ سب نوٹ کیا تھا، اور جس وقت غلطی سے میں اس کے روم میں گیا تھا اگر اسے دیکھ نہ لیتا تو کبھی یقین نہ کرتا کہ وہ اس کا روم ہے، ڈیفرنٹ ٹیڈی بیئرز، ہارنی ڈوٹر، کارٹونز کی پیکچرز دیواروں پر آویزاں، یار! لاج بھی اس کی ایجن کی ہوگی بٹ اس کے روم کی ڈیکوریشن بالکل ایسی نہیں ہے، اس کا روم ایک لڑکی کا ہی لگتا ہے، مگر وہ روم تو کسی بچی کا لگتا ہے۔“

”ہاں تو ان سب نے اسے بچی ہی بتایا ہوا ہے، اگل نوید کے ہاں کیبل نہیں لگی، عرش گانے بھی سنتی ہے اور موسیقی بھی دیکھتی ہے، بٹ جنس کو ایسی کوئی اجازت نہیں ہے، اخبار جہاں اور ڈائجسٹ کیا ہوتے ہیں یہ تو اسے معلوم بھی نہیں ہوگا، وہ تو بچوں کی کہانیاں، ہیری پورٹر وغیرہ ہی پڑھتی ہے، جبکہ اس کی ایجن کی عی ہے عرش، دونوں اسکول کالج میں بھی ساتھ پڑھی ہیں وہ فٹبال ڈائجسٹ پڑھتی ہے اور بھی اس کی ایکٹو سٹیز ہیں جو جنس کی ایکٹو سٹیز کی طرح ہر گز بھی بچکانہ نہیں ہیں۔“

”یہ سب مجھے تو کیوں بتا رہا ہے؟“ اتنے گہرائی سے تذکرے پر وہ الجھا۔

”وجہ تو جانتا ہے، جان کر انجان مت بن۔“ فیصل نے صوفے پر نیم دراز کھانا کو خشکیں نگاہوں سے دیکھا۔

”میں انجان بننے کی کوشش نہیں کر رہا، مجھے تیرے یہ سب بتانے پر کچھ حیرت سی ہے کیونکہ تو مجھے اچھے سے جانتا ہے کہ اگر میں کچھ سوچ لوں تو اسے پورا کیے بغیر نہیں رہتا، جنس کو جس دن اپنا پلانے کا سوچ لوں گا ناں تو پھر وہ میرے سوا کسی کی ہو بھی نہیں سکے گی۔“ اس کے لہجے میں اس کی ضدی فطرت بولنے لگی۔

”جانتا ہوں، اسی لیے تو تجھے سمجھا رہا ہوں کہ وہ بہت معصوم ہے۔“

”وہ معصوم ہے ناں تو میں بھی کوئی جلا نہیں ہوں، اس لیے اس قصے کو فی الحال تو تو جانے دے، کیونکہ تیرے کہے کے مطابق میں خود کو آبرورہا ہوں اور یار! جس طرح میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا اپنی پوری زندگی میں نہیں یاد کہ میں نے اس طرح کسی کی مدد کی ہو، لیکن اسے وہاں دیکھ کر خود بخود میرے پاؤں بریک پر جا پڑے، اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف در آیا تھا، جبکہ ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ اتنی بری پوزیشن میں کسی جانے پچھانے چرے کو دیکھ کر اسے اطمینان ہونا

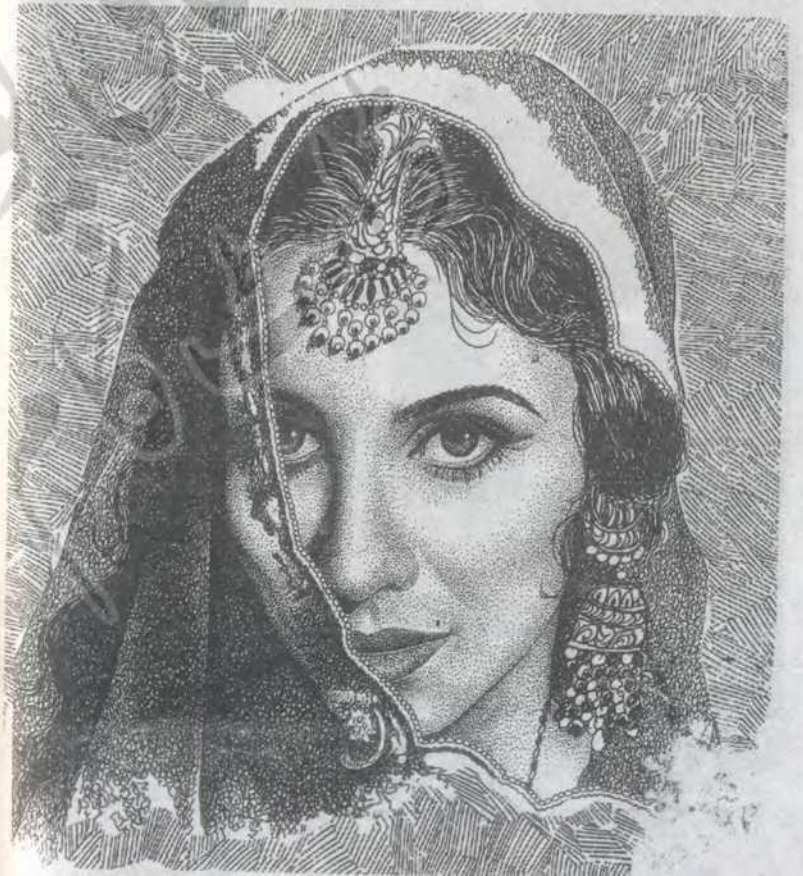
چاہیے تھا، مگر جو میں اس کے ساتھ کر چکا تھا اس کے بعد تو مجھے دیکھ کر اسے خوفزدہ ہی ہوا تھا وہ گاڑی اسٹارٹ کرنا چاہ رہی تھی جو ہو کہ نہیں دے رہی تھی، اس لیے میں نے تجھے کال کی تھی، تیرے یہاں آنے سے پہلے انیسٹر کا فون آیا تھا اور اس طرح پوزیشن میں نے ہینڈل کی ہے بس یہ مجھے ہی پتہ ہے۔“

”کیوں، خیریت تو ہے؟ وہ پچھ۔“

(جاری ہے۔)

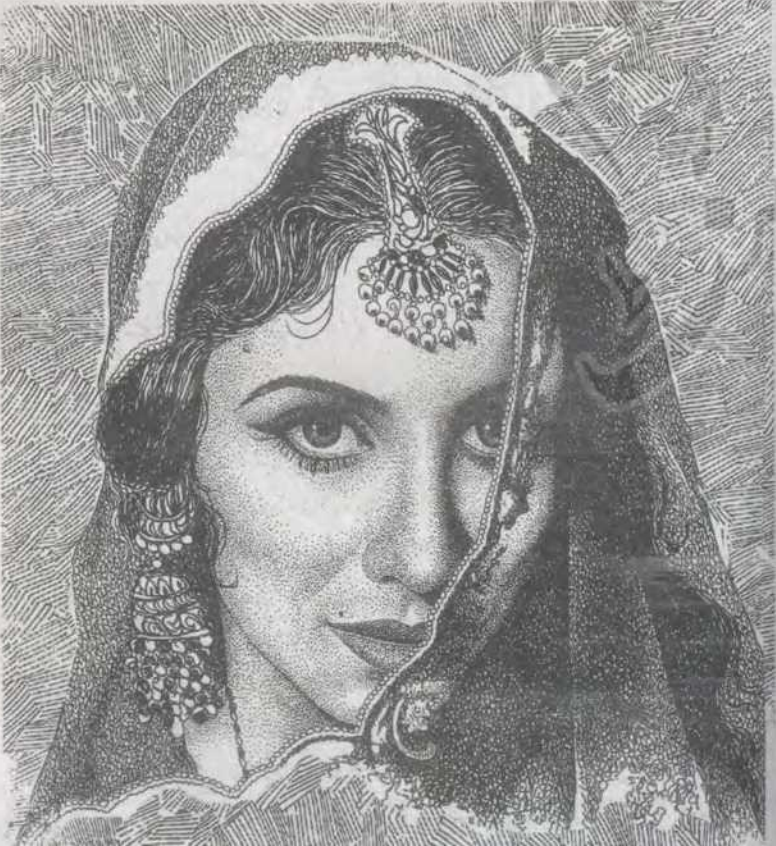
بشریتا کی جانا

”وہ بچہ ساری زندگی کے لیے ناپینا ہو گیا ہے۔“
”اومانی گاؤ!“



نوٹ: رڈا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

”وہ بچہ بہت غریب ہے، اس کی ماں جمولی پھیلا پھیلا کر بددعائیں دے رہی تھی اور اس کا منہ بند کرنے کی میں نے اسے اتنی رقم دے دی ہے کہ اس کی سات پشتوں میں کسی نے اتنی دولت کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔“ وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔
”تو نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟“ وہ حیران تھا۔
”میں نے تجھے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اسی لیے جب فضیل کا فون آیا تو میں نے اسے بھی تسلی دے کر فون بند کر دیا، کیونکہ جب میں سب کچھ ہینڈل کر چکا ہوں تو پھر سب کو پریشان کرنا میرے نزدیک حماقت ہی تھا۔“
”مجھے تجھ سے اتنی بھرداری کی امید تھی۔“



☆.....☆.....☆

”اجدا! آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ جو ہوا میں نے ایسا نہیں سوچا تھا۔“ ان دونوں کے درمیان کافی دیر سے خاموشی بول رہی تھی جسے گھبرا کر سیرئی نے توڑا تھا۔

”سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا سیرئی! مگر اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ ابو ہماری شادی پر راضی نہیں ہو رہے تھے اور تمہاری شادی ایک بے جوڑ شخص سے ہو رہی تھی، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم جذبات میں آکر کچھ بھی غلط کرو۔“

”تو آپ نے یہ شادی صرف مجھے کچھ غلط کرنے سے روکنے کی غرض سے کی ہے، مجھے تو لگا تھا کہ میری طرح آپ بھی مجھے کھونا نہیں چاہتے۔“ اس کے لہجے میں افسردگی سی در آئی۔

”سیرئی! تم ہمیشہ ٹیکو کیوں سوچتی ہو؟“

”میں پوزیٹیو نہیں سوچ سکتی، مجھے زندگی میں مثبت ملا ہی کیا ہے جو مجھے کچھ پوزیٹیو لگے گا، زندگی بھر شتوں کو ان کی محبتوں کو ترستی، ایک واحد آپ تھے جس نے میرے لبوں پر مسکراہٹ کھائی، اور میں اپنی زندگی کی واحد خوشی و محبت کھونا نہیں چاہتی تھی، آپ کو کھو کر جینے سے بہتر میرے لیے موت تھی مگر موت بھی میرا نہیں ہوتی۔“ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح رونے لگی اور اجدا سامنے صوفے سے اٹھ کر اس کے برابر آ بیٹھا اور وہ اس کے کاندھے سے لگ کر سسکتی لگی۔

”آئی! ام سوری اجدا! میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ مجھے اپنے پیرئس کے خلاف جا کر اپنائیں، مگر میں کیا کرتی، مجھے کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔“ وہ اس کے کاندھے سے لگی رہی تھی اجدا کا ہاتھ اس کے سر پر آٹھرا۔

”پلیز، چپ کر جاؤ، جو ہوا یہ سب اسی طرح ہونا تھا، اب خود کو ہلکان مت کرو۔“ اجدا نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ میری پوری زندگی تمہیں روتے دیکھ کر اور تمہارے آنسو صاف کرتے ہی گزر جائے گی۔“ اسے چپ ہوتے نہ دیکھ کر وہ شرارت سے بولا۔

”آپ زندگی بھر میرا ساتھ تو دیں گے نا؟“ وہ نم پکلوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہاں! جی! محبت کرتا ہوں تم سے، اور اب تم ہی میری ہومیری، ہمارا ساتھ آخری سانس تک کا ہے۔“ اس کے ہاتھ تمام لیے۔

”آپ کے پیرئس..... جب ان کو ہماری شادی کا پتہ چلے گا.....!“

”ابو کو راضی کرنے کی کوشش تو کر چکا ہوں، اب امی سے بات کروں گا۔“

”اگر وہ بھی راضی نہ ہوئیں تو؟“ اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

”یہ باتیں ہم پھر کبھی کر لیں گے۔“ اسے ٹالنا چاہا۔

”آپ مجھے یہاں کیوں لائے، اپنے گھر کیوں نہیں لے گئے؟“

”میں تمہیں اچانک نہیں لے جاسکتا تھا سیرئی۔“

”آپ مجھے اپنے گھر لے چلیں! میں آپ کے پیرئس کے قدموں میں گر کر.....!“

”یہ باتیں نہیں سے سیرئی! کیونکہ گھر میں میری شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں، اس طرح تمہیں لے جاؤں گا تو بنتی ہوئی

”میں نے یہ سب کیوں اور کیسے کیا میں خود حیران ہوں۔“

”ٹوئین کو لے کر سیریس ہے؟“

”ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا، مگر صرف اتنا ہے کہ میں صرف وہاں اس لیے رکا کہ وہ جنین تھی، اور جس شام وہ ارحم کے ساتھ گاڑی خریدنے گئی تھی میں نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا اور اس کا ہنسا مسکراتا روپ جتنا مجھے اچھا لگا تھا، اس سے کہیں زیادہ برا احساس ان دونوں کی بے تکلفی کو دیکھ کر جاگا تھا، اس کو سوچنا اچھا لگتا ہے اور اس کو لے کر میں پوزیٹیو بھی ہو رہا ہوں، اور یہ سب محبت کے انداز ہیں۔ تو میں کہنے میں عار محسوس نہیں کروں گا کہ مجھے جنین عالم سے محبت ہے، اور جس دن یہ احساس مکمل طور پر ہوا اور محبت کی شدت جس دن شدت سے محسوس ہوئی، اسی دن جنین عالم کو جنین ماہ کنعان نہیں بنایا تو میرا بھی نام ماہ کنعان نہیں۔“ ماہ کنعان کے خوبصورت چہرے پر اپنی ذات کا غرور اور دولت و اثیش کی حاکمیت رقصاں ہو گئی۔

”تیری ضدی و حاکمیت پسند فطرت مجھے اکثر یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ.....!“

”تیرے جیسے کول مائنڈڈ اور نرم فطرت کے حامل شخص سے میری دوستی کیسے ہوگی۔“ ماہ کنعان نے اس کی بات کاٹ کر اس کے منہ کی بات کہہ دی تھی۔

”مگر میں ساری دنیا کے لیے برا ہو سکتا ہوں فیصل! یہاں تک کہ اپنے لیے بھی، مگر تیرے لیے کبھی نہیں، میری تمام تر حاکمیت پسندی جتنی ان کے لیے ہے جو مجھے ناپسند ہیں یا میرا برا رویہ زیر رو کرتے ہیں۔“ اس نے فیصل کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

”آئی نو یار! بٹ اتنی جتنی بھی اچھی نہیں ہوتی، اگر ٹوئین کے لیے اپنے دل میں سو فٹ کا رزمحسوس کر رہا ہے تو ٹھیک ہے نا، میں خود اسے تیرا بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، مگر صرف کوشش۔“ اس نے دوست کو دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ باور کرانا چاہا تھا۔

”مگر میں کوشش پر یقین نہیں رکھتا۔“

”آئی نو، بٹ تمہیں جنین کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔“

”بٹ وائے؟“ وہ حیران ہوا تھا اس کی بات پر۔

”صرف اس لیے کہ ٹو میرا دوست ہے، میرے سرکل میں میرے توسط سے تیری پہچان ہے، میرے دوست احباب تجھے اس لیے جانتے ہیں کہ ٹو میرا دوست ہے، میرے احباب تجھے اس لیے نہیں جانتے کہ ٹو بہت بڑے پولیٹیشن کا بیٹا ہے، اور جب ٹو کچھ غلط کرے گا تو انگلیاں تو مجھ پر بھی اٹھیں گی؟“

”یہ بات ہے تو میرا تجھ سے وعدہ رہا کہ میرے سب تجھ پر انگلیاں نہیں اٹھیں گی، ٹو کہے نہ تو ہتے ہتے جان دے دوں ایک لڑکی اور اس کی محبت سب تیرے آگے بیچ ہیں۔“ اس کے انداز میں دوست کی محبت اور دوستی پر جانثار کر دینے کا عزم سا جھلک رہا تھا۔

”تجھے میری خاطر اتنا کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے یا! بس جنین.....!“

”ٹو جیسا چاہے گا ویسا ہی ہوگا۔“ اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی اور وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ وہ لڑکی بات سے ہٹے گا نہیں۔

بات ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گی، اس لیے مجھے امی سے بات کرنا ہوگی اس کے بعد ہی میں تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں۔“ اس نے گویا کوئی دھماکہ کیا تھا، میری تو ساکت رہ گئی تھی۔

”تم پریشان نہ ہو، میں اپنے بیڑنس سے بات کروں گا۔“ اسے ساکت دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر دلا سہ دینا چاہا۔
”اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو آپ.... آپ شادی کر لیں گے؟“ وہ اسے دیکھ رہی تھی، امجد نے اس کا چہرہ دیکھا، خوبصورت چہرے پر سائے سے لہرا رہے تھے۔

”میں تمہیں دیکھ کر نہ دیکھ سکتا ہوں نہ ہی دیکھ کر ناچتا تھا، اسی لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ میری منتی ہو گئی ہے اور تم بھی وہیں شادی کر لو جہاں تمہاری خالہ کر رہی ہیں، مگر میرے اور تمہارے کچھ کہنے سے کب کچھ ہوتا ہے، ہماری شادی ہونا طے ہی ہو وہ ہوگی، اب میں اپنے بیڑنس کو راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔“ ایک ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے کاندھے پر آ رہا۔

”اور اب تم پلیز چپ کر جاؤ، میں اس موضوع پر تم سے بعد میں بات کروں گا۔“ اس نے بات ختم کرنے کو کہا تھا مگر وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ڈورنیل کی آواز پر رک گئی تھی۔

”یقیناً تو قیر ہوگا، میں تمہیں اندر کمرے میں چھوڑ دیتا ہوں، تم ہاتھ منہ دھو کر فریض ہو جاؤ۔“ کہتے ہوئے اسے اٹھایا تھا، مگر اس کے انکار کرنے پر وہ اسے بیڈ پر چھوڑ کر جلدی سے ڈور کھولنے کو بڑھا تھا اور دوازے پر تو قیر اور ایک خاتون تھیں اور تو قیر نے بتایا تھا کہ یہ خاتون ان کی بہت پرانی ملازمدار کی بہن ہیں جو ان سے ملنے گاؤں سے آئی تھیں اور اب انہیں میری کے ساتھ اس فلیٹ میں رہنا ہے، امجد کو اطمینان سا ہو چلا اور وہ تو قیر کے ہمراہ میری کو قسلی دے کر فلیٹ سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

”امجد بھائی! اچھا ہوا کہ آج آپ آفس سے جلدی آ گئے۔“ خلاف معمول اسے ساڑھے پانچ بجے گھر میں دیکھ کر جنبن خوشی سے بولی۔

”کیوں، کوئی خاص بات ہے کیا؟“ وہ ماں اور چاچی کو سلام کرتا ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اس کے خوشی سے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر اپنائیت سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

”خاص بات ہی تو ہے بھائی! ہم لوگ ماندہ ماندہ ایپا کے لیے ویڈیو ڈریس لینے جا رہے ہیں، اب آپ آگئے ہیں تو اچھا ہے آپ بھی ساتھ چلے جائیں گے۔“ اس کی مسکراہٹ یکدم ہی سٹ ہو گئی۔

”میں ساتھ نہیں جاسکوں گا، کچھ تھکا ہوا ہوں۔“ آہستگی سے کہتا کھڑا ہو گیا اور شاز مین سے چائے کا کہتا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا، اس نے کسی کو کچھ بھی کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

”شاز مین چائے چڑھا کر زمرین سے فون کر کے پوچھ لینا کہ وہ کب تک آئے گی؟“
”ضرورت نہیں ہے مائی سوئیٹ مدر!“ زمرین کی آواز سن کر وہ سب اسے دیکھنے لگے اور وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی، سلام کر کے ان دونوں کے سامنے جھک کر سر پر ہاتھ رکھوا لیا اور دعائیں لیتی سیدھی ہو گئی۔

”آپ آئیں گے کے ساتھ ہیں؟“
”فصل آفس میں تھے، مجھے فصل چھوڑ گئے ہیں۔“

”اوسے بیٹا! تو تفصیل کو گھر میں کیوں نہیں لائیں؟ باہر کے باہر ہی کیوں جانے دے دیا؟“
”امی! میں نے کہا تھا مگر تفصیل کو ضروری کام سے جانا تھا۔“

”فصل بھئی! ساتھ نہیں آئے تو ہم کس کے ساتھ جائیں گے؟“ جنین کو فکر ہوئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے بھی سوچا تھا کہ تفصیل جب زمین کو چھوڑنے آئے گا تو وہ اس کے ساتھ نکل جائیں گی، وہ لوگ ماندہ کے لیے ویڈیو ڈریس لینے جا رہی ہیں اسی لیے زمین کو بلایا تھا۔

”ڈونٹ وری، ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے اور ہاں! میں نے امجد بھائی کی گاڑی کھڑی دیکھی ہے جب وہ گھر میں ہیں تو ہم ان کے ساتھ بھی تو جاسکتے ہیں۔“

”انہوں نے منع کر دیا ہے۔“ جنین نے منہ بنایا اور جب ہی شاز مین چائے لے کر آ گئی۔
”شاز مین! تم رہنے دو بھائی کی چائے میں لے جاتی ہوں، ان سے مل بھی لوں گی اور چلنے کا بھی پوچھ لوں گی۔“ وہ بڑے

میں 2 کپ لے کر امجد کے روم میں آ گئی۔
”میں ٹھیک ہوں بھائی! تفصیل آفس میں تھے۔“
”واپسی میں مجھے گھر لے جائیں گے؟“

”تم خوش تو ہو زمرین!“ اس نے بڑے بھائیوں والی فکر سے پوچھا۔
”جی بھائی! سب گھر والے بہت اچھے ہیں، میرا خیال رکھتے ہیں۔“
”اور تفصیل، وہ کیسا ہے؟“

”وہ بھی اچھے ہیں بھائی!“ وہ دھیمے سے بولی اور اس کے چہرے سے جھلکتے اطمینان کو دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا۔
”اللہ تم دونوں کو ہمیشہ بہت زیادہ خوش رکھے۔“ امجد کا ہاتھ اس کے سر پر آٹھرا تھا۔

”میں آپ کے پاس جس کام سے آئی تھی، وہ تو بھول ہی گئی۔“ یکدم خیال آیا تو کہنا بھی۔
”اوہ.... تم میرے پاس کام سے آئی تھیں اور میں سمجھا میری بہن مجھ سے ملنے آئی ہے۔“ امجد کا شرارتی انداز اسے گڑبڑا گیا۔

”نہیں میں تو آپ سے ملنے کے لیے ہی آئی تھی تو سوچا کام....!“
”اب بہانے مت بناؤ اور اصلی بات کہو۔“

”میں بہانے تو نہیں کر رہی بھائی! میں واقعی آپ سے....!“
”مذاق کر رہا ہوں۔“ اس کے ہنس کر کہنے پر اس نے اسے بات بتائی تھی اور وہ انکاری ہو گیا تھا مگر پھر اس کے کہنے پر اس نے ہائی بھر لی تھی۔

”میں صرف تم لوگوں کو ڈراپ کر دوں گا اور جب فارغ ہو جاؤ تو کال کر کے بلا لینا، میں آ جاؤں گا۔“ امجد کے راضی ہو جانے پر جنین، زمرین اور ساجدہ اس کے ساتھ شاہنگ سینئر آ گئی تھیں انہیں وہاں چھوڑ کر وہ واپس گھر آ گیا تھا تاکہ ماں سے بات کر سکے کیونکہ راشدہ کبھی شاہنگ پر جاتی ہی نہیں تھیں اور اس وقت موقع بھی اچھا تھا وہ ماں سے اطمینان سے بات کر سکتا تھا۔

”زرین آپی! مجھے تو یہ ریڈ والا بنگا اچھا لگ رہا ہے۔“

”نہیں ریڈ نہیں لینا، مانده کو یہ کلر پسند نہیں ہے۔“ اس نے حنین سے کہتے ہوئے شاپ کیپر سے اچھے کلر دکھانے کو کہا تھا اور ان لوگوں نے برات کے لیے آٹھی اور رس کنٹراسٹ کا بنگا لے لیا تھا اور ویسے کے لیے ساجدہ کے کہنے پر انہوں نے فیروزنی شرارہ خرید لیا تھا اور جیولری اور سینڈلز بھی لے لی تھیں اور اس سب خریداری میں انہیں صرف 3 گھنٹے لگے تھے، اسی لیے حنین کے کہنے پر اب وہ اس کے لیے کپڑے دیکھ رہی تھیں، مگر جوان لوگوں کو پسند آتا اسے وہ رتبیکٹ کر دیتی اور خود اسے تو کچھ پسند ہی نہیں آ رہا تھا، ساجدہ کو کچھ غصہ آنے لگا تھا کہ اسے تقریباً 1 گھنٹے کی کوشش کے بعد بلیک اور وائٹ کنٹراسٹ کی کلیوں والی فرائک پسند آگئی۔

”زرین آپی! یہ کیسی لگ رہی ہے؟“

”بہت اچھی ہے۔“ ان دونوں نے اس کی پسند کو اس کے کر دیا۔

”آئی ایم سوئی میم! یہ ڈریس سیل ہو چکا ہے۔“

”واٹ.....؟ ہٹ مجھے یہی ڈریس لینی ہے۔“ حنین چیختی تھی۔

”اشاپ! حنین! زرین نے اس کے چیخنے پر اسے ہٹا دیا۔

”آپی! یہ فرائک مجھے کتنی مشکل سے پسند آئی ہے، مجھے یہی سیل لینی ہے۔“ اس کے انداز میں بے چارگی اور لہجے میں غم تھی، فیصل اس کو دیکھنے لگا۔

”آریو سیریس؟“ وہ دونوں شاپ کی لیفٹ سائیڈ پر کھڑے تھے۔

”ہنڈ ریڈ پرسنٹ... جو Pay میں کروں گا۔“ ماہ کنعان نے اس کے گلابی چہرے سے نگاہ ہٹا کر اس سے کہا تھا۔

”سوری میم! یہ سیل ہو چکی ہے، آپ کوئی دوسری ڈریس پسند کر لیں۔“

”نو...وے، مجھے یہی لینی ہے۔“

”ہم اگر ڈبل Pay کر دیں تو؟“

”سوری میم! یہ پاسپیل نہیں ہے، ہم اپنے کسٹمر کو کوئی ڈریس فروخت کرنے کے بعد اس سے نہیں لیتے، ہاں آپ چاہیں تو

خود ان سے یہ ریکوئیسٹ کر سکتی ہیں۔“ شاپ کیپر شائستگی سے کہہ رہا تھا۔

”السلام علیکم!“ وہ تینوں جوگتی تھیں اور فیصل کو دیکھنے لگی تھیں۔

”فیصل... آپ؟“

”جی بھائی! بس وہ میرا کے لیے شاپنگ کرنے آیا تھا، اس نے جھوٹا سہارا لیا تھا، کیونکہ وہ تو کنعان کے کہنے پر یہاں

آ گیا تھا کیونکہ ماہ لانج نے انٹر میں تھرو پوزیشن لی تھی کنعان کو اس کے لیے گفٹ لینا تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو کال کر کے اسے

بلا لیا اور فیصل کے کہنے پر ہی وہ لاج کو ڈریس دینے کا سوچ کر اس شاپ میں آیا تھا جہاں اس نے بلیک اور وائٹ کنٹراسٹ کی

کلیوں والی فرائک جس کی فرنٹ اور بیک پر کڑھائی تھی لاج کے لیے پسند کر لی تھی اور پے منٹ بھی کر چکا تھا تھیں فیصل میرا کے

لیے کوئی ڈریس دیکھنے لگا تھا، جیسی وہ تینوں شاپ میں آئی تھیں، فیصل ان تک پہنچتا کہ حنین نے پہلی ہی نظر میں اس ڈریس کو

او کے کر دیا تھا وہ ان کی باتیں سن چکے تھے، اس لیے کنعان کے کہنے پر وہ ان تک آ گیا تھا۔

”میرا کہاں ہے، دکھائی نہیں دی؟“

”وہ میرے ساتھ نہیں آئی، میں اکیلا ہی آیا ہوں، آپ لوگوں کو کچھ پسند آیا کہ ابھی تلاش جاری ہے؟“ اس کے کہنے پر

حنین نے ڈریس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

”ایک گھنٹے میں یہ ایک ڈریس پسند آیا، مگر یہ سیل ہو چکا ہے۔“ وہ قدرے فاصلے پر کھڑا حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے منہ کے

زاویے بری طرح گڑے ہوئے تھے۔

”یہ ڈریس تمہیں اچھی لگ رہی ہے تو لے لو۔“

”آپ نے شاید سنا نہیں کہ یہ سیل ہو چکی ہے۔“ اس کے آرام سے کہنے پر وہ خفگی سے بولی۔

”حنین! بس اب چپ کر جاؤ، کوئی اور ڈریس خریدنا ہے تو ٹھیک ورنہ گھر چلو۔“ ساجدہ کی برداشت جواب دے گئی۔

”ایکلیکسوز میسنر! یہ ڈریس بلیک کر کے میم کو دے دیجئے۔“ سیلز مین او کے کہنا ڈی کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ تینوں متحیرہ

گئی تھیں۔

”فیصل! یہ آپ...!“

”بھائی! یہ ڈریس میں نے خریدی ہے، ہٹ حنین کو پسند ہے تو کوئی بات نہیں، میں میرا کے لیے کوئی دوسری ڈریس لے لوں

گا۔“

”لیکن بیٹا...!“

”پلیز آئی! مجھے اچھا لگے گا کہ میری بہن اپنی پسند کا ڈریس لے کر خوش ہو۔“ اس نے ان دونوں کو کچھ کہنے سے روکا تھا اور

اس کے قول کی کلی کھل گئی تھی۔

”تھینک یو سوچ فیصل بھیا! خوشی اس کے چہرے پر بکھری گئی تھی اور کنعان اسے خوش دیکھ کر دل میں سکون سا اترتا محسوس

کر رہا تھا، اور وہ اپنی پسند کا ڈریس لیے خوش خوشی پونی بھلاتی، آ پھل لہراتی شاپ سے نکل گئی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کے دل

میں یکدم ہی اندھیرے در آئے ہیں۔

☆.....☆.....☆

”امی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ لاؤنج میں بیٹھی شاز مین کے ساتھ مل کر دوپٹوں میں لیس لگا رہی تھیں وہ کچھ

دیر بیٹھی کے چیلن سرچ کرنے کے بعد ان سے بولا تھا۔

”ہاں کو بیٹا! کیا بات کرنی ہے؟“

”امی! مجھے اکیلے میں آپ سے بات کرنی ہے۔“

”میں باقی دوپٹے اپنے کمرے میں مکمل کر لیتی ہوں۔“ شاز مین فوراً ہی پھسلا ہوا سامان اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

”ایسی کیا بات ہے بیٹا! جو تم بہن کے سامنے مجھ سے نہیں کر سکتے تھے؟“ راشدہ غور سے بیٹے کے سنجیدہ انداز کو دیکھتے

ہوئے بولی تھیں اور اس نے حنین میں جیسے کوئی دھماکہ کر دیا تھا۔

”جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟“

”امی! میں مانده سے شادی نہیں کر سکتا۔“

”یہ خیال تمہیں اب آ رہا ہے جب شادی میں محض 8 دن رہ گئے ہیں؟“ اس کے زور دے کر کہنے پر وہ غصے سے بولی تھیں کیونکہ انہیں کب امید تھی کہ وہ ان سے ایسی کوئی بات کرے گا۔
”ابو سے میں نے اس وقت یہ بات کی تھی جب میری مفتی کی بات چلی تھی، مگر انہوں نے میری کسی بات پر توجہ نہیں دی، مجھے مفتی کرنے پر مجبور کر دیا۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔“
”امی! میں مائدہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، یہ بات میں نے مفتی ہونے سے قبل ابو سے کہہ دی تھی، لیکن انہوں نے کہا کہ وہ انکل یوسف اور پچھو کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے مفتی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر ایک رشتہ ختم کر لیں گے، میں نے مجبور ہو کر مفتی کر لی اور جب میری مفتی کا اسے پتہ چلا تو اس نے سوسائیز کرنے کی کوشش کی، اس لیے ابو سے میں نے پھر بات کی لیکن ابو کی یہی ایک رٹ ہے کہ میری شادی مائدہ سے ہوگی، میں ابو کی خاطر یہ شادی کر لیتا، مگر میری کو میری ضرورت ہے، اور میں اسے ایسے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔“ وہ ماں کو تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا کہ باپ کی آواز پر رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”ماں باپ کو تو چھوڑ سکتے ہو؟“ وہ اندر چلے آئے۔
”میں کیوں آپ لوگوں کو چھوڑنا چاہوں گا؟“
”تمہیں یا تو اس لڑکی کا خیال دل سے نکالنا ہوگا یا پھر ہمیں چھوڑنا ہوگا، مائدہ سے شادی سے انکار کرو گے تو میں تم سے ہر ایک رشتہ ختم کر کے تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتے ہوئے اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا۔“ ان کا لہجہ و تیور بے چلک تھے۔

”نوید! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟“
”آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔“
”نوید! جب اس شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تو آپ کو اس کے ساتھ زبردستی.....؟“
”اچھا تو پھر کیا کروں، اکلوتی بہن کو چھوڑ دوں، اس ناہنجار اولاد کی خاطر؟“ وہ بہت تیز لہجے میں بولے تھے۔
”ابو! بات اتنی بڑی نہیں تھی، جب میں نے اس رشتے سے انکار کیا تب بات گھر کے لوگوں کے درمیان تھی، بات ختم کی جاسکتی تھی، مگر آپ نے اسے شادی تک پہنچا دیا، لیکن میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گا۔“ اس کا لہجہ بھی سخت ہو چلا تھا۔
”اجد! تمیز سے بات کرو، باپ ہیں یہ تمہارے۔“
”میں نے ایسی کوئی بد تمیزی نہیں کی ہے امی! ابو کو صرف حکم چلانے کا شوق ہے، دیکھنے میں انتہائی نرم خو، مگر فیصلے ایک دم اٹل کرتے ہیں۔“

”مجھے اپنی زبان کا پاس ہے اور میں کبھی اسے جھوٹا نہ پڑنے نہیں دوں گا، مائدہ بیٹی سے شادی نہیں کی تو.....!“
”آپ مجھے عاق کر دیں گے تو ٹھیک ہے جب آپ کو بیٹے کی خوشیوں کی پروا نہیں ہے صرف اپنی بات خراب ہونے کا خیال ہے تو میں صرف اپنی خوشی کا خیال کروں گا، مجھے کل بھی مائدہ سے شادی سے انکار تھا اور آج بھی ہے، گھر چھوڑ کر جانے کو کہیں گے تو میں چلا جاؤں گا۔“

”اجد.....!“

”امی! آپ سچ میں مت بولیں، اول و آخر فیصلہ تو ابو نے ہی لیتا ہے۔“ اس کے لہجے میں بھرپور طنز کی آمیزش صاف جھلک رہی تھی۔

”ٹھیک ہے تم میرے گھر سے جاسکتے ہو، میں تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتا ہوں۔“

”نوید! پلیز اس طرح نہ کریں۔“

”جب ٹھوکر لگیں گی زمانے کی تو والدین کی قدر آئے گی، جانے سے پہلے لیکن یہ یاد رکھنا کہ برأت کی شام سے قبل تک لوٹ آئے تو اس گھر کے دروازے تمہیں کھلے ملیں گے، مگر میرے اور میری بہن کے سروں پر خاک ڈالنے کے بعد اگر تم آؤ گے تو صرف باپ کا مرنا دیکھو گے۔“ وہ اپنی بات کا اثر دیکھنے بنا ہی وہاں سے واک آؤٹ کر گئے تھے اور وہ فیصلہ جو اس نے بہت سوچ بچار کے بعد کوئی راہ نہ پا کر تھک ہار کر کیا تھا وہ باپ کے فیصلے کے آگے کھڑا منہ چڑا رہا تھا کیونکہ وہ اپنے باپ کی فطرت سے بہ خوبی واقف تھا خدا ان کی فطرت میں نہیں مگر جس بات پر آ کر انکام جاتے تھے اس سے کوئی انہیں ہٹانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”اجد بیٹا! آپ اس وقت؟“ وہ 6 سے 7 دنوں میں پہلی دفعہ رات کے ڈیڑھ بجے اسے یہاں دیکھ کر قدرے حیران اور پریشان سی پوچھ رہی تھیں۔

”گھر ہے میرا کبھی بھی کسی بھی وقت آ سکتا ہوں۔“ اجد نے کہاں کا غصہ کہاں نکالا تھا جبکہ وہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

”آپ اس وقت نہیں آتے بس اس لیے۔“

”فضول کی تشویش کرنے سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ آپ میرے لیے چائے بنا دیں، اور میری کہاں ہے؟“ صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

”میرئی بیٹا تو سو گئی ہیں، آپ کہو تو میں انہیں اٹھا دوں؟“

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ منع کرتے ہوئے اس نے ٹی وی کھول لیا تھا مگر اس کا ذہن اس قدر منتشر تھا کہ وہ بس ٹی ویل سوچ کر تار ہا تھا اور چائے بھی رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی، اس نے ماں باپ سے مایوس ہو کر کل دوپہر میں مائدہ کو فون کیا تھا مائدہ جو مفتی کے بعد پہلی دفعہ اس کا فون سن کر ہی گھبرا گئی تھی اس کی بات اسے یکدم ہی عرش سے فرش پر بڑی بے دردی سے شیخ گئی تھی۔

”مائدہ! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اس کی آواز حلق میں پھنسی گئی تھی۔

”وہی جو تم نے سنا کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔“ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جبکہ اس کا وجود زلزلوں کی زور پر تھا اور وہ تو کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی اور وہ مزید کہہ رہا تھا۔

”میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں مائدہ! اس لیے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔“

”ہمارا رشتہ جڑ سے 8 سے 10 ماہ ہو گئے ہیں، یہ خیال آپ کو اب آ رہا ہے کہ آپ کسی اور سے شادی کرنا چاہتے ہیں، وہ

بھی اس وقت کے اس کے اگلے دن رسم تنہا ہے۔ اس کی آنکھیں ضبط کی کوشش کے باوجود برس رہی تھیں اور اس نے یہ سب کیسے کہا تھا یہ بس وہی جانتی تھی۔

”مامدہ! میں نے ابو اور امی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور ان سے مایوس ہو کر میں نے یہ سب تم سے کہا ہے کیونکہ یہ شادی ہو چکی گئی تو میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکوں گا۔“

”آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”تم اس شادی سے انکار کر دو۔“

”میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟“

”تمہیں ایسا کرنا ہوگا مامدہ!“

”میں ایسا بھی نہیں کر دوں گی، آپ پر کوئی الزام نہ آئے اس لیے مجھے مشقِ تم بنانا ہے، مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ اپنے ہی بیروں پر کھڑے رہنا اسے دشوار لگ رہا تھا۔

”پھر آگے کی ذمہ داری خود ہوگی، مجھ سے ایچھے کی امید مت رکھنا، تم ہمارے گھر کا حصہ میرے حوالے سے ضرور ہوگی مگر میں تمہیں بیوی کا حق اور درجہ کبھی نہیں دوں گا۔“ وہ رہیہ یورکان سے لگائے ساکت کھڑی تھی۔

”تم صرف بہو بن کر ہمارے گھر میں رہو گی۔“

”میں اپنی خوشی اور ذات کا مان اہم سمجھتی ہوں، مگر اپنے والدین کی عزت پر میں خود کو بھی قربان کر سکتی ہوں۔“ اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اور آج ان کی نایاب مہندی کی رسم ایک ہی ہال میں ایک ساتھ ہی کی گئی تھی جہاں مامدہ نے اپنے دکھ کو باہر نہیں آنے دیا تھا، وہیں احمد کا بنجیدہ اور قد رے بیزار انداز سب ہی نے محسوس کیا تھا مگر اس سے کہا کسی نے کچھ نہیں تھا اور وہ

رسوں سے فارغ ہو کر گھر جانے کے بجائے تو قیر کے فلیٹ پر آ گیا تھا، جہاں یسری رہ رہی تھی، احمد نے یہ فلیٹ اس سے خرید کر یسری کے نام کر دیا تھا اور اکیلے پن کی وجہ سے بوابی چوٹیں گھنٹے ساتھ ہی رہتی تھیں، وکیلہ بی بی کی ایک بہن جو تو قیر کے گھر ملازمہ تھی کہ علاوہ کوئی بھی نہیں تھا، شوہر کو مرے 15 برس ہو گئے تھے اور اکوٹا بیٹا 16 برس کی عمر میں ٹائیفاؤڈ کا شکار ہو کر 6 ماہ قبل چل بسا تھا اور بیٹے کی موت کے بعد ہی وہ اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر بہن کے پاس آ گئی تھی جو بے اولاد تھی اور شوہر بھی نہیں تھا، تو قیر کے گھر برسوں سے نوکری کر رہی تھی، وکیلہ بی بی کو اور کیا چاہیے تھا نوکری تو لی ہی تھی سر چھپانے کو چھپت بھی مل گئی تھی۔

”احمد بیٹا! چائے نہیں پی، رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔“ وہ اس وقت تک سو جاتی تھیں، مگر اسے کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے اس خیال سے جاگ رہی تھیں، فلیٹ میں دو بیڈروم تھے جس میں سے ایک ان کے تصرف میں تھا۔

”جی، خیال نہیں رہا، مگر آپ سوئی نہیں؟“ وہ کسی خیال سے چونک اٹھا تھا۔

”میں نے سوچا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہوگی۔“

”نہیں آپ جا کر سو جائیے، کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو میں خود لے لوں گا۔“ وہ دیکھتے سر کو انگوٹھوں سے دبار ہا تھا، وہ اثبات میں سر ہلاتی مڑی ہی تھیں کہ یسری انہیں آوازیں دے رہی تھی وہ اس کے روم میں چلی گئی تھیں اور ان کے بتانے پر کہ احمد آیا ہے وہ گھڑی پر نظر ڈالتی تھیں بولی تھی۔

”احمد! اور اس وقت.... سب خیریت تو ہے؟“ وہ ہال سمیٹتی اٹھ بیٹھی تھی اور جیسی احمد دروازے پر ہلکے سے دستک دیتا اندر

چلا آیا تھا اور بواجی کمرے سے نکل گئی تھیں۔

”احمد! سب خیریت تو ہے آپ....!“

”میں اس وقت فضول بات نہیں سننا چاہتا، سر میں شدید درد ہو رہا ہے، کچھ کر سکتی ہو تو میرا سر دبا دو، ورنہ خاموشی سے سو جاؤ۔“ وہ نہایت سنجیدگی سے کہنا شرٹ کے کف فولڈ کرنے لگا تھا، موبائل اور گاڑی کی چابی سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور بیڈ کی بائیں جانب لیٹ گیا تھا۔ کیونکہ دائیں طرف یسری بیٹھی تھی، اس نے بیروں پر پھیلا یا کسل اس پر ڈالا تھا اور سرک کر اس کے سر ہانے آ بیٹھی تھی اور دھیرے دھیرے اس کا سر دبانے لگی تھی۔

”احمد! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں، مجھے اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتائیں گے؟“ اس کے لہجہ میں بلا کی نرمی تھی تو اس نے آنکھیں کھول کر یسری کے چہرے کو دیکھا تھا گلابی چہرہ تھکے نقش وہ اس کا ہاتھ تمام گیا تھا۔

”کوئی پریشانی نہیں ہے۔“ ہلکے سے کہتے ہوئے اس کے گلابی ہاتھ کا جائزہ لینے لگا تھا، اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالنا چاہا تھا جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

”تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں یسری!“ کہتے ہوئے وہ اس کے ہاتھ کی پشت پر لب رکھ گیا تھا جسے وہ لمحے کے ہزاروں حصے میں سمجھ گئی تھی۔

”احمد! آپ کو اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ گھبراہٹ اور شرم و حیا اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہے تھے اور وہ بیڈ کے سرے پر جا بیٹھی تھی۔

”کیا مطلب نہیں آنا چاہیے تھا، کون ہے جو مجھے میرے ہی گھر میں یسری بیوی کے پاس آنے سے روک سکے؟“ وہ اس کی گھبراہٹ سے محفوظ رہا تھا اور اسے یاد آیا تھا ان کی تیسری ملاقات تھی وہ پی سی میں لچ کرنے گئے تھے یسری کافی کنفیوڈ ہو رہی تھی، اسے ریلیکس رہنے کا کہتے ہوئے وہ یسری کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گیا تھا اور وہ تو جیسے کرفٹ کھا کر سیٹ سے ہی اٹھ گئی تھی، پھر سے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور اس دن کے بعد اس نے کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی، وہ بڑے مختار انداز میں اس سے فاصلے پر ہو کر ہی بیٹھا کرتی تھی اور اس کی یہ احتیاط احمد کو بڑی بھلی لگتی تھی، اس کا شرارت بھرا لہجہ اس کی نگاہیں بھکا گیا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے گھنچا تھا اور وہ اس کے کاندھے سے آگئی تھی اس نے ٹھوڑی سے پکڑ کر چہرہ اونچا کیا تھا، گلابی چہرے پر سیاہ پلکیں لرزتے ہوئے سایہ فگن تھیں، اس نے پہلی دفعہ اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے بھرپور اتھاق سے جسارت کی تھی۔

”پلیز احمد! آپ نے کہا تھا۔“ اس کے لب لرزے تھے۔

”میں نے تو بہت کچھ کہا تھا، مگر یہ وقت ان باتوں کو دہرانے کا نہیں ہے۔“ وہ مکمل اس کے حسن کے بحر میں جکڑا اجنبات کی رو میں بہنے کو بے قرار تھا، اور وہ کہاں اس کی جسارتوں پر بندھ باندھ کھتی تھی۔

☆.....☆.....☆

”شازمین! پلیز رو رو نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”زرمین! پلی! اچھے بہت درگزر رہا ہے۔“ زرکزپڑوں میں پھولوں کا زیور پہنے وہ بے حد پشیمردہ لگ رہی تھی۔

”تم خوشخواہ میں ڈر رہی ہو، میں احمد بھائی کو اچھے سے جانتی ہوں، وہ کہیں نہیں جائیں گے، وہ گھر آ جائیں گے۔“

”آپ نہیں جانتیں آئی! احمد بھائی گھر چھوڑنے کا کہہ رہے تھے۔“ جب وہ سب ہال سے گھر آئے تھے احمد کو نہ پا کر

تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے مگر نوید عالم بیوی سے یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔

”وہ گھر پر نہیں ہے تو ناسہی، اسے کال کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، شادی پر وہ نہیں پہنچا تب اسے بتاؤں گا کہ وہ میرا باپ نہیں میں اس کا باپ ہوں۔“ نوید عالم کے صاف منع کرنے پر بھی راشدہ نے اس کا نمبر ملایا تھا جو بند آ رہا تھا اور شازمین نے زمین کو کل سن لینے والی باتیں بتادی تھیں۔

”وہ گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے، تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟“ زرمین نے اس کا سر دہاتھ تمام لیا تھا۔

”آپی! اگر اسجد بھائی نہیں آئے اور پچھوکی ٹیلی کو پیڑ چلے گا تو کیا ہوگا؟“

”کیوں فضول کی سوچیں پال رہی ہو؟“

”مجھے خوف آ رہا ہے آپی! اگر بھائی کی عین شادی والے دن شادی ٹوٹے گی تو ساتھ میں میری بھی شادی ٹوٹ جائے گی۔“

”پاکل مت بنو، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

”ایسا ہی ہوگا آپی! جب بھائی ماندہ اپنا سے شادی نہیں کریں گے تو راجم بھی مجھ سے شادی نہیں کریں گے، اور میں ان کے بغیر مر جاؤں گی، بہت محبت کرتی ہوں میں راجم سے۔“ شازمین اس کے کاندھے سے لگی سسک رہی تھی، خوفزدہ وہ خود بھی تھی اس لیے ہلکتی ہوئی بہن کو تسلی و دل سے بھی ڈھنگ سے نہیں دے پا رہی تھی، بمشکل اسے پانی پلا کر چپ کر دیا۔

”مجھے لگتا ہے جب اسجد بھائی، ماندہ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتے تو ابو کو ان کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔“ وہ کچھ دیر بعد کچھ سوچ کر بولی تھی۔

”ماندہ اپنا کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اس بات سے مجھے انکار نہیں ہے اور میں بھائی کے جانے سے اس لیے خوفزدہ نہیں ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ ان کی شادی ٹوٹی تو میری بھی ٹوٹ جائے گی، اگر شادی ٹوٹ جانے میں ایسا کی بھلائی ہے تو میں بھی چاہوں گی کہ یہ شادی ٹوٹ جائے، مگر آپ خود بتائیے، عین شادی والے دن اسجد بھائی کا شادی سے انکار پیا کی زندگی برباد نہیں کر دے گا، جبکہ شادی ہوگی تو بھائی ابھی نہیں مگر کچھ سالوں میں انہیں محبت کرنے لگیں گے جبکہ پہلی صورت میں کتنی ہی انگلیاں ان پر اٹھیں گی، اسجد بھائی کو اس شادی پر اعتراض تھا تو پہلے کہتے یوں مہندی کی شب تو فرار حاصل نہ کرتے۔“ شازمین کو بھائی پر بے انتہا غصہ آ رہا تھا۔

”ہاں، اسی خیال سے تو میں بھی خوفزدہ ہوں، اور اگر پچھو اور پچھو کو اس سب کا پیڑ چلے گا تو وہ کتنے دکھی ہوں گے، عمر بھر کے لیے رشتوں میں دراڑیں پڑ جائیں گی جنہیں قیامت تک بھر نہیں جاسکے گا۔“ زرمین کو بھی بھائی کے فیصلے نے رنج پہنچایا تھا، ماندہ کی وہ واحد دوست جو اس کے تمام جذبوں سے واقف تھی، اسی لیے بھی چاہتی تھی کہ شادی ہو جائے کیونکہ اسے یقین تھا کہ ماندہ کی محبت اسجد کا دل جیت لے گی مگر وہ یہ کہاں جانتی تھی کہ اسجد کے دل پر جس کا بغیر تھا وہ اس کے تن من کا ساتھی بن کر اسے اپنی زندگی میں بہت اہم جگہ دے چکا تھا ایسے میں ماندہ کی جگہ نہیں نکلتی ہی نہیں تھی، یہ شادی ماندہ کی عزت نفس کے قتل کے مترادف تھی، جہاں اسے روز جینا اور روز مرنے کا تھا، اس کے اپنے اس کے لیے اچھا بہت اچھا سوچ رہے تھے مگر انہوں نے اچھا کرنے اور سوچ لینے سے قسمت کے اندھیرے کبھی نہیں منٹے اور ماندہ کے مقدر میں فی الحال تو اندھیرا ہی رزم تھا۔

☆.....☆.....☆

”اسجد بھائی! خدا کے لیے گھر آ جائیں، اگر آج آپ نہ آئے تو کتنے ہی دل اجڑ جائیں گے، رشتے ٹکڑے ٹکڑے جائیں گے، انہوں کی خاطر بہن کی خوشی کے لیے یہ شادی کر لیں، ورنہ سب ختم ہو جائے گا، بیلو.... بھائی! آپ سن رہے ہیں ناں؟“ زرمین نے جواب نہ پا کر بیلو کو مل کر شروع کیا تھا کہ میری نے جلدی سے لائن کاٹ دی تھی۔

”اسجد کی آج شادی ہے اس لیے یہ رات سے یہاں ہیں۔“

”کہاں تم میں مسز اسجد! وہ شاور لے کر نکلا تھا اسے تم دیکھ کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی یہ وہ شخص تھا جسے وہ خود سے زیادہ چاہتی تھی، جس کی خاطر جان دینے چلی تھی، جو کل تک اس کے دل کا کین تھا، آج وہ اس کی روح اس کے جسم و جان کا کین بن بیٹھا تھا، جس کا نام اس کے نام کے ساتھ جب سے لگا تھا اسے اپنا نام معتبر لگنے لگا تھا۔

”مسز رات کے سحر سے باہر نکل آئے۔“ شرارت سے اس کے رخسار پر چٹکی لگی تھی۔

”اسجد! آپ رات میرے پاس کیسے آئے تھے؟“

”کیسے آیا تھا، ابھی بتا دیتا ہوں۔“ وہ شرارت سے اس پر جھکا تھا مگر وہ اس کو پرے دھکیلتی بیڈ کے کونے پر سرک گئی تھی۔

”اسجد! آپ نے کہا تھا کہ آپ کا یہاں اس گھر میں میرے پاس رات گئے تک آنا مشکل ہوگا، تو آپ رات کیسے آ گئے؟“ اس کی غیر معمولی تنقید کی اسے چونکا گئی۔

”تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟“

”آپ نے کہا تھا کہ جب تک آپ کے بیٹرس کو آپ راضی نہیں کر لیں گے جب تک آپ دوریاں مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے، یہ بات میں نے رات کو بھی آپ کو یاد دلانا چاہی تھی، مگر آپ کے منہ زور جذبوں نے جسے ناکام بنا دیا، مگر مجھے اب اس سوال کا جواب چاہیے کہ آپ کیا کہہ کر رات سے اب تک یہاں ہیں؟“ اس کی نگاہیں اس کے پرکشش چہرے پر جمی تھیں۔

”تمہیں میرا اپنے نزدیک آنا اچھا نہیں لگا؟“

”ایسی بات ہوئی ناں تو میں رات کو ہی کہتی، ایک بیوی کے لیے اس کے شوہر کی محبت اور اس کا قرب ہی زندگی ہوتا ہے۔“

”تو پھر فضول کی باتوں کا مطلب کیا ہے؟“

”آپ مجھے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ، اپنے بیٹرس کو چھوڑ آئے ہیں؟“ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بری طرح چونکا۔

”تم نے کس نے کہا؟“

”اس بات کو رہنے دیں اور میری بات کا جواب دیں۔“

”میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ آیا ہوں، مل گیا جواب ہوگی تسلی؟“ وہ کھڑا ہوتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور برش کرنے لگا۔

”لیکن کیوں اسجد؟“ اسے دکھ ہوا تھا۔

”کیونکہ آج میری ماندہ سے شادی ہے، مگر وہاں رہتا تو مجھے شادی کرنا پڑتی اس لیے میں وہاں سے چلا آیا۔“

”یہ کہیں کہ بھاگ آئے ہیں۔“

”اب جو بھی کہہ لو۔“ وہ تپ کر کہتا دوبارہ اس کے برابر آ بیٹھا۔

”آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اجد!“

”تو پھر کیا کرتا، ہر ممکن کوشش کی ابو کو راضی کرنے کی، امی کو ماننا چاہا مگر سب بے سود، مہندی کا فلتش میرے جذبات پر تھوڑے سے برسا رہا تھا، اس لیے میں نے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، میں ماندہ سے شادی نہیں کر سکتا اور کیا تم یہ برداشت کر لو گی؟“ اس نے الٹا ہی سے پوچھ لیا تھا اور اس نے جو جواب دیا تھا کہ کم از کم اس کی اسے امید نہیں تھی۔

”جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟“

”ہاں اجد! آپ کو ماندہ سے شادی کر لینی چاہیے، اس طرح کتنی ہی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ جائیں گی۔“

”ماں خراب ہو گیا ہے تمہارا، اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کا کہہ رہی ہو؟“

”ہاں میں اپنی خوشی اور مرضی سے آپ کو دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہوں۔“ وہ اس کو غور دیکھ رہا تھا، یہ سب بظاہر وہ مضبوط و صلح میں کہہ رہی تھی مگر دل کے اندر کسی لطیفی تھی وہ محسوس کر سکتا تھا، اس نے ہی تو اس پاگل لڑکی کی شدتیں آنکھوں سے دیکھی اور دل سے محسوس کی تھیں۔

”اوہ... اجازت دے تو رہی ہو، مگر میرے بغیر جی سکو گی، مجھے کسی اور کے ساتھ بانٹ لینے کا حوصلہ کبھی ہوا اپنے دل میں؟“

”نہیں اجد! نہیں... آپ بن تو میں مر جاؤں گی، یہ اجازت میں جس دل سے دے رہی ہوں بس میں ہی جانتی ہوں۔“ وہ رو رہی تھی۔

”تو تم سے کون کہہ رہا ہے کہ تم ایسا کچھ کرو؟“ اپنی پوروں پر اس کے آنسو چہتے ہوئے برہمی سے بولا۔

”آپ کے رشتے اجد! انہیں آپ کی ضرورت ہے، ایک بیٹے کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے فیصلے کی لاج رکھے، ماں کے ارمان پورے کرے، بہنوں کو خوش رکھے، یہ بھائی کا فرض ہوتا ہے، آپ نے ماندہ سے شادی نہیں کی تو آپ کی بہن کی شادی ٹوٹ جائے گی، اور میں نہیں چاہتی کہ میرے اجد، رشتوں کے مقروض ہو جائیں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

”میں نے آپ سے محبت کی ہے مگر میری محبت خود غرض نہیں ہے، میرے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہے، آپ کے وجود کی مہک میرے وجود میں اور میرا وجود آپ کے وجود کو مہکا رہا ہے اور اس مہک کو بائٹا میرے لیے بہت مشکل ہے مگر میں ساری زندگی رشتوں کو ترسی ہوں ان کی اہمیت جانتی ہوں اور انہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے رشتے آپ سے بچ کر جائیں، آپ کے رشتے اب میرے بھی ہیں، آج آپ اپنے پیرئش کا مان رکھیں گے تو ہو سکتا ہے وہ ایک دن میرے وجود کو تسلیم کر لیں، مگر آج آپ نے میری خاطر انہیں چھوڑ دیا تو میں ساری زندگی خود سے نظر نہ ملا سکوں گی، رشتے ملنے کی جو آس بندھی ہے وہ بھی ساتھ چھوڑ جائے گی اور میں ایسا نہیں چاہتی اس لیے آپ سے ریکوئسٹ کرتی ہوں کہ آپ گھر چلے جائیں اور جا کر شادی کر لیں۔“

”پاگل ہو گئی ہو، یہ سب جتنی آسانی سے کہہ رہی ہو، برداشت نہیں کر سکو گی، اور ابھی میں نے گھر میں ہماری شادی کا نہیں بتایا، ماندہ سے شادی کے بعد تو بالکل نہیں بتا سکوں گا، تو پھر میرے والدین تمہیں ایکسپٹ کریں گے؟“

”ابھی نہیں بتایا، آئندہ بھی کبھی مت بتائیے گا، کم از کم اس طرح آپ کے گھر والے تو خوش رہیں گے۔“

”میں کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔“

”مگر مجبوری ہے، آپ کو میری قسم اجد! انکار مت کریں۔“ اسے منہ کھولتے دیکھ کر وہ لجاجت سے بولی تھی۔

”اسلام میں تو چار شادیوں کی اجازت ہے، اور عورتیں بھی تو برداشت کرتی ہیں میں بھی کر لوں گی، آپ سے کبھی شکایت نہیں کروں گی، بس میری آپ سے اتنی ہی ریکوئسٹ ہے کہ مجھ سے جب تک میں زندہ ہوں اپنا نام اور محبت مت چھینے گا، ورنہ میں مر جاؤں گی۔“ وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی تھی۔

”ماندہ! اگر تم اس شادی سے انکار کر دیتیں تو آج پوئیشن الگ ہوتی، تم سے اپنی پسرئی کے ایک ایک آنسو کا حساب لوں گا۔“ اس نے پسرئی کے آنسو پونچھتے ہوئے نفرت سے سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

شازمین رخصت ہو کر راحم کے ساتھ چلی گئی تھی اور ماندہ رخصت ہو کر اجد کے سنگ چلی آئی تھی، شازمین سسرال والوں کی بھی من چاہی تھی اور راحم کے دل پر بھی اس کا بھیرا تھا جبکہ ماندہ جس کے سبب آئی تھی وہی اس سے انجان تھا، رکیں اچھوری چھوڑ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھیں اور ساجدہ کے کہنے پر زرمین اسے اجد کے کمرے میں لے آئی تھی۔

”تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دو؟“

”زرمین! ایک گلاس پانی دے دو۔“ ماندہ کے کہنے پر اس نے روم فریج سے نکال کر پانی پلایا تھا، دو دن سے تو اس کی بھوک ہی اڑی ہوئی تھی وہ برائے نام ہی کھا رہی تھی اور آج دوپہر سے تو اس نے ایک لقمہ گلے سے نیچے نہیں اتارا تھا۔ زرمین کے بہت کہنے پر بھی وہ کچھ کھانے کو تیار نہیں ہوئی تھی اور وہ اسے وہاں چھوڑ کر نکل گئی تھی اس کے جاتے ہی وہ بیڈ سے اترتی تھی واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی اس لیے وہ الماری سے سادہ کاشن کا سوٹ نکال کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی، سارے زیورات اور کپڑے وغیرہ اتار کر اس نے وہیں رکھ دیئے تھے اور تقریباً 20 منٹ میں اس سب سے فارغ ہو کر وہ دروازہ کھول کر نکلی اور ادھر ادھر دیکھے بنا واش روم میں چلی گئی، ٹشو پیپر سے میک اپ صاف تو کر چکی تھی، مگر اس نے فیس واش سے اچھی طرح منہ دھوایا اور ناول سے منہ خشک کر کے کمرے میں آگئی تو اس کی نگاہ بیڈ کی سائڈ جانتے بیٹھے اجد پر پڑی اور اسی وقت اس نے بھی ماندہ کو دیکھا مگر جسے وہ نظر انداز کرتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اور قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگی۔ وہ جس طرح زرمین کی شادی میں اسے دیکھ کر گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی، اس کے بعد ماندہ کا اتنا براعتا دانداز اجد کو اندر ہی اندر حیران کر گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ جب واش روم سے نکلے گا تو وہ بیڈ پر بیٹھی اس کی منتظر ہوگی، مگر وہ تو سرے سے غائب تھی اور لونی بھی تو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی، بلکہ اسے بری طرح اگتور کر دیا تھا، وہ اس کے پہلے جھٹکے سے نہیں سنبھلا تھا کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوئی بیڈ کی دائیں طرف کا تکیہ درست کرتی بیڈ پر دراز ہو گئی تھی اور وہ کچھ لمبے تو سناکت سا بیچارا ہاتھ پھر یکدم غصے سے تھکتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

رداؤ انجسٹ 187 جون 2013ء

رداؤ انجسٹ 186 جون 2013ء

بہتر قبائلی لڑکی جانا

”تمہاری بہت بھی کیسے ہوئی، میرے بستر پر لیٹنے کی؟“ وہ اس کی گرجدار آواز پر اٹھ بیٹھی۔
”مجھے نیچے سونے کی عادت نہیں ہے، میری کمر میں درد ہو جاتا ہے۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔



رڈوا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈوا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس سے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

”میں اس بات کا ذمے دار نہیں ہوں، تم اس بیڈ کے علاوہ کہیں بھی سو سکتی ہو، میں مجبوری میں تمہارا وجود اس کمرے میں برداشت کر سکتا ہوں، مگر اپنے بیڈ پر ہرگز نہیں۔“ اس کے لہجے میں حقارت سی تھی۔
”کیوں، جب کمرے میں برداشت کر سکتے ہیں تو بیڈ پر کیوں نہیں؟ کیا آپ خوفزدہ ہیں کہ سارے دعوے دھڑے کی طرح رہ جائیں گے؟“ وہ نہایت طنز بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
”کیوں اس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اتنا نفس کا غلام نہیں ہوں، جب کمرے میں رہ کر دوری قائم رکھ سکتا ہوں تو مجھے اس بات سے بھی فرق نہیں پڑے گا کہ تم صوفے پر سو رہی ہو یا مجھ سے فاصلے پر ایک بستر پر، یاد رکھنا تمہیں چھوٹا میں



نہیں چاہتا، اور تمہیں بھی مجھے آکسانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں صرف نام دیا ہے دنیا دگھاوے کو، میرا اور تمہارا رشتہ بے معنی ہے بہت جلد اندازہ ہوگا، کیونکہ مجھے تمہارے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پہلے پڑا ہے اور نہ ہی آج پڑے گا۔“ وہ زہریلے ڈوبے نشتر اس کے وجود میں اتارنا اس کی عزت نفس، ذات کی وجہیں نکھیر رہا تھا۔

”ہاں تم نے میرے ساتھ کے لیے جودن کن گن کے گزارے ہیں اور میرے قرب کی خواہش جو تمہیں میرے ساتھ بستر شیر کرنے پر اکسادی ہے، اس سلسلے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“ اس کی اتنی بڑی بات سن کر تو اس کا چہرہ آفتاب ہو گیا تھا اور بستر سے تو محسوس ہو رہا تھا کہ ایک آگ سی نکل رہی ہے جو اس کو اور اس کی سوانیت و عزت نفس کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔

”مسٹر اجد عالم! میں اتنے کمزور کردار کی لڑکی نہیں ہوں نہ ہی نفس کی غلام، جو اپنے پندار و سوانیت کو اپنے ہی عیو دل تلے روند ڈالتی ہیں۔“ اتنی بے عزتی پر آنسو اس کے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے اسے شرمندگی سی ہوئی تھی مگر اس کے بچے آنسو اسے نہ جانے کیوں سکون دینے لگے تھے۔

”مجھے اپنے یہاں ہونے اور اس بستر پر لیٹنے و بیٹھنے پر نہ ندامت ہے نہ شرمندگی کیونکہ آپ نے کہہ دیا کہ آپ نے صرف مجھے اپنا نام دیا ہے اور میں صرف اس گھر کی بہو بن کر رہوں گی، آپ کی بیوی کبھی نہیں بنوں گی، مگر آپ کے کہہ دینے سے حقیقت مٹ گئی نہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جسے آپ جھٹلا نہیں سکتے، میں آپ کی بیوی ہوں، اس گھر، اس کمرے، اس بستر اور یہاں تک کہ آپ پر بھی میرا حق ہے، مگر جسے آپ تسلیم نہیں کرتے تو مجھے بھی زبردستی تسلیم کروانے کی نہ چاہ ہے اور نہ ہی ضرورت۔“ وہ اپنے آنسو بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی بیڈ سے اترتی تھی اور ایک کٹلی نگاہ اس خود پر شخص پر ڈالتی وہاں سے نکل کر ڈریسنگ روم میں بند ہو گئی تھی اور یہاں آ کر وہ اتار دیتی تھی کہ اپنی پوری زندگی میں روئی نہ ہوگی، اس دنیا میں یہ واحد شخص تھا جسے اس نے چاہا، دعاؤں میں مانگا اور خود کو اس کی امانت کچھ کرینٹ سینٹ کر رکھا، مگر اسی شخص نے آج اسے اتنا بے عزت کیا تھا کہ وہ خود سے بھی نظریں ملایا رہی تھی، اور اجد کمرے کے وسط میں پشیمان سا کھڑا تھا کیونکہ غصے میں جو کچھ اسے کہا تھا وہ گزرتی ہی ہو چکا تھا، اس بے چاری کا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا، مٹکی سے قبل یا فوراً بعد وہ اسے کچھ کہتا تو ممکن تھا کہ وہ مٹکی ختم کروانے میں اس کی مدد کرتی مگر شادی سے ایک دن پہلے اس سے یہ سب کہنا غیر دانشمندی تھی اور نامدہ نے تو یہی سوچا تھا کہ یہ شادی اس طرح ٹوٹی تو اس کے گھر والوں پر ایک آفت سی آ جائے گی، زمانے کے طعنے تشبہ کیا کچھ اس کے بھائیوں اور والدین کو سننا پڑتا۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ایک اچھی بہن اور بیٹی ہونے کا ثبوت دیا تھا مگر اس سب میں اس کی ذات بری طرح متاثر ہو گئی تھی، ابتداء اتنی بری ہوئی تھی کہ اس کی امید بھی دم توڑنے لگی تھی کیونکہ انجام اسے انتہائی خطرناک نظر آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”حنین! جاؤ بیٹا شازمین کو اور پر راحم کے کمرے میں لے جاؤ۔“ حشرش کے ساتھ باتیں کرتی حنین کو فریاد نے مخاطب کر کے کہا تھا وہ ان دونوں کو رومسوں کے لیے لے آئی تھیں اور دونوں نے مل کر خوب رنگ جمایا تھا اور شاندار طریقے اور ہلے گلے میں شازمین کا اس گھر میں استقبال ہوا تھا اور وہ دونوں اس کا بھاری کامدار ہنگامہ سنبھالتی اسے راحم کے کمرے میں لے آئیں تھیں اور راحم کو اندر آتے دیکھ کر وہ فوراً دروازے کی طرف پلکی تھیں اور اندر آنے کا راستہ بلاک کر کے کھڑی

”آپ اتنی آسانی سے اندر نہیں جا سکتے، جیب خالی کرنا پڑے گی۔“ حنین نے کہا تھا اور حشرش اس کی بھرپور تائید کر رہی تھی۔

”ارے، یہ کیا بات ہوئی اب مجھے اپنے کمرے میں جانے کا ٹکٹ دینا پڑے گا۔“

”یہی سمجھ لیں۔“

”اور یہ مت سمجھئے گا 15، 10 روپے میں جان چھوٹ جائے گی، پورے 20 ہزار لیس گے، 10 میرے اور 10 حشرش کے۔“ بے نیازی کی انتہا میں اور وہ اتنے پیسے سن کر کرنٹ کھا کر رہ گیا۔

”دماغ ٹھیک ہے تم دونوں کا مزیدہ سے زیادہ 5 ہزار روپے سکتا ہوں۔“

”ہمیں تو پورے 20 ہزار چاہئیں۔“ وہ دونوں ایک زبان ہو گئی تھیں۔ بیڈ پر چینی شازمین کے لیوں پر ان کی آنکھوں سے مسکراہٹ کھل گئی اور اس نے ریلیکس کرنے کے لیے کمر بیڈ کے سرہانے سے نکالی کیونکہ وہ کل رات سے مایوس تھی، جسکون سے اس کا برا حال ہو رہا ہے۔

”میں تو نہیں دینے والا۔“ وہ صاف انکاری ہوا تھا۔

”اور ہم بھی آپ کو اندر جانے نہیں دینے والے۔“ اور کافی بحث و تکرار کے بعد راحم نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہاں کی طرف ایک ایک ڈبیہ بڑھائی جسے جلالت میں حنین نے کھولا، جس میں ننھے ننھے ڈائنڈ ٹاپس جملگ جملگ کر رہے تھے۔

”اس سو بیوی قتل۔“

”اب تو خوش ہو یا 10 ہزار ہی چاہئیں؟“ وہ متحسم ہوا۔

”یہ زیادہ اچھے ہیں راحم تمہارا!“ وہ دونوں کہتیں سامنے سے ہٹ گئی تھیں۔ ایسے ہی ٹاپس راحم نے نامدہ اور زرین کے لیے بھی بنوائے تھے، لیکن ابھی دیئے نہیں تھے، ورنہ حنین نے شور کر دینا تھا کہ پہلے ان دونوں کو کیوں دیئے، سارا راجہ انڈسٹریز کو دیا، وہ ان دونوں سے جان چھڑا کر کمرے میں آیا، اور اس کی نگاہ سوئی ہوئی شازمین پر پڑ گئی، اس کے حسن کی لٹائیاں اس کے دل کی دنیا تہہ بالا کر گئی تھیں اور وہ چلتا ہوا، عین اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور ہلکے سے اس کا حنائی ہاتھ ملایا اور اس کے ہاتھوں پر مہر محبت ثبت کی تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی، نیند کے باعث پہلے تو کچھ کبھی نہیں گھبرا کر اس کے اشعار پڑھنے پر وہ گڑبڑا کر سیدھی ہو گئی تھی۔

”ہم ہیں مشتاق اور وہ ہیں بیزار

بالہی یہ ماجرا کیا ہے؟“

اس کا ہاتھ راحم کے ہاتھ میں تھا اور اس کی انگلیاں چوڑیوں کو حرکت دے رہی تھیں اور اس کی نظریں تھیں کہ انھیں

”مجھے تم سے یہ امید تو تھی شاز! کہ تم میرا انتظار کرنے کے بجائے سکون سے سو جاؤ گی۔“ لہجہ سنجیدہ تھا مگر آنکھوں میں شہادت تاج رہی تھی اور وہ کچھ نہیں بولی۔

کہ یونی جوائن وہ کچھ دن بعد ہی کر سکتا تھا۔

”وہ تو ٹھیک ہے ابو! چھوڑ تو میں دیا کروں گا، مگر واپسی میں کیسے پک کر سکتا ہوں، ہزار کام ہوتے ہیں۔“

”بیٹا! کچھ دن کی بات ہے، ہمیں منہج کرنا ہی پڑے گا، اور جس دن تم زیادہ بڑی ہو گے میں پک کر لوں گا، اور زیادہ ہی پر اہم ہوئی تو حشر کے ساتھ جنیں آ جائیں گی۔ یہی بات رات زمین اور فیصل نے کئی تھی کیونکہ حشر کو یونیورسٹی چھوڑنے کی ذمہ داری فیصل نے بہ خوشی لے لی تھی کہ اس کا وہی روڈ تھا اور با مسئلہ واپسی کا تو فیاض نے اسے پک کر لیا تھا کہ وہ آج کل فارغ ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی تھے، فیاض پی ٹی وی ایل میں گورنمنٹ ملازم تھے اور چھ ماہ قبل ہی انہوں نے ریٹائرمنٹ لی تھی۔

”ابو! جب انکل فیاض، حشر کو پک کیا کریں گے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، جنیں ان کے ساتھ ہی آ جایا کرے گی، ویسے بھی انہیں اپنے گھر جانے کے لیے ہمارے ہی روڈ سے گزرنا پڑے گا۔“

”یہ بات رات زمین نے کئی تھی، مگر بیٹا! اب اچھا نہیں لگتا، مانا کہ ہمارا گھر راستے میں پڑے گا مگر وہ جنیں کو سڑک پر اتار کر تو نہیں جاسکتے، انہیں روز گاڑی ٹرن کر کے گلی میں لانی اور پھر لے جانے کی مشقت اٹھانا پڑے گی اور اب اچھا نہیں لگتا کہ وہ ہماری وجہ سے اتار پریشان ہوں۔“ جنیں کے سامنے جوں کا گلاس رکھتے ہوئے ساجدہ نے کہا تھا جبکہ جس کی باتیں تھیں وہ انجان بنی ناشتہ کر رہی تھی۔

”جنیں! لگتا ہے تمہارا سلی فون بج رہا ہے۔“ ساجدہ نے کہا تھا اور جیسی گھر کا پی ٹی وی ایل بھی بجنے لگا تھا۔

”یہ اتنی صبح کون فون کر رہا ہے؟“ وہ اٹھنے لگی تھی۔

”تم جوں ختم کرو، میں دیکھ لیتی ہوں۔“ ساجدہ نے ریسور اٹھا لیا تھا، دوسری طرف حشر تھی۔

”جنیں بھی تیار ہے، بس وہ اور اچھا نکلنے ہی لگے ہیں۔“ حشر کے پوچھنے پر بولی تھیں۔

”اچھا بھائی کے ساتھ کیوں جائے گی، میں نے اسی لیے تو فون کیا ہے کہ وہ ہمارا انتظار کر لے، ہم جاتے ہوئے اسے پک کر لیں گے۔“

”بیٹا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، جنیں کو اچھا ڈراپ کر دے گا۔“ وہ اس کے خلوص سے کہنے پر کبھی انہی تھیں اور اسی وقت اس نے فون فیصل کو تھما دیا تھا۔

”کوئی پریشانی نہیں ہوگی، جب فیصل ایک بہن کو چھوڑنے جا رہا ہے تو ساتھ ہی دوسری بہن کو بھی لے جائے گا اور ڈیڈی دونوں بیٹیوں کو پک کر لیں گے۔“

”لیکن بیٹا!“

”لیکن دیکھ کچھ نہیں، ابھی فون رکھتا ہوں، آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں، انشاء اللہ بعد میں بات کروں گا۔“ فیصل نے انہیں بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور انہوں نے آ کر ان سب کو بتا دیا تھا۔

”یا ہوا... اب میں اور حشر ساتھ جائیں گے۔“ اس نے خوشی سے نعرہ لگا دیا تھا۔

”اچھا اب جاؤ، بیگ لے آؤ، وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔“ راشدہ کے کہنے پر وہ اپنے کمرے کی جانب دوڑی تھی اور کچھ ہی دیر میں فیصل نے انہیں یونیورسٹی گیٹ پر بہت ساری بیسٹ ڈشز کے ساتھ اتار دیا تھا، اور وہ بھی ایک نقلی بھری

فصل پر ذاتی ان دونوں کے پیچھے بڑھی تھی اور فیصل نے مسکراتے ہوئے گاڑی بیک کر لی تھی، یہ سوچ کر کہ اسے منانا کون سا مشکل ہے؟

☆.....☆.....☆

”السلام علیکم بھائی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟“

”آپ کے دوست کی مہربانی ہے۔“ وہ نہایت چپے ہوئے لہجے میں بولی اور اس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

”میں نے آپ کو کوئی جاک نہیں سنایا ہے۔“ وہ برامان کر بولی تھی۔

”انداز کچھ ایسا ہی ہے۔“ ماہ کنعان کے بے ساختہ کہنے پر وہ جھینپ گئی۔

”لگ رہا ہے فیصل نے زبردستی آپ کا ایڈمیشن کروایا ہے۔“

”زبردستی کی نوبت یہی کب آنے دی انہوں نے، سب کچھ کر لیا اور آج کہہ دیا کہ میں تیار ہو جاؤں یونیورسٹی میں میرا فرسٹ ڈے ہے۔“ وہ نیند کی بہت کچی تھی، مگر میں کوئی کام وغیرہ بھی نہیں کرتی تھی، اس لیے وہ صبح دیر سے ہی اٹھتی تھی، کبھی فیصل کے شور کرنے پر اس کی آنکھ کھل جاتی تھی تو وہ فیصل کے بہت کہنے پر کھلتی بند ہوتی پلکوں سے ٹائی باندھ دیتی تھی، مگر نہ تو اسے پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ فیصل کب آفس کے لیے نکل گیا۔ اور آج تو اس نے میرا کواکسیٹیلی الارم لگا کر اٹھا تھا نیند خراب ہو گئی تھی مگر وہ ابھی نہیں، مگر وہ جب پیار سے اس پر جھکا اپنی محبت کے عملی مظاہرے پیش کر رہا تھا، وہ اس پر نقلی بھری نگاہ ذاتی اٹھ بیٹھی تھی اور جب اس نے تیار ہونے کے لیے کہا تو اس نے ڈیڈی کے ہاں جانے کا سوچ کر خوشی خوشی مریجنڈا انکر کاشیفون کا سوٹ نکال لیا تھا، جس پر مروڑی اور دیکے کا نہایت نص کام بنا ہوا تھا، مگر جسے فیصل نے اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور پنک لائٹ سی ایئر اینڈری والا سوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا کاشن کا وہ جو ڈیڈی کے ہاں جانے کے خیال سے لپ اسٹک لگانے لگی تو اس نے منع کر دیا اور بال باندھنے کا کہتے ہوئے اسے بتایا کہ اس کا وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا چکا ہے اور وہ حشر کے ساتھ یونیورسٹی جایا کرے گی، وہ تو سن کر ہی حیران پریشان رہ گئی اور اس کے فیصل سنا دینے پر تو وہ بالکل رو دینے کو ہو گئی تھی، مگر فیصل نے صاف کہہ دیا کہ وہ آج ہی نہیں ریگولر یونیورسٹی جائے گی، اس معاملے میں وہ اس کی بالکل نہیں سنے گا اور وہ شادی کے اتنے دن بعد فیصل کا پرانا روپ دیکھ کر ڈر سی گئی تھی، اس کے کہنے کے مطابق وہ اب یونیورسٹی میں تھی، ماہ کنعان بہن کو چھوڑنے آیا تھا، مگر سیرا کو دیکھ کر وہ اس تک چلا آیا اور سیرا سے بات کرتے ہوئے اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑی جنیں پر پڑی، وہ حشر کو اشارہ کر رہی تھی تاکہ وہ وہاں سے جا سکیں، مگر اس کے دیکھنے پر وہ گڑبگڑ گئی، اسی کی وجہ سے تو وہ وہاں آئی نہیں تھی۔ ماہ کنعان کی نگاہ اس پر پڑی تھی، بلیک پرینڈ کاشن کے سوٹ میں اس کی اجلی رنگت بڑی نمایاں تھی۔

”اور وہ خود ہی چھوڑ بھی گئے ہیں۔“ سیرا کی بات کے اختتام پر وہ اس پر سے نگاہ ہٹا کر اس سے اجازت لینے لگا۔

”چلیں میرے یار سے تو بہت دل لگایا آپ نے، اب کتابوں میں دل لگائیں۔“ اس کے نزدیک چہرے کو دیکھ کر ماہ کنعان شرارت سے بولا اور وہ تو بری طرح جھینپ گئی۔

”آپ اپنے دوست سے کم نہیں ہیں۔“ بے ساختہ ہی اس نے ایک اور قہقہہ لگایا تھا اور اس کے وہاں سے جاتے ہی انہیں جنیں کی طرف بڑھی تھیں، جوشدید غصے کے زیر اثر آ چکی تھی۔

”فرسٹ ڈے ہی کلاس میں لیٹ جائیں گے۔“

”مائنس کیوں لیتی ہو اور نیشنل کلاس ہے اور ابھی شروع ہونے میں پورے 10 منٹ ہیں۔“

”کلاس شروع ہونے میں 10 منٹ ہیں اور ہمیں ابھی اپنی کلاس بھی ڈھونڈنی ہے۔“ حنین تب کر بولی تھی۔

”لالہ جان نے ہماری کلاس دیکھ لی تھی، ہمیں ڈھونڈنا نہیں پڑے گی۔“ ماہ لاج نے مداخلت کی تھی۔

”دیکھی لالہ جان نے اور ڈھونڈنی ہمیں نہیں پڑے گی، واٹ آگڈ جوک۔“ نہ جانے کیوں اسے غصہ آ رہا تھا۔

”مجھے لالہ جان نے کلاس کی لوکیشن اور درم بھر سمجھا دیا تھا۔“ ماہ لاج برامانے بغیر بولی تھی، کیونکہ رات ہی تو حشر

نے فون کر کے اس سے کہا تھا کہ حنین بھی اس کی کلاس فیلو ہے اور اگر اس سے دوستی کرنا ہے تو شروع میں اس کا سہارا

ہو بیڑا اگور کرنا پڑے گا اور یہی سب حنین کو بھی بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لاج کے ساتھ کسی بیوی نہ کرے، ماہ کنگان پر

غصہ سے بھی تو کم از کم لاج پر نہ نکالے اور یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی اور اس نے حشر سے کہا تھا کہ وہ لاج سے دوستی

کر لے گی مگر ماہ کنگان کو دیکھ کر وہ رات کی کئی بات بھول گئی تھی، لاج کا بڑھا ہوا ہاتھ تمام لیا تھا، مگر دوسری کوئی بات نہیں

کہی تھی، وہ چاروں جس وقت کلاس کے باہر پہنچی تھیں، دھک سے رہ گئی تھیں کیونکہ کلاس شروع ہوگئی تھی۔

”مجھے ڈانٹ پڑی تو میں آئندہ تمہارے ساتھ نہیں آؤں گی۔“ حنین نے حشر کو دھکایا تھا اور اسی نے اندر جانے کی

اجازت لی تھی۔

”آپ خواتین نے یہ مقولہ ضرور سنا ہوگا کہ فرسٹ امپریشن از لاسٹ امپریشن۔“ ڈاکٹر پر کھڑے عین العارفین نے

تیکھے چوتھوں سے ان کو دیکھا تھا اور وہ شرمندہ ہوگئی تھیں مگر کہا کچھ نہیں تھا اور دودھ کر کے دو سیٹوں پر بیٹھ گئی تھیں اور اتفاق

سے انہیں دونوں سیٹیں تیسرے نمبر کی ملی تھیں۔

”تم لوگ وہاں باتیں کرنے کھڑی نہیں ہوتیں تو اتنی شرمندگی نہیں اٹھانا پڑتی اور نہ ہی اتنے آخر کی سیٹ پر بیٹھنا

پڑتا۔“ وہ ہمیش فرسٹ سیٹ پر ہی بیٹھا کرتی تھی۔

”آپس میں باتیں کرنے سے بہتر یہ ہوگا کہ آپ لوگ اپنا تعارف کروادیں، اسکول سے جو دوست بنتی ہیں اسے ہر

جگہ ساتھ لٹکا کر پھرتی ہیں اور باتیں کرتے وقت نہ جگہ دیکھتی ہیں نہ ہی وقت۔“ عین العارفین کا لہجہ بہت کچھ جتنا ہوا تھا،

ماہ لاج کے بعد سمیرا تعارف کروانے کھڑی ہوئی تھی اور سمیرا فیصل کہتے کہتے اس نے سمیرا ایشا کر کہہ کر اپنا تعارف کروایا تھا

اور حشر کے بیٹھے ہی اسے کھڑا ہو جانا چاہیے تھا، مگر وہ ہنسی رہی تھی۔

”محترمہ! وقت نہ ہو تو تعارف کروادیں۔“ عین العارفین کی خوبصورت آنکھیں اس پر جمی تھیں اور وہ جو بیٹھے بیٹھے

بولی تھی اسے سن کر ساتھ بیٹھی حشر کے ساتھ کلاس میں موجودا کا دکا اسٹوڈنٹس اور خود عین العارفین بھی متحیر رہ گیا تھا۔

”میں اپنا تعارف کروانا ضروری نہیں سمجھتی۔“

”آپ کو پچھرے بات کرنے کی تیز نہیں ہے؟“

”مجھے پچھرے سے بات کرنے کی تیز ہے، مگر صرف پچھرے سے، ان نام نہاد پچھرے کو میں اپنا تعارف نہیں دیتی جو فرسٹ

ایئر کو فونل بنانے کے لیے داڑھی مونچھ لگا کر آتے ہیں۔“ وہ طنز سے کہتی اپنی سیٹ سے اٹھ گئی تھی اور عین العارفین کے ساتھ

سے پہلے ہی وہ اس تک پہنچی تھی اور اس کے چہرے پر کچھ لفظی داڑھی مونچھ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دی تھی۔

وہ تو ساکت سا کھڑا اس کی جرأت ملاحظہ کر رہا تھا، جوانی کا ردوائی کے طور پر کچھ کہتا یا کرتا ایک ڈسینٹ لیڈی روم میں داخل ہوئی تھیں، جنہیں دیکھ کر تھپہوں پر نقب لگ گئی تھی اور وہ چند سینئر اسٹوڈنٹس جو عین العارفین کا ساتھ دینے کی غرض سے وہاں بیٹھے تھے، میڈم عانتھ کو دیکھ کر فوراً ہی وہاں سے کھٹک لیے تھے۔

”جنہیں تو میں دیکھ لوں گا۔“ وہ دھمکی دیتا ڈانس سے اتر اٹھا اور روم سے نکل گیا تھا اور وہ بھی اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی

تھی پھر اسٹوڈنٹس اپنا تعارف کروانے لگے تھے، حنین نے بھی اپنا تعارف کروا دیا تھا اور میڈم عانتھ بریفلی طور پر اپنے

سینکٹ آکٹاکس کی بابت لیکچر دے کر چلی گئی تھیں، اس کے بعد آنے والے پچھرے نے بھی آج محض تعارف کی رسم ہی

بھائی تھی، اسی طرح پہلا تو تھوڑی مسروریاں اور شرارتوں کے ساتھ گزر گیا تھا، حنین کی حرکت پر ان تینوں نے ہی اس

سے کہا تھا کہ اسے شک ہو بھی گیا تھا تو چپ رہنا تھا مگر وہ کاندھے اچکا گئی تھی اس لیے وہ بھی چپ ہوگئی تھیں یہ سوچ کر کہ

جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور جس نے کیا جب اس کو فرق نہیں پڑتا تو پھر انہیں کیا ضرورت پڑی ہے پریشان ہونے کی؟

☆.....☆.....☆

”بھائی! کھانے کو کچھ دے دیں، بڑی بھوک لگی ہے۔“ سمیرا یونیورسٹی سے آنے کے بعد کھانا کھائے بغیر سوگئی تھی،

فیصل آفس سے آیا تو وہ سو رہی تھی اس نے فریش ہو کر اسے اٹھانا چاہا تھا، وہ کبل بھاتی اسے موقع دے بغیر دواش روم میں

چلی گئی تھی، وہ اس کے واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا، مگر اسے کمرے میں دیکھ کر وہ بالوں سے ٹاول بھاتی لکھے گیلے بال کچر

میں جکڑتی روم سے نکل گئی اور وہ اس کی بچکانہ حرکتوں پر مسکراتا اس کے پیچھے ہی روم سے نکل آیا تھا۔

”بھائی سے کیوں کہہ رہی ہو، خود بھی کچھ کر لیا کرو۔“ اس کے ناراض چہرے پر نظر ڈالی تھی اور وہ رخ پھیر گئی تھی۔

”مجھے کچھ کرنا نہیں آتا۔“ لہجے میں زرخا پن تھا۔

”تم بیٹھو میں کھانا گرم کر دیتی ہوں۔“

”کھانا کھانے کو دل نہیں کر رہا۔“

”میں نے رول اور سو سے بنائے ہیں، ساتھ میں کباب بھی تلی دیتی ہوں۔“ زمین کے کہنے پر وہ ڈانٹنگ ٹیبل کی

پچر کھڑکا کر بیٹھ گئی۔

”نہیں یا! آج تو بہت مشکل ہے کل کا پروگرام رکھو۔“ وہ کن آنکھوں سے اسے دیکھتا فون پر بات کر رہا تھا۔

”یار! منیج کر لے باہر کل یو ایس اے جا رہا ہے، اس لیے سارے دوست جمع ہو رہے ہیں، اب ٹو نہیں آئے گا تو

سب ہی ٹیبل کریں گے، ٹو ویسے ہی کافی ماہ سے دوستوں کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوا۔“ ماہ کنگان نے تفصیل بتاتے ہوئے

ال پر زور ڈالا تھا۔

”اوکے میں آ رہا ہوں، جب ٹو ٹھکنے لگے تو مجھے فون کر دینا۔“ اس نے بات ختم کر کے اسے دیکھا تھا جو بظاہر تو اس

کی جانب متوجہ نہیں تھی مگر وہ جانتا تھا کہ وہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور اب اس کے جانے کا سوچ کر غصہ ہو رہی

ہوگی (دل ہی دل میں)۔

”سمیرا! امیری چائے کمرے میں لے آتا۔“

”سوری، اس وقت میں بڑی ہوں۔“ بے رخی سے کہتے ہوئے زمین کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی اور یوں شروع

ہوئی تھی جیسے اس سے ضروری کوئی کام ہی نہ ہو۔

”فیصل! آپ سمو سے...“ چائے دیتے ہوئے پوچھنا چاہتا تھا۔

”نہیں بھائی! دل نہیں کر رہا، اور ابھی دوستوں کی طرف جا رہا ہوں، ڈنر پر آپ لوگ میرا انتظار مت کیجئے گا، میں لیٹ ہو جاؤں گا۔“ وہ احترام سے کہتا ڈاننگ ہال سے نکل گیا، کمرے میں آکر کپڑے پہنچ کیے اور مہوش کو اپنے جانے کا بتا کر وہ پورج کی جانب بڑھ گیا، گاڑی میں بیٹھنے ہوئے یاد آیا تھا کہ وہ سیل فون کمرے میں ہی بھول آیا ہے، پلٹا تھا کہ سمیرا آتی دکھائی دی تھی اور سیل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

”مجھے ڈیڈی کے پاس چھوڑ دیں۔“

”سمیرا! تمہیں پھر کبھی ماموں جان کے پاس لے جاؤں گا، اس وقت میں جلدی میں ہوں، کنعان میرا انتظار کر رہا ہے۔“

”جب میں یونی گئی ہوئی تھی ماما کے پاس ڈیڈی کا فون آیا تھا وہ مجھے یاد کر رہے ہیں۔“

”لے جانے کا مسئلہ نہیں ہے، واپسی میں مجھے بہت دیر ہو جائے گی، تمہیں پک نہیں کر سکوں گا، اس لیے ہم کل چلیں گے۔“

”مجھے ابھی جانا ہے، آپ مجھے چھوڑ دیں، میں وہیں رک جاؤں گی۔“

”نو... تمہیں صبح جامعہ جانا ہے۔ وہ سختی سے کہتا گاڑی میں بیٹھنے لگا۔“

”آپ مجھے ابھی ڈیڈی کے پاس نہیں لے جائیں گے تو میں صبح کہیں نہیں جاؤں گی۔“ کار کے دروازے پر ہاتھ رکھے رکھے وہ پلٹا۔

”جانتا ہوں، یہ سارے بہانے نہ جانے کے لیے ہی ہو رہے ہیں، مگر میں اس وقت جلدی میں ہوں، آکر بات کروں گا۔“ اس کے گلابی چہرے پر ایک برہم رنگہ ڈالتا وہ گاڑی میں بیٹھا اور یہ جاوہ جا، اور وہ بھی غیر بخشتی اندر چلی گئی، رات کھانا بھی نہیں کھایا، کیونکہ بھوک نہیں تھی اوپر سے نیند بھی نہیں آ رہی تھی، وی ڈی چینل بدلتی آگئی تو کتاب اٹھائی، مگر کتاب میں بھی دل نہیں لگا۔

”یہ فیصل پتہ نہیں کیسے رات گئے تک کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔“ کتاب بند کرتے ہوئے سوچا، فیصل اس طرح پہلی بار کہیں گیا تھا اس لیے اسے خالی کمرہ کچھ زیادہ ہی عجیب لگ رہا تھا اور کمرے میں بدلتے فیصل کا انتظار کرتے کرتے ہی اس کی آنکھ لگی تھی، رات کے ڈھائی بجے وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوا وہ بیڈ کے عین وسط میں سو رہی تھی، آس پاس اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ لیٹ جاتا اسی لیے دیر سے اسے سائیڈ میں کیا تھا کہ اس نے کسماتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔

”آپ مجھے مت اٹھائیں، میں بالکل نہیں جاؤں گی۔“ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”کہاں نہیں جاؤ گی؟“ مسکراتے ہوئے آنکھوں پر اسے کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

”مجھے پڑھنے کا بالکل شوق نہیں ہے فیصل! اب آپ میری نیند خراب نہ کریں، پہلے ہی اتنی مشکل سے سوئی ہوں۔“

”بھئی! میں نے تمہاری نیند خراب کرنے کا حق حاصل کیا ہے مذاق بات نہیں ہے، اور میرے بغیر تمہیں کہاں اتنی آسانی سے نیند آسکتی تھی۔“ ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرے ہاتھ کی کہنی بستر پر جمائے وہ قدرے اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔

”مجھے تنگ مت کریں، میں آپ سے ناراض ہوں۔“ فحش سے کہتی اٹھنے لگی تھی جسے وہ ناکام بنا گیا تھا۔

”ناراض ہو کر بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ شرارت سے کہتے ہوئے وہ اس پر جھٹکا اور اس کی فحش اور غصے کو خاطر میں نہ لائے ہوئے اسے اپنے پیار کی اوس میں بھگوتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”زرمن! میرے موزے نہیں مل رہے؟“

”حشر! چائے نکال لینا، مجھے فیصل بلار ہے ہیں۔“ وہ بجلت میں کچن سے نکل کر روم میں آگئی۔

”موزے کہاں رکھ دیئے، کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔“

”سوری فیصل! میں نکالنا بھول گئی تھی۔“ شرمندگی سے کہتی الماری میں سے موزے نکال لائی، جسے لیتے ہوئے فیصل نے ایک نظر اسے دیکھا، بالوں کو جوڑے کی شکل میں بے ترتیب سا لپیٹا ہوا تھا، کل کے پہنے گلے پڑوں پر ایپرن باندھے پڑا مردہ چہرہ لیے وہ اس کے سامنے تھی۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ وہ اثبات میں سر ہلاتی مزی تھی اور وہ اس کی کلائی تھام گیا، اور وہ تو دھک سے رہ گئی کہ اسے ایسی کوئی امید ہی کب تھی۔

”تمہیں تو بخار ہو رہا ہے۔“ کلائی چھوڑ کر پیشانی پر ہاتھ رکھا اور شکر سا بولا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں، آپ کو کوئی کام تو نہیں ہے، مجھے کچن میں بہت سے کام ہیں۔“

”کام ماما دیکھ لیں گی، تمہیں بتانا تو چاہیے تھا۔“

”میری آنکھ آج دیر سے کھلی ہے فیصل! بس اس لیے ساری گزربو ہو گئی، آپ جلدی سے تیار ہو کر آجائیں، میں آپ کے لیے آلیٹ بنا لیتی ہوں۔“ وہ کیا کہہ رہا تھا اور وہ کیا کہہ رہی تھی۔

”کہا ماما دیکھ لیں گی، تمہیں آرام۔“

”معمولی بخار ہے، میں نے رات کو ٹیمپریٹ لے لی تھی، آپ پریشان نہ ہوں۔“

”کیسے پریشان نہ ہوں؟ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلا ہوں۔“

”ٹھیک ہے، آپ آفس جاتے ہوئے لے جائے گا۔“ وہ کہتی باہر نکل گئی، ڈاننگ ہال میں سب ہی موجود تھے، حشر نے ٹیکس لگانے میں اس کی پوری مدد کی تھی جبکہ سمیرا آنکھوں میں نیند لیے ابھی ابھی ڈاننگ ہال میں داخل ہوئی تھی۔

”زرمن! اب تم بھی آ جاؤ بیٹا! صبح سے لگی ہوئی ہو۔“ فیاض صاحب نے اسے آواز لگائی تھی۔

”مجھے تو بے حد شرمندگی ہو رہی ہے، صبح سے شام تک لگی رہتی ہے، میری طبیعت ٹھیک ہی نہیں ہے چند دنوں سے، میں بھی اس کی کوئی مدد نہیں کروا پاتی، اور یہ دونوں تو ہیں ہی سدا کی غمی۔“ انہوں نے زرمن کو پیار سے دیکھتے ہوئے ان دونوں کو گھر کا تھا۔

”ماما! گھر کے کام تو کرنا ہی پڑتے ہیں اور یہ دونوں بھی جب وقت آئے گا کر لیا کریں گی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر تم بھی تھک جاتی ہو گی اور آج تو مجھے تمہاری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ ان کی شرمندگی انہیں گھبراہٹ ہو رہی تھی، اور فیصل کی بات نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔

”محترم کو تیز بخار ہے۔“

”آپ لوگ پریشان نہ ہوں، میں دوائی لے چکی ہوں۔“

”بہنا! تم آفس جانے سے پہلے ہو کوڑا کٹر کے ہاں لے جانا۔“ فیاض بولے۔

”بہنا! تم نہیں بتاتے تو سہی، بیمار کی حالت میں کام کرتی رہیں۔“

”مہما! اب خدا نخواستہ سیریس بیمار نہیں ہوئی، ٹیبلٹ لے لی تھیں، سوچا ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ وہ ان سب سے زیادہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

”اچھا اب جلدی سے حلیہ ٹھیک کر کے آ جاؤ۔“ حشرش نے اسے وہاں سے اٹھایا تھا۔

”مہما! میں آج چھٹی کر لیتی ہوں۔“

”نہیں، ضرورت نہیں ہے، تم دونوں جاؤ، میں ہوں۔“ ان کے کہنے پر وہ دونوں فیصل کے ساتھ نکل گئی تھیں، مگر سیرا کافی اپ سیٹ ہو گئی تھی، دوپہر اور رات کا کھانا مہوش نے خود بنایا تھا، صفائی کرنے ماسی آگئی تھی، زمین کو انہوں نے کچھ کرنے نہیں دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”سیرا! ایکس راز میں تمہیں پراہلم ہو رہی ہو تو میں نرس کا انتظام کرو دیتا ہوں۔“ وہ آفس سے جلدی نکلا تھا اور گھر جانے کے بجائے یہاں آ گیا۔

”فی الحال تو ضرورت نہیں ہے، بواجی میری کافی، پیپ کروادتی ہیں۔“

”یہ سب تکلیف تمہیں اپنی جذباتیت کی وجہ سے اٹھانا پڑ رہی ہے۔“ وہ اس کے کاندھے سے لگی نیم دراز تھی اور اس کی انگلیاں اس کے ریشمی بالوں میں بڑی سرعت سے چل رہی تھیں۔

”ہونے والی بات ہوئی ہے تو ہو کر رہتی ہے، یہ بتائیے گھر میں سب کیسے ہیں؟“

”سب ٹھیک ہیں، زمین آئی ہوئی ہے اس کی طبیعت کچھ خراب ہے۔“

”کیا ہوا ہے زمین کو؟“ وہ پریشان ہوئی تھی، احمد غائبانہ طور پر سب کا تعارف کروا چکا تھا۔

”بدلتے ہوئے موسم کی وجہ سے فلو اور بخار ہے، یہ بتاؤ تم نے کب تک ایسے ہی فارغ رہنے کا سوچا ہے؟“

”فارغ رہ رہ کر تو میں بھی تنگ آگئی ہوں، مگر کیا کروں؟ گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتی، کتنے ماہ سے گھر کے باہر کی فضا نہیں دیکھی۔“ وہ اداس ہو گئی تھی۔

”اور اکیلا گھر بھی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، خالہ کے گھر میں تو ہر وقت بنگامہ پیار ہوتا تھا، وہ لوگ نہ جانے مجھے یاد بھی کرتے ہوں گے یا نہیں؟“ وہ جیسے بھی تھے اس کے اپنے تھے اور ان کی یاد اس کی پلکیں نم کر گئی۔

”جنہوں نے تمہیں پاس رکھ کر یاد نہیں رکھا دور جانے کے بعد کیا کریں گے۔“ وہ تلخ ہوا تھا۔

”وہ مجھے یاد کریں نہ کریں میں ان سب کو بہت مس کرتی ہوں، بڑا دل کرتا ہے ان سب سے ملنے کا، کیا آپ مجھے خالہ سے ملوانے لے جاسکتے ہیں؟“ وہ بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔

”میں ان لوگوں کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا، اتنے دو غلے اور مار لوگ میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھے۔“

”ایسے تو مت کہیں احمد! وہ جیسے بھی ہیں میرے اپنے ہیں۔“

”تمہیں آنسو بہانے کی ضرورت نہیں ہے، میں چاہتا تو نہیں ہوں، ان لوگوں سے کسی بھی قسم کا رابطہ کرنا، لیکن تمہاری دوشی کے لیے کسی دن لے چلوں گا۔“ وہ آنسو پونچھتا ہوا بولا اور وہ خوش ہو گئی۔

”جھنک! اجد! آپ بہت اچھے ہیں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے جوش سے بولی، اور وہ کچھ کہتا کہ اس کا سیل بجنے لگا، اس نے سائیز ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دیکھا اور گھر کا نمبر دیکھ کر کال ریسیو کر لی، مگر ماندہ کی آواز سن کر ساری ڈشواریت لحوں میں اڑن چھو ہو گئی۔

”اجد! میں ماندہ بات کر رہی ہوں۔“

”کیسے فون کیا؟“

”آپ کب تک آئیں گے؟“

”ابھی آفس میں ہوں، فارغ ہوتا ہوں تو آ جاؤں گا۔“

”لیکن اب تو کہہ رہے ہیں آپ آفس سے نکل گئے ہیں۔“

”تم یہ بتاؤ کیسے فون کیا؟“ اس کی بات پر غصہ تو آیا مگر سیرا کی وجہ سے آواز دھیمی ہی رہی۔

”ماما کا کتنی ہی دفعہ فون آ چکا ہے، آج ہم ان کے یہاں انوائٹ ہیں، سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”میں آدھے گھنٹے تک بیچ رہا ہوں۔“ راحم کی پروش ہوئی تھی، اس لیے ان لوگوں نے ایک گیٹ نوٹیدر رکھ لی تھی اور آفس جاتے ہوئے ماندہ نے اسے بتاتے ہوئے جلدی آنے کا کہا تھا، مگر اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

”فون پر ماندہ تھی؟“ وہ چونکا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

”آپ کو ماندہ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔“

”پھر کیا کیا کہہ دیتا؟“ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”مجھے اپنا آپ مجرم لگتا ہے اجد! کہ آپ کو میری وجہ سے اپنی بیوی اور پیرنٹس سے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔“

”ماندہ میری بیوی ضرور ہے مگر اس کا نمبر دوسرا ہے، اور تم سے تول کا معاملہ جوڑا ہے۔“ وہ شوخ ہوا تھا مگر اس کی نیکی ہنوز قائم رہی۔

”وہ چاہے آپ کی دوسری بیوی ہے، مگر اس کی جو حیثیت دنیا اور آپ کے پیرنٹس کی نظر میں ہے اس مقام تک میں کبھی نہیں پہنچ پاؤں گی، میرا شوہر مجھ سے ملنے کسی چور کی طرح آتا ہے اور یہ بات مجھے اذیت دے رہی ہے۔“

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہے، ورنہ میں تو شادی ہی کرنا نہیں چاہتا تھا، تمہارے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑا تھا۔“

”میں اپنے دل کو بسانے کے لیے آپ کے پیرنٹس کا دل نہیں اجاڑ سکتی تھی اور ماندہ... اس کا کیا قصور ہے جو آپ من شادی پر اس سے شادی سے انکار کر دیئے؟ اس نے بھی تو کتنے ہی خواب سناے ہوئے گئے۔“

”ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی، خود ہی تم نے یہ راستہ منتخب کیا، مجھے اس راستے کا مسافر بننا اور خود اذیت میں ہوا اور کتنی ہی اذیت دے رہی ہو، جانتی ہو نا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔“ اس کے لہجے دھچے پر بکھری اذیت وہ راز محسوس کر سکتا تھا۔

”میں بھی کیا کروں، چاہتی ہوں آپ اپنوں کے ساتھ رہیں، ہمیشہ خوش رہیں، میری خوشی صرف آپ ہیں۔“

”اور میری خوشی صرف تم ہو۔“ وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے لفظوں پر زور دے کر بولا۔

”جانتی ہوں، اسی لیے تو خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں! مگر میں مکمل خوش ہونا چاہتی ہوں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جیسے میں نے آپ کی شادی ایکسپٹ کر لی ہے آپ کے بیڑس اور ماندہ ہماری شادی ایکسپٹ کر لیں؟“ وہ اسے امید بھری سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”میں اپنے بیڑس سے بات کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ جب انہیں یہ پتہ لگے گا کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا ہے تو وہ خود ہی ماندہ سے میری شادی ختم کر دیں گے، مگر میں تمہاری ضد اور قسم کے آگے ہار گیا، کیونکہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ میں اس بات کو راز ہی رہنے دوں، جب بتانے کا وقت تھا تم نے بتائے نہیں دیا اور اب کہتی ہو کہ وہ ہماری شادی ایکسپٹ نہیں کر سکتے؟“

”اجد! وہ بتانے کا بالکل بھی مناسب وقت نہیں تھا، آپ کے فادر آپ سے تعلق ختم بھی کر سکتے تھے اور آپ شادی سے انکار کرتے تو آپ کے اور آپ کی چھپو کے خاندان (سرال) کی عزت خاک میں مل جاتی، مگر اب آپ طریقے سے اپنے بیڑس سے بات کر سکتے ہیں اور جب ماندہ کو میں نے آپ کی بیوی کے روپ میں برداشت کر لیا ہے وہ بھی کر لے گی، عورت کو ایک سائبان ہی تو چاہیے ہوتا ہے اور آپ ہم دونوں کا سائبان بن جائیں گے تو ہمیں پھر اور کچھ نہیں چاہیے ہوگا۔“ وہ زندگی بھر ایک جھپٹ کو ہی تو رستی تھی، ایسی جھپٹ جہاں اپنے ہوں، ان میں بیمار ہو، ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھ تھی ہوں، اس کے اپنے تھے مگر اس کے وجود سے یکسر بیگانہ جہاں اسے ہر وقت یہ احساس دلایا گیا کہ یہ مگر اس کا نہیں ہے، اس لیے اس نے ہمیشہ ایک گھر کا خواب دیکھا جو اسے احوال لگتا تھا، اس لیے اس نے اتنی بڑی قربانی دی، اجد کو دوسری شادی کی اجازت دی، اجد اس سے ملنے روز آتا تھا مگر وہ چاہتی تھی کہ اسے اس کا جائز مقام طریقے سے ملے یوں چوری چھپے نہیں۔

”اس وقت میں چلتا ہوں، تم پریشان مت ہو کرو، میں نے تمہیں اپنا نام دیا ہے، نکاح کیا ہے تم سے، اور آج میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تمہیں اپنے گھر لے چلوں گا، تمہاری جائز حیثیت اور مقام کے ساتھ۔ بس تم رویہ نہ کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“ وہ اس کے کاندھے سے ہاتھ ہٹا کر اپنی انداز میں کہتا اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کرنا اسے ریلیکس رہنے کا کہتا گاڑی کی چابی اور موبائل سائیڈ میبل سے اٹھاتا پھرتا آنے کا کہہ کر روم سے نکلا تھا، بوائے کو اس کی طبیعت و صحت کے متعلق چند ہدایات دی تھیں اور فلیٹ سے نکل آیا تھا، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ماندہ کا نمبر لایا تھا۔

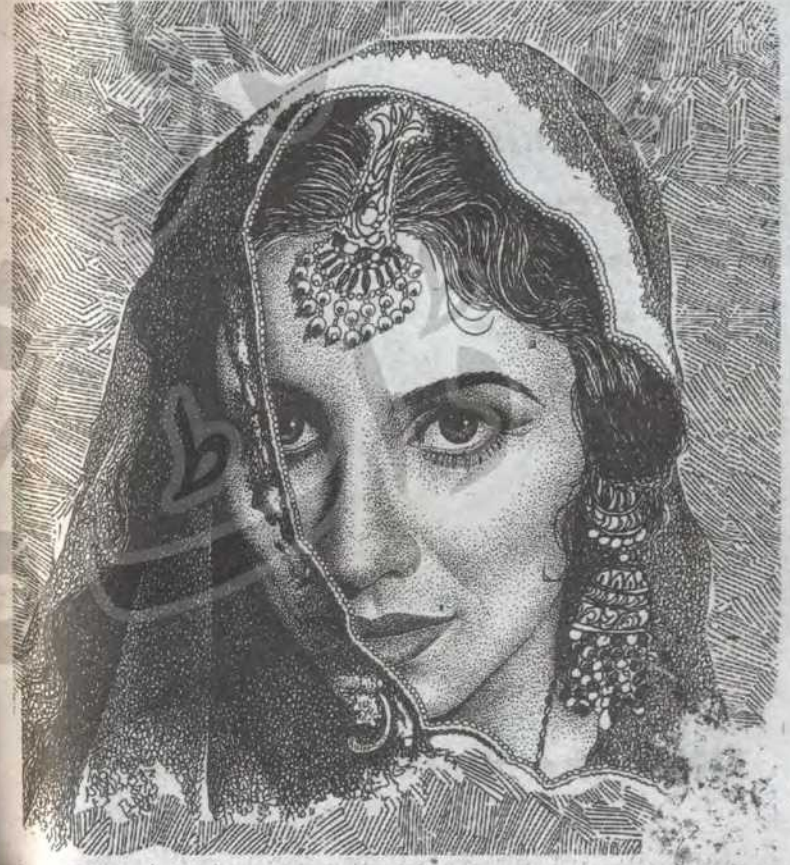
”تم گھر والوں کے ساتھ اپنے گھر چلی جاؤ، میں ایک گھنٹے تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔“ اور جس وقت وہ گھر پہنچا تھا وہ لوگ چلے گئے تھے۔ اس نے جھکن مٹانے کے لیے شاور لیا تھا، الیکٹرک کیٹل سے اپنے لیے چائے بنائی تھی اور چائے کے ساتھ سرد روکی ٹیبلٹ لی تھی اس کا وہاں جانے کو دل نہیں تھا مگر ماندہ نے ان کے رشتے کی کمزوری اور تمام کمیاں کمرے تک محدود رکھی تھیں، اس لیے وہ بھی سب کے سامنے ماندہ سے نارل بی ہو ہی کرتا تھا، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک گھنٹے کا کہہ کر وہ گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

بشریتا کھنڈے لگی جانا

”آپ لوگوں نے آنے میں اتنی دیر کر دی، اور یہ اسجد بھائی کہاں ہیں؟“ شازمین ماں اور چچی سے ملنے ہوئے مامو کے گلے لگتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

نوٹ: رذا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رذا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

”اسجد کو آفس میں کچھ کام تھا، وہ ختم کر کے آجائیں گے۔“ وہ سادگی سے کہتی سب سے ملنے لگی تھی، ان کی ٹیمپلی کے مادہ وحش کی پوری فیملی بھی انوائسڈ تھی اور وہ لوگ کب کے آ گئے تھے۔
”ارجم بھیا! دکھائی نہیں دے رہے۔“ حنین کو سب سے پہلے یاد آتا تھا۔
”ابھی، ابھی آیا ہے اوپر اپنے کمرے میں ہے۔“ فریدہ نے بتایا تھا۔
”فریش ہو کر آجائے گا جب مل لینا۔“ وہ جوائنٹے لگی تھی واپس بیٹھ گئی۔
”تم لوگوں کی اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟“ مامدہ نے پوچھا۔



”ایک دم بور“ سمیرا جلدی سے بولی۔

”ابھی تو اشارت ہے ناں، اس لیے لگ رہا ہوگا۔“ ماندہ نے اندازہ لگایا تھا۔

”اشارت کی وجہ سے نہیں ایسا! سمیرا کو پڑھنے کا شوق ہی نہیں ہے۔“

”ایسی بات تھی تو ایڈیشن کیوں لیا؟“

”میں نے کب لیا ہے، فیصل نے زبردستی کروایا ہے۔“ اس نے سامنے صوفے پر بیٹھے فیصل پر نگلی بھری نگاہ ڈالی تھی وہ اس سے اب بھی خفا تھی، مگر وہ اس کی سن کب رہا تھا، روز اسے صبح 7 بجے اٹھا دیتا تھا، سمیرا کے دیکھنے پر اس نے اس کا پاس کی گروہ نگاہ پھیر گئی۔

”تو اچھی بات ہے ناں، انٹر کی ڈیمانڈ ہی کب ہے، ماسٹر نہیں تو کم از کم گریجویٹ تو کرنا ہی چاہیے اور جب فیصل بھیا خود تمہیں اجازت دے رہے ہیں، تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ تم تو خوش نصیب ہو اس لحاظ سے، ورنہ تو شادی کے بعد لڑکیوں کو پڑھنے کی اجازت مل ہی نہیں پاتی۔“ ماندہ سچائی سے بولی کیونکہ ہوتا بھی تو یہی ہے شادی سے پہلے تو وعدے کر لیے جاتے ہیں مگر شادی کے بعد سارے وعدے بھول جاتے ہیں۔

”مجھے پڑھنے دینے کا شوق نہیں ہے، میں نے انٹر ہی اتنی مشکل سے کیا ہے، جبکہ یونیورسٹی کی پڑھائی بہت آسان ہے، ریگولر جانا ہی اتنا مشکل ہے۔“

”چند دنوں میں یونیورسٹی ہو جاوے گی، ورنہ فیصل بھیا سے بات کرنا وہ تمہاری بات مان لیں گے۔“ اس کے نزدیک چہرے کو دیکھ کر نرمی سے شازمین نے کہا۔

”فیصل اس سلسلے میں میری بالکل نہیں مانتے والے، خیر اس قصے کو جانے دیں اور یہ بتائیں اسجد بھائی کیوں نہیں آئے؟“

”اسجد بھائی آگئے ہیں۔“ حسنین ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی تھی کیونکہ وہ باہر سے ہی آئی تھی، وہ سب اپنی گفتگو میں لگ گئیں۔

”بچوں آج صرف محفل جمائے رکھنے کا ارادہ ہے، کھانا کھلانے کا ارادہ نہیں ہے؟“ یوسف الحسن کے گفتگو سے کہنے پر شازمین کے ساتھ وہ تینوں بھی اس کی مدد کروانے کے خیال سے اٹھ گئیں، جبکہ حسنین ارحم کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”اور سناؤ بھئی! جناب کی اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟“ وہ فیصل کو چھوڑ کر فوراً اس کی جانب متوجہ ہوا تھا کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔

”ابھی چل کہاں رہی ہے بھیا! ابھی تو ریک رہی ہے۔“ وہ شان بے نیازی سے کہتی پونی ٹیل میں انگلیاں چلانے لگی، ساجدہ کو اس کی یہ عادت سخت ناپسند تھی، کیونکہ اس کے بال بہت خوبصورت تھے اور بالوں میں بار بار اور مستحجاباتھ پھیرا جائے تو کہتے ہیں کہ بال جھرنے لگتے ہیں، اسی خیال سے وہ بیٹی کو منع کرتی تھیں، مگر وہ بھی کیا کرتی خود یہ خود ہاتھ بالوں کی جانب اٹھ جاتے تھے، اسی لیے ساجدہ اسے پونی ٹیل باندھنے نہیں دیتی تھیں اور خود اس کے لائے بالوں کی روزانہ صبح و شام چھوٹی گوندھ دیتی تھیں، مگر آج اس نے ضد کر کے پونی ٹیل بندھوائی تھی جو گردن کی حرکت کے ساتھ کھلی شاخ کی مانند ادھر سے ادھر پھول رہی تھی۔

”فرسٹ ڈے کیسا رہا تھا؟ سینئر نے بے وقوف تو بنایا ہوگا؟“

”کسی میں اتنا دم کہاں کہ وہ حسنین عالم کو بے وقوف بنا سکے۔“ اس نے فخر سے فرضی کالر اونچے کیے اور حشر کو دیکھنے لگی، جسے زمین نے کچن سے بھاگا دیا تھا، اور وہ حسنین کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اور اس نے حشر کے اشارے سے منع کرنے پر بھی ساری تفصیل بتادی۔

”ارحم بھیا! ڈاکس کے اوپر وہ شخص کافی یک لگ رہا تھا، اور فضول میں رعب جھاڑ رہا تھا، جیسی مجھے ایسا لگا کہ بولتے ہوئے اس کی ناک کے ذرا نیچے موجود کوئی چیز مل رہی ہے اور میں نے جا کر اس کی نقلی داڑھی مونچھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دی، سچ ارحم بھیا! اس کی شکل دیکھنے والی تھی۔“ وہ اپنا کارنامہ بتاتے ہوئے بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

”مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”یہی تو حشر وغیرہ بھی کہہ رہی تھیں، مگر وہ ہمیں بے وقوف بنا رہا تھا، کلاس ٹائم پر پہنچے تھے گروہ ڈرامے باز کلاس اشارت ہونے سے پہلے وہاں پروفیسر بکرا کھاتا تھا اور ہماری کتنی انسلٹ کی، فرسٹ امپریشن از لاسٹ امپریشن، مائی فٹ... سارے امپریشن نکال دیئے، آئندہ اس طرح کسی کو فوٹو لینا نہ کا سوچے گا بھی نہیں۔“ بے تحاشہ ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں آنی نمی صاف کرتی ناک چڑھا کر نخوت سے بولی، اسے سرزنش کرنے کے لیے ارحم نے لب و لہجہ کیسے کیے تھے کہ شازمین کھانا لگ جانے کی نوید لیے چلی آئی تھی اور وہ فوراً اٹھ گئی۔

”مجھے تو بہت سخت جھوک لگ رہی ہے۔“ وہ لب بھیج گیا، کھانا بہت ہی خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”بھائی صاحب! مجھے آپ سے حسنین کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے۔“ چائے اور کافی کے گرم گرم ماحول میں سیاست کا موضوع زیر بحث رہا تھا، جیسے ہی مردوں کے درمیان کچھ خاموشی ہوئی تھی مہوش کچھ سوچ کر کہہ اٹھیں۔

”حسنین کے بارے میں کیا بات کرنی ہے؟“ وہ کچھ حیران ہوئے۔

”بھائی صاحب! بات یہ ہے کہ بھیا صاحب کی سالی حمیرا اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آپ کے گھر آنا چاہ رہی ہیں۔“ وہ کافی تفصیل سے بولیں۔

”حسنین کا رشتہ...!“ وہ زیر لب بڑبڑائے اور وہ لڑکے کی تفصیل انہیں بتانے لگیں کہ اس کی کٹیشن کتنی ہے اور کیا کرتا ہے۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے، مگر حسنین کا رشتہ اتنی جلدی ہم نہیں کرنا چاہتے، ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔“ وہ تفصیل سن کر بولے تھے۔

”بھائی صاحب! ہماری حسنین نے انٹر کر لیا ہے، اب اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے، ذمہ داری ڈالیں گے تو اس میں کچھ شور آئے گا اور مہوش نے تو وہی بات چھیڑ دی ہے جو میں خود بھی آپ سے کرنا چاہ رہی تھی۔“ فریدہ نے بھی مداخلت کی جبکہ اسجد اور ارحم کے ساتھ باتیں کرتا فیصل ان کی باتوں پر دھیان دینے پر مجبور ہو گیا۔

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“

”بھائی صاحب! ہمارے پڑوس میں ڈاکٹر نسیم رہتے ہیں ان کی بہو نے اپنے بھائی کے لیے حسنین کی بات کی ہے اور ارحم کے دوست کی مدد بھی ایسا ہی کچھ چاہتی ہیں۔“ فریدہ نے طریقے سے بات بڑھائی۔

”زرمین کی شادی کے بعد ایک دور رشتے تھے مگر نوید نے سب سے معذرت کر لی۔“ راشدہ بولی تھیں۔
 ”کیونکہ میں جنین کی شادی اتنی جلدی نہیں کروں گا، بڑی دونوں بیٹیوں کی شادی گریجویشن کے بعد کی ہے۔“
 ”بھائی صاحب! رشتے دیکھتے تو جاسکتے ہیں۔“ مہوش نے کہا۔

”میں سمجھتا ہوں یہ سب قبل از وقت ہوگا، جنین ابھی کم عمر ہے لوگ اسے دیکھنے آئیں گے، گھر میں باتیں چلیں گی اس سب سے اس کی بڑھائی پر بھی فرق پڑے گا۔ جب مناسب وقت ہوگا میں کوئی فیصلہ کروں گا، کیونکہ زرمین اور شازمین کی شادی میں نے آنکھ بند کر کے کر دی، رشتے گھر کے تھے کوئی مسئلہ نہیں ہوا، جنین کے لیے خاندان سے باہر رشتہ کرنا ہے، چھان بین کے دشوار مسئلے سے گزرنا پڑے گا، اس لیے میں غلبت سے کام نہیں لینا چاہتا۔“ نوید عالم اپنے مخصوص سادہ اور نرم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

”بھائی صاحب! اگر آپ کو برا نہ لگے اور مناسب محسوس ہو تو آپ جمال سے مل لیں، جس طرح کا طمیزان چاہیں کر لیں کیونکہ بھیا صاحب نے مجھ سے خود بات کی ہے، وہ جمال کی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں اور شادی بھی فوری نہیں کرنا چاہتے، سال دو سال تک انتظار کر لیں گے۔“ حیرانے اور شازمین نے دونوں نے ہی ان پر کافی زور ڈالا تھا۔
 ”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، آپ مجھے لڑکے کے مکمل کوائف دے دیجئے گا، انکوائری کے بعد ہی فیصلہ کروں گا، مگر یہ یاد رکھیے گا اگر لڑکے میں ذرا سی بھی کمی ہوئی تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی اور سب سے بڑھ کر اس کی شبیلی ایسی ہونی چاہیے جو ہماری جنین کو عزت اور پیار سے رکھے میری بیٹی بہت معصوم ہے اور میں اس کا رشتہ ایسے ہی لوگوں میں کروں گا جو اس کی قدر کریں گے۔“ انہوں نے دو ٹوک انداز میں سختی فیصلہ سنا دیا جبکہ فیصل بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا، وہ جنین کے معاملے میں ان لوگوں کی جذباتیت سے واقف تھا مگر اتنی شدید جذباتیت کا اس نے کب سوچا تھا، اسے ماہ کنعان کی فکر ہونے لگی، پہلے تو اس نے سوچا کہ یہ ذکر اسے کنعان سے نہیں کرنا چاہیے پھر اس خیال سے کہ وہ اگر سیریس ہے تو اسے دکھ ہوگا، اس نے کنعان سے ذکر کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تاکہ اگر وہ سیریس ہے تو رشتہ بھیج کر قسمت آزمائے۔

☆.....☆.....☆

”ایک گڈ نیوز ہے۔“ شازمین ان لوگوں کو باتوں میں مگن چھوڑ کر لاؤنچ میں یہ دیکھنے اور پوچھنے آئی تھی کہ وہاں کسی کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے جب اس نے بڑوں کی باتیں سن لی تھیں۔
 ”گڈ نیوز..... پلیز بھو! جلدی بتائیے ناں۔“ جنین پر جوش ہو گئی۔
 ”تم کیوں ایکساٹڈ ہو رہی ہو، ضروری تو نہیں ہے کہ خوشی کی خبر تم سے ری لیڈ ہو۔“ بیڈ پروہ آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے نکلیے گود میں رکھ کر بڑے مزے سے کہتی جنین کو شرارتی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔
 ”جی میں آپ کی طرح خود غرض نہیں ہوں، جو صرف اپنی خوشی پر ہی خوش ہوتے ہیں۔“ وہ ہمیشہ کی طرح برامان گئی۔
 ”میں خود غرض ہوں ناں تو ایسے ہی کسی، اب بچو کچھ نہیں بتاؤں گی۔“

”میں بھی آپ کی سوکا لڈ گڈ نیوز سننے کے لیے مری نہیں جا رہی۔“ وہ زبان چڑاتی جانے کو ابھی تھی جبکہ وہ تینوں ان کی نوک جو ہو تک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں، زرمین کے ہونٹوں پر بڑی ہی دلکش مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔
 ”مری مت جاؤ، فضول میں خرچا ہوگا اور بات جاننے کے لیے لوٹ کر تو نہیں آنا پڑے گا، آفر آل گڈ نیوز تو مجھے ہی

معلوم ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ تم سے ہی ری لیڈ ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام گئی اور وہ جوش سے واپس بیٹھ گئی۔
 ”اب بتا بھی دو شازمین! زرمین کے کہنے پر اس نے جنین کو مزید ستانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔
 ”پتہ ہے شازمین آپ! اوہ لاؤنچ میں.....!“

”نہیں پتہ ہے جیسی تو آپ سے پوچھ رہے ہیں۔“ جنین نے پھر مداخلت کی۔
 ”تجہیں بڑی جلدی ہے جانے کی تو سن لو، وہاں نیچے تمہاری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔“
 ”واٹ.....؟“ وہ چلائی تھی اور وہ تینوں حیرت سے شازمین کے چہرے کو دیکھنے لگی تھیں۔
 ”شازمین! کیا کہہ رہی ہو تم؟“

”وہی جو سنا ہے، حشر آئی نے سیرا کے کزن کا پرنسپل جنین کے لیے دیا ہے جبکہ مجھے بھی کسی رشتے کا ذکر کر رہی تھیں۔“ شازمین متبسمی بولی تھی۔

”لیکن مجھے شادی نہیں کرنی ہے میں ابھی جا کر تایا ابو سے کہہ دیجی ہوں۔“ وہ غصے سے باہر نکلتی کہ زرمین اس کی راہ میں آ گئی۔

”جنین! یہاں ابھی اس طرح کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، گھر جا کر بات۔“
 ”ابھی کیوں نہیں آتی؟“

”کہاناں گھر جا کر بات کرنا، اور ویسے بھی رشتے طے نہیں ہو رہا ابھی صرف بات نکلی ہے، تمہیں میں منع کر رہی ہوں جنین! میری بات نہیں مانو گی؟“ وہ یکدم ہی لب سمجھ گئی تھی۔

”شازمین! تمہیں اتنی عقل نہیں ہے کہ کون سی بات کب کرنی چاہیے؟“
 ”لیکن آپ!.....!“

”لیکن ویکن کیا، کوئی بات پتہ چل گئی تھی تو اس طرح کہنے کی کیا ضرورت تھی؟“ زرمین اسے ڈانٹنے لگی۔

”میں نے سنا تو آ کر بتا دیا، مجھے کیا پتہ تھا کہ جنین اس طرح ہی ہو کرے گی۔“ وہ اس کے ڈانٹنے پر شرمندہ سی ہو گئی۔
 ”جانتی نہیں ہو اس میں برداشت بالکل نہیں ہے، اس کے ذہن میں جو ایک دم آیا وہ جا کر نیچے سب کے سامنے کہہ دیجی تو جانتی ہو کتنا برا امپریشن پڑتا؟ اور ابھی تو صرف رشتے کی بات ہوئی ہے، تم نے سنا کہ ابو نے کیا کہا؟“ اس نے نفی میں گروں ہلائی تھی۔

”انہوں نے یقیناً منع کر دیا ہوگا، جانتی ہوں ابو کو جنین کی اتنی جلدی شادی نہیں کریں گے۔“ اس نے باپ کے رویے اور گھر میں اس کی حیثیت کے مطابق اندازہ لگایا کیونکہ اسے وہ سب ایک چھوٹی بچی کی طرح ٹریٹ کرتے تھے، زرمین کی شادی کے بعد جب اس کا رشتہ آیا تو وہ لوگ حیران ہی تو رہ گئے تھے، نوید عالم تو کچھ لمبے کچھ بول ہی نہیں سکے تھے، کہ جو ان کے کاندھوں سے لگی کل تک چاکلیٹ، آئسکریم کی فرمائش کرتی تھی وہ آج اتنی بڑی ہو گئی کہ اس کی شادی کا قصہ چھوڑ گیا۔

”بھابی! ہم لوگوں کو نیچے چلنا چاہیے، کافی دیر ہو گئی ہے۔“ سیرا کے اچانک بول پڑنے کی وجہ سے زرمین لب سمجھ گئی۔

”آپ ہمارے ساتھ چلیں گی؟“ حشر نے پوچھا تھا اس کا ارادہ تو تھا، مگر جواب بدل گیا تھا۔

”فضیل! آپ کل مجھے لینے!“

”ابھی ساتھ نہیں چل رہیں؟ فون پر تو یہی کہا تھا“۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا وہ ایک ہفتے سے مکے میں تھی۔

”جی... کہا تو تھا لیکن...!“ اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ بدلے ہوئے ارادے کا کیا ریزن دے۔

”اوکے... میں کل آفس سے واپسی پر پک کر لوں گا“۔ وہ اسے مشکل سے نکال گیا اور وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی کہ وہ

کیسے لکھوں میں اس کی مشکل دور کر دیتا تھا۔

”ارے تم کہاں جا رہی ہو؟“ جنین کو ان سب کے ساتھ جاتے دیکھ کر ارحم نے اسے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

”وہ مجھے صبح یونیورسٹی جانا ہے ورنہ ضرور رک جاتی“۔

”تم کہیں نہیں جا رہی ہو، مسئلہ جامعہ جانے کا ہے تو میں ڈراپ کر دوں گا، ارحم پک کر لے گا“۔ اس نے لائحہ عمل تیار

کیا۔

”آج میرا دل نہیں کر رہا ارحم بھیا! دو چار دنوں میں اسجد بھائی کے ساتھ آ جاؤں گی“۔ وہ اس وقت زرمین کی وجہ سے

رک گئی تھی، مگر اس کے دل و دماغ میں پچھلے دھندلے تھے، اس لیے جانا چاہ رہی تھی ورنہ تو وہ اپنا بیگ لے کر آتی تھی کیونکہ

فریڈ نے اس سے کہا تھا مگر وہ جب رکنا ہی نہیں چاہ رہی تھی تو وہ لوگ خاموش ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”تامبا ابو! میں شادی نہیں کروں گی“۔ ناشتے کی ٹیبل پر اس نے دھماکہ کیا تھا، وہ کل راتے میں سو گئی تھی کیونکہ صبح کی

کی ابھی ہوئی تھی اور ساجدہ کے اٹھانے پر وہ بمشکل اپنے کمرے تک گئی، مگر رات جو نیند کی وجہ سے بات ذہن سے نکل گئی

تھی وہ بیدار ہوتے ہی یاد آ گئی۔

”یہ خیال کیوں ذہن میں آیا؟“ سوال میں حیرت پنہاں تھی اور اس نے شازمین کی بات کہہ دی۔

”شازمین! جو کہہ رہی تھیں کہ آپ میری شادی کر رہے ہیں“۔

”شازمین کو غلط فہمی ہوئی ہے“۔ وہ ساری تفصیل سن کر بے بسی ہو گئی۔

”لیکن بھو...!“

”میں نے کہا ناں ایسی کوئی بات نہیں ہے تم صرف اپنی اسٹریز کی جانب توجہ دو“۔ وہ اسے کچھ کہنے سے روکتے وہ

ٹوک بولے اور وہ خاموشی سے جوس پینے لگی پھر تھوڑی ہی دیر میں فیصل کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور وہ جلدی سے سب کو

خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

”شازمین نے اتفاق طور پر کچھ سن بھی لیا تھا تو وہ جنین کے سامنے کہنے کی ضرورت تھی؟“ کب سے چلتا ذہن میں

سوال وہ بالآخر کھڑا تھے۔

”شازمین نے تو ازراہ مذاق کہہ دیا ہوگا بھائی صاحب! ہمیں آپس میں ہنسی مذاق کرتی ہی ہیں“۔ ساجدہ بول

اٹھیں۔

”وہ سب ٹھیک ہے مگر جو بات ہم جنین کے سامنے ابھی نہیں کرنا چاہ رہے تھے شازمین بیٹی نے اس کا ڈھنڈورا...!“

”بھائی صاحب! اگر برائے ماں تو میں کچھ کہنا چاہتی ہوں“۔ وہ کچھ ہتے ہوئے رک کر چونک کر انہیں دیکھنے لگے

”ان کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگاتے ہوئے بولے۔

”اگر آپ کی مرضی یہی ہے تو حشر کو فون کر دیجئے گا، میں لڑکے سے مل لوں گا“۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا بھائی صاحب!“ وہ شرمندہ سی ہو گئی تھیں (ان کے درست اندازے پر)۔

”آپ ماں ہیں، بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ تو نہیں لے سکتیں“۔

”بھائی صاحب! ماں تو جذباتی ہوتی ہیں، باپ زیادہ درست فیصلے کرتے ہیں اولاد کے حق میں، اور میں نے ماں

نے کا جتنا حق ادا نہیں کیا اس سے کہیں گنا زیادہ آپ نے جنین کے باپ ہونے کا حق ادا کیا ہے، اور اس کی شادی کا

فیصلہ بھی مجھے لینے یقین ہے کہ آپ مجھ سے بہتر کریں گے“۔ وہ سچائی اور عقیدت سے کہہ رہی تھیں اور ایسا صرف منہ زبانی نہ تھا

وہ ایسا سمجھتی اور دل سے مانتی بھی تھیں۔

”لیکن آپ کی مرضی ہے تو لڑکے کو دیکھ لینے میں حرج نہیں ہے، مگر نہ میں تو سال دو سال تک اس چکر میں پھنسا

نہیں چاہ رہا تھا“۔ وہ صاف گوئی سے کہہ گئے۔

”نوید! اس میں برائی نہیں ہے، دونوں بچیاں گھر میں گئی ہیں مگر جنین کے لیے باہر کوئی رشتہ دیکھنا ہے اور یہ سب اتنا

آسان تو نہیں ہوگا“۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں راشدہ! مگر میں یہ سب اس لیے کہہ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کیونکہ جنین اس قصے کو فی الحال

برداشت نہیں کرے گی، وہ آفس جوائن کرنا چاہتی تھی، کتنی مشکل سے وہ چھپڑ کلوز ہوا ہے، وہ پہلے ہی بدگمان تھی کہ میں

انہیں صرف بہلا رہا ہوں، ایسی کوئی بات چلی تو اس کا یقین بن جائے گا اور ویسے بھی ان باتوں کے برعکس میں خود بھی یہ

سب قبل از وقت سمجھتا ہوں، جیسے دونوں بیٹیوں کی گریجویشن کے بعد شادی کی ہے، اسی طرح چھوٹی بیٹی کو بھی گریجویشن

تک پہنچانا چاہتا ہوں، اور آج کل کا جیسا ماحول ہے اس کے پیش نظر منگنی کی رسم کے میں سخت خلاف ہوں، شازمین اور

کہہ دی منگنی بھی صرف یوسف الحسن کے کہنے پر کی، بات گھر کی تھی، مگر منگنی کے بعد ملنا فون کا، یہ سب مجھے پسند نہیں، جنین

کی اگر ہم بالفرض ابھی منگنی کرتے ہیں تو لڑکے اور لڑکے کی فیملی کی جانب سے ایسی کوئی ڈیڑھا بھٹی ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ آج

کل کا فیشن بن گیا ہے، مگر میں اس فیشن کو نہیں اپنا سکتا، آپ سوچ لیں ساجدہ! اور سوچ کر مجھے جواب دیں، کیونکہ میں

جنین بیٹی کی منگنی نہیں کروں گا“۔ وہ اپنے موقف سے ان سب کو آگاہ کر رہے تھے۔

”بھائی صاحب! آپ جو مناسب سمجھیں“۔

”میں دو سال تک اس معاملے کو چھیڑنا بھی نہیں چاہتا“۔ وہ صاف کہتے اٹھ گئے۔

”ایک تو نوید کی بھی مجھے سمجھ نہیں آتی، جو سوچ لیتے ہیں اس سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے، شادی نہیں کرنی، منگنی

کی نہیں کرنی، رشتہ تو دیکھا ہی جاسکتا ہے، بات کا کیا ہے وہ تو بڑوں کے درمیان زبانی بھی طے ہو جاتی ہے“۔ راشدہ

اور اعتراض ہوا تھا مگر وہ شوہر کے سامنے کہہ نہیں سکتی تھیں۔

”آپا نیگم! بھائی صاحب بھی کچھ غلط نہیں کہہ رہے، ان کی سوچ سے میں اب گری کرتی ہوں، اور منگنیاں سال دو سال

کا فرق ہیں اور ٹوٹ جاتی ہیں، میں نے اس سلسلے میں بات اس لیے کہی کہ ذہن میں تھا کہ رشتہ دیکھ لیا جائے آگے میری

بیٹی کا نصیب۔۔

”چچی! ابو نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے، جنین کو اتنی جلدی ان بچھڑوں میں نہیں ڈالنا چاہیے، اس میں ابھی بہت کچھ چاہیے۔ یونیورسٹی جانے لگی ہے اس کی شخصیت وقت اور تعلیم کے ساتھ گرم ہو جائے تب ہی کوئی فیصلہ کرتا چاہیے، جہاں تک رشتوں کی بات ہے جب نصیب میں ہوگی تب ہی ہوگی، آپ کے چاہنے اور ابو کے نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ تو بس یہی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جنین کے نصیب اچھے کرے۔“ زرین کے کہنے پر انہوں نے ”آمین“ کہا تھا۔

”فیصل بھیا! آج آپ اکیلے آئے ہیں، عرش اور سمیرا کہاں ہیں؟“ وہ بیک ڈور کھولتے ہوئے ایک دم رک کر حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

”سمیرا کی طبیعت خراب ہے اور عرش کام کے لیے رک گئی ہے کیونکہ بھابی گھر پر نہیں ہیں۔“

”وہ دونوں چھٹی کر رہی تھیں تو آپ مجھے بھی لینے نہ آتے۔۔۔!“

”عرش نے تمہارے سیل پر ٹرائی کیا تھا، مگر تم نے ریسپونڈ نہیں کیا اور میں نے سوچا کہ ان دونوں کی وجہ سے تمہاری چھٹی نہیں ہونی چاہیے، مگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو تم چھٹی۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔ میں چلتی ہوں، بلا وجہ چھٹی مجھے پسند نہیں ہے، تاہنا ابو سے بھی ڈانٹ پڑے گی۔“ وہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”تم اندر جا کر بتاؤ کہ تم آج اکیلی۔۔۔!“

”کلاس اسٹارٹ ہو جائے گی بھیا! میں آکر بتا دوں گی۔“ اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔

”فیصل بھیا! مجھے اپنا سیل فون دے دیجئے گا میں لاچ سے پوچھ لوں کہ وہ آ رہی ہے یا نہیں؟“ خیال آنے پر وہ بولی، وہ اپنا موبائل کل پیچھو کے ہاں بھول آئی تھی، اس کے کہنے پر فیصل نے اسپیکر کم کرتے ہوئے ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھا کر گردن گھما کر اس کی طرف بڑھایا۔

”اوہ۔۔۔ شٹ۔۔۔ لیکن مجھے اس کا نمبر یاد نہیں ہے۔“ وہ موبائل لیتے لیتے رک گئی۔

”میں خود پوچھ کر تمہیں بتاتا ہوں۔“ وہ سیل لیتے ہوئے بولا۔

”آپ کے پاس لاچ کا نمبر ہے؟“ وہ اس کے کہنے پر خوش ہو گئی۔

”لاچ کا نہیں ہے، میں کنعان سے پوچھ لیتا ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگا، اس نام پر اس کے منہ کے زاویے بن گئے جو اس نے بیک مرر سے دیکھ لیے۔

”وہ محترم نہ جانے کن خواہوں کی دنیا کی سیر کو نکل پڑنے کو تیار بیٹھے ہیں اور یہ محترم اس کا نام سننے کی بھی روادار معلوم نہیں ہوتیں، اللہ ہی بہتر کرے۔“ وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

”فیصل کے بچے! اب پھوٹ بھی اتنی صبح کیسے فون کیا ہے؟“ وہ ماہ کنعان کی آواز پر چونکا اور فون کرنے کا مقصد بتانے لگا۔

”میں لاچ کو یونیورسٹی ہی تو چھوڑنے جا رہا ہوں، راستے میں ہوں، لیکن ٹو کیوں پوچھ رہا ہے؟“

”ٹو لاچ کو فون دے، پھر وہ خود تجھے بتا دے گی۔“ ماہ کنعان نے فیصل کے کہنے پر سیل فون فرنٹ سیٹ پر پیشی بن

”بہت بڑھا دیا۔“

”السلام علیکم! فیصل لالہ!“

”میں جنین بول رہی ہوں۔“

”ارے جنین! لالہ جان تو فیصل لالہ سے بات کر رہے تھے، اس لیے میں سمجھی لالہ ہوں گے۔“ وہ جنین کی آواز پر اور اس کے نام پر چونک اٹھا تھا۔

”تم بتاؤ کیسے فون کیا؟“

”صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ تم یونی آ رہی ہو؟“

”ہاں، راستے میں ہوں، مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”یار! آج کیمرا اور عرش دونوں نے ساتھ ہی چھٹی کر لی ہے، اس لیے سوچا کہ تم سے پوچھ لوں، تم بھی نہ آتیں تو بڑی ہاریت ہوتی۔“ اس نے اصل بات بتا کر اس سے اجازت لی تھی اور سیل فیصل کو دے دیا، اور اس نے بھی ماہ کنعان کو سیل واپس کر دیا۔

”میں اس سب کا مقصد سمجھا نہیں۔“

”جانے دے، ہر بات کی کھوج میں مت لگا کر، ہو سکتا ہے رات میں تیری طرف چکر لگاؤں، کچھ بات کرنی ہے۔“

”ایسی کیا ضروری بات ہے؟“

”مل کر بتاؤں گا، ابھی رکھتا ہوں بائیں!“ فیصل نے اسے موقع دیے بغیر لائن کاٹ دی اور ماہ کنعان نے سیل ڈیش بورڈ پر ڈال دیا۔

”فیصل کیا کہہ رہا تھا؟“ موڑ کاٹتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا۔

”میں نے فیصل لالہ سے نہیں اپنی فریڈ جنسین سے بات کی ہے۔“ اس نے جنین سے ہوئی بات اسے بتادی۔

”لیکن یہ جنین کون ہے؟ تمہاری کوئی نئی فریڈ ہے تو فیصل۔۔۔!“ وہ جان کر انجان بن کر لاعلمی ظاہر کرنے لگا۔

”لالہ جان! جنین وہی ہے جن کے گھر ہم فیصل لالہ کی چوتھی کی رسم میں گئے تھے، لالہ کی بھابی کی کزن ہے۔“ اس کے بتانے پر اس نے مختصر سر ہلایا۔

”آپ تو اسے بھول بھی گئے مگر وہ آپ کو بہت برے انداز میں یاد رکھے ہوئے ہے۔“ ماہ لاچ عام سے لہجے میں

”بہت بری طرح چونک گیا۔“

”میں سمجھا نہیں لاچ!“

”اصل میں لالہ جان! لالہ کی شادی میں آپ اس سے ٹکرائے یا وہ آپ سے ٹکرا کر اس کا ذمہ دار آپ کو ٹھہرائے ہے، اسی لیے تو وہ مجھ سے بات تک نہیں کر رہی تھی، عرش نے بہت مشکل سے اسے سمجھایا تو اس نے اس شرط پر مجھ سے دوستی کی کہ میں اس سے یا اس کے سامنے بھی آپ کا ذکر نہیں کروں گی، یہ بات مجھے اچھی تو نہیں لگی تھی مگر عرش نے کہا

کہ میں جنین کی شرط مان لوں، کیونکہ اسے آپ پر غصہ ہے اور وہ خدا اور غصے میں ایسی بات کر رہی ہے، مگر وہ دل کی بہت بات ہے، ہماری دوستی ہو جائے گی تو بعد میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ ماہ لاچ کی باتیں اسے عجیب سی چوہیشن سے

دو چار کر گئی تھیں، اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ غصہ کرے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ کہے تو کیا؟

”اور اس گزرے فتنے میں، میں نے جانا کہ وہ ضدی ہے برداشت بھی بالکل نہیں ہے مگر وہ بہت سافو فخر مند کاہنڈ ہارٹ، میری اس سے بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے، آپ سے ایک بات کہوں لالہ جان؟“ اس نے محض اثبات میں سر ہلادیا، مگر نہ کافی دیر سے وہی تو کہہ رہی تھی وہ تو صرف سن رہا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ کہ غلطی پر کون ہے اور حشر کہہ رہی تھی کہ بات اتنی بڑی نہیں ہے، جنین معمولی بات پر بھی زبردست طریقے سے ری ایکٹ کرتی ہے، صرف اس لیے اس نے بات کو بہت بڑھا دیا ہے۔“

”لا لہ! جو کہتا چاہتی ہو صاف کہو۔“ الجھتے ہوئے بہن کو ٹوکا۔

”آپ جنین سے سوری!۔۔۔!“

”نیور۔۔۔ تم مجھے اچھے سے جانتے ہوئے بھی کہہ رہی ہو کہ میں اس لڑکی سے سوری کروں، میں نے غلطی پر ہو کر کبھی سوری نہیں کی۔“ وہ خود کو بہت مشکل سے کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

”لالہ جان! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ وہ آپ کا نام سنتے ہی منہ کے زاویے بگاڑ لیتی ہے، معافی مانگنے سے کوئی چھوٹا تو نہیں ہو جاتا، اگر آپ۔۔۔!“

”پلیز لا لہ! چیخ واثا پک۔“ وہ اس کی ایک ہی رٹ سے تنگ آ گیا۔

”لالہ جان! بات کچھ بھی نہیں ہے، لیکن نہ وہ سمجھنے کو تیار ہے اور نہ ہی آپ، اور میں چاہتی ہوں کہ میری برتھ ڈے پارٹی میں جنین آئے، مگر وہ کسی طور راضی نہیں ہو رہی، بہت ضدی ہے وہ اگر آپ آج اس سے مل کر ایکسکوز کر لیں تو ہو سکتا ہے وہ آجائے، میں آپ سے یہ تو نہیں کہہ رہی کہ آپ اس سے معافی مانگیں کیونکہ میں اپنے لالہ جان کو جانتی ہوں کہ وہ کچھ غلط نہیں کر سکتے اور جنین سے آپ فیصل لالہ کی محفل میں ملے اور میں جانتی ہوں فیصل لالہ سے جڑا ہر ایک رشتہ آپ کے لیے لیتا قابل احترام ہے، وہ سب جو ہوا مجھے حشر نے بتا دیا وہ سب اچانک ہوا، آپ نے جان کر ایسی حرکت نہیں کی، جنین کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں تو بس اس لیے چاہتی ہوں کہ جنین کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو میں ایسا ہی چاہتی، کیونکہ کوئی میرے لالہ کے بارے میں غلط رائے رکھے، انہیں غلط سوچے سمجھے یہ مجھے برداشت نہیں ہوگا۔“ وہ پونیورٹی کے سامنے اتر گئی۔

”وہ میرے بارے میں غلط رائے رکھنے پر مجبور ہے، کیونکہ میں بے خودی میں اس کے ساتھ غلط کر چکا ہوں۔“ سوچتے ہوئے اندر کا اشتعال باہر لانے کے لیے اس نے غصے سے ہاتھ اسٹیرنگ پر مارا۔

”میں اپنی غلطی پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا مگر یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ وہ اپنی جذباتیت میں آ کر تم سے کچھ کہے، کیونکہ جو سب کی نگاہ میں میری غلطی، بلکہ میرا گناہ ہوگی اسے میں خود کوئی نام ابھی تک نہیں دے پایا۔“ اس نے گاڑی بیک کی اسی وقت فیصل کی کارروائی اور بیک ڈور کھول کر وہ اتری اور ماہ کعبان گاڑی بڑھالے جانے کی بجائے ایک ٹک اسے دیکھنے لگا، جو ڈرائیونگ ڈور کے پار کھڑی قدرے جھک کر اندر بیٹھے فیصل سے کچھ کہہ رہی تھی اور بات کرتے ہوئے اس کے احمر لبوں کی ترش میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ اتنی خوبصورت مسکراہٹ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، دیکھی تھی بھی تو جو خوبصورت احساس آج دل میں در آیا تھا ایسا کوئی خیال کبھی اس کے آس پاس چمکا تک نہ تھا، وہ بے بسی پنک کٹر کے انیمر اینڈری سوٹ میں دوپٹہ کاندھوں پر پھیلائے لائے بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے، کاندھے پر

میں سائیک لٹکا خٹے نعل کو ہاتھ ہلاتی وہاں سے نکلتی چلی گئی، اور کچھ فاصلے پر اسی کے انتظار میں کھڑی ماہ لاج سے نکلتی اور وہ اب تک اسے ہی سائیک سائیکاد کہہ رہا تھا اور اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ فیصل کب گاڑی سے نکل کر اس کی گاڑی تک پہنچا، اس کے شیشہ ناک کرنے پر اس کی جوہت ٹوٹی۔

”میرا خورہ اریہ اچھی بات نہیں ہے۔“

”آئی تو، ہٹ خود کو مجبور پاتا ہوں۔“ اس نے سر و سانس خارج کرتے ہوئے بے بسی سے کہا اور وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا، جو قدرے سرخی مائل ہو رہی تھیں، اور اس کی آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا جو بالکل نیا تھا، جسے کوئی نام نہیں دے پایا۔

”میں رات تیری طرف آؤں گا پھر بعد میں بات کریں گے۔“ وہ پلٹ گیا اور اس نے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر سر کیٹ کی بیک سے لگایا اور خود کو ریلیکس کرنا چاہا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس نے گاڑی اشارت کی جس کی اسپینڈ معمول سے کافی زیادہ تیز رکھی۔

☆.....☆.....☆

”ہم تو کافی زیادہ ہو گیا ہے لیکن انگل فیاض پتہ نہیں کیوں نہیں آئے؟“ ان دونوں کی ایک سٹرا کلاس چل رہی تھی، جس سے فارغ ہو کر وہ باہر آئیں تو ماہ کعبان کی گاڑی کھڑی تھی، مگر فیاض انگل کی گاڑی انہیں کہیں دکھائی نہیں دی۔

”ہم لوگ تو ویسے ہی لیٹ ہو گئے ہیں، انگل کو اب تک آ جانا چاہیے تھا۔“ ماہ لاج نے تبصرہ کیا۔

”لا لہ! کہیں انگل واپس تو نہیں چلے گئے؟“ اس کو فکر ہونے لگی۔

”ارے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے، یقیناً وہ ٹریفک میں پھنس گئے ہوں گے۔“

”میرے پاس آج سیل فون بھی نہیں ہے ورنہ ان سے پوچھ ہی لیتی کہ کب تک آئیں گے۔“ وہ قدرے بے چارگی سے بولی۔

”تم میرے سیل سے فون کر لو جب تک میں لالہ جان کو بتا آتی ہوں۔“ وہ سیل فون اسے دے کر آگے بڑھ گئی۔

”انگل کا مجھے نمبر نہیں یاد اور حشر کال ریسیو نہیں کر رہی۔“

”تم ہمارے ساتھ چلو، لالہ جان تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔“

”نہیں، تم جاؤ میں انگل فیاض کا انتظار کر لوں گی۔“ اس کے سختی سے کہنے پر ماہ لاج نے اپنے لب بچھنے لیے اور اس کے ہاتھ سے سیل لے کر حشر کے نمبر پر دوبارہ کال کی مگر اس کا نمبر ہی آف تھا۔

”وہ ساتھ چلے کو راضی نہیں ہے، وہ انگل کا انتظار کرے گی، اگر آپ کو جلدی ہے تو ہم چلتے ہیں ورنہ انگل کے آنے تک بیٹ کر لیتے ہیں۔“

”تم اپنی فرینڈ کے پاس جاؤ میں انگل کو کال کر کے معلوم کر لیتا ہوں کہ وہ اب تک کیوں نہیں آئے؟ وہ 4 بجے گھر پر ہوتی ہے اور پونے تین بج گئے ہیں۔“ ماہ کعبان نے ان کا نمبر ڈائل کیا، مگر نمبر بڑی تھا اس نے کچھ سوچ کر فیصل کو کال کی۔

”اوگاڈ! آج وہ دونوں نہیں آئیں اس لیے ہو سکتا ہے ڈیڈی نے سوچا ہو کہ جنین بھی نہیں گئی ہوگی، میں ابھی ڈیڈی کو کال کر کے پوچھنے کو کہتا ہوں۔“ فیصل تفصیل سن کر پریشان ہو گیا۔

”انگل کا نمبر بڑی ہے، وہ ہمارے ساتھ چلنے کو بھی تیار نہیں ہے، تم آ سکتے ہو تو آ جاؤ، یا اس کے گھر سے کسی کو بلاؤ۔“
 ”میری تو 10 منٹ بعد اپورنٹ میننگ ہے، انگل نوید یا اسجد کو ہاں پہنچنے میں کافی ٹائم لگے گا، تم ایسا کرو، میں اسے فون دو، میں بات کرتا ہوں۔“ فیصل کے کہنے پر وہ گاڑی سے اتار اور نہ وہ جان کر گاڑی میں ہی بیٹھا ہوا تھا، اسے آتے دیکھ کر وہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

”فیصل بات کرنا چاہتا ہے تمہاری فرینڈ سے۔“

”فیصل بھیا! یہاں کھڑے کھڑے میرے پاؤں دکھ گئے ہیں، انگل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟“ وہ بے قراری بولی۔

”ڈیڈی کچھ مصروف ہیں، تم لاج کے ساتھ...!“

”نہیں، مجھے لاج کے ساتھ گھر نہیں جانا۔“ وہ پشت موڑے کھڑی تھی اور وہ دونوں اس کے چہرے کے تئیر تو نہیں دیکھ سکے لہجہ کی ناگواری صاف محسوس کی تھی۔

”حنین! بات کو سمجھا کرو، لاج تمہاری فرینڈ ہے، اس کے ساتھ جانے میں تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔“

”لاج کے ساتھ جانے میں مجھے اعتراض نہیں ہے، مگر وہ آپ کے دوست... میں ان کے ساتھ جانے سے بہتر کچھ دیر انتظار کروں گی، انگل نہیں آرہے تو میں تایا یا ابو کو بلا لوں گی۔“ ماہ کنعان بہن سے نظر چرانے پر مجبور ہو گیا۔

”انگل کو وہاں آنے میں بہت ٹائم لگے گا۔“ فیصل کو اسے سمجھانا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

”میں انتظار کروں گی، بائے!“ اس نے لائن ہی ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

”لاج! میں اپنے تایا یا ابو کو بلا رہی ہوں، تم مجھے ایک فون کرو اور، اور پھر تم چلی جانا، مجھے اپنی وجہ سے تمہیں پریشان کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔“ وہ قدرے شرمندگی سے بولی۔

”مس حنین!“ اس نے مخاطب کیا۔

”میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی اور نہ ہی آپ کے منہ سے اپنا نیم سننا چاہتی ہوں۔“ اس نے اب تک جان کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اب ذرا پلکیں اٹھائیں اور غصے سے اسے دیکھ کر وہ لاج کو دیکھنے لگی۔

”مجھے لیکن کسی کا فون نمبر یاد نہیں ہے، یہاں تک کہ گھر کا بھی نہیں، مجھ سے فون نمبر یاد نہیں ہوتے۔“ اسے کچھ معنوں میں اب فکر لاحق ہوئی تھی اور کنعان جو ایک زور کا تھپڑ اسے لگا کر اس کا دماغ درست کرنے کا سوچ رہا تھا، اس کے صبیح چہرے پر در آنے والی پریشانی کو دیکھ کر سانس بھر کر رہ گیا۔

”حنین! تم ہمارے ساتھ چلو، لالہ جان کی کسی بات سے تم ہرٹ ہوئی ہو تو میں تم سے سواری کرتی ہوں۔“

”نہیں لاج! تم سواری مت کرو، مجھے اچھا نہیں لگ رہا، بیٹ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔“ اس کے چہرے پر خجالت کی سرخی دوڑ گئی تھی۔

”پھر تم فون کیسے کرو گی؟“ اس کی خندان دونوں کو ہی زچ کرنے لگی۔

”مجھے ارحم بھیا کا نمبر یاد ہے۔“ وہ جوش سے بولی اور سر اٹھا کر کنعان نے اسے دیکھا، کتنا اطمینان اس کے چہرے پر، جگہ بنا گیا تھا اور وہ چمکتی آنکھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”ہیلو... ایس پی ارحم الحسن اسٹیکنگ!“

”ارحم بھیا! میں حنین بول رہی ہوں۔“

”حنین! تم کیسے کس کے نمبر سے بات کر رہی ہو؟“ اس نے گاڑی کی اسپینڈ بہت کم کر دی۔

”ارحم بھیا! آئی نینڈو!“

”تم ہو کہاں؟“ اس کا گھبراہٹ ہوا لہجہ اسے پریشان کر گیا۔

”یونیورسٹی میں، انگل فیاض مجھے لینے نہیں آئے۔“ اب آنسو پلکوں کی بازوؤں پر زخمی ہونے لگے تھے۔

”اودہ گاڈ! تم پریشان نہ ہو، میں 15 سے 20 منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“

”ارحم بھیا! پلیرز جلدی آئیے گا، مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے اور ڈر بھی لگ رہا ہے۔“ وہ اس کے آنسو صاف کرنے کی خواہش دل میں دبا تا لب بھیجے کھڑا تھا۔

”ڈر کیوں لگ رہا ہے؟ حشر تمہارے ساتھ...!“

”وہ نہیں آئی اسی لیے انگل فیاض مجھے لینے آنا بھول گئے، ماہ لاج میرے ساتھ ہے لیکن اس کے بھائی بھی ہیں اسی لیے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ بے دھڑک ہمیشہ کی طرح ارحم سے کہہ گئی، ماہ لاج نے لب بھیجے کھڑے بھائی کو دیکھا، جس کے چہرے پر غصے کی سرخی اور ضبط کی کوشش نظر آئی۔

”تم کس کی ماہ کنعان کی بات کر رہی ہو؟“ اسپینڈ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”جی ارحم بھیا!“ وہ فوراً بولی۔

”اس نے تم سے کچھ کہا؟“ پریشانی سے پوچھا۔

”نہیں، بس آپ جلدی آ جائیں۔“

”یو ڈونٹ وری، میں بس پہنچ رہا ہوں۔“ اس کے کہنے پر حنین نے فون بند کر دیا۔

”مس حنین! میری خاموشی سے تم نے بہت ناچا ناز فائدہ اٹھایا ہے۔“

”فائدہ میں نے نہیں، آپ نے اٹھانے کی کوشش کی تھی، نفرت کرتی ہوں میں آپ سے۔“ وہ سرد لہجے میں کہتا فٹنٹیں لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جب وہ غصے سے چلائی، ماہ لاج کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”تم مجھے غصہ دلارہی ہو، اور ایسا نہ ہو کہ میں غصے میں کچھ ایسا کر بیٹھوں کہ تمہاری ساری اکڑ، سارا طنطنہ نکل جائے۔“

”لالہ جان! آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں، آپ کو حنین سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔“ اس کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر اس نے بھائی کو ٹوکا۔

”اور اسے زیب دیتا ہے کہ یہ مجھے اس طرح ڈی گریڈ کرے۔“

”لاج! تم یہاں سے جاؤ، مجھے تمہاری ہیپ نہیں چاہیے، میرے ارحم بھیا آتے ہی ہوں گے۔“ وہ اس کے سرخ ہونے ہوئے چہرے کو دیکھ کر خوف کا شکار ہو رہی تھی، اور اسی وقت پولیس جیپ آ کر کی، ارحم الحسن باہر آیا اور وہ اسے دیکھ کر اٹاندار اس کی طرف بھاگی اور اس کے چوڑے سینے میں سما گئی۔

”نئی! اس طرح رونے کی کیا ضرورت ہے، آ گیا ہوں ناں میں۔“ اسے خود سے الگ کیا، مگر وہ اس کا بازو جکڑے

ہوئے تھی، ماہ کنعان کے چہرے پر غصے کی جگہ ناگواری نے لے لی اور ماتھے پر سلوٹیں سی پڑ گئیں۔ ارحم الحسن نے اسے جیب کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور وہ چلتا ہوا ماہ کنعان کے پاس آ رہا۔

”صینکس مسٹر کنعان! کہہ آپ نے میری سسڑ کی اتنی مدد کی، آپ اپنی سسڑ کو لے کر چلے جاتے تو اس نے نہ جانے کیا کرنا تھا۔“ وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

”مسٹر ارحم! کچھ گھنٹے قبل تک میرے دماغ میں یہ احساس تھا کہ میں نے جو کیا تھا وہ کرنا نہیں چاہیے تھا، مگر مجھے شرمندگی پہلے بھی نہیں تھی کیونکہ میں اپنے کیے اقدام کا ازالہ کر چکا تھا، مگر جس طرح کا بی ہو آج حنین نے کیا وہ لاج کے ساتھ کرتی رہی ہے، اس کے بعد میرے دل و دماغ میں صرف اتنا ہی آ رہا ہے کہ میں نے اس دن حنین کی غلطی پر پردہ ڈالا ہی کیوں، میں بہت برا انسان ہوں ناں تو مجھے اس پر چیونٹیاں سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔“ وہ بہت سرد لہجے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا ارحم نے کچھ کہنا چاہا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے روک گیا۔

”میری بات ختم نہیں ہوئی ہے، میں نے زندگی میں کبھی غلط نہیں کیا اور کیا بھی تو نہ شرمندہ ہوا نہ ہی معافی مانگی، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے مگر میں اتنا ہی خود پسند ہوں، میرے لیے میری ذات سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شے نہیں ہے، حنین کا بی ہو میرے ساتھ جیسا تھا اس کا میں ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا مگر اتنا ہے کہ حنین، فیصل کی ریلیٹیو نہیں ہوتی تو آج کم از کم زندہ نہ ہوتی۔“

”مسٹر کنعان! آپ حد سے زیادہ بول رہے ہیں۔“

”میں بولتا نہیں ہوں، غل کر رہا ہوں، میں نے غلطی کی ہے ٹھیک ہے میں اپولو جائز کرنے کو تیار ہوں، بتاؤ میں کہاں کس جگہ، کس چینل پر ایسا کروں، میں تیار ہوں مگر تم ایسا نہیں چاہو گے، اس لیے بہتر ہوگا کہ اپنی بہن کو تیز سکھاؤ، اسے طاقت کی اہمیت بتاؤ، میں نے اس دن جو کیا وہ جان کر نہیں کیا، مگر اب خود کو مجبور پاتا ہوں، جس دن میرا ٹیمپر لوڑ ہو گیا میرا کچھ نہیں جانے گا، خسارہ اس کے حصے میں آئے گا، سوئی کیئر فل۔“ وہ انگلی اٹھا کر اسے چیلنجنگ انداز میں جھٹکتا اسے سرد رنگا ہوں سے دیکھتا لیے بے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا، کہنے کو ارحم بہت کچھ کہہ سکتا تھا مگر اس نے کچھ نہیں کہا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جس فیملی سے وہ بی لاگ کر رہا ہے وہ اسی طرح کی باتیں اور بی ہو کر سکتا تھا، اسے کنعان پر نہیں حنین پر غصہ آ رہا تھا، اسے ابھی حنین سے پوچھنا تھا کہ اس نے ایسا اسے کیا کہا جو وہ اتنے غصے میں آ گیا؟

☆.....☆.....☆

”سحش! تم گھر آ گئیں لیکن حنین.... وہ ابھی تک گھر نہیں آئی۔“

”بھابی! میں اور اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔“

”کیا... لیکن حنین کو لینے صبح فیصل خود آئے تھے، ان کی گاڑی کا ہارن سن کر ہی تو حنین گھر سے نکلی تھی۔“

”بھابی! میں نے صبح حنین کو کافی کالز کیں، مگر اس نے ریسیو نہیں کیا، اس لیے فیصل یہاں نے کہا کہ ہماری وجہ سے حنین کی چھٹی نہیں ہونی چاہیے، اسی لیے انہوں نے حنین کو پک کر لیا ہوگا۔“

”مگر وہ ابھی تک گھر نہیں آئی، 4 بج رہے ہیں وہ 3 بجے تک آ جاتی ہے، ڈیڈی اسے پک کرنے کے لیے گئے ہوئے

ہیں یا وہ گھر میں ہیں؟“

”ڈیڈی 2 بجے کے قریب گھر سے نکلے میں اس وقت واش روم میں تھی، اس لیے ان سے پوچھ نہیں سکی، آپ ہولڈ پر رہیں میں اپنے سیل سے ڈیڈی کو فون کر کے پوچھ لیتی ہوں کہ وہ کہاں ہیں؟“

”میں تمہیں 5 منٹ بعد فون کرتی ہوں۔“ زرمین کی حالت غیر ہو رہی تھی، مگر اس نے ساجدہ سے کہہ دیا کہ وہ کچھ دیر میں آ جائے گی اور بے چینی سے وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی، سحش نے فیاض کا نمبر ڈائل کیا۔

”ڈیڈی! آپ اس وقت کہاں ہیں؟“ وہ چھوٹے ہی پوچھ رہی تھی۔

”میں واحدی کے ہاں ہوں، کیوں سب خیریت تو ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟“

”ڈیڈی! آپ حنین کو یونیورسٹی سے لینے نہیں گئے؟“

”نہیں.... میں نے سوچا کہ تم دونوں نے چھٹی کی ہے تو حنین بیٹی نے بھی چھٹی کی ہوگی، وہ یونیورسٹی گئی ہے تو مجھے کم از کم بتاتی تو سہی۔“ وہ پریشانی سے بولے۔

”ڈیڈی! آپ گھر سے ایسے ٹائم پر نکلے کہ مجھے لگا کہ آپ حنین کو لینے جا رہے ہیں۔“

”نہیں، مجھے کب پتا تھا کہ وہ یونیورسٹی گئی ہے، یہ بتاؤ وہ گھر آ گئی ہے یا نہیں؟ ٹائم تو کافی زیادہ اوپر ہو گیا ہے۔“

انہوں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی جو سوا 4 بج رہی تھی۔

”نہیں ڈیڈی! اسی لیے تو زرمین بھابی کا فون آیا تھا، وہ بہت پریشان ہیں، انہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ ہم یونیورسٹی نہیں گئیں۔“ فیاض بیٹھے سے یکدم کھڑے ہو گئے۔

”تم نے اس کے سیل پر رٹائی کیا؟“

”وہ فون نہیں لے گئی کل فریڈ آئی کے ہاں بھول آئی ہے۔“

”تم پریشان نہ ہو میں دیکھتا ہوں جا کر۔“ ان کے تو ہاتھ پاؤں بھول گئے وہ دوست سے بعد میں آنے کا کہتے بڑی غلط میں گھر سے نکلے۔ زرمین دوبارہ کال ملانے کے لیے فون کی جانب بڑھی تھی کہ فون خود ہی بجنے لگا اور اس نے نمبر دیکھے بنا غلط میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

”کیا ہوا سحش! انکل سے بات ہوئی وہ حنین کو لینے چلے گئے؟“

”میں ارحم بات کر رہا ہوں۔“

”ارحم! آپ...؟“

”حنین میرے ساتھ ہے۔“

”کیا... آپ کے ساتھ؟“ وہ بولی اور ارحم نے فون پر ہی اسے ساری تفصیل بتادی۔

”پریشان نہ ہو، ہم کچھ دیر میں آ رہے ہیں۔“ کہہ کر فون بند کر دیا اور زرمین نے فیاض ہاؤس کا نمبر ڈائل کیا، سحش کو اس کی خیریت کی اطلاع دی اور اب سحش باپ کو یہ سب بتانے کے لیے ان کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

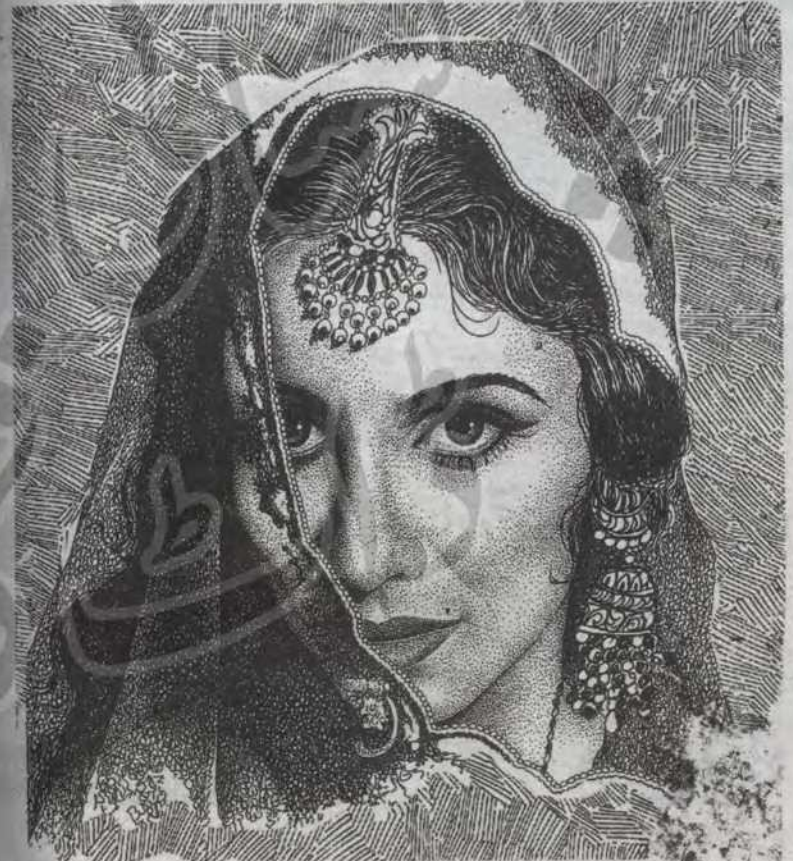
(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

بشریتا کے دل کی جانا

”حسین! میں ہوں ناں اب تمہارے ساتھ تو تم کیوں رو رہی ہو، پلیز چپ کر جاؤ۔“ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی حسین سے

بولی۔

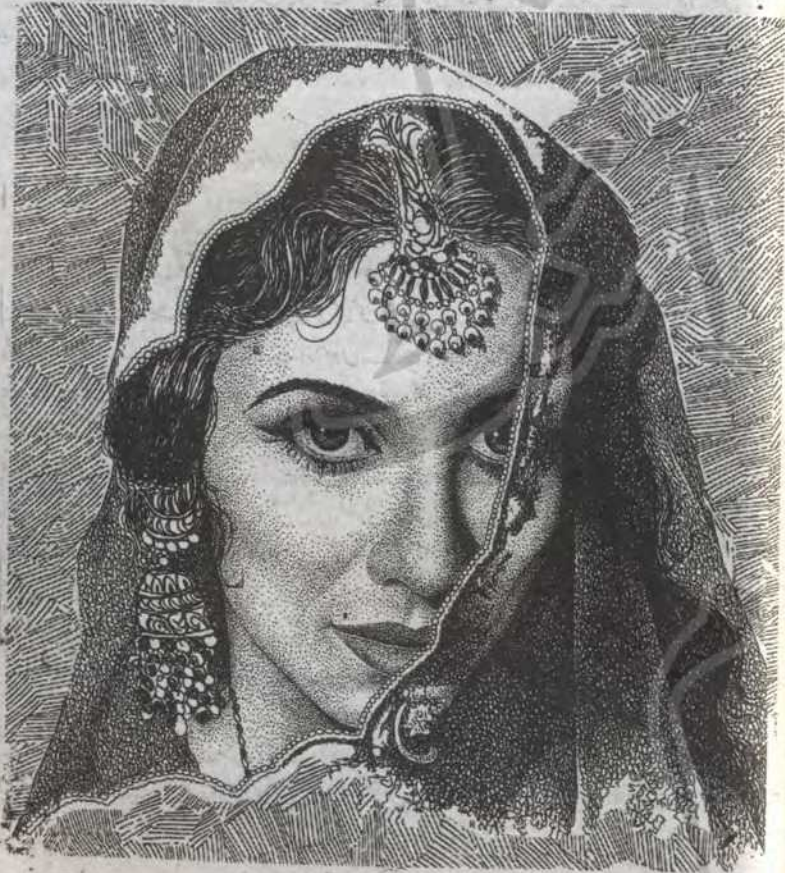


نوٹ: رڈا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس سے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کا پی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

”آپ کو نہیں پتا ارحم بھیا! مجھے کتنا زیادہ ڈر لگ رہا تھا، انکل فیاض کا انتظار کرتے کرتے میری ٹانگیں دکھ گئیں، دھوپ بھی کٹی تیز تھی، میری اسکن بری طرح جھلنے لگی تھی، اور وہ ہیں کہ مجھے لینے ہی نہیں آئے، میں آئندہ ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی، وہ مجھے لینے نہیں آتے وہ تو عرش اور سیرا کو لینے آتے ہیں اور آج وہ دونوں نہیں آئیں تو وہ مجھے لینے ہی نہیں آئے۔“ اس کے لہجے میں غصہ اور ناپسندیدگی سی در آئی تھی۔

”نہی! ایسی بات نہیں ہے، یقیناً انکل بہت بڑی...!“

”آج ہی وہ بڑی کیوں ہو گئے؟ اور بڑی تھے تو بتانا تو چاہیے تھا، وہ دونوں بھی ہوتیں تو انکل اتنی ہی غیر ذمے داری کا



ثبوت دیتے؟“ اس کی ناگواری بڑھنے لگی تھی۔

”اچھا اب اس بات کو جانے دو، یہ بتاؤ آنسکریم کھاؤ گی؟“ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس سے کچھ بھی کہنا فصول ہی ہوگا، اس لیے بات بدل دی۔

”نہیں میرا دل نہیں کر رہا، میں بہت تھک گئی ہوں، آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے کہ اکل کے نہ آنے کی وجہ سے میں کتنا پریشان ہو گئی تھی، اور مجھے فیصل بھیا پر بھی غصہ آ رہا ہے جب وہ خود مجھے لوٹی چھوڑ گئے تھے تو ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ خود آتے، اکل کو بھیجے یا کم از کم تاپا یا بوسہ کہہ دیتے، وہ تو مرے سے اپنے آفس میں بیٹھے مجھے آؤر ڈر کر رہے تھے کہ میں ان کے دوست کے ساتھ چلی جاؤں۔“ اس کو رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

”فیصل نے ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا، تم اپنی دوست کے ساتھ چلی جاتیں تو اتنے مسئلے ہی نہیں ہوتے۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ارحم بھیا! جبکہ آپ سب کچھ جانتے بھی۔۔۔۔۔۔“

”ہاں میں کہہ رہا ہوں اور اس کے ساتھ اس کی بہن بھی تھی، اس لیے مجھے ان لوگوں کے ساتھ تمہارے چل جانے میں کوئی قیاحت نظر نہیں آ رہی، وہ اکیلا ہوتا تو۔۔۔۔۔۔“

”مجھے وہ شخص سخت ناپسند ہے، میں لاج سے بھی دوستی نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ جیسے جیسے میں اپنی باتوں میں اپنے بھائیوں کا ذکر کرتی ہوں ایسے ہی لاج بھی، اور میں اس شخص کا نام بھی سننا نہیں چاہتی۔“ وہ نہایت ناگوار تاثرات چہرے پر سجائے تختی سے بولی۔

”حسین! وہ شرمندہ ہے۔“

”مجھے ان کی شرمندگی نہیں چاہیے، اور مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ آپ ان کی اتنی حمایت کیوں کرتے ہیں؟ آپ کے لیے یہ بات اتنی غیر اہم ہے کہ اس شخص نے آپ کی بہن کو چھو اور آپ اسے ہٹ کرنے کی بجائے اس کو فیور کر رہے ہیں۔“

”شٹ اپ حسین! فصول مت بولا کرو، میں اسے فیور نہیں کر رہا، مگر تمہارا سخت رویہ ٹھیک نہیں ہے۔“

”آپ کو لگتا ہوگا ایسا، مگر مجھے نہیں، مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ میں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے لڑکوں سے دوستی نہیں کرنی ان سے دور رہنا ہے، ہمیشہ انہوں نے مجھ سے یہی کہا کہ مجھے لڑکوں سے ہاتھ تک نہیں ملانا ہے، کوئی کچھ دے تو نہیں لینا، کچھ کہے تو انکو کر کے بعد میں انہیں بتانا ہے اور انہوں نے مجھے ہاتھ لگایا، مجھے وہ سب بالکل اچھا نہیں لگا تھا، آپ کو نہیں پتہ، میں آج کل کتنی خوفزدہ رہتی ہوں، مئی کو یہ سب پتہ چلا تو وہ مجھ پر کتنا غصہ ہوں گی، میں مئی کو بتانا چاہتی تھی مگر پہلے آپ نے اور پھر زرین آئی تھی مجھے ایسا کرنے سے روک دیا، مگر زرین آئی نے کہا ہے کہ مجھے اس شخص سے دور رہنا ہے، وہ اچھا انسان نہیں ہے۔“ کاشانہ عالم کے سامنے گاڑی روکے وہ اسے دیکھنے لگا، وہ کتنی مصوم تھی، دنیاوی برائیوں سے نااہل، سادہ نے اس کی بہت اچھے خطوط پر پرورش کی تھی، فصول ناولوں اور فلموں سے بٹی کو بہت دور رکھا، اور اس کی مصومیت اس کے خوبصورت چہرے اور ہر ایک انداز سے جھلکتی تھی، لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بہت شدید اور موڈی ہو گئی تھی، لیکن وہ آجکل کی لڑکیوں کی طرح تنہا و طرا بالکل نہیں تھی، 16 سال کی ہو کر سترہویں سال میں لگی تھی، مگر مصومیت ایسی تھی کہ 13، 14 سال کی کم عمری ہی لگتی تھی اور اسے گھر میں ٹریٹ بھی ایسے ہی کیا جاتا تھا۔

”اچھا بس اب اندر چلو، سب پریشان ہو رہے ہیں۔“ وہ اس کے ہم چہرے سے نگاہ ہٹاتا بولا اور ڈرائیونگ ڈور کھولا اس کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔

”زرین آئی! میں اکل کے ساتھ کبھی نہیں آؤں گی، وہ مجھے لینے ہی نہیں آئے، مجھے ارحم بھیا کا سیل نمبر یاد نہ ہوتا تو۔۔۔۔۔۔“ وہ اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی، زرین اسے بمشکل چپ کر داتی روم میں لے گئی، ارحم نے ان دونوں کو ساری

تفصیل بتادی، جو زرین نے اب تک چھپائے رکھی تھی، اور وہ دونوں بھی پریشان ہو گئیں، وہ لوگ کھانا ہی کھا رہے تھے کہ فیاض اور مہوش چلے آئے، وہ بہت شرمندہ تھے، غلطی فیاض کی نہیں تھی اور وہ سب اسے مان رہے تھے، لیکن وہ اکل فیاض کو کھنکھاتی بھری نگاہوں سے دیکھتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی اور سب کے بہت سمجھانے پر بھی وہ اپنی بات پراڑی رہی، تو نوبہ عالم نے فیاض سے ایک سکوڑ کر اس کے لیے ڈرائیور رکھا لیا اور وہ ڈرائیور کے ساتھ آنے جانے لگی، جس سے وہ بات پہلے ہی کر چکے تھے، لیکن فیصل کی پیار بھری ضد پر خاموش ہو گئے تھے اور وہی ڈرائیور ان کو آفس لانے لے جانے کی ذمہ داری اٹھا رہا تھا، اور اس عرصے میں وہ اس کو پرکھ چکے تھے، اس لیے حسین کو لانے لے جانے کی ذمہ داری بلا جھجک اس پر ڈال دی۔

☆.....☆.....☆

”مجھے اندازہ نہیں تھا میرا کہ تم پڑھنے کی اتنی زیادہ چور ہو گی، روز سننے بہانے گھر کے بیٹھ جاتی ہو۔“ وہ آفس سے لوٹا تھا تو وہ سو رہی تھی اور وہ اسے ڈسٹرب کیے بغیر شاور لینے چلا گیا، فریش ہو کر اس تک آیا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار چیک کیا تھا، جو ہلکی ہلکی گرم ہو رہی تھی، وہ سیدھا ہوا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں، اور بکھرے بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی اور وہ بیڈ کے کونے پر لگتے ہوئے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا، جبکہ وہ تو بری طرح چپ گئی۔

”صبح سے بخار میں حل رہی ہوں اور آپ کو لگتا ہے کہ میں بہانے بنا رہی ہوں؟“ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”مذاق کر رہا تھا، ایک تو تم مذاق بھی نہیں سمجھتیں۔“ تاسف سے کہتے ہوئے اس کے آنسو صاف کرنے کو ہاتھ بڑھایا مگر وہ کچھ پیچھے ہو گئی۔

”مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔“

”ناراض ہو کر اچھی نہیں لگ رہی ہو۔“

”میں بری ہوں ناں تو بری ہی سمجھتی۔“ وہ خفگی سے کہتی وہاں سے اٹھنے لگی تھی کہ وہ اس کو بازو سے قہار کر شرارت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”بری تو تم بہت ہو، اتنی بری کہ چوری بھی کرتی ہو میرا سکون میرا چین و قرار اور میرا دل چرائے بیٹھی ہو۔“ وہ بخور لہجے میں کہتا اس کی پلکوں کو رخساروں کو چوہہ کرنے پر مجبور کر گیا۔

”فصول الزام مت لگانا۔“

”الزام لگا رہا ہوں؟ سچ ہی تو کہہ رہا ہوں، جب سے میری زندگی میں آئی ہو مجھے اپنا بھی ہوش نہیں رہا، تم زندگی بن گئی ہو۔“ وہ ہنستے ہوئے ایک شوخ جھارت کر گیا اور وہ بیہوش آ کر تو بے بس ہو جاتی تھی۔

”زندگی بن گئی ہوں، میری بات تک کی تو اہمیت نہیں ہے، ڈائلا گزرتے بڑے بڑے مارتے ہیں۔“ وہ پلکوں کی باڈ اٹھاتی دھیسے سے بولی۔

”ڈائلا گزرتے۔۔۔۔۔۔ میری محبت، میرا اقرار و قائم کو ڈائلا گزرتے ہیں؟“ وہ اس پر گڑا (مصنوعی) تھا۔

”ہاں نہیں تو اور کیا، ہر معاملے میں تو اپنی چلاتے ہیں، آپ کی مرضی سے سوؤں، آپ کی مرضی سے جاگوں اور تو اور زبردستی لے کر میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروادیا۔“ وہ تپتے تھے خفا انداز میں ابھی اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

”اوہ۔۔۔۔۔۔ اب مجھ یا آخرتہ ماصل میں اتنی تپتی ہوئی کیوں ہیں؟“

”آپ میری بات کو مذاق میں مت اڑائیں فیصل! مجھے سچ میں پڑھائی سے ذرا بھی شغف نہیں ہے، کتنی مشکل سے میں نے انٹر کیا ہے اور یونیورسٹی میں پڑھنا تو بے حد مشکل ہے، مگر رے ہفتے میں ہی تمھیں اور اکتاہٹ نے میرا برا حال

کر کے رکھ دیا ہے۔“ تھکن اور اکتاہٹ اس کے چہرے سے چھلکنے لگے۔

”میں تمہاری اس بات کے ساتھ کیر و مائر نہیں کر سکتا، شروع شروع میں پراہلم ہوگی بعد میں سیٹ ہو جاؤ گی، ہاں پڑھائی سے متعلق کوئی مسئلہ ہو تو میں، ہیلپ کروں گا۔“ وہ اپنے مخصوص بے پلک لہجے میں کہتا بیڑا کواں سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔

”آپ مجھے کیوں نہیں ہیں، جب مجھے شوق ہی نہیں ہے تو زبردستی مجھے کیوں اس مشکل میں پھنسا رہے ہیں؟“

”انشا آج کل کے دور میں کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی لیے میں شادی کے بھی خلاف تھا کیونکہ تمہیں بچپن سے جانتا ہوں، مجھے اندازہ تھا کہ تم شادی کے بعد ہزار بھانے تراش لو گی، لیکن میں تمہارا کوئی بھانہ نہیں سنوں گا، تم اپنی انجیکشن کنجیو رکھو گی، اور پلیرا ب یہ روز کے بھانے اور تاویل میں ملتی کرو، میں تمہاری یہ بات نہیں مانوں گا، ہاں اگر بجیکٹ تمہیں یہ نہیں رکھنے، مشکل لگ رہے ہیں تو چھیچ کر واسکتا ہوں، جبکہ یہ بجیکٹ میں نے تمہاری مرضی سے رکھے ہیں اور عرش اور حنین بھی تمہارے ساتھ ہیں تو کوئی پراہلم بھی نہیں ہو گی۔“ اس نے فارم جمع کروانے سے پہلے باتوں باتوں میں اس سے بجیکٹ پوچھے تھے اور اکتا کس کے علاوہ سارے بجیکٹ وہی تھے، اکتا کس حشرش نے لی تھی، اس لیے اس نے اسے بھی اکتا کس ہی رکھوا دی۔

”فیصل! مجھے پڑھائی میں بالکل انٹرسٹ نہیں ہے، آپ اپنی ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟“ وہ اب قدرے لاڈ سے بولی۔

”بحث نہیں کرنا چاہتا میں۔“

”مان جائیے ناں! فیصل! پلیز... آپ کو میری قسم۔“ وہ جذباتی لہجے میں کہتی پیار سے اس پر جھکی۔

”تم کیوں نہیں مان جاتیں جان فیصل!“ اس کی معصوم ادھر مسکراتے ہوئے اس کی ناک چینی۔

”پھر طے ہو گیا کہ میں آگے نہیں پڑھوں گی۔“ اس کا نرم لہجہ اسے خوش فہم کر گیا۔

”یہ طے ہے کہ تم آگے پڑھو گی اور اس فیصلے میں رد و بدل نہیں ہو گی، جو چاہو وہ مان لو، مگر میری یہ بات مان لو، اسے میری فرمائش سمجھ لو، میری خوشی یا پھر میرا حکم۔“ ماتھے پر جھومتی لٹ انگلی پر لپیٹتے ہوئے وہ بولا، اور وہ سیدھی ہو گئی۔

”آپ بہت زیادہ ضدی ہیں فیصل! ہمیشہ اپنی ہی منواتے ہیں آپ کے نزدیک صرف اپنی خوشی اپنا فیصلہ اہم ہے، میری خوشی تو جیسے معنی ہی نہیں رکھتی۔“ وہ حنفی بھری نگاہ اس پر ڈالتی بیڑے سے اتر گئی۔

”تم فضول میں نہ صرف بات پڑھا رہی ہو بلکہ بات کو غلط رنگ بھی دے رہی ہو، میں ایسا ضد میں نہیں جانتا، میں تمہارا مستقبل محفوظ کرنا چاہتا ہوں، عورت کے پاس تعلیم ہو تو وہ بڑے بڑے امتحانوں سے آرام سے تیرد آزما کر لیتی ہے، اور میں نہیں جانتا میرا کہ خدا خواستہ کہ زندگی کبھی مشکلات کی نظر ہو تو تم میں اس سے بچنے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔“

اس نے اپنا اصل موقف بیان کرنا چاہا۔

”مجھے یہ سب باتیں سمجھ نہیں آتیں، مجھے پڑھنے کا شوق نہیں ہے، جیسے تیرے انٹر کر لیا ہے۔ یہی بہت ہے، اور میں اب آپ سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی، مجھے آگے نہیں پڑھنا ہے بس۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر حق سے بولی، اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی، وہ کچھ کہتا کہ وہ خود ہی بول پڑی۔

”میں تیار ہو جاؤں تو آپ مجھے ڈیڑی کے پاس چھوڑ دیجیے گا، اور اب میں ڈیڑی کے ہاں سے جب ہی آؤں گی جب آپ میرا ایڈمیشن کینسل کروادیں گے۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں، کپڑے لیے واش روم میں چلی گئی، اور اس نے غصہ کنٹرول کرتے ہوئے کنعان کوفون کر کے اپنے آنے کا بتایا اور وہ اسے لیے ماموں کے ہاں آ گیا۔

”تم اب یہیں رہنا جب تک چاہو جب تک نہیں، صرف اپنے ماسٹرز کپیٹ ہونے تک۔“ اسے گاڑی سے اترتے دیکھ کر بولا، جبکہ وہ تو ختم ہی گئی۔

”میری ہی غلطی تھی کہ ماموں جان کے اور ماما کے زور ڈالنے پر راضی ہو گیا، میں تم سے تمہارے ماسٹرز کے بعد شادی کرنا چاہتا تھا، مگر بگڑا اب بھی کچھ نہیں ہے، میں اپنی خوشی سے تمہیں یہاں چھوڑ رہا ہوں، یہ کچھ لینا کہ ہماری شادی ہی نہیں ہوئی اور ماسٹرز کے بعد شادی ہو گی، جس دن فائنل ایئر کالاسٹ پیپر ہو گا میں تمہیں آ کر لے جاؤں گا۔“ اس نے تو ڈیڑی کے ہاں جانے کی بات کی اس لیے تھی کہ وہ اس طرح بلیک میل ہو جائے گا مگر وہ تو پورے 4 سالوں کے لیے اسے چھوڑ رہا تھا۔

”آپ کو تو مجھ سے پیار ہے نہ دلچسپی، مجھ سے جان چھڑانے کے بھانے تلاشتے رہتے ہیں۔“ وہ کھسیا ہٹ کا شکار ہو گئی۔

”اب کچھ بھی سمجھو۔“ اس کی سنجیدگی میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔

”میں ڈیڑی سے کہہ دوں گی کہ آپ نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔“

”یہ بھی کر کے دیکھ لو، میں کون سا خاموش رہوں گا، ساری بات صاف بتا دوں گا اور سب تمہیں ہی غلط کہیں گے۔“ وہ اندر ہی اندر اس کی بی سی سے حفا اٹھا رہا تھا۔

”آپ!... آپ!“ وہ کچھ کہہ ہی نہیں پائی اور وہ اسے اپنی طرف کھینچتا شرارت سے بولا۔

”بہت اچھے ہیں۔“ اور اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے۔

”آپ بہت برے ہیں، میں ڈیڑی سے آپ کی شکایت کروں گی۔“

”کوئی اعتراض نہیں ہے مجھے، 4 سال ہوں گے تمہارے پاس پڑھائی کے، ساتھ کوئی مشغلہ بھی تو چاہیے ہوتا ہے، ماموں جان سے میری خوب برائیاں کرنا، شکایتیں لگانا، میں بالکل برائیاں مانوں گا۔“ وہ اسے بری طرح چڑانے لگا۔

”آپ اتنے سال مجھ سے دور رہیں گے؟“ نہایت جذباتی لہجے میں پوچھا۔

”ہاں... مجبوری ہے، مگر کبھی کبھی ملنے آ جایا کروں گا مگر رزلٹ اچھا نہیں آیا تو فون تک کرنا بند۔“ وہ اسے ڈرا سی تو گیا۔

”اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے؟“ وہ ہارنے لگی۔

”ہے تو سہی مگر وہ تمہیں قبول ہی کب ہے۔“ کن انکیوں سے دیکھا۔

”آپ چاہتے کیا ہیں؟“ وہ زنج ہو گئی۔

”صرف تمہیں۔“ ادائے بے نیازی سے کہا گیا۔

”فضول باتیں مت کریں، اور مجھے اموشنل بلیک میل بھی مت کریں، جانتے ہیں ناں کہ آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی، اس لیے ایسی شرطیں لگا رہے ہیں۔“

”تم مان جاؤ تو میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔“ اس کے اداس ناراض چہرے کو اپنی طرف گھمایا۔

”پوری 10 شرطیں ماننا پڑیں گی۔“ اس نے گویا ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

”صرف 10...؟“ وہ کھل کر مسکرایا۔

”کم کم ناں تو پوری 20...!“

”اچھا اب زیادہ پھیلو نہیں، اندر چلو ماموں جان کیا سوچیں گے گھر میں ہمیں ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع

نہیں ملتا، جو اس طرح گاڑی سے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہے۔“ شرارت سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ دے کر چھوڑ دیا۔

”آپ میری بات مت بدلیں، میری پوری 20 شرطیں ہی ماننا پڑیں گی آپ کو، ورنہ میں یونیورسٹی قطعی نہیں جاؤں گی۔“ وہ ٹھنک کر زوٹھے لہجے میں بولی۔

”مادام! ہم آپ کی ہر شرط مان لیں گے، ابھی اندر چلو اور بعد میں ساری شرطیں ایک پیپر پر لکھ لیتا، خادم کسی ایک کی بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔“

”میں ساری شرطیں ایک ساتھ نہیں بناؤں گی، بلکہ وقتاً فوقتاً۔“

”منظور ہے، مگر میری بھی ایک شرط ماننا پڑے گی۔“

”آپ کوئی شرط نہیں رکھ سکتے، آپ نے جو منوانا تھا وہ منوا چکے اب میری باری ہے اور میری بھی ایک بات یاد رکھیے گا، بعد میں آئیں بائیں شاہیں کی توجہ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ پرس اٹھاتے ہوئے جذباتی انداز میں اسے دھمکایا۔

”تم سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔“ ہتے ہوئے گاڑی سے باہر آ گیا۔

”آپ نے میری ایک شرط بھی ماننے سے انکار کیا تو ہماری ڈیل سنسل ہو جائے گی۔“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

”جو کو بھی، جیسا کہو گی، مان لوں گا، بس اس ٹاپک کو ختم کرو، بھیجا خالی کر کے رکھ دیا ہے۔“ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

”خود کا بھیجا خالی ہو گیا ہے نا تو اسی لیے تو چاہتے ہیں کہ میرا دماغ بھی خالی ہی ہو جائے، مڑی ہوئی کتابوں سے مغراری کرنا پڑے گی، اللہ کرے سب پیپر ز میں زیر و کر آؤں، تاکہ آپ کی بے عزتی ہو پھر پتہ چلے گا۔“ وہ اسے گھورتی ہوئی دل کے پیچھے پھونکے پھونکے لگی۔

”میری بے عزتی تمہاری بے عزتی اور زیور لاؤ گی تو تمہارا ہی نقصان ہوگا کیونکہ مجھے تو صرف تمہاری ماسٹر کی ڈگری چاہیے، اب یہ تم پر ڈپنڈ کرنا ہے کہ تم وہ 4 سال بعد دو گی یا 6، 8، 10 سال۔ جتنے سال لگانا چاہو لگا لیتا، کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”اس طرح ٹیٹھے ٹیٹھے طنز کرتے ہوئے سخت برے لگ رہے ہیں۔“ وہ آگے گئی کچھ کہتی کہ کورڈیٹور میں ہی اسے شاکر مل گئے اور وہ ان سے لپٹ گئی، اور وہ کھانا کھا کر کھانا کی طرف چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

”شاباش ہے یہی! 9 بجے کا کہہ کر 11 بجے آ رہا ہے۔“

”تمہاری بھابی کی وجہ سے لیٹ ہو گیا۔“

”ہاں جی جناب کی شادی کیا ہوئی مصروفیت ہی ختم نہیں ہو رہی۔“

”اداب چپ کر جا، یہ جذباتی جملے اپنی بھابی کے کہنے کے لیے ہی رہنے دے، میرا سے مغراری کر کے آ رہا ہوں، اب تو میرے پیچھے مت پڑ۔“ وہ اسے نوک تار بلیکس ہو کر نیم دراز ہو گیا۔

”بات کیا ہے آخر اس دن بھابی سے یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی، وہ بھی بری طرح تہی ہوئی تھیں اور ٹو بھی کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے، آخر مسئلہ کیا ہے بھابی سے لڑائی ہو گئی ہے کیا؟“ وہ روم فریج سے پیپسی کے کین نکالتے ہوئے بولا اور فیصل نے اسے ساری تفصیل کہہ سنائی۔

”بھابی! آگے پڑھنا ہی نہیں چاہتیں تو تجھے ان کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔“

”یار! تعلیم بے حد ضروری ہے، وقت ضرورت جاب کے لیے بچوں کی تعلیم ان کی اچھی پرورش کے لیے پیرش کا

ایجوکیٹڈ ہونا ضروری ہوتا ہے۔“ اس نے اپنا موقف بیان کیا، جس سے وہ اب گری کر رہا تھا۔

”ہاں یہ تو نے ٹھیک کہا، مگر بھابی مائیں نہیں تو تجھے ناگوں بننے نہ چوایدیں، 20 شرائط مجھے تو سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے ہیں۔“

”ابے کچھ نہیں ہوتا، اس کی سوا لڈ شرطیں اس کی طرح ہی بے وقوف ہوں گی تو پریشان نہ ہو۔“ وہ پرسکون تھا، یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا سارا سکون و اطمینان درہم برہم ہونے والا تھا۔

”تو مجھ سے صبح کو نای بات کرنے کو کہہ رہا تھا۔“ وہ پیپسی کے گھونٹ بھر رہا تھا، جب یاد آیا تو پوچھ بیٹھا۔

”ہاں بات تو تھی مگر ختم ہو گئی ہے، اس لیے جانے دے۔“ وہ سی ڈیز چیک کرنے لگا تھا۔

”بات کیا تھی کچھ پتہ بھی تو چلے۔“ اس نے فیصل کی دی ہوئی سی ڈی لگا کر میوزک سسٹم آن کر دیا۔

”سین نے تم لوگوں کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا، تجھے غصہ تو بہت آیا ہوگا۔“ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سر کی پشت سے نکاتے ہوئے اسے دیکھا جس کے چہرے کے زاویے یکدم ہی تن سے گئے۔

”میں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا، نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے، ایک تھپڑ لگا کر سارے کس بل نکال دیتا، مگر لاج کی وجہ سے برداشت کر گیا۔“ وہ دوست کو ساری بات اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

”وہ لاج کے ساتھ کتنا مس بی ہو کرتی رہی ہے، میرے کسی بھی فعل کی لاج ڈے دار نہیں ہے، لیکن اس نے فضول کے ری ایکشن سے مجھے لاج کی نظروں میں مشکوک کر دیا ہے، لاج مجھے سوری کرنے کو کہہ رہی تھی، مگر میری جوتی کو بھی غرض نہیں پڑی کسی سے معافی مانگنے کی۔“ اسے سنے سنے سے غصے نے اپنی لپٹ میں لے لیا۔

”تو معافی نہیں مانگ سکتا یہ میں جانتا ہوں، مگر غلطی بہر حال تجھ سے ہوئی ہے اور تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔“ وہ اس کے غصے کو کسی خاطر میں نہیں لایا۔

”غلطی ہوئی تو کیا کروں؟ معافی مانگوں، مگر وہ سننے کو تیار کب ہے؟“

”تو معافی مانگنے کو تیار ہے؟“

”ایسا چاہتا نہیں ہوں، اور یہ میرے لیے مشکل بھی بہت ہے مگر لاج کے لیے ایسا کروں گا، میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی بھی بات کا ذکر لاج سے کرے اور اس سے کچھ بعید بھی نہیں ہے کہ وہ سب لاج سے کہہ دے۔“

”ایسا تو خوف کے پیش نظر کرنا چاہتا ہے۔“

”واٹ ریش فیصل! خوفزدہ اور میں..... بچوں جیسی بات مت کر۔“ وہ بری طرح بھڑکا۔

”پھر بات کیا ہے آخر؟“

”میں تو میں سمجھ نہیں پارہا، جو کہ بیٹھا ہوں نہ اس کا سبب سمجھ پارہا ہوں، نہ ہی اپنی فیملی سمجھ پارہا ہوں، اس کو دیکھنا، سوچنا دل کو اچھا لگ رہا ہے، تو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے غصہ اور بے اعتباری دیکھ کر دل کتنا زخمی ہوا ہے، چاہوں بھی تو نہیں بتا سکتا، لاج کا تو بھانہ ہے، مگر میں اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مٹانا چاہتا ہوں اور ایسا میرے معافی مانگ لینے سے ممکن ہے تو میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔“ وہ اس وقت اپنے سخت و سرد مہر روپ سے کافی ڈیفرنٹ لگ رہا تھا۔

”اور اگر اس نے معاف نہیں کیا تو...؟“

”تو میں کچھ کر بھنوں گا فیصل! لاج کی تھوڑے آنے والی ہے اور وہ جانتی ہے کہ وہ اس میں آئے اور وہ اگر نہیں آئی اور اس کا سردے مہر انداز نہیں بدلاتو میں ضرور کوئی ایکشن لوں گا۔“ اس کے ماتھے کی سلیوس بڑھ گئی تھیں، اور آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔

”پاگل پن کی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”تیری وجہ سے خاموش رہا ہوں اب تک لیکن اب مزید نہیں۔“
 ”میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا وہ سب کرنے کو۔“
 ”مجھے آگے بھی کچھ کرنے سے مت روک۔“

”تو آخر کیا چاہتا ہے؟“

”پتہ نہیں، بس اتنا معلوم ہے کہ تو نے مجھے پاؤنڈ کیا ہوا ہے۔“
 ”میں نے تجھے کوئی پاؤنڈ نہیں کیا، جو تیرے دل و دماغ میں آئے وہ کر، میں کیوں تجھے پاؤنڈ کروں گا؟“
 ”وہ تیری ریلیٹیو ہے ورنہ یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہ بیٹھا ہوتا۔“

”اچھا تو یہ بھول جا کہ وہ میری کچھ لگتی ہے، اور اپنے عزائم بتا، مجھے بھی تو پتہ چلے کہ تو اب تک کیا کر چکا ہوتا، یا اب کر سکتا ہے۔“ فیصل نے اس کے عزائم جاننے کے لیے اسے اکسایا۔

”یہ ابھی سوچا نہیں ہے، بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ میرے خواب و خیالوں کا سب سے قیمتی سرمایہ بن گئی ہے، اور جسے میں کھوٹا نہیں چاہتا اور پانے کے لیے ہر جائز ناجائز طریقے کو آزما لینا چاہوں گا۔“

”پانا کس سنس میں چاہتا ہے کچھ ٹھنڈے کے لیے، کچھ دھنوں کے لیے، کچھ مبینوں، سالوں یا پھر ساری زندگی کے لیے؟“

”زندگی کی آخری سانس تک کے لیے۔“ اس نے محض یہ منہ سے کہا نہیں تھا اس بات کی گواہی اس کا دھڑکتا دل اور آنکھیں بھی دے رہی تھیں۔

”وہ اگر کسی اور کی ہوگئی...؟“

”ناممکن... وہ صرف میری ہے۔“

”اس بات کا کیا ثبوت ہے؟“

”تو کیسا ثبوت چاہتا ہے؟“

”جس طرح کا ثبوت تو دے سکتا ہے۔“

”میں کل ہی مام اینڈ ڈیڈ کو اس کا رشتہ لے کر بھیج دوں گا۔“

”تو کچھ دیر پہلے تک اپنی فیملی کو سمجھنے سے قاصر تھا اور اب ایک دم اتنا بڑا ادھوئی اور فیصلہ...؟“

”میری فیملی مجھ پر اس پل ہی عیاں ہوگئی تھیں جب میں نے اسے فرسٹ ٹائم دیکھا تھا، مگر آنا کافی سے کام لے رہا تھا، میں دل کی خواہش اور نفس کی تمنا میں امتیاز کرنا چاہتا تھا، اسے جب جب دیکھا دل میں پیار بھری خواہش نے سرا بھارا، اسے سوچا تو نفس نے نہیں دل سے مجبور ہو کر، اس کا خیال بڑے پاکیزہ انداز میں من و دل کی دھرتی پر جھک گیا ہے، اسے اپنانے کا فیصلہ تو پہلی ہی نظر میں ہو گیا تھا۔“

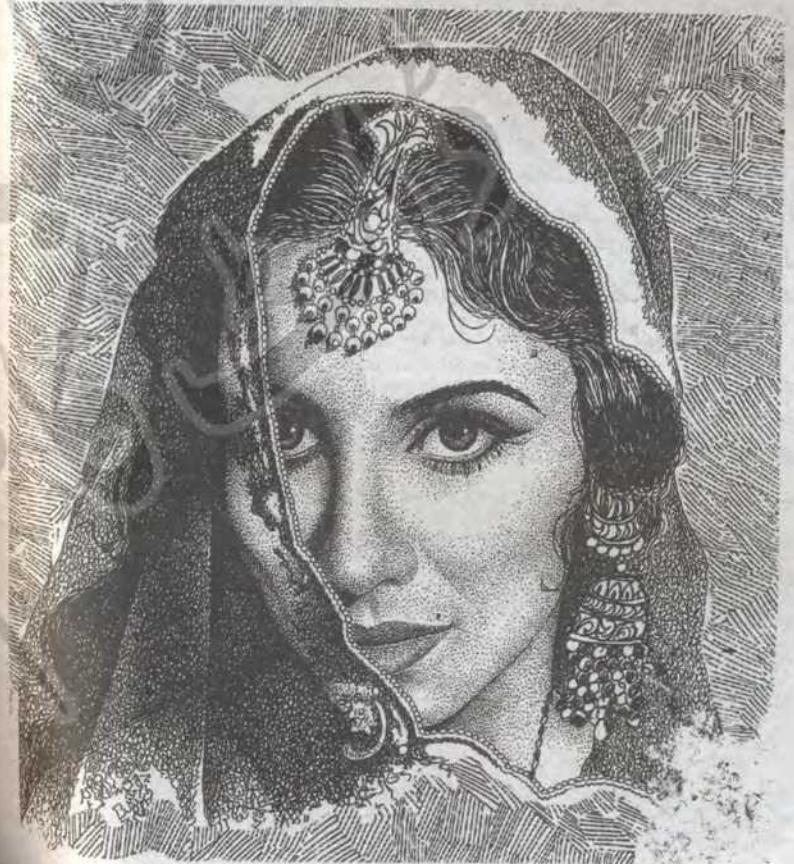
”پھر مجھ سے کیوں چھپاتا رہا؟“

”تو نے خود ہی کہا تھا کہ میں اچھے سے سوچ لوں کہ کہیں یہ محض وقتی افریکشن نہ ہو، اور میں وقتی افریکشن میں تو اسے زندگی کا حصہ بنانے کا نہیں سوچ سکتا، میں تو اسے اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں، مگر سیدھے سادھے طریقے سے نہیں چاہتا، میں اس کو قریب سے دیکھنا، جاننا سمجھنا چاہتا ہوں، مگر اس کی تو مجھے اجازت نہیں دے گا، میں جانتا ہوں کہ وہ تیرے لیے عرش کی ہی طرح ہے اور وہ تیری بہن ہے اس لیے ڈائریکٹ پر پوزل بھیجنے کی بات کی ہے ورنہ چند سال تک تو ایسا کرنا تو دور میں سوچتا بھی نہیں۔“ (جاری ہے)

سلسلے وار ناول

بشریتا کی لگی جانا

”میری طرف سے تو معذرت، میں نہیں آیاؤں گی۔“ اس کا کورا جواب ماہ لاج کے چہرے کو تاریک کر گیا تھا اور اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی تھیں جسے کسی کا دل رکھنا نہیں آتا تھا، رواداری اور دنیا بھانے کا طریقہ



نوٹ: روڈ کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈ کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

نہیں آتا تھا۔

”لیکن کیوں؟ اگر اجازت کا مسئلہ ہے تو میں تمہاری می سے بات کروں گی۔“ وہ خود کو کمپوز کر کے سوال داغنے کے ساتھ ہی مل بھی پیش کر گئی تھی۔

”مجھے پارٹیز وغیرہ میں جانا قطعاً پسند نہیں ہے اور تایا اب کو بھی یہ سب ناپسند ہے وہ مجھے کبھی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ ویسے بھی میں خود ہی تمہارے گھر نہیں آنا چاہوں گی اسی لیے اجازت لینے کی کوشش بھی نہیں کروں گی۔“ پہلے تو پھر بھی اس کا لہجہ کچھ نرم تھا اب کے وہ بے رخی سے ناک چڑھا کر بولی تھی اور پیپی کاٹھن خالی کر کے ان لوگوں کو لائبریری



جانے کا ہٹا کر کینٹین سے نکلتی چلی گئی تھی۔

”آئی ایم سوری لاج! میں جانتی ہوں تم صرف میری وجہ سے جنین کا اس بی بیویر برداشت کر لیتی ہو۔“ حشر نہایت شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

”جنین سے دوستی میں نے صرف اور صرف اس لیے کی کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ مجھ میں یا جنین میں سے تمہیں کسی ایک سے دوستی ختم کرنی پڑے، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جنین دوستی کر لینے کے بعد بھی میرے ساتھ گزری تخیلوں کی کڑواہٹ نکالے گی۔“ وہ نہایت متاسفانہ لہجے میں بول رہی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے کہ وہ کنعان بھائی کا غصہ تم پر نکال رہی ہے، وہ بامعنیہ نیچر ہی ایسی ہے، اسے کسی کا دل رکھنا نہیں آتا، بلویو کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہے، دوستی پکی ہوئی تو تم ہی نہیں وہ بھی تمہیں سمجھنے لگے گی کہ وہ منہ پھٹ ضرورت مگر کسی کو ہرٹ نہیں کر سکتی، خاص کر جان کر کے، انجانے میں اپنی فطرت کے آگے مجبور ہو کر ہی بس وہ تمہارے ہی نہیں کسی کے بھی ساتھ مس بی بیو کر جاتی ہے، مگر احساس ہوتا ہے تو ازالے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے زیادہ نہیں تو سوری تو کر ہی جاتی ہے اور وہ احساس ہوتے ہی تم سے بھی معذرت کر لے گی، بس تم اسے کچھ وقت دے دو۔“ حشر اور اس کا ساتھ بچپن کا تھا، جنین کی تمام تر نازک مزاجیوں کے باوجود اسے اپنی دوست بے حد عزیز تھی اور اسے لگا کہ اس کی دوسری دوست اس سے بدگمان ہو رہی ہے تو اس نے اس کی بھرپور طریقے سے وکالت کی تھی۔

”حشر ٹھیک کہہ رہی ہے، جنین جیسی دھتکتی ہے یا ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی بالکل نہیں ہے کہ دل میں برائی رکھ کر تو وہ کسی سے بھی نہیں مل سکتی کہ اسے کنعان بھائی کی پر خاش تم سے نکالنی ہوئی تو وہ تم سے دوستی ہی نہ کرتی۔“ سیرا نے بھی دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے فوراً ہی اسے سپورٹ کیا تھا۔

”اس کے مزاج کو میں بھی سمجھنے لگی ہوں، لیکن یہ بات بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے کہ کوئی ہمارے عزیز سے اتنا بدگمان اور متعصب ہے کہ اس کی موجودگی کو برداشت کرنا تو دور کی بات اس کا نام تک سننا گوارا نہ کرے۔“ وہ اداسی سے بول رہی تھی۔

”مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ محض اچانک مکر جانے کے سبب جنین میرے لالہ جان کو اتنا سخت ناپسند کرنے لگی ہے تو کیوں؟ کہ اچانک تو کسی سے بھی مکرایا جاسکتا ہے ایسے میں اتنی شدید ناپسندیدگی و رد عمل کا ظاہر کرنا میری تو سمجھ سے باہر ہے۔“ وہ ہر بار الجھ جاتی تھی مگر اس کی الجھن کوئی بھی سمجھانے کے سوڈ میں نہ تھا اور وہ دونوں تو خود اس کی طرح الجھن کا ہی شکار تھیں۔

”جنین فطرتاً ہی نازک مزاج اور حساس طبیعت رکھتی ہے، وہ معمولی سی بات کو بھی بھلا نہیں پاتی کہ اس کے ارد گرد بے لوگ صرف اس کی راحت کا سبب ہیں ایسے میں کوئی تکلیف پہنچا دیتا ہے تو اس کی حساس طبیعت پر نہ صرف گراں گزرتا ہے بلکہ وہ برداشت نہیں کر پاتی، بات کچھ نہیں ہے بس مسئلہ حساسیت کا ہے، کچھ عرصے میں وہ سب بھول جائے گی تو ناول ہو جائے گی اور اس سارے عرصے میں تمہیں بھی سوائیو کرنا پڑے گا کہ میں نہ تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں نہ اسے سمجھا سکتی ہوں کہ وہ کسی بھی بات پر قائل تو ہو جاتی ہے مگر مطمئن صرف اپنے دل و دماغ کے فیصلے کے بعد ہے اور یہ بات جنین کی فطرت کی ہر مضبوطی و کمزوری اس کا ہر رشتہ جانتا ہے اسی لیے اسے اسی حساب سے ٹریٹ بھی کرتا ہے، میں بھی اسے غلط مانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ تم سے اس کے ہر برے رویے کی معذرت کر لوں۔“ جنین اس کی بیٹ فریڈ تھی اسے بہت عزیز تھی اسے مکمل سپورٹ کر رہی تھی مگر ایسے کہ ماہ لاج ناراض نہ ہو کہ وہ بھی اس کی دوست تھی، لاج یکدم ہی مسکرا دی۔

”تم معذرت نہ کرو کہ اب وہ اچھی ہے، بری ہے جیسی بھی ہے میری دوست ہے، لالہ جان کی وجہ سے ہرٹ ہو جاتی ہوں کہ ان سے بہت محبت کرتی ہوں اور ان کے ذکر پر اس کا منہ بنانا مجھے تکلیف دیتا ہے، لیکن مجھے رشتوں کو بٹلس کرنا آتا ہے میں انشاء اللہ دوست کی وجہ سے بھائی اور بھائی کی وجہ سے دوستی کے رشتے میں دراڑ نہ آنے دوں گی، جنین کو دوست بنایا ہے تو اب دوستی نبھاؤں گی بھی، اسی لیے اس سارے ذکر کو جانے دو اور یہ سوچو کہ میری برتھ ڈے پارٹی میں، میں اس کی شرکت کو کیسے یقینی بنائوں؟“ وہ اداسی بھلا کر بٹاشت سے کہتی ان دونوں کو ہی پر سکون کر گئی تھی۔

”لیکن! مجھے نہیں لگتا کہ وہ آئے گی؟“ سیرا نے خیال ظاہر کیا تھا۔

”اوہو!...! مجھے بھی یہی لگتا ہے اس لیے میری مانو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اسے فورس بالکل مت کرو۔“ حشر اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔

”خیال ظاہر نہ کرو، آئیڈیا سوچو کہ وہ کسی طرح میری برتھ ڈے پارٹی میں شریک ہو جائے۔“ اس نے ان دونوں کی گھور کر کہا تھا۔

”اگر میں زمین بھائی سے بات کروں تو کیا رہے گا؟ کہ اگر وہ مان گئیں تو وہ خود ہی جنین کو منالیں گی۔“ سیرا کا مشورہ ان دونوں کو ہی پسند آیا تھا اور وہ زمین سے بات کرنے کا کہتی انھیں تھی کہ بریک ٹائم ختم ہو گیا تھا ان کی کلاس شروع ہونے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

”پلیز! زمین بھائی! اس میں حرج ہی کیا ہے؟ ماہ لاج ہماری مشترک دوست ہے اور اس کی فیملی بھی کوئی انجان نہیں ہے، آپ تو جانتی ہی ہیں کہ لاج، فیصل کے دوست کی بہن ہے، میں فیصل کے ساتھ ان کے گھر بھی گئی ہوں، آپ بات کریں گی تو نوید انگل جنین کو اجازت دے دیں گے۔“ جب سیرا نے اسے ساری بات بتائی تھی تو اس نے بڑے جمل کا ظاہر کیا تھا اور بڑے سجاوے نوید عالم کو ڈھال بنا کر جنین کے نہ جانے کا جواز پیش کر دیا تھا مگر وہ کہاں مانی تھی الٹا اسے ہل کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی جبکہ اسے بھی قائل نہ ہونا تھا کہ وہ ہر بات سے واقف تھی اور وہ جنین کو ہر گز بھی اس شخص کے گھر نہ بھیجتی جس کی بے باکی کی داستان اسے آج بھی مضطرب کر رہی تھی۔

”سیرا! ابو نے ہم بہنوں کو اس طرح دوستوں کے گھر آنے جانے کی اجازت کبھی نہیں دی، اور جنین کو تو وہ کبھی اکیلے نہیں جانے ہی نہیں دیتے۔“

”میرے اور حشر کے ہوتے ہوئے وہ اکیلی کیسے ہوگی؟ کہ ویسے بھی پارٹی میں تو آپ نے بھی جانا ہے وہ ہماری فیملی کو انوائٹ کرے گی۔“ اس نے فوراً ہی زمین کے جواز کو مسترد کر دیا تھا۔

”وہ انوائٹ کرے گی جب کی جب دیکھی جائے گی کہ اگر ابو چاہیں گے تو اسے اجازت دے دیں گے۔“ وہ بہت جلد کا مظاہرہ کرتی بولی اور بات ہی ختم کر کے اٹھ گئی۔

”بھائی! اصل میں بات انگل کی اجازت کی نہیں ہے، جنین کی مرضی کی ہے کہ وہ جانے سے صاف انکار کر چکی ہے، اور شادی میں جو کنعان بھائی اس سے نکرا گئے تھے اس کی وجہ سے وہ ان پر کچھ غصہ ہے اور وہ اپنا غصہ نہ چاہتے ہوئے لالہ جان پر نکال دیتی ہے اور آپ خود بتائیے! کہ کیا یہ سب صحیح ہے؟“ وہ سیرا کی بات پر ہلکی اور اسے دیکھنے لگی۔

”لالہ تو اس کے ساتھ فیر ہے لیکن وہ لاج کے ساتھ اکثر روڈی بیو کر جاتی ہے اور یہ بات تو انتہائی غلط ہے ناں کہ اس کے کیسے کی سزا کی اور کو دی جائے اور ویسے بھی لاج ٹھیک ہی کہتی ہے کہ اچانک تو کسی سے بھی انسان مکر سکتا ہے انسان کی غلطی نہ ہو اور وہ پھر بھی معافی مانگ لے تو اس کے بعد آپ کا برا رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟ جنین کا رویہ ہم میں

”میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ایسا کہہ رہی ہوں کیونکہ تم نے بے یو بننا ہے کہ لڑکیوں کو اپنے معاملے میں خاص کر اپنی عزت کے معاملے میں بہت مضبوط ہونا چاہیے، اتنا کہ کوئی انہیں غلط بات نہ کہہ سکے، چھوٹا کوئی غلط حرکت کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔“ وہ اس کے لیے مخصوص نرمی سے بول رہی تھی۔

”لیکن آپ! وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس نے موقع نہ دیا۔“

”تم نے اس شخص سے یا کسی بھی مرد سے ہرگز بھی ڈرنا نہیں ہے، اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی ہے، تم اس شخص کے سامنے جاؤ مگر ایسے کہ وہ تمہاری طرف چاہ کر بھی پیش رفت نہ کر سکے کہ تم ڈرو گی، کمزوری دکھاؤ گی تو وہ تمہیں تر نوالہ کچھ کرم پر جاوی ہونے کی کوشش کرے گا، خود اعتمادی سے اس کا سامنا کرو گی تو وہ قدم تمہاری طرف چاہ کر بھی نہیں بڑھا سکے گا۔“

وہ اسے نہایت نرمی سے ایک ایک بات سمجھا رہی تھی۔

”لیکن آپ! مجھے بہت ڈر لگتا ہے، وہ اچھے انسان نہیں ہیں، انہوں نے مجھے پھر پریشان کیا تو؟“ وہ کچھ گھٹی تھی، کچھ نہیں سمجھتی تھی مگر جب بولی تھی تو ہزار خدشے اور خوف عیاں ہو گیا تھا۔

”وہ تمہیں اب پریشان نہیں کریں گے بالقرض کریں تو تم نے ان سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ انہیں ان کی اوقات بتانی ہے کہ لڑکیاں اگر ڈریں تو مرد انہیں مزید ڈراتے ہیں جبکہ لڑکیوں کو ڈرنے کی بجائے اپنی عزت کی حفاظت کرنی آنی چاہیے۔ اب وہ اسے کافی کچھ ڈھکے چھپے انداز میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”آپ! مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، میں نے لاج کے گھر جانا ہی نہیں ہے تو آپ کو اتنا سب کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ وہ قدرے اکتائے ہوئے تاکہ انداز میں بولی تھی۔

”ضرورت ہے تب ہی کہہ رہی ہوں، تم نے میری باتوں پر غور کرنا ہے اور عمل بھی کرنا ہے اور تم پارٹی میں بھی جا رہی ہو کہ میں نہیں چاہتی اس سب کا کسی کو بھی پتہ چلے اور تمہاری ایکشن سب کو تشریف میں جتنا کر رہا ہے، اس لیے تم نے سب کچھ بھول کر ایک دم نارمل بنی ہو کر رہنا ہے۔“ زمین کو اس کی مصوہیت پر پیار سا آقا تھا اور اب کے وہ اسے مزید نرمی سے آسان لفظوں میں سمجھا رہی تھی اس کا انداز ایسا تھا کہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے اور اس کے ذہن پر بھی کوئی برا اثر نہ پڑے۔

”اوکے! آپ کے کہنے پر چلی جاؤں گی، کسی سے اب کچھ کہوں گی بھی نہیں، نہ ہی خود کو کسی کے بھی سامنے کمزور پڑنے دوں گی۔“ ایک گھنٹے کی مغفاری کے بعد اس کا جواب اسے کچھ پرسکون کر گیا تھا۔

”مگر اتنا یاد رکھیے گا آپ! کہ وہ مجھے نہیں پسند، اب انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کی ذمہ دار آپ ہوں گی کہ آپ کے کہنے پر ہی میں ان کے گھر جاؤں گی۔“ اس کا ہر بات کی ذمہ داری اس پر ڈال دینا اسے مضطرب کر گیا تھا کہ وہ خود یہ سب نہیں چاہتی تھی بہت سوچ کر کڑے دل سے فیصلہ لیا تھا۔

”شاید... وہاں جنین کو جانے کے لیے راضی کرنے کا میرا فیصلہ درست نہیں ہے۔“ اس نے اضطراب اور بے چینی سے ٹپکتے ہوئے با آواز بلند خود کھائی کی تھی۔

”نہیں، تمہارا فیصلہ ایک دم درست ہے۔“ فیصل کی آواز پر وہ چونکی۔

”آئی ایم سوری زمین! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اب تک جنین سے فون پر بات کر رہی ہو گی، میں نے تمہاری گفتگو کا محض آخری حصہ ہی سنا ہے اور اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، مگر سن لیا ہے، اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم نے ایک صحیح فیصلہ لاؤت لیا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں یکدم ناراضی اترتے دیکھ کر اس نے جلدی سے وضاحت دی تھی اور ساتھ ہی اپنا منہ بھی دے ڈالا تھا، اور وہ اتنی پریشان و لمحی ہوئی تھی کہ اس سے اپنا مسئلہ شیئر کر گئی تھی، اس نے زمین کو بغور دیکھا

سے کسی کو بھی سمجھ نہیں آ رہا، کنعان بھائی جان کو تو نہیں ٹھیک لگتا تھا جو وہ بولیں ان پر غصہ ہے کہ جان کر ایسا کرتے تو اس کا غصہ کرنا بنتا بھی، لیکن ان کے معافی مانگ لینے کے بعد بھی اس کا رویہ ہنوز بے توجہ کیوں؟ ”میرا نے نہ صرف اپنے ذہن کی بلکہ ماہ لاج کی کمی بھی ہر بات کہہ ڈالی تھی اور زمین کے لیے سوچوں کے نگلی دروا کر دیئے تھے۔“

”جو بات کسی کے علم میں نہیں ہے وہ تم سب کو خبر کرنے کیوں چلی ہو؟“ ارم الحسن کا خائف لہجہ کانوں میں گونجنا تھا۔

اس نے میرا سے کہہ دیا تھا کہ وہ جنین کو سمجھانے کی اور تب سے وہ کمرے میں بند ان ہی سب باتوں کو سوچے جا رہی تھی۔

”ارم نے ٹھیک کہا تھا کہ جو ہو گیا وہ لوٹنا یا نہیں جاسکتا، ہاں آگے احتیاط کی جاسکتی ہے تاکہ آئندہ ایسا کچھ نہ ہو اور نہ ہی کسی کو کسی بھی سبب کچھ بھی پتہ چلے اور اس کے لیے مجھے جنین کی برین واشنگ کرنی ہو گی کہ کہیں وہ اپنی ازلی بے وقوفی دکھاتے ہوئے لاج کو یا حشر و میرا میں سے کسی کو کچھ نہ بتا دے کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ منظر عام پر نہ ہی آئیں تو بہتر ہوتا ہے اور اس کے لیے مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔“ وہ یک دم ہی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میری مہنی کا موڈ کیوں آف ہے؟“ اس نے سب گھر والوں کو شام کی چائے پیش کی تھی کہ اسی وقت ملازمہ اس کا سیل فون لیے چلی آئی تھی، جنین کا ٹانگ دیکھ کر وہ اپنا کپ لیے بڑی سرعت سے ”ایسکسڈی“ کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی، سب نے تو اتنا محسوس نہیں کیا تھا مگر نہ جانے کیوں فیصل کو برا لگا تھا جبکہ اسے محض اندازہ ہی تھا کہ زمین بھائی کے پاس جنین کا فون آیا ہوگا، اسے چھوٹی سے چھوٹی بات کے لیے جنین کا زمین کو فون کرنا بہت برا لگتا تھا، مگر ہائے ری مجبوری، کہہ کچھ نہیں سکتا تھا اس نے ایک نظر بھائی پر ڈالی تھی جو سینڈ وچ کھاتا مکمل طور پر حشر کی جانب متوجہ تھا کہ وہ بھائی کو اپنی کوئی بات بتا رہی تھی جسے وہ دلچسپی سے سن رہا تھا، اس نے ایک سانس خارج کی اور چائے کے سبب لینے لگا، کمرے میں آتے ہی اس نے کال ریسپونڈ کی تھی اور ہائے ہیلو کے درمیان ہی وہ اس کے خراب موڈ کی بو پائی تھی اس لیے نہایت پیار سے بولی تھی۔

”لاج کی وجہ سے میرا موڈ آف ہے۔“ اس نے فوراً ہی اس کی بات کی تصدیق کر دی تھی، مگر وہ بے طرح چونک اٹھی تھی۔

”کیوں... کیا نئی دوست سے جھگڑا ہو گیا ہے؟“ وجہ جاننے کو نرمی سے استفسار کیا تھا۔

”نہیں، جھگڑا نہیں ہوا آپ! اس سنڈے کو اس کی برتھ ڈے ہے اور آج وہ انونیٹیشن کارڈ لے کر گھر آئی تھی، جب میں نے اسے منع کر دیا تھا کہ میں پارٹی اٹینڈ نہیں کروں گی تو وہ کیوں کارڈ لے کر گھر آئی؟“ اس نے تپے تپے سے لہجے میں موڈ آف ہونے کی وجہ بتادی تھی۔

”تو تم نے کیوں منع کر دیا؟ وہ تمہاری دوست ہے تم اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں چلی جانا۔“ وہ چونکہ سوچ چکی تھی فیصلہ لے چکی تھی اس لیے نارملی کہہ گئی تھی جبکہ اسے کہاں امید تھی کہ زمین اسے جانے کو کہے گی اس لیے وہ حیران ہوئی تھی اور حیرانگی سے ٹپکی تھی تو ٹپکی سے بولی تھی۔

”آپ! آپ مجھے وہاں جانے کو کیسے کہہ سکتی ہیں وہ فیصل بھیا کے دوست کا گھر ہے، وہ دوست جنہوں نے آپ کے رپیشن میں میرے ساتھ کتنی غلط حرکت کی تھی۔“ ان ساعتوں کا خیال ہی اس کو مضطرب کر گیا تھا، گردن پر چوڑیاں سی رنگتی محسوس ہونے لگی تھیں، وہ سرخ پڑتی لب کھلنے لگی تھی، جس دوپہر اس نے لاج کے بہت کہنے پر بھی ماہ کنعان کی وجہ سے ماہ لاج سے لفٹ نہیں لی تھی اس دوپہر اس نے روتے روتے ساری تفصیل زمین کو بتادی تھی مگر زمین نے اس سے نہ کہا تھا نہ ظاہر کیا تھا کہ وہ یہ سب ماہ کنعان کے منہ سے سننے کے بعد وہ ارم الحسن سے بھی تصدیق کر چکی تھی۔

تھا ہی گرین کائن کے پرنٹڈ سوٹ میں وہ تمام تر سادگیوں کے ساتھ ابھی ہی اس کے سامنے تھی۔

”جو ہوا ہرگز بھی ہونا نہیں چاہیے تھا زمین! مگر جو ہو گیا اسے بدل نہیں سکتے مگر سچائی سے کہوں تو جو فیصلہ تم نے لیا ہے اس میں تم ڈر اور دوسرے کا شکار ہو، مگر میں ذہن و دل سے مطمئن ہو کر تمہارے فیصلے کی حمایت کر رہا ہوں۔“ اس کی خوبصورت آنکھوں میں الجھن واضطراب کی لکیریں گہری ہونے لگی تھیں۔

”حنین ہمیشہ سے میرے لیے حشر کی طرح ہی ہے اور اگر اس شخص کو میں برا پاتا تو سب سے پہلے میں حشر کی حفاظت کے لیے حکمت عملی تیار کرتا مگر میں ایسا نہیں کر رہا کیونکہ اس شخص کو بدیت و بد فطرت نہیں پایا کبھی اور جب حشر کو اس کے گھر جانے یا اس کے سامنے آنے سے نہیں روک رہا تو کوئی توجہ ہوگی ناں؟ تو بس تم ہی بات کو سوچ کر مطمئن ہو جاؤ کہ میں حشر کو کسی غلط جگہ نہیں بھیج سکتا اور جب میں اپنی بہن کو نہیں بھیج سکتا تو تمہیں کیسے اجازت دوں گا یا حمایت کروں گا کہ تم ایک غلط جگہ اپنی بہن کو جانے دو؟ کہ تمہاری بہن میری بھی بہن ہے اور یقین رکھنا کہ جیسا میں کبھی حشر کا برا نہیں چاہ سکتا، حنین کا بھی برا چاہ ہی نہیں سکتا کہ حشر اس لیے عزیز و قابل احترام ہے کہ وہ میری بہن ہے اور حنین اس لیے کہ وہ تمہاری بہن ہے اور ہم جب ایک ہیں تو ہمارے رشتے، ہمارے احساسات کیسے الگ ہو سکتے ہیں؟“ اس کا وہی ازلی نرم ٹھہرا ہوا لہجہ تھا جو زمین کی ہر الجھن ہر بے چینی کو ختم کرتا چلا گیا تھا۔

”جھینکس فضیل! آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ نے میری کتنی بڑی براہ کرم کو سولو کر دیا ہے۔“ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ کھڑکھڑاتی تھی اور سادگی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتا فضیل یکدم ہارٹ بیٹ مس کر گیا تھا کہ اس کا گلابی چہرہ کھل کر گلاب کی طرح مہک اٹھا تھا اور وہ مہک اسے اپنی جانب کھینچنے لگی تھی۔

”حنین! میرے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے، اس کی خوشی مجھے اپنی خوشی سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں جانتی ہوں کہ جو ہوا اس کے ننھے ذہن پر ضرب لگا گیا ہے وہ ظاہر نہ کرے مگر میں محسوس کر سکتی ہوں کہ وہ جب سے ہی مضطرب ہے اور میں جانتی تھی کہ وہ ہر ٹینشن سے آزاد ہو جائے مگر میں اپنی ٹینشن کے چلتے اسے ٹینشن فری نہیں کر پاری تھی، لینے کو فیصلہ لے لیا تھا مگر ہزار بار خوف کے سامنے میرے گرد منڈلا رہے تھے مگر اب آپ کا ساتھ میرے لیے بہت بڑی ڈھارس ہے، آپ نے مجھے ٹینشن فری کر دیا ہے اور اب میں انشاء اللہ حنین کو اس فیز سے نکال لوں گی۔“ وہ اس کی بدلتی کیفیت سے انجان حنین کے لیے اپنے جذبات بیان کرتی اسے تشکر سے دیکھ رہی تھی اس کے مسکرانے پر وہ دھیسے سے جوابی مسکراہٹ اچھالتا پلٹ گیا تھا، ان کی شادی کو تقریباً تین ماہ ہو گئے تھے، اجنبیت بھلنے نہ تھی مگر دوریاں اور فاصلے ان کے درمیان ہنوز تھے، اس نے اگر اسے وقت دیا تھا تو اپنی بات، اپنے فیصلے پر قائم بھی تھا اور وہ تھی کہ سب کے لیے سایہ دار شمر ثابت ہونے والی اس کے لیے تو دھوپ بھی ثابت نہیں ہو رہی تھی، اس کا خیال رکھتی تھی، اس کی پرواہ کرتی، کھانے پینے، پکڑوں اور ہر چیز کا دھیان رکھتی تھی، اس سے ہر کسی کی بات کر لیتی تھی، اب تو بلا جھجک ہر موضوع پر عام سے انداز میں بات کر لیتی تھی، بات نہیں ہوتی تھی تو ان دونوں کی، ان کی خواہشات و ضروریات کی، رشتے کے تقاضے اور محبت کی۔ وہ جس طرح انجان بنتی تھی وہ الجھ جاتا تھا لیکن اس سے کوئی سوال نہیں کرتا تھا، وہ انجان تو پہلے بھی نہیں رہتا چاہتا تھا اور وقت کے گزرتے انجان بنے رہتا جذبات کو جھٹکنا، جذبولوں پر بندھ بانڈ نہایت مشکل لگتا تھا مگر وہ اس کی خوشی کے لیے ان ساری مشکلات سے نبرد آزما کر رہا تھا کہ اس کی سوچ یہی تھی کہ اجنبیت کی دیوار گرتی ہے، وقت کے چلتے دوریاں بھی سٹ جائیں گی اور وہ جو اسے انجان سمجھ رہا تھا وہ اتنی بھی انجان نہ تھی کہ اس کی نگاہ کا اٹھنا، پھر ٹھہرنا اس کا دل دھڑکا دیا کرتا تھا مگر وہ نہ تو اس کا سزا لگ ہی تان اٹھا تو وہ گھبرا جاتی تھی کہ وہ شخص جو کبھی عمریں نگاہ میں نہ آیا تھا، دل میں ٹھہرا تھا، دعا بن رہا تھا، نہ ملتا تھا، نہ ملنے کی امید تھی لیکن دل کا کیا کرتی کہ اب

ہر دعائیں اسے دل سے نکل جانے کی التجا کرتی، اسے بھول جانے کی کوشش میں آج کل شدتوں سے یاد کر رہی تھی اور اسی لیے اس کی محبت اور اس کی طلب کو نظر انداز کر رہی تھی کہ وہ بٹے ہوئے دل، کبیدہ ذہن کے ساتھ اس کے جیون میں شامل تو ہوئی تھی، اس کی بنیادیں چاہتی تھی کہ اس پیارے سے سادہ شخص کے ساتھ وہ جو انسانی کرپکلی حسی مزید نہیں کرنا چاہتی تھی کسی اور کو دل میں بسا کر جیون میں شامل ہونا اس کی مجبوری تھی، مگر اب وہ اس مجبوری کو تو زکریٰ ذہن و دل کی پوری آمادگی سے اس شخص کی بنیاد چاہتی تھی لیکن یہ سب اتنا آسان بھی نہ تھا وہ روزوں کو لے کر جڑنے کے مرحلے سے گزرتی، خود کو فضیل کا جرم پاتی، معافی کی آس میں جی رہی تھی، کب پرانی محبت دل سے نکلتی اور فضیل کی محبت سما جاتی؟

☆.....☆.....☆

”جھینکس فاکرنگ حنین! میں بتا نہیں سکتی کہ تمہیں اپنی رتھ ڈھکے پارٹی میں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔“ وہ حنین سے والہانہ انداز میں ملتی تھی اس کی خوشی اس کے چہرے و انداز سے ہی عیاں ہو رہی تھی۔

”میں صرف زمین آبی کے مجبور کرنے پر آئی ہوں کہ میں ان کی کسی بات سے چاہوں بھی تو انکار نہیں کر سکتی۔“ اس کے چہرے پر کوئی خوشی نہ تھی ایک عجیب سا ہی تاثر تھا جبکہ وہ مسکراتی تھی۔

”میرے لیے تمہارا آجانا ہی کافی ہے، وجہ چاہے کچھ بھی ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ زمین بھابی سے جب ملوں گی تب ان کا دل سے شکر ہی ادا کروں گی۔“ وہ اس کا موی ہاتھ اپنے خوبصورت ہاتھ میں تھامے کر جوش سے بولی تھی۔

”زمین آبی! کو فضیل بھیا کے ساتھ ان کے دوست کی ویڈیو اپنی دوسری میں جانا تھا ورنہ وہ بھی آتیں۔“ وہ اس کی محبت کے جواب میں دھیسے سے بولی تھی۔

”اوہوں..... بھابی نے صبح ہی مجھے فون کر کے وٹس کیا تھا اور آنے سے معذرت کر لی تھی، آؤ میں تمہیں اپنے پیرنٹس سے ملواتی ہوں۔“ وہ مسکراتی تھی اور اس کا ہاتھ تھامے اپنے پیرنٹس کی جانب بڑھ گئی تھی، اسے ماہ لقا سے مل کر بالکل بھی خوش نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے بیک نیٹ کی ساڑھی پر گہرے گلے کا سیلوئیس بلاؤز پہنا ہوا تھا اور نیٹ کی سیاہ ساڑھی سے ان کا جھلکا سفید دودھا جسم و دھوت نکلتا رہا تھا اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی کہ اکثر خواتین نے اسی قسم کی ڈریسنگ کی ہوئی تھی مگر گیدرگ تھی جسے مسکراتے کھلو اس کو یکدم ہی بے چینی ہونے لگی تھی اور وہ جانے کا سوچنے لگی تھی کہ سیر اور حشر آگئی تھیں اور اتنے اجنبی لوگوں میں ان دونوں کو دیکھ کر اسے گونا گوں سکون کا احساس ہوا تھا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ حنین نے سیرا کی دل سے تعریف کی تھی وہ مہرون رنگ کی اسٹاکس ساڑھی میں لائٹ سے میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری میں لگ ہی بہت اچھی رہی تھی اور وہ لاشعوری طور پر اس کا موازنہ وہاں ہنسی مسکراتی عورتوں سے کرنے لگی تھی کہ اس نے ان سب کے برعکس ساڑھی کو بہت سلیقے سے پہنا ہوا تھا اور اس کے ذہن میں جو کچھ پک رہی تھی اس نے سیرا کے استفسار پر کہہ ڈالی تھی۔

”ہر انسان کا اپنا لائف اسٹائل ہوتا ہے، اپنی پسند ہوتی ہے۔“ سیرا دھیسے سی مکان کے ساتھ بولی تھی اور وہ تینوں ہی ماہ لاج کے ساتھ آتے عین العارفین کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور ماہ لاج نے اس کا یہ کہہ کر تعارف کروایا تھا کہ وہ اس کے اکلوتے ماموں کا اکلوتا بیٹا ہے۔

”یہ تمہارے کزن ہیں، ہم نے اس دن کیوں نہیں بتایا تھا؟“ حشر نے سوال کیا تھا۔

”اس دن موقع نہیں ملا تھا اور بعد میں عارفین بھابی یونی بھی نہیں آئے کہ مجھے بتانے یا تعارف کروانے کا خیال آتا۔“ عین العارفین کے فادر ہارٹ سرجری کے لیے باہر گئے ہوئے تھے اور وہ ان کے ساتھ ہی گیا تھا اس کی واپسی دودن تک ہی ہوئی تھی۔

”اتنے سارے اسٹوڈنٹس میں صرف آپ نے ہی کیسے جج کر لیا تھا کہ میں فول بنا رہا ہوں؟“ اس کی نگاہ جنین کے منہ پر پڑھ رہی تھی۔

”جب آپ پلاننگ کر رہے تھے تو میں نے آپ کی باتیں سن لی تھیں۔“ اس نے دھیسے سے کہا تھا کہ ماہ کنعان کی وجہ سے وہ سب سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی تھی اور وہ تھوڑی دیر میں ایکسیکو زکرتا وہاں سے ہٹ گیا تھا اور اس کے جاتے ہی اس کو گونا گو سکون کا احساس ہوا تھا کہ وہ اس کی نگاہیں خود پر جمی محسوس کر کے ان کمفرٹ فیل کر رہی تھی۔ ماہ لانگ کو سب کو ہی کچنی دینی تھی اس لیے وہ وقتاً فوقتاً ان کو جان کر رہی تھی جو ساتھ کھڑے دنیا جہان کی باتیں کر رہی تھیں۔ مردانہ تہمت پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور اتفاق سے اسی بل سہرینہ کی بات پر تہمت لگاتے ماہ کنعان کی نگاہ بھی اٹھی تھی اور جہاں اس کی نگاہ میں ناگواری و ڈر آن سائے تھے اس کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے پھیلتی شوق کا ایک جہان آباد کر بیٹھی تھیں اور وہ ارد گرد کا ہوش بھلائے 20، 25 قدموں کے فاصلے پر موجود جنین عالم کا جائزہ لینے لگا تھا، فیروزہ ایئر لائن فرارک، چوڑی دار پاچا سے پرہانی ہیل، بالوں کی پونی ٹیل بنائے، ایک ہاتھ میں فیروزہ چوڑیاں، دوسرے میں گھڑی باندھے، کانوں میں ننھے ننھے سمٹ کے ہم رنگ اور بڑے اور گلے میں لاکٹ پہنے میک اپ کے نام پر کامل اور لپ لگا لگائے تمام تر سادگیوں، چہرے پر نوعمری کا بالکل لپٹے لیے وہ اسے مہبت کر گئی تھی۔

”ہے... کنعان! کہاں کھو گئے جی؟“ سہرینہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور بے تکلفی سے شانے پر رکھ دیا تھا اس کی پٹلی نگاہ یکدم رکی رہ گئی تھی اور ناگواری پہلے سے کہیں گنا بڑھ گئی تھی۔

”ایکسیکو زی...!“ وہ بڑی غلٹ میں اپنے ڈیڑے باتیں کرتے فیصل کی جانب بڑھا تھا جبکہ وہ بیچ و تاب کھاتی رہ گئی تھی۔

”اس شخص کی ساری بے اعتنائی ایک دن نکال نہ دی تو میرا نام بھی سہرینہ فاروق نہیں۔“ اس کی پشت پر نگاہ جمائے کلس کر سوچا تھا۔

”تو نے بتایا کیوں نہیں کہ جنین بھی آئی ہے؟“ وہ دوسرے سے منہ کی طرف بولا تھا۔

”میں سمجھا نہیں...“ اسے گھورا اور کچھ فاصلے پر سیرا کے ساتھ کھڑی جنین کی طرف اشارہ کیا جسے دیکھ وہ بھی حیران ہوا تھا۔

”جنین میرے ساتھ نہیں آئی، مجھے تو اس کی موجودگی ہی اچھٹے کا باعث لگ رہی ہے۔“ وہ الجھا الجھا سا بولا تھا۔

”اوہوں... یقیناً تو مجھے بھی نہیں آ رہا، مگر خوشی بہت ہو رہی ہے اور آج میں اس سے اپنے سابقہ تمام رویوں و حرکات کی معافی طلب کر لوں گا۔“ وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

”ہرگز نہیں، تو اس سے بات بھی نہیں کرے گا۔“ اس نے سختی سے اسے ٹوک دیا تھا وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”وہ یہاں یقیناً کسی کے فورس کرنے پر آئی ہوگی اس لیے بہتر ہوگا کہ تو اس سے کوئی بات نہ کرے۔“ وہ کچھ کہتا کہ لاچ جلی آئی تھی۔

”السلام علیکم! فیصل لالہ! کیسے ہیں آپ؟“ وہ صرف اس کو دیکھ کر سلام دعا کے لیے ہی آئی تھی۔

”علیکم السلام! میں ٹھیک ہوں۔“ مسکرا کر کہا تھا اور اسے برتھ ڈے وٹس کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا پریزنٹ بھی دے دیا تھا جسے وہ ٹھیکس کہہ کر تمام گئی تھی۔

”کیا جنین اکیلے آئی ہے؟“ دوسرے کی بے چینی محسوس کر رہا تھا اس لیے پوچھ لیا تھا۔

”جی، جنین کے بھائی (اسجد) اس کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، سچ کہوں مجھے تو ابھی تک اس کے آنے کا یقین نہیں

آ رہا۔“ وہ دونوں ہی اس کی آخری بات پر چونک اٹھے تھے۔

”ارے، وہ کیوں بھی؟“ خوش دلی سے استفسار کیا تھا اس کی ماہ لانج سے کافی حد تک بے تکلفی تھی کہ وہ ماہ کنعان کی طرح ہی اس کی عزت کرتی تھی اور وہ اسے تحرش کی طرح ٹریٹ کرتا تھا اور اس نے بھی مختصر آساری بات اس کے گوش گزار کی تھی اس کا مقصد ماہ کنعان کو بتانا تھا وہ لب سمیچے کھڑا تھا اس کے چہرے پر اشتعال کا رنگ آ رہا تھا، جارہا تھا۔

”سناؤ نے وہ یوں ہی مجھے ذلیل کر رہی ہے، اس دن کتنی شدت سے اس نے لفٹ لینے سے انکار کر دیا، مجھے دیکھ کر چہرے کا رنگ یوں اڑتا ہے جیسے میں اسے کھا جاؤں گا۔“ ماہ کنعان دے دے انداز میں غرارہا تھا، فیصل اسے غصے سے ٹپکتے دیکھ رہا تھا کہ وہ لے لے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا ناچار اسے بھی آنا پڑا تھا۔

”غصہ نہ کر کہ بہر حال جوٹو کر چکا ہے اس کے بعد اس کا ڈرنا یا ناپسندیدگی کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے۔“ وہ سچائی و سنجیدگی سے بولا اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا جبکہ وہ اسے خوشخوار لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”میں اپنی غلطی مان رہا ہوں، معافی بھی مانگنے کی کوشش کر چکا اور اب بھی معافی مانگنے کو تیار ہوں اس کے علاوہ کیا کروں کہ فیصل! اپنے کیے پر شرمندگی ہے مگر اپنی تذلیل بہر حال برداشت نہیں کر سکتا اور وہ بے اعتباری دکھا کر مجھے ذلیل کر رہی ہے اور یہ تو میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ بات لانج کے علم میں آئے کہ جو کر چکا وہ کیوں کر گیا اس کے لیے میں خود سے ہی روز سوال کرتا رہا ہوں، مگر بہر حال مجھے اپنی نیک نامی بہت عزیز ہے اور جس طرح کا اس کا بی ہو میرے ہی قسم تھا کہ کہتا ہوں کہ غصے میں کچھ کر بیٹھا تو تو مجھے کوئی الزام نہ دینا کہ تیری بھی ساری ہمدردیاں اسی کے ساتھ ہیں، وہ معصوم، بے قصور لگتی ہے اور میں جلا تصور وار۔“ اس کی خوبصورت آنکھیں ابھورنگ ہو گئی تھیں، ماتھے پر رکیں ابھرا آئی تھیں، وہ اسے کھورتا خوشخوار لہجے میں بول رہا تھا اس نے فوراً ہی مسکین سی شکل بنائی تھی۔

”تو تو سارا غصہ مجھ پر کیوں نکال رہا ہے، میرا کیا قصور ہے؟ اب میں تجھے تیری غلطیاں بھی بتاؤں؟“ وہ اسے جانتا تھا کہ اشتعال نکال دینے کے بعد وہ پرسکون ہو جائے گا اس لیے وہ اس کے غصہ دکھانے سے ہرگز بھی متاثر نہ ہوا اور اسے گھور کرئی وی آن کر لیا۔

”قصور کے بچے... تو جیسے اس کی سائیڈ لیتا مجھے بہت غلط ثابت کرنے پر تل جاتا ہے ناں، کسی دن میرے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا۔“ بیڈ سے اٹھا کر تکیہ اسے مارا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر پاؤں پھیلایے تھے۔

”تو مجھے اس کی سائیڈ لینے پر مجبور کرتا ہے، تجھے جانتا ہوں اسی لیے تجھے کچھ نہ کہنا نہ سرنش کی کہ تیرے عمل پر میں خود حیران ہوں، مگر جب میں کہہ رہا ہوں کہ سب بھول جا، وہ جو بھی رنی ایکشن دے رہی ہے اس کو مت فیل کر کہ وہ حق پر ہے، تو یوں ری ایکٹ کر کے اس کے ری ایکشنز میں اضافہ کر رہا ہے، تو نظر انداز کر وہ بھی بھول جائے گی، مگر نہیں، تجھ پر تو اب عشق کا بھوت سواڑ ہونے لگا ہے، اسے دیکھ کر تیری آنکھوں میں جو جذبے ابھرتے ہیں، فاصلے پر ہونے کے باوجود میں محسوس کر گیا تھا، لیکن کہیں تیری یہی بے اعتدالیاں تیرے اور اس کے لیے مسائل کھڑے نہ کر دیں، اس لیے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا سیکھو۔“ چیمبل پر چیمبل بدلتا وہ اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

”اسے دیکھ کر وہی تو نہیں ہوتا میرے یار!“ وہ اس سے کسی عقل کی بات کی توقع کر رہا تھا شرارت سے کہنے پر تھرے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے آنکھ دھانے پر اسے بھی غصہ آ گیا تھا کہ وہ اسے جو سمجھا رہا تھا وہ

اسے سمجھنے کو ہی تیار نہ تھا۔
 ”اب ٹوٹنے کوئی پھجوری حرکت کی ناں تو وہ تو نہیں میں تجھے جان سے ضرور مار دوں گا“ فیصل نے اسے گھورا اور ریوٹ دیوار پر ہاتھ کھڑا ہوا مگر کمرے سے جانیں سکا تھا کہ اس نے تہہ بہ تہہ لگا کر اس کے غصے کو ہوا دی تھی مگر ہاتھ تھام کر اسے جانے سے روک گیا۔
 ”سارے صاحب! جب اتنا غصہ دکھا رہے ہیں تو بہن صاحبہ کتنا دکھائیں گی؟“ وہ جتنا غصے میں آ رہا تھا وہ اتنی ہی شوخی دکھا رہا تھا۔

”پلیز ماہ! تو یہ چپ حرکتیں اور باتیں ترک کر دے تو مجھے بہت عزیز ہے اور میں تجھے بہت زیادہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور اگر تو ایسی ہی حرکتیں و باتیں کرتا رہا تو میں تجھے سپورٹ نہیں کر پاؤں گا۔“ وہ فی الحال اپنی ٹیلنگ کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا جبکہ وہ اس کی تمام ٹیلنگوں کو صرف محسوس کر گیا تھا بلکہ اس کے لیے پریشان بھی ہو رہا تھا اور وہ اس کی نئی بات پر تھیر ہو کر کچھ کہتا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی، ملازمہ تھی جو ماہ لاج کا پیغام لے کر آئی تھی۔ اس نے آنے کا کہا تھا اور اپنی کئی بات کے برعکس اس نے کوٹ اتار کر دور اچھالا اور جوتے اتارنے لگا۔
 ”واٹ ہمپن؟ لاج ٹیک کمانے کے لیے تمہارا ریوٹ کر رہی ہے اور تم...!“ وہ قدرے مشکوک لگا ہوں سے اسے دیکھتا تھیر سا بولا تھا۔

”تم چل جاؤ، میرا موڈ نہیں ہے۔“ عام سے لہجے میں کہہ کر ڈانگ چیر پر جا بیٹھا تھا۔
 ”اب کیا مصیبت آگئی ہے؟“ وہ بے حد چڑچکا تھا۔
 ”مصیبت تو آئی ہوئی ہے اسی لیے میرا یہاں رہنا ہی ٹھیک ہے کہ اس مصیبت کو گلے لگانا مجھے ضرور اچھا لگے گا مگر نہ وہ مصیبت میرے گلے لگنے کو تیار ہوگی اور نہ ہی یہ تجھ سے برداشت ہوگا۔“ وہ معنی خیزی سے بول رہا تھا۔
 ”اب ٹوٹنے کو اس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ وہ غرا کر بولا تھا اس نے کن اکھیوں سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا تھا۔

”تجھے مجھ پر بھروسہ نہیں ہے، تجھے یقین ہے کہ میں ضرور کوئی ایسی حرکت کروں گا تو میں نہیں جانتا، اس کے باوجود کہ اس محفل کا حصہ بننے کو میرا دل شدتوں سے تیار ہے قرار ہے۔“
 ”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا کہ تجھ پر تو خود سے زیادہ بھروسہ ہے اور تجھ پر میرا یقین اتنی سی بات پر نہیں ٹوٹ سکتا۔“ اسے ناگواری سے گھورا اور کمرے سے نکل گیا اور وہ جو اس کو ستانے کے لیے فضول باتیں کر گیا تھا اس کے ناراض ہو کر چلے جانے سے اس کی ساری شرارت و شوخی ہوا ہو گئی وہ اٹھا، بیرون لیدر کی انگوٹھے والی خوبصورت اسٹائلش جینل ڈالی اور شرٹ کے کف فولڈ کر تالان میں آگیا، نظر دوڑائی تو وہ اسے سمیرا کے ساتھ کھڑا نظر آ گیا۔

”اوہو... تو بھائی کی یاد ستانے لگی تھی تو صاف کہتا مجھ پر غصہ کر کے ناراضی کا بہانہ کر کے کیوں چلا آیا؟“ ماہ کنعان کی آنکھیں اپنی شرارت پر متبسم تھیں، فیصل نے اسے گھورا تھا اور سمیرا... وہ تو بری طرح جینپ گئی تھی۔
 ”السلام علیکم بھائی! کسی ہیں آپ؟“ وہ فیصل کو آنکھ مارنا سرخ پڑتی سمیرا کی جانب متوجہ ہوا تھا اور نہایت ادب و شائستگی سے سلام کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی، اس نے نہایت دھیمی آواز میں جواب دے کر اپنی خیریت بتائی تھی۔

”بھائی! آپ کو اتنا خوبصورت و پیارا نظر نہیں آتا چاہے تھا کہ اس کا میرے پاس دل ہی نہیں لگا آپ کی خوبصورتی و پیاری کشش میں یہ کھینچا چلا آیا۔“ وہ اسے احترام بھری نگاہوں سے دیکھتا شرارت پر آمادہ تھا، وہ شرم و حیا سے سرخ پڑ گئی

تھی، فیصل نے اس کے حسین چہرے و لرزتی پلکوں کو دیکھا اور ایک دھپ اس کی پشت پر سیدک تھی۔
 ”زیادہ بکواس نہ کر...!“ مسکرا کر اسے ڈپٹا تھا اس کا موڈ بحال دیکھ کر وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔
 ”بھائی! میں نہیں ٹوٹ بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ اس نے فیصل کا جائزہ لیا تھا بلکہ تھری پیس میں اس کا دراز قد اور گوری رنگت اور سینھے میں نقش والا چہرہ نمایاں تھا، وہ اس کے انداز پر مسکرا دیا وہ حشر وغیرہ کی طرف بڑھ گئی تھی۔
 ”تو اتنے رف خلیے میں پارٹی میں آ گیا؟“ اس کا جائزہ لیا تھا۔

”اوہوں... کیا برا لگ رہا ہوں؟“ اشارے سے ویٹر کو بلا کر کولڈ ڈرنک کے گلاس اٹھائے تھے ایک گلاس اس کی طرف بڑھا کر خود سپ لینے لگا تھا۔

”نہیں، تو تو ہر حال میں اچھا لگتا ہے، تھوڑا حیران ہوں کہ مجھے نہیں یاد کہ تو نے اس طرح ڈریس اپ ہو کر کبھی کوئی پارٹی اٹینڈ کی ہوگی۔“ وہ سچائی سے کہہ رہا تھا کہ بلیک ڈریس پیٹ پر وائٹ شرٹ کی آستین فولڈ کیے وہ انفارمل ڈریسنگ میں بھی کافی ڈیننگ لگ رہا تھا کہ وہ تھامی مروانہ وجاہت کا شاہکار۔

”یار! فارمیٹیو بہت بھائی تھیں اس لیے انفارمل ڈریس اپ ہو کر آ گیا، تو بتا تو لگا لوں اس مصیبت کو گلے؟“ وہ پھر ہنسی سے اتر اتر اتر اتر لگا لگا قافلے پر نان اسٹاپ بولتی جنین پر جا ٹھہری تھی، فیصل نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس کی چونک اپنی جانب غیر تو جمی محسوس کر چکا تھا اس لیے کچھ نہیں بولا تھا کہ وہ اس کی توجہ کے تمام ارتکاز جنین کی جانب محسوس کر چکا تھا، حسین سے سراپے والی وہ دلکش حسینہ کسی بات پر ہنسی تھی، سفید گالوں میں پڑتے بھنور، چمکتے موتیوں سے دانت، اس نے ماتھے پر جھلوتی لٹ کوڈا انگوٹھی کی مدد سے پیچھے کیا تھا اور ماہ لاج کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی ایک بار پھر ہنسی تھی، وہ بے خود سا اس رنگہ جمائے ہوئے تھا جس نے ہوائے اڑتے فیروزہ آ پچی کو پکڑ کر شائوں پر صبح سے برابر کیا تھا اور اب وہ ہرنی سی چال چلتی ان سب کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

”کنعان!“ اس نے اس کے کانہ سے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے خفیف ہو کر نگاہ چرائی تھی۔

”اس لڑکی میں ایسا کچھ ہے فیصل! کہ یہ مجھے اپنے حصار میں باندھ لیتی ہے، اس پر پڑنے والی ہر نگاہ جادو کا سا اثر رکھتی ہے، پلٹنے سے انکاری، جھٹکنے سے متغیر، یہ مجھے یا گل کر دے گی، اپنا بنا کر چھوڑے گی۔“ ماہ لاج کے اشارے پر وہ لان کے اس حصے کی طرف بڑھتے ہوئے فیصل سے بے خود سے لہجے میں کہہ رہا تھا جہاں ایک کی آرہجٹ گئی تھی، فیصل کچھ نہیں بولا تھا اور وہ جو ماہ لاج کے ساتھ ہی دائیں طرف کھڑی تھی کہ بائیں طرف حشر اور خود اس کے برابر میں سمیرا کھڑی تھی اس کو دیکھ اس کی آنکھوں میں بے اختیار ناگواری اتری تھی اور وہ نا محسوس طریقے سے وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی، مگر وہ اسے بھاگنے کو برتوتے دیکھ چکا تھا۔

”تم اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر ٹیک کاٹو، بس ہمیں بھی ایک کھلا ضرور دینا۔“ وہ ٹینیل کے اس پار اس کے سامنے رکا۔
 ”نہیں سے شائستگی سے بولا تھا اور لاج نے مسکرا کر بے حد خوبصورت اور مہنگے ایک پرچہ پھیری تھی وہ اس کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بحالت مجبوری ٹھہری ہے کہ اس سے تالیاں تک نہیں بچائی گئی تھیں، وہ بڑوں کی لب پل رہی تھی، اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتی اسے بے چینی ہونے لگی تھی کبھی گھبراہٹ میں وہ انگلیاں مروڑتی تھی جھنجھلا کر ماتھے پر لہرائی لٹیں پیچھے کرتی۔ ماہ لاج نے ایک پیس سامنے کھڑے بھائی کی طرف سب سے پہلے بڑھایا تھا جسے اس نے مسکرا کر منہ میں رکھ لیا تھا اور اس کے ہاتھ سے باقی ٹیک لے کر اس کو کھلا تھا۔ اب وہ اپنی دوستوں کی جانب گھومی تھی۔

”سوری... بٹ میں چاکلیٹ ٹیک کے علاوہ کوئی ٹیک نہیں کھاتی۔“ حشر کے بعد وہ جنین کو کھلانے لگی تھی کہ وہ

شرمندگی سے معذرت کر گئی تھی اور وہ بناء کچھ کہے میرا کی جانب بڑھ گئی تھی۔

”میں ابجد بھی کویلا رہی ہوں، مجھے آئے کافی دیر ہو گئی ہے۔“ وہ اب تک وہیں کھڑا تھا وہ حشر کی طرف کھسک کر منتانے لپچے میں بولی تھی اور ہوا سے اڑ کر بال منہ پر آنے لگے تھے وہ حد درجہ جھنجھلا گئی تھی اور قدرے بے زاری سے خوبصورت بال کا نہرے سے پشت پر کیے تھے۔

”لیڈ پرائیڈ جنٹیل مین!“ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا میوزک کارز کی جانب بڑھا تھا اور میوزک بند کروا کر مائیک لے کر سب کو مخاطب کیا تھا اور سب کے متوجہ ہو جانے کے بعد اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ کچھ روٹی چھینکی سی اس تقریب کو اپنی آواز کے سارے رنگ عطا کرنے والا ہے، پورا لان تالیوں سے گونج اٹھا تھا کہ ان میں سے اکثر لوگ ان کے بے حد قریبی رشتے دار تھے اور جانتے تھے کہ وہ کافی اچھا گایا تھا۔ اس کے کزن زمین العارفین، وقاص اور حماد وغیرہ نے تو باقاعدہ بیٹیاں بجا کر اپنے ساتھ کالیقین دلا کر اس کے فیصل کو سراہا تھا۔ جبکہ فیصل تنہا سراس کو دیکھ رہا تھا کہ اسے جانتا تھا کہ گانا گانے کا اسے شوق تھا مگر اس طرح پارٹیز میں گایا نہیں کرتا تھا اور کبھی ایسا کیا تھا تو اس حال میں لینے والے کے ہر پکڑ لینے کی سرورہ گئی تھی اور کہاں وہ خود ہی شروع ہو گیا تھا، اس کی نظر حشر کے ساتھ کنیوٹی سرخ پڑتی حنین پر تھی اور سب مسکرائے تھے اور گنگناٹے لگے تھے۔

چھوٹے اگر تجھ کو ہوا

کہتا ہے دل دیکھئے نہ اب تجھ کو کوئی میرے سوا
فیصل نے نروس سی حنین کو دیکھ کر اس کو سرزنش کرتی نگاہوں سے دیکھا تھا کہ وہ اس کی روپائی شکل دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا کہ وہ اس کے معاملے میں اتنا بے اختیار ہو رہا تھا کہ وہ کبھی کیا سکتا تھا؟ وہ اپنی خوبصورت آواز میں بے حد پٹی سوگ گارہا تھا اور اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے اور وہ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر خوف سے پیلی پڑتی پیچھے ہو رہی تھی، وہ آگے بڑھ رہا تھا وہ آگے دیکھتی پیچھے کھسک رہی تھی، یکدم درد سے چلا اٹھی تھی۔

”ممی...!“ بناء دیکھے پیچھے ہونے کے نتیجے میں وہ ٹھیل سے بری طرح کھرائی تھی وہ مائیک ہاتھ سے چھوڑنا اب اس کی طرف بڑی تیزی میں بڑھا تھا کہ وہ پہلے تو فیصل کی جانب پیش رفت کر رہا تھا جو حشر اور حنین سے فاصلے پر سیرا کے ساتھ کھڑا تھا مگر اس کی غلطی اور اندر کے ڈرنے اسے اتنا بولھلا یا تھا کہ وہ ٹھیل سے کھرا گئی تھی۔

”آریو اوکے؟“ اس کے لہجہ و انداز میں حنین کے لیے فکر تھی اور وہ اسے اپنے نزدیک پا کر مزید خوف کا شکار ہوئی تھی، پیچھے ہونا چاہتی تھی مگر پہلی سے اٹھتا درد وہ کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی مدد سے کر کے گرد حصار باندھ گئی تھی، آسو تیزی سے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

”تم ٹھیک ہو حنین؟“ میرا نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”میرا! درد سے میری جان نکل جائے گی۔“ وہ بمشکل بولی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی میرا کو ڈر لگا تھا کہ وہ گر نہ جائے اس لیے اس نے اسے کا نہرے سے پکڑ لیا تھا۔

”لاج! تم حنین کو اپنے کمرے میں لے کر جاؤ، کنعان! تم ڈاکٹر کو فون کرو۔“ وہ اس کی آنکھوں میں ناگواری و خوف دیکھ کر ہی غم گھما گیا تھا اور اسے بری طرح ہلکتے دیکھ کر وہ تینوں ہی پریشان ہو رہی تھیں تو فیصل نے آگے بڑھ کر لاج سے کہا تھا اور ساتھ ہی ساکت کھڑے کنعان کو بھی ہدایت دی تھی۔

”مجھے نہیں جانا ہے، مجھے بہت درد ہو رہا ہے، فیصل بھیا! آپ پلیز مجھے میرے گھر لے جائیں، مجھے ممی کے پاس

جاتا ہے۔“ درد کی نین برداشت کرنا اسے محال لگ رہا تھا وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”تم نئی الحال اندر چلو، ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں، پتہ تو چلے گئی کہاں اور کتنی ہے؟ اس کے بعد میں خود جنہیں کا شانہ عالم چھوڑ دوں گا۔“ وہ آگے بڑھ کر نہایت نرمی و شفقت سے بولا تھا اور اس وقت تکلیف کی شدت اتنی تھی کہ وہ مزاحمت کے قابل بھی نہ تھی اور جیسے ہی جانے کو قدم بڑھائے تھے پہلی سے اٹھتا درد وہ بلبلانہ تھی قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے، فیصل نے اگر بروقت اس کا بازو تھام نہ لیا ہوتا تو وہ گر بھی سکتی تھی اور اس کے اشارے پر ہی میرا اسے سہارا دے کر اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی اس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آنے لگا تھا، کمر سے اٹھتیں درد کی لہر اسے یکدم ہی لہرا گئی تھی اور نازک سی میرا اسے سہارا تو دیتے ہوئے بھی مگر اسے مزید سہارا نہیں دے سکتی تھی اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی تھی، ان سب کے رہے سبے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے اس نے جبکہ کراس کا سر اپنے زانوں پر رکھا تھا اور گال چتپتہ پایا تھا۔

”فیصل! پلیز کچھ کریں یہ تو بے ہوش ہو گئی ہے۔“ میرا کی پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی اور ڈاکٹر نرس کو فون کر کے اسی طرف آتا، ماہ کنعان لمحہ ضائع کیے بنا اس تک پہنچا اور کسی کے بھی سمجھے بناء اسے انہوں میں اٹھا کر سامنے ہی ایستادہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اسے بیڈ پر لٹا کر سیدھا ہوا تو آسٹوڈ سے تر اس کا زرد چہرہ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا وہ اس کو ہوش میں لانے کے ارادے سے اس کا گال چتپتہ لے کر کھٹکے دروازے سے وہ چاروں آگے پیچھے داخل ہونے لگے وہ پیچھے ہو گیا، فیصل نے ایک نظر اس کے پریشان خور و چہرے پر ڈالی اور میرا کو ہدایت کی کہ وہ اس کے چہرے پر پانی کی مچھلیں مارے، وہ غم خنودگی میں کراہتے ہوئے پکاری تھی۔

”ممی... ارحم بھیا!“ میرا نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے لیا۔

”حنین! پلیز آنکھیں کھولو!“ مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ایسا نہ کر سکی، لب بھینچے کھڑے ماہ کنعان نے ڈاکٹر نرس کا نمبر دوبارہ ملایا رابطہ ہوتے ہی ناراضی و غصے سے بولا۔

”ویز آریو ڈاکٹر نرس؟ ارجنٹ کا مطلب نہیں سمجھتیں آپ؟“ بات فون پر کر رہا تھا مگر نگاہ اپنے بیڈ پر بے سدھ پڑی اس دشمن جاں پر ٹھہری تھی، کچھ دیر بعد ڈاکٹر نرس کے آجانے پر وہ اور فیصل باہر نکل گئے تھے، ڈاکٹر نرس نے سب سے پہلے اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کی تھی اور اس کے بتانے پر اس کی کمر کا جائزہ لیا تھا جو بے حد سرخ ہونے کے ساتھ کہیں نہیں سے نیلوں نسل بھی ہو رہی تھی اور ان کے ذرا سا ہاتھ لگانے پر اس کی چیخیں بلند ہو گئی تھیں۔

”ڈاکٹر آنٹی! کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے؟“ بے حد پریشان ماہ لاج آنکھوں میں آنسو لیے استفسار کر رہی تھی۔

”نظاہر تو ٹھیک ہے مگر ایکسرے کروانا پڑے گا کہ اندرونی چوٹ لگی ہے، اصل براہم ایکسرے کے بعد ہی سامنے آئے گی۔“ وہ پرسکون لکھتے ہوئے بولی تھیں اور نہایت نرمی سے مساج کر رہی تھیں لیکن تکلیف کی شدت یوں تھی کہ وہ کراہوں کو روکنے کے لیے لب سختی سے جمائے آنسو بہا رہی تھی اور وہ اسے ہی نہیں ان تینوں کو بھی ریلیکس رہنے پریشان نہ ہونے کا کہتیں روم سے نکلی تھیں اور انہی کی طرح ان دونوں کو مطمئن کرتیں چلی گئی تھیں۔

”یہ سب صرف میری وجہ سے ہوا ہے، وہ مجھے دیکھ کر ہی خوف کا شکار ہو گئی تھی اور اسی لیے ٹھیل سے کھرا گئی۔“ ماہ کنعان اس کے لیے فکر مند تھا، فیصل کوئی جواب دیتا کہ ملازمہ چلی آئی تھی اور ماہ کنعان کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں بولی تھی۔

”صاحب! ابہر کوئی ارحم الحسن صاحب آئے ہیں، اپنی سسر حنین عالم کو لینے کے لیے۔“ وہ تو پریشان ہو گیا تھا، فیصل

نے ہی ملازمہ سے کہا تھا کہ وہ انہیں در بلا لائے۔

”ارحم ہر بات جانتا ہے وہ کوئی غلط رائے قائم نہ کر لے جبکہ تم یہ جانتے ہو ناں کہ جو کچھ ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا۔“

ارحم الحسن کی آمد اس کے لیے ناگواری اور پریشانی کا باعث تھی۔

”آئی نو! اور میں ارحم بھائی کو بانٹتا ہوں وہ بے سوچے سمجھے رائے قائم نہیں کیا کرتے۔“ پولیس یونیفارم میں اپنی ڈشنگ پرسٹیجی کے ساتھ اسے آتے دیکھ کر اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

”نہیں فیصل! بٹھنے کا بالکل نامناسب ہے، بہت تھکا ہوا ہوں، گھر جا کر آرام کروں گا، احمد سو گیا تھا اس لیے میں ماندہ کے کہنے پر اسے لینے آ گیا۔“ سلام، ماہ کے بعد وہ شائستگی سے بولا تھا کہ وہ پولیس اسٹیشن سے گھر جا رہا تھا کہ ماندہ کی فون کال کے بعد ”ماہ ولا“ آ گیا تھا کہ اپنے جانے کا تین دن سے پہلے ہی بتا چکی تھی اس لیے اسے بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی،

فیصل نے اسے ساری بات بتائی تھی جسے سن کر وہ بے حد متفکر ہو گیا تھا اور جس بل وہ تینوں آگے پیچھے کرے میں داخل ہوئے اس کو دیکھ کر تو اس کی جان میں جان آ گئی تھی اور وہ اس کا آنسوؤں سے بھیگا زرد چہرہ دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھتا تھا جو بیڑ کر ان سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اور وہ اسے دیکھ کر پھر سے رونا شروع ہو گئی تھی اسے روتے دیکھ کر وہ

اس کے پیروں کے پاس نکلتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام گیا۔

”نیکی! کیا ہو گیا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟“ وہ نرمی سے متفکر لہجے میں دریافت کر رہا تھا اور وہ اس کے چوڑے سینے میں ساتی بچوں کی طرح بٹکنے لگی تھی۔

”مجھے بہت درد ہو رہا ہے ارحم بھیا!“ مستقل رونے سے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

”ڈونٹ کرائے نیکی! میں آ گیا ہوں ناں! میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا، رو نہیں، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔“ اسے نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے اسے پچکا رہا تھا اور آنسوؤں کی وجہ سے رخساروں پر چپک جانے والے بال ہٹاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھتے تھے۔

”مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ارحم بھیا!“ وہ سسکی تھی، ارحم نے پہلے اس کے شانے سے ڈھلک جانے والے فیروزہ آئینہ کو اس کے شانوں پر برابر کیا تھا اور پھر اسے سہارا دے کر بیٹھ سے اتار رہا تھا اور اجازت طلب کرنے کو تھا کہ وہ اس کے سامنے کئی ایکسکوز کرتے ہوئے گئی تھی کیونکہ وہ اس کی حالت کی ذمہ دار بھلے نہ تھی مگر اسے تکلیف چونکہ اس کی برتھ ڈے پارٹی میں پہنچی تھی اسی لحاظ سے اسے حد درجے شرمندگی کا سامنا تھا۔ ارحم الحسن نے اسے دیکھا تنگ کلر کی ایئر لائن فریک اور

ٹراؤزرز میں وہ بے حد خوبصورت سی لڑکی لائٹ سے نیچرل میک اپ میں بھیگی بھیگی پلکوں کے ساتھ بے حد شرمندہ نظر آتی اس کے سامنے تھی۔

”حادثات بھی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں، ہونے والی بات تھی ہو گئی، آپ کو شرمندہ ہونے اور ایکسکوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ اسے احترام بھری نگاہوں سے دیکھتا شائستگی سے کہہ کر مروتا مسکرایا تھا اور اس کا گلٹ نہ جانے کیوں اس کے چند نرم لفظوں سے ہی قدرے کم ہو گیا تھا۔

”مجھے حسرت کی تکلیف کا اندازہ ہے، بٹ یہ بات مجھے بالکل اچھی نہیں لگ رہی کہ یہ کھانا کھائے بغیر رخصتی ہو کر میری پارٹی سے چلی جائے۔“ اس نے کھانے کے لیے روکنا چاہا تھا اور اس کے شائستگی سے معذرت کرنے پر گلٹ کے ساتھ بولی تھی۔

”میں نیکی کو جانتا ہوں، اب یہ بالکل کچھ نہیں کھا پائے گی، جہاں تک کھانا کھائے بغیر جانے کی بات ہے تو آج کا ڈنر آپ پر ادھار رہا، حسرت کی صحت یابی کے بعد کبھی نہیں میں بھی آپ کے ہاں ڈنر پر آؤں گا۔“ وہ اس پیاری سی لڑکی کی

شرمندگی زائل کرنے کو اس کا دل رکھنے کو اپنی عادت کے برخلاف وعدہ کر گیا تھا، اور ان سے اجازت لے کر وہ اسے سہارا دے کر گاڑی تک لے گیا تھا۔

”بہت درد ہو رہا ہے تو ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔“ اس کے زرد چہرے کو دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی، مگر اس نے انکار کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ ڈاکٹر نے اسے پین کلر ہی نہیں انجکشن بھی لگایا تھا۔

”تمہارے کئی کیسے؟“ ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوال کیا تھا اور اس نے دھیمے لہجے میں بتایا تھا۔

”وہ میں.... فیصل بھیا کے دوست کو دیکھ کر ڈر گئی تھی، بغیر دیکھے پیچھے ہوئی تو بری طرح ٹھیل سے ٹکرا گئی۔“ وہ بہت مشکل سے پیشی تھی کہ کر اور پسلی سے درد کی لہریں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

”اس نے تم سے کچھ کہا تھا؟“ چونکہ اس نے سوال داغا تھا اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی، سامنا بھی بس دور سے ہی ہوا تھا بس میں ہی ان کو دیکھتے ہی گھبرانے کے ساتھ کچھ ڈر بھی گئی تھی اور اس لیے تو میں پارٹی میں نہیں آتا چاہتی تھی، مگر زمین آپی.... انہوں نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔“ پلکوں پر جھپکتے آنسو اس نے پوروں پر پڑنے تھے اور دھیمے سے سچائی سے پر لہجے میں بتا رہی تھی اور زمین کے ذکر پر وہ اپنی آج کی تکلیف زمین کے کھاتے میں ڈال گئی تھی، اور اپنا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا۔

”میں زمین آپی سے اب بات نہیں کروں گی نہ میں ان کے مجبور کرنے پر آتی نہ مجھے اتنی تکلیف اٹھانا پڑتی، آئی سویر ارحم بھیا! مجھے بہت درد ہو رہا ہے، درد سے جان نکل رہی ہے، بیٹھا بھی نہیں جا رہا۔“ وہ سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

”نیکی! ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے، گھر جا کر آرام کرو گی تو تکلیف ختم ہو جائے گی، رہ گئی بات زمین کی تو وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے تمہیں بہت بھاد اور پرفیکٹ گرل کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہے، وہ تمہارے ذہن و دل کے ڈرو خدشات نکال کر تمہیں پرسکون کرنا چاہتی ہے، تم اس سے بدگمان ہونے کی بجائے اپنے لیے اس کے احساسات کو سمجھو، وہ اپنا برا چاہ سکتی ہے مگر تمہارا برا نہیں چاہ سکتی کہ وہ تمہیں تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتی، اور آج جو ہوا اگر اس کا الزام تم زمین کو دو گی تو وہ ہرٹ ہو گی اور کیا تم اپنی زمین آپی کو ہرٹ کر سکتی ہو؟“ زمین اور ارحم الحسن وہ دو لوگ تھے جو اس کی رگ رگ سے واقف تھے اسے قائل کر لینے، اسے راضی کر لینے کے فن سے واقف تھے۔

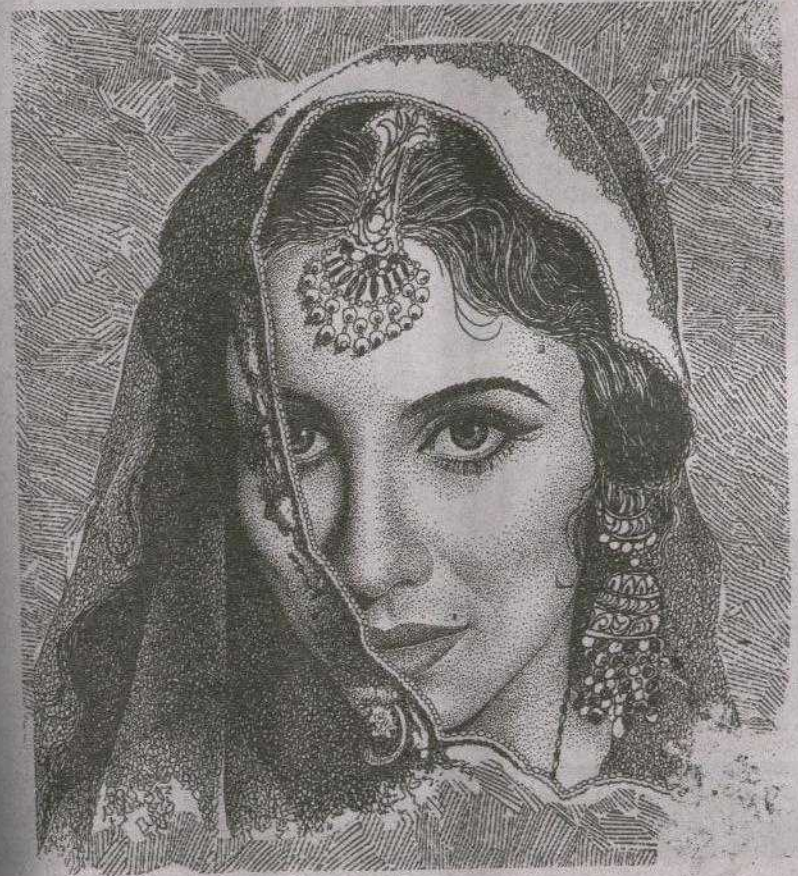
”کبھی بھی نہیں ارحم بھیا! میں جانتی ہوں آپی کو پتہ چلے گا تو وہ میری تکلیف خود محسوس کریں گی، میں بھی آپی سے بہت محبت کرتی ہوں، ان کو الزام نہیں دے رہی، لیکن میں آپی تو ان کے ہی کہنے پر تھی ناں، زمین آپی بہت بدل گئی ہیں، پہلے میری ہر بات مان لیتی تھیں اور اب میری ماننے کی بجائے آریگو منشن دے کر اپنی منوالیتی ہیں، اب وہ میری نہیں مانیں گی تو میرا ان سے ناراض ہونا تو بنے گا ناں؟“ وہ اس کی تکلیف کے احساس کو کم کرنے کے لیے اسے باتوں میں لگا گیا تھا، اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا اس کے مصومیت سے پونچھنے پر وہ دھیمے سے مسکرایا۔

”اوہوں.... ناراض ہونا بڑا ہے، تم اس سے ناراض ہو جانا، مگر وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے، تمہیں ناراض رہنے نہیں دے گی فوراً مٹالے گی۔“ وہ بھی دھیمے سے مسکرا دی تھی، روتے روتے مسکرا دیے پر وہ اس قدر معصوم و حسین لگی تھی یہ کوئی اس وقت دیکھنے والی آنکھ ہوتی تو اس سے پوچھتا۔ اس نے اسے مسکراتے دیکھ کر اس کے ہمیشہ مسکرانے کی دعا کی تھی اور اس کی باتوں کا دھیمے لہجے میں جواب دینے لگا تھا کہ وہ اس کا ذہن بنانے میں کامیاب رہا تھا۔

(جاری ہے.....)

بشرِ قبا کھنچ لگی جانا

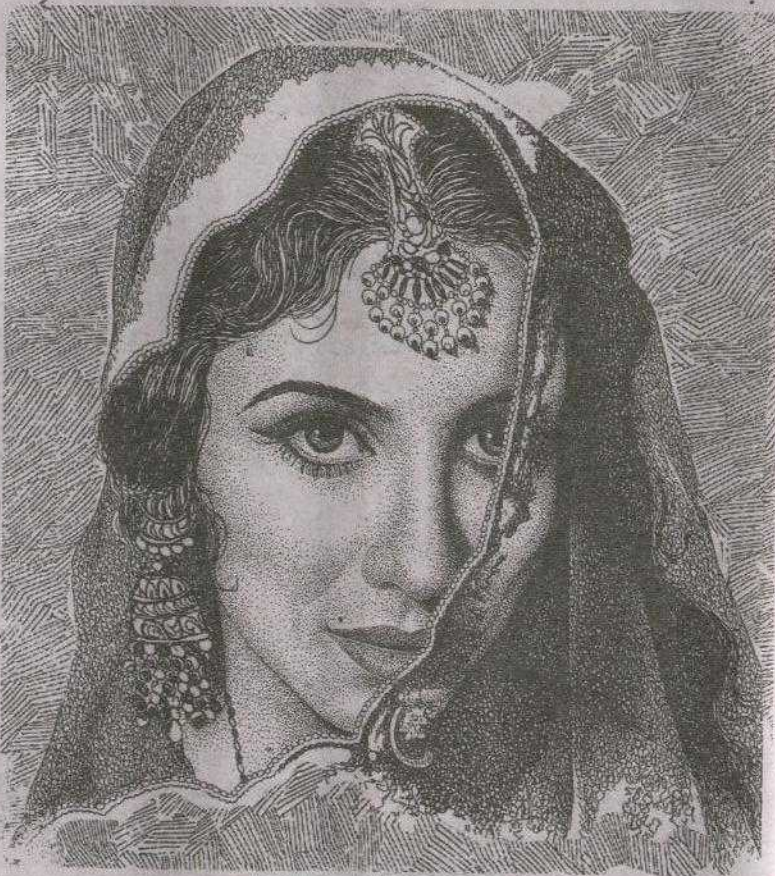
”ڈیڈ! میں شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔“ رات پارٹی دیر تک چلی تھی اسی لیے وہ دونوں میاں بیوی دیر سے اٹھے تھے کیونکہ آٹس جانے کا موڈ نہ تھا جبکہ وہ بھی عادت کے برخلاف سچ ٹائم میں سو کر اٹھا تھا اور ڈانٹنگ



نوٹ: رڈ اکی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈ اکی بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

بیل پران دونوں کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رات بھر جاگنے کے بعد جو فیصلہ لیا تھا اس سے انہیں آگاہ کر دیا تھا۔

”ڈیش گریٹ الٹی کون ہے؟“ ماہ لگانے خوش دلی سے پوچھا تھا۔
 ”مام! رات پارٹی میں آپ لاج کی فرینڈ جنین سے تو ملی ہی ہوں گی، میں اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“
 وہ اپنے لیے جوس نکالتے ہوئے بولتا ان دونوں کے سر پر آسمان ہی تو گر گیا تھا۔
 ”واٹ...؟ وہ اٹھارہویں صدی کا ماڈل، وہ میری بہو بنے گی... نو...وے۔“ وہ حقارت سے بولی تھیں۔



”مام! میں آپ سے مشورہ نہیں کر رہا، آپ کو اپنی پسند اپنے فیصلے سے آگاہ کر رہا ہوں۔“ ماں کا انداز برا لگا تھا اس لیے چپا چپا کر بولا تھا۔

”تمہاری پسند کو ہو کیا گیا ہے؟ ہمارے سرکل میں ایک سے ایک لڑکیاں موجود ہیں اور تم ایک غریب گھرانے کی لڑکی کو لائف پارٹنر بنانے کا سوچ رہے ہو، جبکہ ہم سہرینہ کو تمہارے لیے پرفیکٹ سمجھتے ہیں۔“ بیٹے کے تاثرات سے خائف ہوتے ذوالفقار عابدی ٹھنڈے لہجے میں بولے تھے۔

”ڈیڈ! مجھے سہرینہ تو کیا اپنے سرکل میں سے کوئی بھی لڑکی نہیں پسند، میں خین سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنی پسند بھ پر لاگو کرنے کے بجائے میری پسند کو فیت دیتے ہوئے میرا پوزل جہاں میں چاہتا ہوں لے جائیں گے۔“ وہ باپ سے زیادہ سرد لہجے میں بولا اور سلاکس کے بائٹ لینے لگا۔

”ہم ایک غریب خاندان کی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتے۔“ انہوں نے بیٹے کو گھورتے ہوئے صاف انکار کر دیا تھا۔

”مام! وہ برنس مین نوید عالم کی بھتیجی ہے، کسی غریب خاندان سے اس کا تعلق نہیں ہے۔“ نہایت ناگواری سے کہا گیا تھا۔

”نوید عالم کون سا بڑے برنس مین ہیں؟“ یہ ذوالفقار عابدی تھے۔

”اونہ... آفس کی عمارت کھڑی کر لینے سے کوئی برنس مین نہیں بن جاتا مائی سن! یہ جو گلی میں مختلف آئٹمز کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں ان کے مالکان بھی خود کو برنس مین ہی کہتے ہیں، ہمارا اپنا برنس ہے، کرپانے کی دکان ہے اور اپنا برنس ہے، برنس مین ہیں، برنس مین مائی فنٹ!“ ماہ لقمانہایت درخششی و حقارت سے بولی تھیں۔

”مام! اگر وہ امیر ہے یا غریب ہے، اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ جیسی ہے مجھے قبول ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور میرا یہ فیصلہ کسی قیمت پر نہیں بدلے گا، میں آپ لوگوں کے یا اس کے گھر والوں اور خود اس کے بھی کسی اعتراض و انکار کو اہمیت نہیں دوں گا۔“ وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا اور وہ دونوں ہی غصے سے پیچ و تاب کھاتے رہ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”فیصل! رات کنعان بھائی کچھ زیادہ ہی خین کو لے کر پریشان نہیں ہو گئے تھے؟“ چھٹی کا دن تھا وہ دیر سے سو کر اٹھا تھا ناشتہ تو سب کے ساتھ کیا تھا مگر اس کے کہنے پر وہ اس کے لیے دوبارہ چائے لے کر آئی تھی وہی دینے کے بعد بولتی اس کو چونکا گئی تھی اور اس نے گہری سانس خارج کی تھی کہ اسے یقین تھا کہ جو بات ان سب نے پریشانی میں محسوس نہ کی تھی پرسکون ہونے کے بعد سوچنے پر مجبور ہو جائیں گی اور اس کے یقین کے مطابق وہ سوال کیے اب جواب کی منتظر تھی۔

”اوہوں... بس وہ مہمان بھی ان کی، ان کا پریشان ہونا فطری تھا کہ لاج کس قدر پریشان تھی، رونے تک گئی تھی اس کی شرمندگی ہی ختم نہیں ہو رہی تھی جبکہ اس سب میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔“ اس کی توجہ بنانے کو اس نے جان کر لاج کی پریشانی کو ہائی لائٹ کیا تھا۔

”پریشان ہونے میں اور بہت زیادہ پریشان ہو جانے میں واضح فرق ہوتا ہے اور اگر وہ اس کے لیے پریشان ہو رہی رہے تھے تو انہیں اسے بازوؤں میں اٹھا کر اپنے کمرے تک نہیں لے جانا چاہیے تھا۔“ وہ ناگواری و صاف گوئی سے بولی تھی اور اس کی یہ حرکت تو خود فیصل کو نہیں بھائی تھی مگر اس نے دکھائی اتنی جلد تھی کہ وہ سمجھا

ہی نہیں تھا اور کچھ بھی جاتا تو ایک کام ہو جانے کے بعد کر بھی کیا سکتا تھا؟ اور وہ اس کو کیا کہے کیا نہیں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کو اس انجمن سے بچنے فون نے بچا لیا تھا، وہ دونوں ہی رنگ ٹون سے ہی کچھ گئے تھے کہ کسی کی کال ہے اور وہ قدرے ناراضی سے اس کو دیکھتی وارڈروب کھول کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”تجھ سے کچھ بات کرنی ہے، گھر آ جا۔“ وہ چھوٹے ہی بولا تھا۔

”بات کیا ہے؟“ وہ الجھ گیا تھا۔

”فون پر نہیں کر سکتا، یہ بتا کتنی دیر میں آئے گا؟“ وہاں سنجیدگی کا عالم ہنوز تھا۔

”ایسی کیا بات ہے جو فون پر نہیں کر سکتا؟“ وہ محض حیران ہی نہیں پریشان بھی ہو گیا تھا۔

”تو عورتوں کی طرح پیچھے نہ پڑ جایا کر، سیدھے طریقے سے کہہ رہا ہے یا نہیں؟“ وہ تپ چکا تھا۔

”ایسا کر تو آ جا، میرے سر میں درد ہے، کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اس کی ناراضی محسوس کر کے ہتھیرا ڈالے تھے۔

”اوکے، آدھے گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔“ اس نے فوراً ہی حامی بھر کر رابطہ منقطع کر دیا تھا، سیل فون سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ چونک اٹھا کہ وہ گزشتے تیوروں کے ساتھ ہیڈ پرواہیں آئی تھی۔

”ایک ہی دن چھٹی کا ہوتا ہے وہ بھی آپ اپنے دوست کے ساتھ بڑا کر دیتے ہیں۔“ اس کا موڈ پری طرح آف ہو گیا تھا کیونکہ کچھ دیر پہلے اس نے میکے جانے کا کہا تھا تو اس نے سر درد کا بہانہ کر کے معذرت کر لی تھی۔

”اب تم میرے واحد دوست سے بھی خلیس ہو گئی، اس سے ملنے جلنے پر پابندی لگاؤ گی؟“ اس کا خراب موڈ بحال کرنے کو اس نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔

”اگر آپ کے مانے عمل کرنے کی امید ہو تو ایسا بھی کر لوں کہ آپ کا دوست مجھے اپنی سوکن لگنے لگا ہے، مجھ سے زیادہ وقت تو آپ اپنے دوست کے ساتھ گزارتے ہیں۔“ اس کا غصہ ناراضی میں ڈھل گیا تھا اور اس کے گلے ختم ہونے کی بجائے بڑھ رہے تھے۔ اس کی پچکانی سوچ اور بات پر فیصل نے بے ساختہ تہقیر لگا لیا تھا۔

”تمہاری سوتن آتا ہی ہوگا، اس لیے باقی گلے بعد میں کر لینا، کھانا کھانا ہے تو لے آؤ کہ بعد میں اکیلے کھاؤ گی تو ہزار شکوے کرو گی۔“ اس کا ہاتھ تمام کر نہایت پیار بھرے لہجے میں بولا تھا۔

”روز بھی اکیلے کھاتی ہوں ناں، آج بھی کھالوں گی، آپ کرس اپنی محبوبہ کا انتظار، اور گز ارس چھٹی اس کے ساتھ، میں ڈیڈی کے گھر جا رہی ہوں۔“ ہاتھ چھڑا کر ناراضی سے کہتی بیڈ سے اترتی کہ وہ اس کا بازو تمام کر اسے اپنی جانب کھینچ گیا تھا۔

”اوہو... تو لگتا ہے مسز کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے جو یوں پوزیسیو ہوا جا رہا ہے۔“ اسے خود پر گرائے اس کی کمر پر حصار باندھے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مخمور لہجے میں گویا ہوا تھا اور اس کی قربت اس کے حواس سلب کر گئی تھی، ساری ناراضی، تمام گلے نہیں جاسوئے تھے، دھڑکنیں اور جذبے جاگ اٹھے تھے اور اسے کثیف و حیا سے مخمور یا کر وہ لکشی سے مسکراتا جسارتوں پر آمادہ ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے بد مزہ ہو کر گرفت ڈھیلی کی تھی وہ سرعت سے اس کے حصار سے نکلتی اٹھل پھٹھل سانسوں کے ہمراہ دروازے کی جانب بڑھی تھی اور خود کو کمپوز ڈر کے دروازہ کھول دیا تھا۔

”فیصل بھیا سے کہو کہ کنعان بھائی آئے ہیں۔“ حشر پیغام دے کر پلٹ گئی تھی، فیصل نے اسے دیکھا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ کافی سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

”میں ڈیڈی کے پاس جا رہی ہوں، فرصت ملے تو لینے آجایے گا۔“ اس نے جاتی ہوئی سمیرا کا ہاتھ پکڑا تھا۔

”یار! کل آفس سے آکر لے جاؤں گا کہ کنعان کا کچھ بھروسہ نہیں ہے کہ وہ کتنی دیر بھرے یا آؤنگ کا پروگرام رکھے۔“ اس کے نفاخا چہرے کو دیکھا تھا کہ اس کا موڈ ٹھیک سے بحال بھی نہیں کر پایا تھا کہ موڈ پہلے سے زیادہ خراب ہو گیا تھا۔

”آئی ڈونٹ کیئر... مجھے آج ہی جانا ہے، آج نہیں تو آپ کل آفس سے آتے ہوئے پک کر لیجیے گا۔“ بازو آڑ کر دوڑا کے بنجیدگی سے بولی تھی۔

”تمہاری یونی سے چھٹی ہو جائے گی، وعدہ کل لے جاؤں گا، اور پکا پراس نیکسٹ سنڈے صرف تمہارے ساتھ گزاریں گا۔“ اس کو منانا چاہتا تھا مگر جیسے وہ بھی اپنی بات پر بری طرح اڑ گئی تھی۔

”آپ میری شرائط بھول گئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں آگے بڑھوں تو آپ مجھے ڈیڈی کے ہاں جب میں جا ہوں گی لے کر جائیں گے نہ کبھی روکیں گے، نہ انکار کریں گے۔“ اس نے جو 20 شرائط کہی تھیں ان میں سے دو تھیں تو جتنی بتائی تھی ان میں یہ شرط سرفہرست تھی۔

”اوکے، تم چلی جاؤ، میں پک نہ کر سکا تو صبح ماموں جان کے گھر سے ہی ڈائریکٹ تمہیں یونی چھوڑ دوں گا، اپنا بیگ احتیاطاً لے جاؤ۔“ وہ کہہ کر اس کے گڑے زاویے دیکھے بنا کرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ غصے سے بری طرح کھول کر رہ گئی تھی کہ بڑھائی اور کنعان دو ایسے معاملات اور لوگ تھے جن میں اس کی ایک نہیں چلتی تھی اس کے علاوہ اسے اس سے کوئی شکایت نہ تھی کہ وہ اس کی سوچ سے بڑھ کر محبت کرنے خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”میں جنین سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ چند باتوں کے بعد اس نے اصل مدعا سامنے رکھا تھا۔

”واٹ...؟“ وہ حیرت سے چلا تھا۔

”تیری حیرت سمجھ نہیں پارا کہ میری فیملی کو تیرے سامنے ہیں۔“ وہ بے تکلفی سے بیڈ پر دراز تھا کہ وہ کنعان کو اپنے روم میں لے آیا تھا مگر اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ اب وہ کمرہ صرف اس کا نہیں اس کی بیوی کا بھی تھا، ڈیرنگ بریج کا سیمپلک کی اشیاء اور سائیز ٹیبل کے ساتھ ساتھ دیواروں پر آویزاں ان کی شادی کی تصویریں، اسے وہاں ٹھہرنا آکورد فیل ہو رہا تھا اس لیے اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ باہر جانے کی بجائے وہ اسے گیٹ روم میں لے آیا تھا۔

”تیری فیملی محسوس کر رہا تھا اندازہ تھا کہ تو بہت جلد یہ فیصلہ لے گا مگر میں نے تجھے نوید انکل کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا اس لیے ایک دم اچانک یہ بات مجھے حیرت میں ڈال گئی ہے۔“ وہ بھی صاف گوئی سے بولا تھا۔

”کل شام تو نے کہا تھا کہ میری بے خودی میرا کچھ بگاڑے نہ بگاڑے اس کے لیے مسائل کھڑے کر سکتی ہے اور جس طرح وہ مجھے دکھ کر خوف کا شکار ہوتی خود کو تکلیف پہنچا گئی رات بھر سوچ کر میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اپنا پر پوزل اسے بیچ دوں۔“ اس نے بات مکمل کر کے دی آن کیا تھا اور ایک چمیل لگا کر پیپی کاٹن کھولنے لگا تھا۔

”زندگی بھر کے معاملے لحوں میں نہیں ہوتے۔“ اس کے ہاتھ سے پیپی کاٹن لے لیا تھا جو اپنے لیے دوسرا

”جن کھول رہا تھا۔“

”دل کے معاملے لحوں میں ہی ہوتے ہیں اور جب میرا دل فیصلہ کر چکا ہے کہ جنین عالم کو میرا بیٹا ہے تو لحوں اور سالوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟“ گھونٹ بھر کر اس کو دیکھا تھا جو کافی بنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، چنانوں سے بڑھ کر مضبوط محبت، جو خود بھر کر اپنی کریمیں چار سو پھیلاتی ہے، لمبے لمبے میں وہ میرے دل میں مضبوط سے مضبوط تر بنیادوں پر اپنی خاص جگہ بناتی جا رہی ہے۔ جب وہ سامنے ہوتی ہے اسے قریب کرنے کی خواہش دل میں چلتی ہے، سامنے نہیں ہوتی تو اس کا احساس چار سو میرے ارد گرد پھیل جاتا ہے، اس کی ہر جھلک مجھے محبت سے عشق کا سفر کرواتا ہے، میں اسے پالینا چاہتا ہوں، لمبے دو لمبے کے لیے نہیں اپنی آخری سانس تک کے لیے اور اسی لیے چاہتا ہوں کہ تو نوید عالم سے میری شادی کی بات کر۔“ وہ جذبوں سے چوڑے لمبے میں کہتا اسے اپنے ایک نئے ہی روپ سے آشنائی دے گیا تھا۔

”تو نے انکل آئی سے بات کر لی کہ ان کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھایا جاسکتا۔“ وہ اس کے لمبے انداز، چہرے اور آنکھوں سے جذبے اور ان کی سچائی کو محسوس کر کے کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

”مام، ڈیڈ کو اعتراض ہے بٹ میں ان کو مانوں گا۔“ وہ پر یقین لہجے میں بولا تھا۔

”تو انکل آئی کو راضی کر لے جب تو مجھے پازینو آفر دے گا اس کے اگلے ہی دن میں خود نوید انکل سے بات کر دوں گا۔“ وہ بھی جیسے تیار ہی بیٹھا تھا۔

”اوکے، بٹ تو ایسا کرنا کہ فی الحال تو بھابی کے ذہن میں یہ بات ڈال دے تاکہ کوئی بھی سبب انکار کا نہ بنے۔“ اس کے ہاتھ سے پیپی کاٹن چھین کر اس کے گھونے کی پرواہ کیے بنا وہ منہ سے لگا گیا تھا۔

”آئیڈ بابرا نہیں ہے، مگر بھابی تجھے پسند نہیں کرتیں، ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ مجھ پر تجھ سے ملنے پر پابندی لگا دیتیں۔“ مزے سے بتایا تھا وہ سوالیہ لگا ہوں سے دیکھنے لگا تھا اور اس نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا کارنامہ زمین و فضا میں اپنے کانوں سے سچ پر سنا تھا۔

”اب ازالہ ہی تو کرنا چاہتا ہوں، اسے چھونے کا پرمٹ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ کہاں زیادہ دیر شرمندہ رہ سکتا تھا، شرمندگی کے حصار سے نکل کر پٹری سے اتر آیا تھا اور اس کی تنبیہ کرتی نگاہوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے فضول ہانکنے لگا تھا اس کی بکواس بند کروانے کو اسے کشن مارنا پڑا تھا مگر وہ بھی ماہ کنعان تھا نہتے ہوئے بیچ کر گیا تھا اور ہنوز شوخی پر آمادہ تھا۔

”سچ میرے اختیار میں ہونا، ابھی اسی وقت اس کی تمام تر ناگوار یوں اور خوف کے باوجود اسے اپنی سانسوں سے زیادہ قریب کر لوں۔“ اس کے قیامت سے سراپے کو سوچ کر ہی اس پر بے خودی طاری ہونے لگی تھی۔

”کنعان! واٹ ریش...! فیصل نے اس کی بے باکی پر ناگوار ی ظاہر کی تھی اور وہ تہہ لگا گیا تھا، مزید کوئی بکواس کرنا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا، روشن ہوتی اسکرین بران کے مشترکہ دوست بابرا کا نام جگمگا رہا تھا۔

”اوکے سویٹ ہارٹ، تم نعمان کو بھی بلاؤ، میں اور فیصل بھی آ رہے ہیں۔“ بابرا نے کے جا رہا تھا مگر کچھ ناگزیر وجوہات کے سبب نہیں جاسکا تھا اس لیے پرسوں اس کی فلائٹ دوبارہ کنفرم ہو گئی تھی وہی بتایا تھا تو اس نے ساتھ مل بیٹھے کا پروگرام رکھ لیا تھا۔

”میرے سر میں درد ہے کنعان! میرا موڈ آج صرف آرام کا تھا پہلے تو خود نازل ہو گیا اور اب باہر لے

جانے کا خود ہی پروگرام سب کر بیٹھا، میری طرف سے تو معذرت۔ فیصل کا موڈ آف ہو چکا تھا، وہ بے طرح چونک اٹھا۔

”کیس بھالی سے تو جھگڑا نہیں کر بیٹھا؟“ وہ پریشان ہوا تھا۔

”نہیں، بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“ ہنوز خمیدگی سے بولا تھا۔

”اویار! تو پھر کیا مسئلہ ہے دو دوستوں کے ساتھ وقت گزارے گا ناں، تو طبیعت سنبھل جائے گی، ویسے کہے تو سر دباؤں تیرا؟“ وہ سنجیدہ ہو گیا تھا کہ فیصل اسے اتنا ہی عزیز تھا۔

”اے نہیں یار! اپن کر لیا تھا، مگر تیری گھٹیا گفتگو نے سارا اثر زائل کر دیا۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”پنن کر لیا تھا میری بھالی کو زحمت دی تھی۔“ اس کی شرارت بھانپ کر وہ بھی شوخ ہوا تھا اور وہ بری طرح جھینپ گیا تھا۔

”شادی کے بعد بھی تیرا یہاں نہیں گیا۔“ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر ایک بے باک قہقہہ لگا کر جملہ کسا تھا، جو اب وہ اسے محض گھور کر رہ گیا تھا اور وہ جانے کو اٹھا تو اسے بھی ناچار تنقید کرنا پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

”بھالی! آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ اس کا ہاتھ بنانے کو دل وقت ملازمہ رکھ لی گئی تھی اس کے باوجود وہ زیادہ تر کام خود ہی کیا کرتی تھی کہ اسے کام کرنے کی عادت بھی تھی اور اسے گھر داری کا شوق بھی تھا اس سب میں وہ سکون محسوس کیا کرتی تھی۔ اس نے رات کے کھانے کے بعد سب کو چائے دی تھی اور ملازمہ سے پنجن صاف کروا کر وہ اپنے اور فیصل کے لیے ٹرے میں دودھ رکھے کچن سے نکلی تھی کہ فیصل کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”جی... کیسے؟“ وہ سادگی سے بولی تھی۔

”بات کچھ ایسی ہے کہ یوں کھڑے کھڑے نہیں ہو پائے گی، آپ بڑی ہیں تو میں بعد میں بات کر لوں گا۔“ اس کے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر وہ بولا تھا۔ وہ حیران تو ہوئی مگر ظاہر کیے بے نیاز اس نے ملازمہ کو آواز دی تھی۔

”بیشیرا!... اب ٹریے میرے کمرے میں لے جاؤ۔“ ٹرے ملازمہ کو دیتی وہ ڈانٹنگ ٹیبل کے آگے سے چیز گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گئی تھی اور وہ بھی آ بیٹھا تھا۔

”بھالی! آپ کنعان کو تو جانتی ہیں ناں؟“ اس نے تمہید باندھنا چاہی تھی اور اس کے چہرے پر در آنے والی ناگواری دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ بات نہ کرے مگر جس طرح وہ اتنا ڈلا ہو رہا تھا اس کے بعد وہ ناچار اس کی ناگواری کے باوجود کہہ گیا۔

”کنعان! جنین سے شادی کرنا چاہتا ہے۔“ اس کے چہرے پر حیرت اور اس کے بعد ناپسندیدگی کا تاثر بکھر گیا تھا۔

”آپ اپنے دوست سے صاف کہہ دیں کہ وہ ایسا خیال ہی اپنے ذہن سے نکال دیں۔“ وہ درشتگی سے بولی تھی۔

”بھالی! اس میں حرج ہی کیا ہے، کنعان ایک اچھا انسان ہے، اچھی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے عزیز دوست کے لیے ناپسندیدگی و ناگواری دیکھتے ہوئے بھی دیکھتے ہی بولا تھا۔

”وہ کتنے اچھے ہیں، یہ آپ کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اور جہاں تک فیملی کی بات ہے ابو ایک

سیاستدان گھرانے میں کبھی جنین کی شادی نہیں کریں گے۔“ اس نے نفرت سے ہنکارا بھرا تھا اور صاف انکار کرنے کے ساتھ باپ کے کیے جانے والے ستورج فیصل سے بھی آگاہ کیا تھا۔

”پرپوزل دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔“ وہ سادہ دھیمے مزاج کی زمین کا آتش روپ دیکھ کر حیران نہیں ہوا تھا کہ اس کی جنین کے لیے مخصوص جذباتیت سے واقف تھا۔

”پلیز... فیصل! جو بات نہیں ہو سکتی اس کا ذکر بھی کیوں کیا جائے کہ وہ شخص جب مجھے اپنی بہن کے لیے پسند ہی نہیں ہے تو میں ابو تک پرپوزل کو کیوں پہنچاؤں گی کہ یہ بھی جانتی ہوں کہ ابو گریجویشن سے پہلے جنین کی شادی نہیں کریں گے اور اس کی شادی ہماری ہی طرح کی فیملی میں کریں گے کہ اپر ہائی کلاس خاص گریسیٹ دان گھرانے میں جنین کی شادی کا وہ تصور بھی نہیں کریں گے۔“ اسے جیسے ہی اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تھا وہ لہجے کی ٹون بدل گئی تھی، مگر موقف اس کا اب بھی وہی تھا۔

”آپ کی ناپسندیدگی بھی بجا ہے بھالی! لیکن وہ نہ صرف اپنے کیے پر شرمندہ ہے بلکہ جنین کو عزت سے اپنانے کے لیے بھی تیار ہے کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔“ وہ احترام کو کوٹھارکتے ہوئے ہی اس سے بات کر رہا تھا۔

”آپ ایک دفعہ نوید انکل سے بات کر کے تو دیکھیں کہ وہ جنین کے لیے بہت فیئر اور سنسیئر ہے۔“ اس نے بھرپور انداز میں دوست کے جذبوں کی وکالت کی تھی۔

”میں مانتا ہوں کہ جو اس نے کیا وہ بالکل بھی مناسب نہ تھا، مگر وہ میرا بہت پرانا اور قریبی دوست ہے اس کو جانتا ہوں اس میں کوئی اخلاقی برائی نہیں ہے، اس کا کردار آئینے کی طرح شفاف ہے، سچے جذبوں کے ساتھ وہ جنین کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے اس کا ارادہ اور نیت پاک صاف ہیں، اس لیے میں آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ سوچیں، اسے پرہیز اور پھر کوئی فیصلہ لیں کہ آپ لوگوں کو اس کی طرف سے جس طرح کی گارنٹی کی ضرورت ہوگی وہ میں دوں گا، وہ اور میں الگ نہیں ہیں، اگر آپ اسے بے اعتباری کے کٹھنرے میں کھڑا کریں گی تو مجھے اپنی ذات کٹھنرے میں محسوس ہوگی اس لیے آپ اس کے مزاج و کردار کے نہیں میرے مزاج و کردار کے آئینے میں پرہیز، رہ گئی بات اس کے کردار کی تو اس پر مجھے خود سے بڑھ کر بھروسہ ہے۔ باخدا جنین کی جگہ حشر ہوتی تو میں آنکھ بند کر کے فیصلہ لیتا کہ وہ اتنا ہی اچھا ہے کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے، اس سے رشتہ جوڑنے میں فخر محسوس ہو سکتا ہے، کنعان میرا دوست، میری جان، میرا خیر ہے بھالی! آگے آپ لوگوں کا فیصلہ۔“ وہ زمین کے لیے سوچوں کے دروازے کا ٹکٹا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”مامی! نے تمہیں کتنی مشکل سے اجازت دی ہے جنین! اور ہمیں آئے ایک گھنٹہ ہونے والا ہے، تمہیں جولیانا ہے اب پس لے لو۔“ ماندہ کوفت سے بولی تھی کہ وہ اس کی خاطر اس کے ساتھ شاپنگ مال آ تو گئی تھی مگر اب بچپتا رہی تھی کہ وہ اسے ایک گھنٹے سے خوار کروا رہی تھی۔

”اب پسند نہیں آ رہا کچھ تو کیا کروں؟“ وہ خود جھنجھلا کر بولی تھی کہ وہ گزشتہ ہفتے سے بیڈ ریٹ پر تھی یونیورسٹی بھی نہیں جاری تھی، آج بھی صرف تکلیف کے باوجود وہ صرف ارحم آسن کی وجہ سے خوار ہو رہی تھی کہ کل اس کی برتھ ڈے ہے اور اس کے لیے گفٹ لینے آئی تھی۔

”دیکھو جنین! ام ایک ہفتے سے بیڈ ریٹ پر ہوا اور جو ایک ہفتے میں ریکوری ہوئی ہے وہ یوں چلتے رہنے سے

برباد ہو کر رہ جائے گی، تم ارحم بھیا کے لیے گفت صحت باب ہو جانے کے بعد لے لیتا۔ ابھی واپس گھر چلے ہیں۔ وہ اس کے خوبصورت چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر بولی تھی۔

”میں مٹی کی ڈانٹ کھا کر، تاپا باو سے اجازت لے کر صرف ارحم بھیا کے لیے گفت لینے آئی ہوں اور لیے بغیر نہیں جاؤں گی کہ اتنے دن سے بھی تو تکلیف برداشت کر رہی ہوں، کچھ تکلیف ارحم بھیا کے لیے برداشت کر لوں گی تو کچھ نہیں بگڑے گا۔“ مستقل چلنے سے تکلیف کا احساس بڑھنے لگا تھا وہ رک کر سانس ہموار کر کے بولی تھی اور گلاس ڈور دھکیلتی اندر داخل ہو گئی تھی، فیصل نے اسے دیکھا تھا جس کا چہرہ نہ جانے کس احساس سے دھبہ رہا تھا اور وہ لب بھینچے کھڑا تھا، ماندہ اسے دیکھ کر آگے بڑھتی رک گئی تھی اور اس سے سلام دعا کر کے جس وقت شاپ میں داخل ہوئی تھی وہ ٹائی کا رنر پر کھڑی بہت دہشت سے ٹائیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کے سر دباؤ اثرات دیکھ کر وہ چاہتا تھا کہ وہ اس شاپ میں داخل نہ ہوں مگر اس کے انتر ہو جانے پر اسے بھی تقلید کرنی پڑی تھی۔

”وہ شخص اس کے لیے اتنا اہم ہے کہ اسے اپنی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہے، اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا۔“ وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر اسی کاؤنٹر پر ٹھہرا کر دن موڑے اسے دیکھتا سوچ رہا تھا جو ایک کے بعد ایک خوبصورت اور ہنگامی ٹائی رینجیکٹ کرتی جا رہی تھی کہ اس نے شیفٹ پر رکھا اپنا ہاتھ کمر پر رکھا تھا اور لب کا کونا دانٹوں تلے دبایا تھا لیکن بھر کو اس کا چہرہ تاریک ہوا تھا اور وہ دوسرے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹائی دکھانے کو کہنے لگی تھی، کچھ دیر قبل اسی ٹائی پر ماہ کنعان کی نگاہ بھی ٹھہری تھی اور اب وہ چمکتی آنکھوں سے اسی ٹائی کو دیکھتی نکالنے کو کہہ رہی تھی۔

”پلیز! شو آ دیٹ ٹائی!“ وہ چند قدم بڑھا کر بالکل اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی۔ شاپ کپرنے ٹائی نکال کر اس کی طرف بڑھائی تھی اس نے ہاتھ بڑھایا تھا وہ تھاتی کہ ماہ کنعان نے اچک لی تھی اور گہری سنجیدگی سے شاپ کپرنے سے بولا تھا۔

”پلیز! اسے پیک کر دیں۔“ نیوی بلیوسک کی ٹائی جس پر بلیک ڈاٹس تھے بلاشبہ وہ شاپ کی قیمتی ٹائیوں میں سے تھی، اس نے اپنا ہاتھ سرعت سے پیچھے کر کے گردن موڑ کر دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر ہمیشہ کا ناگوار تاثر آنکھوں و چہرے پر بھر گیا تھا اور وہ لاشعوری طور پر چند قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

”کچھ آیا پسند؟“ خاموش کھڑی ماندہ نے اس سے پوچھا تھا اور اس نے ماہ کنعان کے ہاتھ میں موجود ٹائی کی طرف اشارہ ہی نہیں کیا تھا بولی بھی تھی۔

”وہ ٹائی پسند آئی تھی، میں نے ہی نکلوائی تھی ایسا! جسے وہ پیک کرنے کو کہہ رہے ہیں۔“ اس کا منہ بن چکا تھا، فیصل حیرانگی و خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”تو تم دوسری پسند کر لو۔“ اس نے سادہ سادہ سائل کیا تھا جو اسے پسند نہیں آیا تھا۔

”میں کیوں دوسری پسند کروں؟ جبکہ میں پسند کر چکی ہوں۔“ وہ کہہ کر شاپ کپرنے سے دیکھی ہی دوسری ٹائی نکالنے کو کہنے لگی تھی وہ ماندہ کے پیچھے سے نکلتی دوسری طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

”سوری میم! اس اونٹلی ون پین۔“ سلیو مین شائستگی سے کہہ گیا تھا۔

”دیکھیے میم! میں مانتا ہوں یہ آپ نے ہی نکلوائی تھی مگر جب سر نے مینجٹ کی تو میں سمجھا آپ ان کے ساتھ ہیں۔“ وہ بحث کر رہی تھی تب وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

”میں اور ان کے ساتھ... واٹ رنٹ، آپ مجھے یہ ٹائی دیں، میں مینجٹ کر دیتی ہوں۔“ ناگواری و

تدبر غصے سے بولی تھی کہ ماندہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا اور تنبیہ کرتی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس نے اب کے آواز جیسی کر کے ہنسیک سے پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیئے تھے۔

”سوری میم! یہ ٹائی سلی ہو چکی ہے، آپ کوئی دوسری دیکھ لیں۔“ اس نے ماہ کنعان کے ہاتھ سے ٹائی لی تھی اس کا ارادہ پیک کرنے کا تھا مگر اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ چھین لی۔

”یہ میں نے نکلوائی تھی، اس لیے یہ میری ہے، مینجٹ کر دی ہے میں نے، میں یہی ٹائی لوں گی۔“ وہ غصہ سے بول رہی تھی شاپ کپرنے پر اچھا تھا کہ کاؤنٹر پر دونوں ہی پیسے رکھ چکے تھے اور اس کے کہنے پر بھی دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو وہ دینے کو تیار نہ تھا، ماندہ اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ سمجھنے کو تیار نہ تھی اس کے برعکس اس کے سر خطرناک طور پر درد کر رہا تھا وہ خاموش ہی کھڑا تھا اس کی ضد اور الجھنا اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ اس کی پسند سے واقف تھا کہ وہ ڈاٹس والی ٹائی یوز نہیں کرتا تھا سلیف لائنگ یا پلین ٹائیز کو ہی پرنٹر کرتا تھا تو وہ اس وقت آنکھوں میں غصہ لیے کیوں ضد کر رہا تھا؟ اس نے ٹائی کو تہہ لگا کر بیک میں ڈالنا چاہا تھا کہ اس نے چند قدموں کی دوری کو ختم کیا تھا اور اس کے عین سامنے ٹھہر گیا تھا جو وہ قدم پیچھے ہوتے ہی شیفٹ سے جا لگی تھی۔

”کس جنین عالم! یہ ٹائی میں نے پسند کی اور اس کی مینجٹ بھی کر دی، اور میں اپنی پسند و حق چھوڑا نہیں کرتا۔“ اس کا لہجہ انتہائی سرد تھا، آنکھیں ابھوسیت لائی تھیں اور اس کی تو بولتی ہی بند ہو چکی تھی۔

”ایسا! یہ جھوٹ بول رہے ہیں، یہ ٹائی میں نے پسند کر کے شیفٹ سے نکلوائی تھی، زبردستی پیسے تھا کر اس پر اپنا حق جتانے لگے جبکہ یہ ٹائی میں نے تفتی دیر کی خواری کے بعد ارحم بھیا کے لیے پسند کی تھی، مجھے ارحم بھیا کے لیے بس یہی ٹائی چاہیے۔“ وہ سامنے سے ہٹا تھا اس کے آنسو گرے تھے اور ماندہ کے اس تک آتے ہی وہ روتے ہوئے بولنے لگی تھی اور وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا جس کی ساحرانہ ہنگامی پلکیں حسرت سے اس ٹائی پر جمی تھیں اس کا غصہ یکدم ہی بڑھا تھا اور اس کی نگاہ اس کے سین چہرے سے ہوتی سامنے ڈور کے ساتھ کھڑے شخص پر پڑی تھی جو لائبریری میں رکھ رہا تھا، اس کے قدم لاشعوری طور پر اس شخص کی طرف بڑھے اور اس سے لائبرٹل طلب کیا واپس مڑ کر اس تک آیا جو ایک ٹائی نہ ملنے پر اپنے قیمتی آنسو بہا رہی تھی اور اس کا دل تو کر رہا تھا کہ ایسی ایک تو کیا ہزار ٹائیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے، مگر ذہن و دل میں اٹھتی کشش، شک و حسد کی آگ ساری دلی خواہشات کو خفا کستر کرنے لگی تھی اور خود چلتے چلتے اس نے اس کے سین سامنے رک کر ٹائی اس کی ہنگامی پلکوں کے سامنے لہرائی تھی اور اس کے ہی کیا کسی کے بھی سمجھنے سے پہلے ہی اسے شعلہ دکھا دیا تھا۔

”جو چیز میری نہ ہو سکے میں اسے کسی اور کے بھی قابل نہیں چھوڑتا، آپ ٹائی تو نہ لے سکیں اس کی راہ کا اپنے ارحم بھیا کے لیے لے سکتی ہیں کہ میں کچرا جمع نہیں کیا کرتا، مجھے صرف خوبصورت چیز ہی پسند ہیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں بغور جھانکتا کہہ رہا تھا کہ حیرانگی نے دوسرا تاثر ہی اسے بھلا دیا تھا اور وہ اتنی ششدر اور صدمے کی سی کیفیت میں تھی کہ اس کے قہقہے پر اس کا سکتہ ٹوٹا تھا اور ”تواخ“ کی آواز خاموشی میں گونجی تھی۔ وہ جو چلتی ہوئی ٹائی کو جوتوں تلے سل رہا تھا اس کی حرکت پر وہی نہیں فیصل اور ماندہ بھی ساکت رہ گئے تھے، ماندہ نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا تھا اور فیصل اس کی حرکت پر انگشت بدنداں تھا اور وہ خود بھی تو حیران ہی کھڑی تھی کہ اتنے دنوں کی فرسٹریشن یوں ظاہر ہوگی کب سوچا تھا اور وہ جس پر وہ دہیوں لوگوں کے سامنے ہاتھ اٹھا چکا تھی، اتنی تذلیل پر انگارہ ہی تو بن گیا تھا، وہ اس کی تیز سرخ نگاہوں سے خائف ہوئی اور کچھ اپنی حرکت پر نام و ہراساں ہوئی پیچھے ہوئی تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی دو دھیا کلائی تھام گیا تھا وہ بے ساختہ ہی چینی تھی، تماشا بنی فیصل

آگے بڑھا تھا۔

”فیصل! اٹو بیچ میں نہیں آئے گا، تیرا منہ دیکھ کر بھی آج میں چپ نہیں رہوں گا۔“ سر دلچے میں اس پر اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کی کلائی پر گرفت کچھ اور سخت کی گئی تھی کہ وہ چھڑانے کی کوشش کرنے کے ساتھ مدد کے لیے مائدہ کو پکار رہی تھی، وہ تو اس ساری افتاد پر ہی پریشان تھی اور اسے وہ کلائی سے تھامے شاپ سے باہر نکلتا تھا وہ اس کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی کھینچتی جا رہی تھی ساتھ ہی ہیملپ کے لیے اس کو پکار رہی تھی، جس سے حسد محسوس کر کے وہ، وہ سب کر گیا تھا اور اس کے منہ سے ”ارحم بھیا“ نکلتا تھا اس کی گرفت مزید سخت سے سخت تر ہو گئی تھی بے ساختہ ہی وہ جھنجھکی اسی لگا تھا کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے وہ درد سے بلبلاتا گئی تھی کہ اس کے گھینٹے سے تو اس کی کمر کا درد بھی مزید جاگ اٹھا تھا۔

”فیصل بھائی! پلیر اپنے دوست کو روکیں۔“ اس کے تیور مائدہ کو بھی ڈرا گئے تھے وہ اس کے پیچھے لپکتی فیصل سے مدد طلب کر گئی تھی۔

”کنعان! اچھوڑو اس کا ہاتھ، کیوں تماشہ بنا رہے ہو؟“ وہ اس کا بازو تھام کر روکتا دے دے انداز میں غرایا تھا مگر اپنی بات کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر خود ہی اس کا ہاتھ آزاد کرانا چاہا تھا مگر اس کی گرفت بھی بلا کی مضبوط تھی۔

”پاکل مت ہو کنعان! حنین کا ہاتھ چھوڑو، میں اس کی طرف سے تم سے سوری کر لیتا ہوں۔“ کوشش ترک کر کے باقاعدہ فیصل نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”ہاتھ چھوڑو میرا میرا، میری درد سے جان نکل جائے گی، میں آپ کی شکایت ارحم بھیا سے کروں گی، وہ آپ کو اریسٹ کر لیں گے۔“ وہ درد سے ہلکتی کہہ رہی تھی اس کے اعصاب مزید کشیدگی میں آ گئے تھے، لیکن فیصل کی حرکت پر وہ دھیما پڑا تھا اس کے ہاتھ پر اس کی گرفت کمزور ہو گئی تھی کہ پھر اس نے یکدم ایک جھٹکے سے کلائی آزاد کر دی تھی وہ کراہتی ہوئی ماربل کے صاف چمکتے فرش پر گر گئی تھی۔ وہ کسی کو بھی دیکھے بنا نہایت پیش کے ساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ چاہ کر بھی اس کے پیچھے نہیں گیا تھا کہ اس کی نگاہ فرش پر پھیلتے خون پر پڑ گئی تھی، خون اس کے ماتھے سے بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکی تھی، فیصل ہی مائدہ کے ساتھ اسے ہاسپٹل لے گیا تھا، مائدہ نے گھر فون کر کے اسے اجود اور نوید عالم کو بلا لیا تھا کہ اس کے ماتھے پر تین ٹانکے آئے تھے اور دا میں ہاتھ کی کلائی کی ہڈی فریکچر ہو گئی تھی، مائدہ تو مائدہ جو ہوا تھا فیصل بھی حیران و پریشان تھا اور اس کی حالت کے سبب اسے ماہ کنعان پر غصہ آنے لگا تھا اسی لیے اس نے چاہ کر بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا کہ جو آج تماشہ اس نے لگا لیا تھا وہ فیصل جیسے سادہ، رکھ رکھاؤ والے شخص کے اعصاب پر دو باؤ ڈال گیا تھا اسے اپنا سر درد سے پھٹنا محسوس ہو رہا تھا، گھر لوٹا تھا تو اس کی کال آنے لگی تھی اس نے غصے سے سیل فون ہی دیوار پر دے مارا تھا، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اسے حقیقتاً اس پر غصہ ہے۔

☆.....☆.....☆

”آپ مجھے صرف اتنا بتائیے کہ آپ میرا پر پوزل لے جا رہے ہیں، ابھی اسی وقت یا نہیں؟“ وہ مال سے گھر جانے کی بجائے آفس آ گیا تھا وہ جو اس کے آکر اہم میٹنگ کیسٹل کروا دینے پر ہی کچھ غصہ تھے اس کی فرمائش کے بعد حکم لے کر پھول اٹھے تھے۔

”نہیں، ہم اس لڑکی کو اپنے خاندان کی بہو نہیں بنا سکتے، اس کا اور ہمارا کوئی میل نہیں ہے۔“ وہ درشتی سے انکار کر گئے تھے۔

”شادی تو میری اسی سے ہوگی آپ نے انکار کر دیا، اپنا پر پوزل خود لے کر جاؤں گا، انہوں نے بھی انکار کیا تو مجھے کورٹ میرج سے کوئی نہیں روک سکے گا، نہ میرا باپ، نہ اس کا تایا اور نہ ہی وہ خود۔“ اٹل فیصل ان کے گوش گزار کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا سانسے اتنی ہر چیز کو شوکر پراڑا تا وہ باپ کے آفس سے نکلا تھا اور نوید عالم کے آفس پہنچ گیا تھا وہ جو مائدہ کی فون کال کے بعد بڑی عجلت میں آفس سے نکلے کو تھے کہ وہ آج منی طوفان کی طرح گارڈ اور پھر ریپنشنٹ ویون کے روکنے کے باوجود ڈور دھکیلتا ان کے آفس میں داخل ہوا تھا وہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”سراہم نے انہیں بہت روکنا چاہا، مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور زبردستی آفس میں گھس آئے۔“ گارڈ اپنی صفائی میں ڈرتے ڈرتے بولا تھا اور انہوں نے ان سب کو جانے کو کہا تھا اور اس کو مخاطب کیا تھا۔

”کنعان! ایہو آسٹ پلیر۔“ وہ حیرانگی کو پرے رکھ کر آداب میزبانی نبھا رہے تھے کہ اس سے انجان نہ تھے شادی میں ملے تھے اور جب وہ چھٹی کی شام گھر آیا تھا تب تو کافی اچھے سے اس سے بات ہوئی تھی، اس کی فیملی اور اس کا بیک گراؤنڈ ان کے علم میں آیا تھا کہ وہ اسے اس سے قبل فیصل کے دوست کی حیثیت سے سرسری سا جانتے ہی تھے۔

”میں آپ کی بہتی حنین عالم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ بناء تمہید باندھے اصل بات کہی تھی وہ تمہیر سے اسے دیکھنے لگے تھے اس کا بدتمیزی سے اپنے آفس میں آنا انہیں پسند نہیں آیا تھا مگر ناپسندیدگی ظاہر نہ کی تھی اور وہ تو ایک الگ ہی داستان سناتا آفس کی چھت ان کے سر پر گر گیا تھا۔

”فیصل کے ذریعے تمہارا پر پوزل ہمیں ملا تھا، اور چونکہ ہمارا اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے اس لیے ہم نے منع کر دیا تھا، تو آج یوں اتنی بدتمیزی سے آفس میں آ کر اتنے نازک مسئلے پر اتنے بڑے انداز میں بات کرنے کا کیا مقصد نکلتا ہے؟“ نوید عالم غصے میں آ چکے تھے کہ وہ مزاج اور پسند کے برخلاف بات کو برداشت نہیں کیا کرتے تھے، جتنے نرم مزاج تھے اس سے بڑھ کر سخت مزاج بھی تھے۔

”میں آپ کے کسی انکار کو نہیں مانتا۔“ وہ ان کے غصے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے برہم ہوا تھا۔

”مجھے ہر حال میں حنین سے شادی کرنی ہے، آپ صرف یہ بتائیے کہ میں کب رات لے کر آؤں؟“ وہ بہت اہم اور بڑے موضوع کو بہت لائٹ لی ڈسکس کر رہا تھا۔

”مشر ماہ کنعان عابدی! بہتر ہوگا کہ تم میرے آفس سے چلے جاؤ کہ میں اپنی بیٹی کی شادی ہرگز بھی تم سے نہیں کروں گا کہ مجھے اب تک صرف تمہارے بیک گراؤنڈ پر اعتراض تھا مگر آج کے تمہارے تیور ہر ابھمن سلجھا گئے ہیں، میں جو فیصلہ ہی نہیں کر پا رہا تھا اب نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ مجھے تمہارا پر پوزل منظور نہیں ہے۔“ وہ اشتعال کو بخشنے لگا کہ وہ بولے تھے۔

”اور مجھے آپ کا انکار قبول نہیں ہے، ماہر کیجیے گا نوید عالم! کہ میں یہاں اپنے باپ کی مخالفت کے باوجود کھڑا ہوں، جب میں اپنے والدین کے انکار کو قابلِ اہمیت نہیں گردان رہا تو آپ کے انکار کو میں کس قدر اہمیت دوں گا آپ خود سمجھ رہے ہیں۔“ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے لگی تھی اور رعونت سے کہتا ان کو مٹھیاں جھنجھنے پر مجبور کر گیا تھا۔

”نی الوقت چلتا ہوں، کل آؤں گا جواب لینے، اور مجھے مثبت ہی جواب درکار ہوگا۔“ سختی سے کہتا پلٹا تھا کہ انہوں نے جارحانہ انداز میں اس کے کوٹ کی آستین جھنجھ کر اسے اپنی طرف موڑنا چاہا تھا۔

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟“ وہ غصے سے کف اڑا رہے تھے۔

”ہاں! کیونکہ مجھے کسی بھی قیمت پر جنین عالم سے شادی کرنی ہے، آپ اور میرے پیرئش نہیں مانے تو مجھے کوئی دوسرا آپشن یوز کرنا پڑے گا اور ایسی صورت میں کہ جب آپ کی بیٹی بھی اس سب کے لیے راضی نہیں ہے، نہ ہوگی تو میرا اٹھایا دوسرا قدم زبردستی و جبر پر ہی مبنی ہوگا اور میں تو بس یہی چاہوں گا کہ آپ مجھے جبر پر مجبور نہ کریں۔“ وہ سرخ آنکھوں سے اپنے عزائم بتاتا وہاں ٹھہرا نہ تھا جس طرح آندھی طوفان کی طرح آیا تھا ویسے ہی چلا گیا تھا مگر جاتے جاتے ان کا سکون درہم برہم کرتا ان کو پریشانی و اضطراب کے حوالے کر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ماموں جان! آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ سب خیریت تو ہے؟“ وہ کل سے ہی بے حد ڈسٹرب تھے انہوں نے اس کے حل کے لیے ماہ کنعان کے فادر سے بھی رابطہ کیا تھا اور ان سے بات کر کے تو ان کی پریشانی دوگنی ہوگئی تھی اور اب اسی کے خاتمے کے لیے انہوں نے بہت سوچنے کے بعد ایک فیصلہ لیتے ہوئے ارجم آسن کو بلا لیا تھا اور وہ تو ان کے پرمردہ سے چہرے کوئی دیکھ کر متشکر ہو گیا تھا۔ انہوں نے خود کو کمپوزڈ کیا اور دھیمے دھیمے اس کا آنا اور بدیزری سے دھمکی تک سب کہہ سنایا تھا۔

”وہ شخص آپ کے آفس میں آکر اتنی بدیزری کر کے چلا گیا اور آپ مجھے اب بتا رہے ہیں؟“ وہ تو غصے سے ہی کھول اٹھا تھا۔

”میں تو کل سے ہی بہت پریشان ہوں، اس کے فادر سے بھی ملا تھا آج، وہ بھی اس رشتے کے سخت مخالف ہیں، مگر وہ شخص بھند ہے، ایک گھنٹہ پہلے جواب کے لیے مجھے فون بھی کیا تھا میرے انکار کو وہ اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں ہے، وہ دوسرے آپشن کی بات کر رہا تھا اور اسی لیے میں پریشان ہوں کہ اس کی دوسری راہ اتنی بھی سیدھی نہیں ہوگی۔“ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں مضطرب سے بول رہے تھے۔

”آپ اس کی دھمکی سے ڈر گئے ہیں؟“ غصہ کنٹرول کرتا بولا تھا۔

”ہاں! کہ میں اپنی عزت سے ڈرتا ہوں کہ اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس کا کچھ نہیں جائے گا بدنامی ہمارے خاندان کی ہوگی کہ لڑکیوں کی عزت تو آئینوں کی طرح ہوتی ہے۔“ ان کی درست بات سن کر وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

”آپ پریشان نہ ہوں میں کرتا ہوں کچھ، ذوالفقار عابدی اور فیصل سے بات کرتا ہوں کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟“ وہ تو اس کے کارنامے بھی جانتا تھا اس لیے گہری سوچ میں ڈوب کر پریشانی سے بولا تھا۔

”ذوالفقار عابدی سے بات کر چکا ہوں وہ بیٹے کی ضد پوری نہیں کرنا چاہتے، اور فیصل سے کیا بات کرو گے وہ تو خود بھی سب چاہتا ہے۔“ وہ ناچھی و سوالیہ لگا ہوں سے نوید عالم کو دیکھنے لگا تھا۔

”زمین کو اس کا پر پوزل فیصل نے ہی دیا تھا، میرے انکار پر اس نے خود مجھ سے بات کی تھی، دوست کی وہ مکمل گارنٹی لینے کو تیار تھا اسی لیے میں سوچ میں پڑ گیا تھا لیکن اس کا آفس آکر بدیزری کرنا اور دھمکی دینا اور ذوالفقار عابدی کا صاف انکار اب اس سب کو دیکھتے ہوئے تم خود متاؤ کہ میں کیسے اس شادی کے لیے ہاں کروں کہ شادی تو دو خاندانوں کے رابطے و رشتے کا نام ہے، اب نہ خاندان ہمارے جوڑ کا ہے کہ شادی برابر والوں میں کرنی چاہیے اور نہ لڑکا ہماری جنین کے جوڑ کا ہے کہ وہ کم عمر نا کچھ ہے، وہ اس سے عمر میں بڑا ہے، غصے کا تیز، بدتیز انسان ہے اور ایسے شخص کے ہاتھوں میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کیسے دوں جسے بڑوں سے بات تک کرنے کی تیز

نہیں ہے؟“ وہ کافی پریشان تھے ان کے ساتھ وہ بھی پریشان ہوا اٹھا تھا۔

”اس کی بدیزری اور اس کے پیرئش کی مخالفت سے قطع نظر ہو کر دیکھا جائے تو اس شخص میں ایسی کوئی برائی نہیں ہے کہ شادی کے بارے میں سوچا نہ جاسکے۔“ وہ اس کو کچھ غصے سے دیکھنے لگے تھے۔

”تم سمجھ کیوں نہیں رہے کہ شادی کے لیے سوچا جائے تو کس بنیاد پر کہ اس کے پیرئش راضی نہیں، ایسے کیسے اس شخص کی ضد پوری کرنے کو میں اس کی بیوی، ایک ان چاہی بہو بنادوں؟ جنین جس نے صرف محبتیں سمجھیں اسے ان چاہا ہو کا درجہ ملا تو کیا وہ خوش رہ پائے گی؟ جنین مجھے بہت عزیز ہے، اس کی خوشی مجھے بہت عزیز ہے اس کو تکلیف میں دیکھ ہی نہیں سکتا، شادی اول تو میں ابھی اس کی کرنا نہیں چاہتا کہ جب بھی کروں گا ایسے لوگوں میں جو اسے چاہت و عزت دیں اور یہاں تو مجھے یہی دھڑکا لگا رہے گا کہ اس کا ضد، غصہ ختم ہوا تو وہ کیا کرے گا؟ کہ مجھے یہی لگتا ہے کہ وہ شخص ایسا صرف کل کی عزتی کا بدلہ لینے کے لیے چاہ رہا ہے کہ اس کی سوچ مثبت ہوتی، وہ جنین کے لیے کوئی سوٹ کارز ذہن و دل میں محسوس کرتا تو عزت و ذمی سے ہمیں قائل کرنے کی کوشش کرتا اس کے روئے میں جگ نہیں ہٹ دھری ہے اور میں ایک ہٹ دھرم، اگر بیسیو میں سے اپنی جنین کی شادی تو کرنا دور سوچ بھی نہیں سکتا۔“ وہ اسے ناگواری سے دیکھتے دیکھتے اپنے فیصلے سے آگاہ کر رہے تھے اور وہ الجھ گیا تھا کہ وہ جب ہر فیصلہ کر چکے تھے ساری حقیقت ان کے سامنے تھی، نقصان اور فائدہ ان کے سامنے تھے تو وہ اس سے کیا چاہتے تھے؟ اس کو بلانے، سب بتانے کا کیا مقصد تھا اور کچھ ہی دیر وہ اس سے ہر بات شیئر کرنے کا مقصد بتا چکے تھے اسے لگا تھا کہ اس کے سر پر آسمان آگرا ہے، پیروں تلے سے زمین سرک گئی ہے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتا خود کو ہوا میں معلق محسوس کرنے لگا تھا، وہ اسے قائل کرنے کو کیا کچھ کہہ رہے تھے وہ کہاں سن رہا تھا کہ وہ تو ان کی نزشت بات کے زیر اثر مددے کی کیفیت میں کھڑا تھا۔

”میں نے یہ فیصلہ بہت مشکل سے لیا ہے ارجم! صرف اپنی بیٹی کی خوشی اور عزت کے لیے کہ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور حل ہی نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ میں اس شخص سے یا اس کے باپ کی امارت و طاقت سے ڈرا ہوں کہ ڈر مجھے اپنی عزت کے جانے کا لگا ہے، جنین کے ساتھ اللہ نہ کرے کسی قسم کی اونچ نیچ ہوگی تو میں روز قیامت جاوید کو کیا جواب دوں گا؟“ وہ ہنسی آنکھوں سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ گئے تھے اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا اس کا سکتہ کو پاٹوٹا تھا اس نے لب بھینچ لیے تھے کہ وہ جو کہہ گئے تھے، جو چاہ رہے تھے اس کے بعد وہ کچھ کہنے، سوچنے کے قابل بھی نہیں بچا تھا۔

”میرے فیصلے کی لاج رکھ لو ارجم بیٹا! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔“ ان کے الفاظ ان کا عمل اس کے مردہ احساس کو گویا زندہ کر گئے اس نے بہت تڑپ کر ان کے ہاتھ تھامے تھے۔

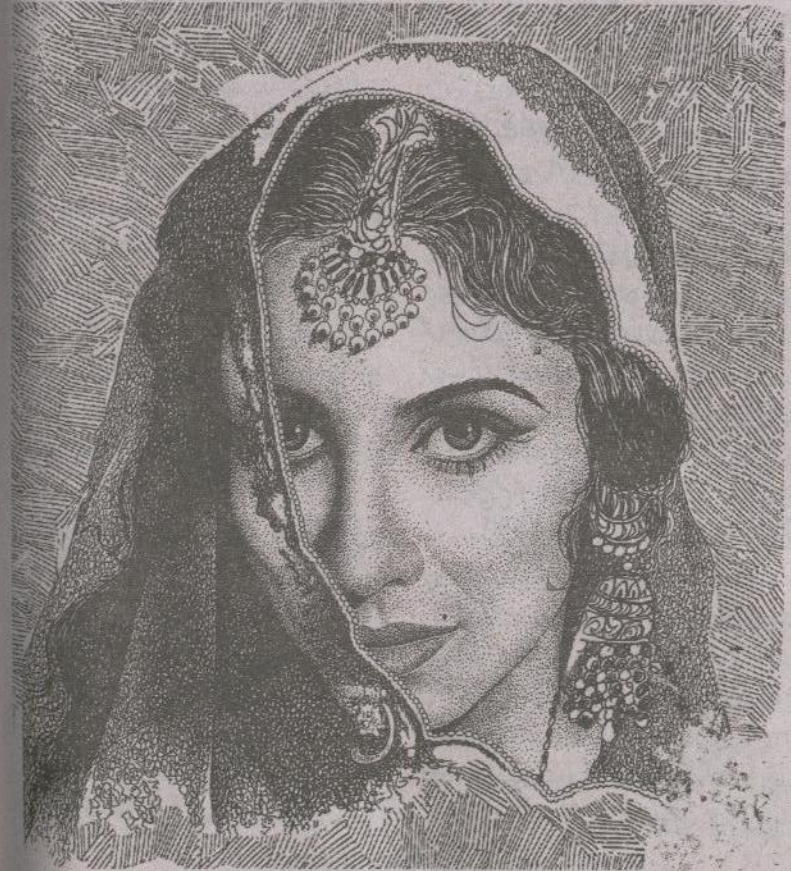
”ماموں جان! خدا را ایسا نہ کریں کہ میں آپ کی فیلنگو سمجھ رہا ہوں لیکن میں آپ کے فیصلے کا مان نہیں رکھ پاؤں گا، میں آپ کے فیصلے میں آپ کا ساتھ نہیں دے پاؤں گا۔“ وہ ان کے ہاتھ تھامے دھکی دھکی سے کہہ رہا تھا۔

”مجھے اندازہ تھا کہ تم نہیں مانو گے، لیکن اس وقت بات تمہاری سوچ، تمہارے احساسات کی نہیں ہے کہ بات جب عزت و غیرت پر بن آتی ہے تو سوچنا، سوچ کر فیصلہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ میں اس وقت بہت لاچار و بے بس ہوں، میری لاچاری کے ایک لمحے کو سوچو کہ میں اس وقت کتنا بے بس ہوں کہ بیٹی کا باپ ہو کر خود تمہارے آگے جھکا ہوں، دوست سوال بلند کر رہا ہوں، خدا را... ارجم! انکار نہ کرو کہ میرے خاندان کی عزت اب بس تمہارے ہی ہاتھوں میں ہے۔“ ان کے آنسو گرنے لگے تھے جو اس کے دل پر ٹپ چھوڑتے جا رہے تھے، اس

سلسلے وار ناول

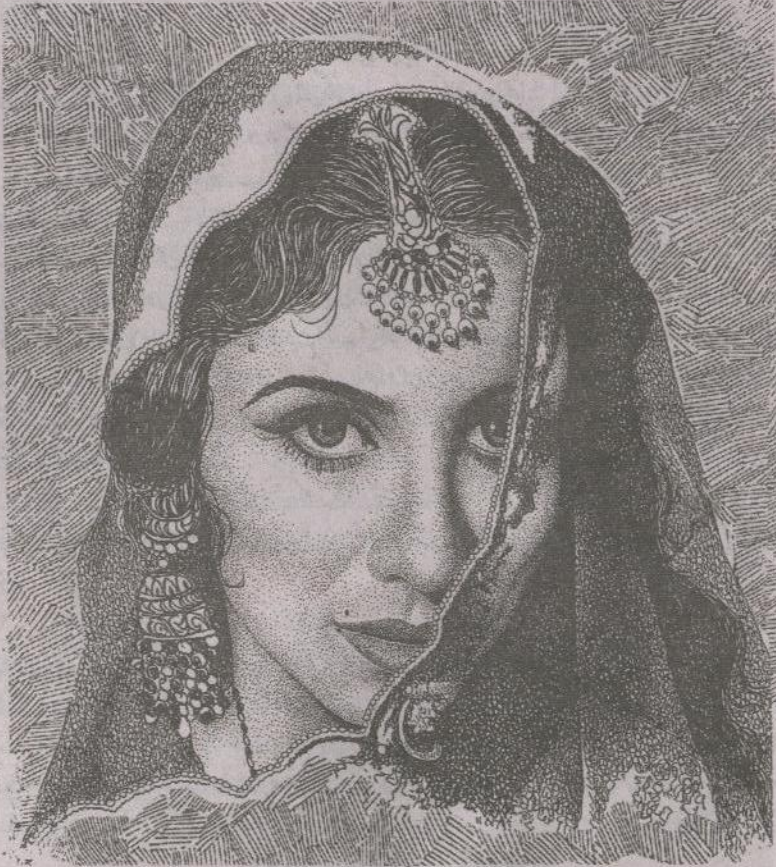
بشرقتا کہنے لگی جانا

اسے بستر پر لیٹے کئی ساعتیں گزر گئی تھیں، مگر نیند بھی کہ مہربان ہو کر نہیں دے رہی تھی، ایک اسی شخص کا خیال ذہن و دل پر دستک دیتا نیند کی راہیں مسدود کیے ہوئے تھا کہ اس کے ذہن کی اسکرین پر اس کا زخمی



چہرہ، لہو لہو ہاتھ لہرانے لگے تھے، وہ بے قراری سے اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کی برتھ ڈے کی شام اس کا بے دھیانی سے دیکھنا بھی جیسے کمال کر گیا تھا اس کی احترام دیتیں نگاہیں اس کے دل میں اتر گئی تھیں، اس کا نرم خوبصورت سنجیدہ لہجہ دل کی سر زمین پر محبت کا شت کر گیا تھا، اس کے بعد اس نے اسے بارہا سوچا تھا، اس کے عکس سے خود گفتگو ہی تھی اور آج کا اس کا لگنا تو اس کا دل سینے میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا کہ اسے تکلیف میں دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، دل رونے لگا تھا، ذہن و دل سے سدا بلند ہوئی تھی کہ وہ اس شخص کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، اس کو کھونے کا تصور ہی اس کے لیے سوا بان روح ہوگا۔

”میرے پیارے اللہ جی! اس شخص کو صحت دے جو میری دھڑکنوں میں آن بسا ہے اور اس کے دل میں میری محبت ڈال کر اس شخص کو میرا نصیب بنادے۔“ وہ مصلے پر بیٹھی زندگی میں پہلی دفعہ بہت دل سے کسی کی صحت یابی کی دعا کر رہی تھی اسے اپنے لیے آخری سانس تک کے لیے طلب کر رہی تھی، اس کی آنکھوں سے موتی گر رہے تھے، آغاز میں جذبوں کا یہ عالم تھا تو انتہا کہاں جا کر ہوئی تھی؟ آنسو دوپٹے میں جذبے کیے



اور بستر پر لیٹ گئی، بند آنکھوں کے پیچھے اس کا کس لہرایا اس کے لب مسکائے اور اسے سوچتے سوچتے سوئی تو خوابوں میں اسے ہمسفر بنالیا۔ کیا دعا مانگ لینے سے؟ خوابوں میں ساتھ چلنے سے؟ محبت مل جایا کرتی ہے؟ دل کا لکھا، دل کی چاہت، قدمت بن جایا کرتی ہے؟ وہ اس احساس سے ماورا ہو کر اپنے نئے جذبوں اور خوشنما احساسات میں گن گئی کہ آغاز سفر میں حقیقت نہیں کھلتی، کھلنے بھی لگے تو ملن اور وصل کی خواہش آنکھیں چرا لینے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ بھی ہر دوسرے احساس سے ماورا ہو کر محبت کی وادیوں کا سفر کر رہی تھی۔ ان وادیوں کا سفر جو دیکھنے میں حسین مگر اتنی ہی سخت اور خاردار نکلتی کہ وجود ہی نہیں روح و دل بھی پاش پاش ہو جائیں اور نہ جانے اس کے نصیب میں پاش پاش ہونا لکھا تھا یا محبت کی قبا میں سمٹ کر دو جہاں پالینا؟

☆.....☆.....☆

”فضیل! ارحم کو کیا ہوا ہے، وہ ٹھیک تو ہیں نا؟“ وہ روم میں داخل ہوا تو وہ جائے نماز تہہ کر رہی تھی، آہٹ پر متوجہ ہوئی اور بے قراری سے اس کی طرف بڑھی اور وہ اس کا سرخ متورم چہرہ دیکھ کر اپنی ازلی سادگی سے بولا تھا۔

”وہ ٹھیک ہے، خدا کا شکر ہے اس نے ارحم کو کسی شدید قسم کے نقصان سے محفوظ رکھا ہے۔“ اس کا نرم لہجہ پھواری طرح تھا، اس کا جلتا وجود، شعلوں میں گھرا دل کچھ پرسکون ہوا تھا۔

”تھینک گاڈ! کہ وہ ٹھیک ہیں، ورنہ میں تو بہت بری طرح ڈر گئی تھی، انہیں کچھ ہونہ جائے۔“ یہ خیال بھی سوہان روح تھا۔ وہ اس کے چوڑے سینے پر سر ٹکائے بکلتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ اس کے لہجے کی تڑپ، اس کا بکلتا اس کے ذہن میں کئی خدشات و سوال ابھار گیا تھا۔

”ڈونٹ وری زرمین! کہنا نا وہ ٹھیک ہے، ہمیں میری بات پر یقین نہیں آتا تو ہم ابھی الحسن ہاؤس چلتے ہیں، تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اور اس کی خیریت بھی پوچھ لینا۔“ وہ ذہنی نقش کش کے برعکس نرمی سے تسلی دیتے لہجے میں بولا تھا اور اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کے تمام احساسات جاگ اٹھے تھے وہ بڑی تیزی سے چار قدم پیچھے لے گئی تھی وہ اسے دیکھ رہا تھا جس کی سرخ نم آنکھوں میں عجب سانا اثر تھا، اپنی بے اختیاری پر شرمندگی، ڈر... وہ یکدم ہی نظر چرا گئی تھی اور اسے شادی کی شب کا اس کا گھبراہٹا، خوفزدہ ساروپ یاد آنے لگا تھا اور اس کی باتیں۔

”شادی اتنی ارجحی ہوئی کہ میں خود کو نئے رشتے کے لیے راضی نہ کر سکی۔“ کانوں میں اگر اس کی کہی باتوں کی گونج تھی تو آنکھیں اس کے سرخ چہرے پر جمی تھیں، وہ لرزتے ہاتھوں سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

”زرمین اب تک خود کو ہمارے رشتے کے لیے راضی نہ کر سکی تو صرف اس لیے کہ اسے مجھ سے محبت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہ تو محبت کر چکی۔“ یہ احساس کتنا اذیت ناک تھا اس کو اپنی رگیں گتیں محسوس ہو رہی تھیں، سانس لینا دشوار ہو رہا تھا اس کی آنکھوں میں لہو اترنے لگا تھا، وہ وہاں سے اس کے سامنے سے فی الوقت ہٹ جانا چاہتا تھا، اسی لیے پلٹا تھا کہ دھڑم کی آواز پر واپس رخ موڑا اور لمحہ ضائع کیے بنا اس تک پہنچا جو اپنے اعصاب پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال چکی تھی اور اب بے سدھ کار پٹ پر گری تھی وہ اس تک پہنچا اسے پریشانی سے بستر پر منتقل کیا اور ہوش میں لانے کی تدبیر کی۔

”فضیل! آئی ایم سوری، میں آپ کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی، مگر میں قسمت کے آگے مجبور، بے بس ہو گئی تھی۔“ وہ نیم بے ہوشی میں بوڑائی تھی، اس نے لب چھپتے ہوئے اس کی سر پریشانی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

”میں اس کے لیے شاید تمہیں کبھی معاف نہ کر پاؤں۔“ اس کے آزرده متورم چہرے کو دیکھتے ہوئے بوڑایا اور ڈاکٹر کو کال ملانے لگا۔

☆.....☆.....☆

”ممائی جان! کچھ ہو تو بات کیا ہے؟ کیوں اتنے مضطرب ہو؟“ وہ ماں کی آواز پر چونکا اور اس کی سرخ آنکھیں انہیں تڑپا گئی تھیں۔

”زندگی میں کچھ موڑ ایسے آتے ہیں کہ انسان ایسے فیصلے لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جن کا تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔“ اسے لگا تھا کہ اس کی ماں اس کی کسی تکلیف سے انجان نہیں۔

”حنین کے لیے تمہارے جذبات سے آگاہ ہوں اسی لیے نہیں چاہتی تھی کہ بھائی صاحب حنین اور تمہاری شادی کی بات کریں، مگر انہوں نے ایسا بہت مجبور ہو کر کیا ہے اپنے ماموں جان کی بات رکھ لو۔“ فریدہ کا لہجہ شیریں و سنجیدہ تھا۔

”پلیز ممائی! خدا راجپ کر جائیں، اس کے لیے اپنے احترام و جذبات کے مطالب نہیں بدل سکتا، آپ سب کیوں مجھے برزخ میں اتار دینا چاہتے ہیں؟“ وہ چیخ پڑا تھا۔

”تمہارے جذبات کچھ بھی رہے ہوں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حنین سے شرعاً تمہارا نکاح جائز ہے۔“ سبھی کی محبت میں وہ بیٹے کو نظر انداز کر گئی تھیں اور وہ مٹھیاں کھینچے اپنا ضبط آزار ہاتھ، بیٹے کی سرخ رنگت، بھڑکتی رگیں دیکھ کر انہیں شرمندگی کا احساس ہوا تھا کہ وہ سب اس کے لیے اسے مجبور کر رہے تھے جس کے لیے وہ خود راضی نہ تھے اور اسی وقت ارحم کا سیل بننے لگا نہ چار انہوں نے ہی اٹھایا تھا، نوید عالم نے جو کچھ کہا تھا اسے سن کر ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی اور یہی کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، اس نے پریشانی سے گھڑی کی جانب دیکھا تھا جو 4 بج رہی تھی۔

”آپ فکر مند نہ ہوں، حنین کو کچھ نہیں ہوگا۔“ وہ اپنی حالت بھلائے باہر کی طرف دوڑا تھا کہ یہ بات پریشان کن تھی کہ حنین اب تک گھر نہیں پہنچی تھی، اس وقت وہ یہ بھی فراموش کر گیا تھا کہ رات کو ہی نہیں کچھ دیر پہلے بھی اس نے تھوڑے دس کرنے کو فون کیا تو اس نے کال تک ریسپونڈ نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کی خراب طبیعت کا سن کر حال احوال دریافت کیا تھا کہ نوید عالم کے فیصلے نے اسے حنین سے خائف کر ڈالا تھا جبکہ اس کا کوئی قصور بھی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

”آ... آپ...!“ گاڑی رکی تھی اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ڈرائیور گاڑی سے اتر اٹھا اور بیک ڈور کھول کر جو شخص اس کے برابر آن بیٹھا تھا اسے دیکھ کر تو اسے خوف سے اپنے دل بند ہوتا محسوس ہونے لگا تھا جبکہ وہ اس کے حسین چہرے کو نکلتا دو ٹوک انداز میں بلا توقف کے بول اٹھا تھا۔

”حنین عالم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے پھیل گئی تھیں۔

”ایسے مت دیکھو! ورنہ میں خود پر اختیار کھودوں گا۔“ وہ اس کے بہت نزدیک موجود ای کو تک رہی تھی اس کے جذبات بھڑکا گئی تھی اس کا بہکا بہکا انداز اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گیا تھا اس نے گردن موڑی اور دو دروازیں کرنا چاہا مگر اس نے اس کے بینڈ توجہ ہونے ہاتھ پر اپنا مردانہ ہاتھ رکھ دیا۔
”پپ... پپ! مجھے جانے دیں۔“ کتنے ہی خدشات ذہن و دل میں ابھرے تو وہ بے بسی سے سسک اٹھی۔

”میں تمہیں نہ خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں نہ خود سے بدگمان، اس لیے میری ہر بات غور سے سن لو کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں خوف و بے اعتباری دیکھ کر دھیمے سے بولا تھا جبکہ وہ اب بچکوں سے رورہی تھی اور وہ بھی یکدم ہی اشتعال میں آ گیا تھا۔
”یوں گاڑی روک کر آج صرف یہ باور کروانے کو ملا ہوں کہ تمہارے تایا نے اگر تمہاری شادی مجھ سے نہیں کی تو میں زبردستی تمہیں کورٹ تک لے جاؤں گا اور یہ بات اب تم نے سمجھ کر اپنے گھر والوں کو سمجھانی ہے کہ یہ یاد رکھنا حنین عالم! کہ میں کچھ بھی کر سکتا ہوں، مطلب کچھ بھی!...“ وہ اس کا بازو گرفت میں لیے نہایت سختی سے بولا تھا۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ مجھے آپ سے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹاتی چینی تھی اور پھر دروازہ کھولنا چاہتا تھا۔

”مجھے چیلنج مت کرنا حنین عالم! تم مجھے جانتی نہیں ہو کہ اب تک تمہاری بدتمیزیوں تمہاری محبت میں برداشت کرتا رہا، یہاں تک کہ تھپڑ بھی بھول گیا ورنہ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ میرے سامنے ٹھہر سکے۔“ بازو ایسے کھینچا تھا وہ ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے آگئی تھی، اس کی آنکھوں میں سرسبکی سی اتری تھی، مگر وہ اس کی دگرگوں حالت کو بھی نظر انداز کر گیا۔

”تمہارے سامنے کم بخت دل کیا تھا کہ میں پوری ذات سے تمہارا غلام بن گیا، تمہارے عشق میں پاگل ہو رہا ہوں اور میرے پاگل پن کو تمہارا گریز کمزور بڑھاتا ہے یہ تمہیں اندازہ نہیں، اپنے اور میرے لیے خسارے نہ چنو حنین عالم! اور اس عشق کے غلام کی غلامی اختیار کر لو کہ میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں کے ہاتھوں کچھ غلط کر بیٹھوں۔“ وہ اس کے حصار میں چلی تھی اور اس نے جذبات کی رو میں ہنستے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

”چینی نہیں ہو کہ اب اس سے زیادہ کچھ سمجھاؤں امید ہے کہ تم اپنے گھر والوں کو منالوگی کہ تم نہ کر سکیں ایسا تو میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔“ اس نے ایک نظر اس کے لرزتے وجود اور کانپتے لبوں پر ڈالی اور گاڑی سے اتر کر لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا اور اسی وقت وہاں ارجم کی گاڑی رکی تھی اور وہ ارجم کے سینے سے لگی یوں روٹی تھی کہ ارجم کو اپنا لہو پانی ہوتا محسوس ہونے لگا تھا، مگر وہ اسے چپ کروانے کی ہمت خود میں نہیں پار تھا کہ اس نے ماہ کنعان کی گاڑی دیکھی تھی اس کی دگرگوں حالت اس کے سامنے تھی اور وہ ایک ایسا فیصلہ لے گیا تھا جس نے اس کی روح جسم سے ہٹنے والی تھی۔

☆.....☆.....☆

نوید عالم کے کہنے پر قاضی صاحب نے ایجاب و قبول کے لیے تمہید باندھی ہی تھی کہ کوئی آندھی طوفان کی طرح وہاں داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر ناگواری و خوف کے طے بٹے تاثرات وہاں موجود لوگوں کے چہرے

پر ظاہر ہونے لگے تھے۔

”یہ کیا حرکت ہے ماہ کنعان عابدی! ریو اور نیچے کرلو۔“ اس نے غصے سے ریو اور نوید عالم کی کتیشی پر کھچی تھی تو وہ غصے سے چیخ اٹھا تھا اور اس نے بھی لمحہ ضائع کیے بنا ہوا گھونگھٹ الٹ دیا تھا اور پستول دیکھ کر اس کی جان ہوا ہونے لگی تھی جبکہ اس پر بے اختیاری سی اتری تھی کہ سرخ جوڑے میں لائٹ میک اپ سونے کا بھاری زیور اور سرخ انگارہ لب اسٹک لگائے وہ اسے بے خود کر گئی تھی اور اسی کا فائدہ اٹھا کر اس نے ریو اور اس کے ہاتھوں سے جھپٹ لی تھی۔

”اس میں چھ گولیاں ہیں چھ کی چھ میرے سینے میں اتار دو ارجم الحسن! کہ آج میں یہاں سے زندہ گیا تو حنین عالم کو اپنے نام کر دیا کہ جی جی جاؤں گا کہ اسے میرا بننے سے صرف میری موت روک سکتی ہے۔“ ارجم الحسن نے ریو اور کارخ اس کی طرف کیا کیا وہ سینہ تان کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ ارجم نے اس کی جذبے لٹائیں سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا اور اس کا ہاتھ بے ساختہ نیچے ہو گیا تھا کہ اس شخص کی آنکھوں میں اسے سچائی نظر آئی تھی اسی لیے اس نے اس کی حمایت کی تھی، مگر نوید عالم نے اس کی نہیں سنی تھی اور اسے اس سچ پر لے گئے تھے جہاں اسے اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا تھا، اس کی ٹھٹکی سی محسوس کرتے ہوئے ماہ کنعان نے اس کے ہاتھ سے ریو اور جھپٹی اور اس پر نگاہ جمائے خاموش تماشائی بنے فیصل نے فاصلہ طے کیا مگر اتنی دیر ہوئی تھی کہ گولی اس کے سینے پر نہیں اس کے کاندھے کے پار ہو گئی تھی، فیصل تو اس کی رگ رگ سے واقف تھا اس کے چہرے سے ہی اس کا اگلا قدم سمجھ گیا تھا اور اس کی مداخلت ہی تھی کہ گولی اس کے سینے کے پار نہ ہوئی تھی۔

”پاگل ہو گیا ہے؟“ کتنی ہی چیخیں گولی کی آواز کے ساتھ بلند ہوئی تھیں اور وہ تڑپ کر اس کے نزدیک پہنچا تھا مگر وہ فاصلے پر ہو گیا تھا۔

”ہاں تیری محبت اور اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو گیا ہوں۔“ وہ چیخا تھا، وہ سب بے بسی و حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔

”تو مجھے کیسے اتنا بڑا دھوکا دے سکتا ہے فیصل! کیسے تو میری محبت کو مجھ سے دور کرنے کے لیے سچائی محفل میں شریک ہو گیا؟ کیسے تو نے مجھے لاعلم رکھا؟ اب تک میں دھیرج و صبر دکھاتا رہا، اپنی طاقت کا زور نہیں دکھایا تو صرف اس لیے کہ اسے تو نے اپنی بہن کہا تھا، تیری محبت میں اپنی محبت سے دست بردار تک ہونے کو تیار تھا اور تو نے کیا کیا، مجھے کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا، اگر میں اس وقت تیرے گھر نہ جاتا تو اس سب سے انجان رہتا تو نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تیرے باپ کی محبت تیری آنکھوں کے سامنے کسی اور کی بننے جاری تھی، یہی تھی تیری دوستی؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس کے کاندھے سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

”مجھے تیرا خیال تھا لیکن ماما کی قسم نے مجھے باندھ دیا کہ تو میرے لیے مجھ سے زیادہ اہم ہے ماہ! لیکن ماما سے زیادہ نہیں۔“ فیصل کو اس نے اب بھی اپنے قریب آنے نہیں دیا تھا تو وہ ضبط سے اس کی طرح تکلیف سے گزرتے ہوئے بھیکے لہجے میں بولا تھا۔

”فیصل ٹھیک کہہ رہا ہے کنعان! اسے کچھ بھی تمہیں بتانے سے میں نے منع کیا تھا اور اس نے میری بات مان تو لی مگر مجھ سے جب سے ہی ناراض ہے، اپنے دوست کی محبت پر شک نہ کرو اور یہ وقت گلے شکوے

کرنے کا نہیں ہے تمہارا بہت خون نکل رہا ہے، ہاسپٹل....!“ مہوش خود کو سنبھالتیں اس تک آئی تھیں۔
 ”یہ بہت معمولی ہے میرے لیے کیونکہ جو میرے ساتھ ہونے جا رہا تھا یہ سب تو میری جان لے چلا تھا۔“ اس کی آنکھوں کا کرب فیصل کے دل میں اتر گیا تھا۔
 ”میں اس وقت یہاں سے جا رہا ہوں مگر یاد رکھیے گا جنین کو صرف میرا بننا ہے کہ اس کے عشق میں جان لے بھی سکتا ہوں اور دے بھی سکتا ہوں۔“ وہ فریدہ سے لگ کر کھڑی روتی ہوئی جنین پر ایک نظر ڈالتا نوید عالم کو بہت کچھ باور کراتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”جنتا دکھ اس کے نکاح کی خبر سن کر نہیں ہوا تھا اتنا یہ سوچ کر ہوا تھا کہ ٹو نے مجھے کچھ نہ بتایا، یار ہے تو میرا، اور تو ہی میرے خلاف جا کر پراپوں میں جاملے۔“ اس کا خون بہت بہہ گیا تھا کچھ دیر قبل ہی وہ اسے گھر لے کر آیا تھا اور اس کے ایکسکو ذکر کرنے پر کہتا چلا گیا تھا۔

”وہ پرانے نہیں میرے اپنے تھے کنعان! اور ان کے روٹھ جانے کا ڈر تھا تو دل کو یہ تسلی تھی کہ جب تجھے میری مجبوری پتہ چلے گی تو تو اپنے یار کو معاف کر دے گا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔
 ”مگر آج جو تو نے اپنے ساتھ کیا اس کے لیے میں خود کو کسی معاف نہیں کر پاؤں گا، خود پر گولی چلا دی، کچھ ہو جاتا تجھے تو...؟“ وہ یکدم آ زردی سے ہنس دیا۔

”وہ سب تیرے اپنے تھے اس لیے وہاں موجود کسی بھی شخص کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔“
 ”پھر خود کو کیسے پہنچا گیا، جانتا ہے ناں تجھے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔“ وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔
 ”دل میں بسنے والے دونوں ہی اجنبی بنے تھے تو اپنے دل کو کیوں دھڑکنے کے لیے چھوڑتا وہ تو تو نے بروقت مداخلت کر دی ورنہ ابھی بیٹھا میرا قل پڑھ رہا ہوتا۔“ ششکشی سے ہنسا تھا۔
 ”بکواس نہ کر، آدمی جان تیری حرکتوں نے نکال دی، اب باقی جان کیا لفظوں کی مار سے نکال دے گا؟“ وہ اشتعال سے بولا تھا۔

”آئی ایم سوری فیصل! مگر اس کا کسی اور کا بن جانے کا خیال ہی میرے لیے سوہان روح ہے جبکہ تو جانتا ہے ناں کہ اس دن وہ ٹائی صرف اس لیے لیتا چاہی تھی کہ مجھے گوارہ نہ تھا کہ اس کی نگاہ کا لمس جس میں بسا تھا وہ کسی اور کے گلے میں سج جاتی، اسی لیے میں اتنا اور ری ایکٹ کر گیا، اس کو کھونے کے ڈر سے ہی اس کے ڈرائیور کو دھکا کر اس سے زبردستی ملاقات کی، کیوں کسی کو میرے جذبے نظر نہیں آ رہے؟ کیوں جنین کے دل تک میری محبت نہیں پہنچ رہی؟ کیوں میرا کوئی بھی عمل جنین کے دل کے دروازے میرے لیے نہیں کھول رہا؟ میں اس کے لیے جان دینے چلا تھا اور اس کی نگاہ میں میرے لیے ترحم تک نہ تھا، وہ کیوں میرے لیے اتنی بے حس ہو گئی ہے؟“ وہ جذباتوں کے زیر اثر آنکھوں میں حزن و ملال لیے بول رہا تھا اور آج وہ آگے سے کچھ نہیں بولا تھا کہ محبت تو احساس ہے جو خود یہ خود دل کی سر زمین پر جنم لیتا ہے اس کے دل کی دھڑکی محبت سے غم ہو گئی تھی اس کے دل کی تھقی اب تک سمو گئی تھی تو کوئی کیا کرتا کہ محبت جبراً تو نہیں کروائی جاسکتی؟

☆.....☆.....☆

فیصل آج کل نہایت اذیت میں تھا کہ اس سے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کی محبت اس کی بیوی کے ذہن و دل پر کسی اور کا بے لیاقت اور وہ کسی اور کوئی نہیں اس کا جگری یار اس کی محبتوں کا امین ارحم احسن تھا

وہ ایسے نقصان سے دوچار تھا کہ بن پانی کی پھلی کی طرح تڑپ رہا تھا اور اسی تڑپ سے گزرتے ہوئے وہ ایک سخت فیصلہ لے گیا تھا اور زرمین کو جیسے ہی اس کے فیصلے سے آگاہی ملی تھی وہ تڑپ اٹھی تھی، اس پیارے شخص سے دور جانے کا خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا کہ وہ اپنی سادگی، نیک فطرت اور محبت کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا تھا اور وہ اس سے اپنے جذبات بانٹنے کا سوچ رہی تھی کہ وہ خود ساختہ فاصلوں میں جدا بنائیں لارہا تھا۔

”فیصل!... آپ پلیز کہیں نہ جائیں۔“ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی وہ موقع نہیں دے رہا تھا کچھ گھنٹوں بعد اس کی فلائٹ تھی اور وہ ناراض ماں کو منا کر کمرے سے نکلا تھا کہ وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی جس سے بچنے کو وہ گھر میں ہی مشکل سے کچھ گھنٹے رہ رہا تھا۔

”میں باہر جا کر ڈائورس پیپر بیچ دوں گا۔“ وہ اس کو جانے سے روک رہی تھی اور وہ اسے اپنی زندگی سے ہی نکال دینا چاہتا تھا۔

”کیوں کر رہے ہیں ایسا فیصل؟“ وہ تڑپ اٹھی تھی اور وہ اس کی تڑپ پر تڑپ اٹھا تھا۔
 ”تم مجھے اگر پہلے سب بتا دیتیں تو یوں جبراً میرے ساتھ رہنا نہ پڑتا، حیرت و اب بھی نہیں ہوئی ہے۔“ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا چل رہا تھا کہ ضبط سے کہہ اٹھا تھا۔
 ”لیکن مجھے افسوس رہے گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا، مجھے دھوکا دیا، میرے جذبات کی توہین کی۔“ اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

”فیصل! میں نے تو آپ سے سچ، جھوٹ کچھ کہا ہی نہیں۔“ مہربان سے شخص کی سنگدل پریہ سسک اٹھی تھی۔
 ”یہی میرے لیے زیادہ اذیت ناک ہے، تمہارا خاموشی میں لپٹا دھوکا جھوٹ میری رگیں کاٹ گیا ہے زرمین! کہ باخدا تم مجھے اپنے دل کی ہر بات بتاتیں تو میں طرف کا مظاہرہ کرتا۔“ وہ جان کر اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا کہ اس چہرے پر وہ اداسی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں، میں تمہاری چوائس نہیں ہوں اور تمہیں اپنی چوائس کے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے اسی لیے میں اپنے حق سے دستبردار ہو جاؤں گا کیونکہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ باندھنا ہوتا تو آج ہمارے درمیان اتنے فاصلے نہ ہوتے، ہم آج بھی اجنبی نہ ہوتے۔“ اس نے نظر اٹھائی تھی آسوؤں سے ہیکے دھواں دھواں ہوتے متورم چہرے پر ڈالی تھی اس کی چمکتی مانگ پر اس کی نگاہ کھڑی تھی دل تھم گیا تھا، مگر وہ دل کی آواز و خواہش دل ہی میں دباتا اس کو روتا چھوڑ کر گھر سے ہی نہیں ملک سے ہی باہر چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ذوالفقار عابدی کو جیسے ہی بیٹے کے کارنامے کا پتہ چلا تھا وہ ناچار اس کی شادی جنین سے کرنے کو راضی ہو گئے تھے مگر ماہ لقا کو انہوں نے بڑی مشکل سے راضی کیا تھا کیونکہ کنعان ان کا کلوتا بیٹا تھا اور اس نے جس طرح خود کو گولی مارنے سے گریز نہ کیا تھا وہ حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے کہ اس کی ضدی و حاکمیت پسندی سے واقف تھے، ان کے دونوں بچوں کی تربیت و پرورش ان کی اسٹیپل مدرزر مینہ عابدی نے کی تھی جو صوم و صلوة کی پابند و حافظہ قرآن تھیں وہ دونوں بچپن سے اپنی سگی دادی سے زیادہ زرمینہ عابدی کے قریب رہے تھے اور ان کی تربیت و پرورش ہی تھی کہ ماہ لاج اور ماہ کنعان برائیوں کے درمیان رہ کر بھی اچھے رہے تھے ان میں

ڈھل نہ سکے تھے کہ اچھی تربیت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

☆.....☆.....☆

”ارحم بھیا! میری کوئی بھی نہیں سن رہا۔“ وہ کاؤچ پر اداس سی بیٹھی تھی۔

”تمہاری کوئی نہیں سن رہا تو تم سب کی سن لو۔“ وہ اس کا نفس آشنا تھا چند لفظوں سے ہی اس کا سارا موقف سمجھ گیا تھا اس لیے نرمی سے بولا تھا کہ جو فیصلہ لیا گیا تھا اس پر اسی نے اسے راضی کرنا تھا۔

”دس ازنات فیماں ارحم بھیا! آپ سب لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں، مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ میرا نکاح کس سے ہو رہا ہے اور زبردستی دہن بنادیا اور اب میری شادی فیصل بھیا کے دوست کے ساتھ کی جا رہی ہے۔“ اس کے آنسو گرنے لگے تھے اس نے نگاہ چرائی تھی کہ اگر وہ انجان رہی تھی تو اسے ساری زندگی انجان رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تا کہ وہ اس کی طرح تکلیف سے نہ گزرے۔ ارحم سے نکاح کا اس سے چھپایا گیا تھا کنعان سے شادی کی بات چلی تو وہ اس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے کہ ماہ کنعان کے پیرئش اس کا پرنسول لے کر آئے تھے اور اس لیے وہ اس کا دماغ کھانے پہنچ گئی تھی کہ کنعان سے شادی کا خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا۔

”ابھی صرف نکاح ہو رہا ہے اور حنین! زیادہ سوچنے یا الجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں لیں گے۔“ وہ نرمی سے بولا تھا۔

”اور غلط فیصلہ کیسا ہوتا ہے ارحم بھیا!“ وہ خشکی سے کہتی اسے چونک گئی۔

”وہ بالکل بھی اچھے انسان نہیں ہیں اور آپ لوگوں نے ایک خراب انسان کو میرے لیے چوز کر لیا ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ غلط فیصلہ نہیں لیں گے، جبکہ آپ سب جانتے ہیں، جانتے ہیں آپ وہ کتنے برے انسان ہیں، مجھے برے لگتے ہیں، ان سے خوف آتا ہے مجھے۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکانے لگے تھے۔

”کنعان کا اب تک تمہارے سامنے صرف مفتی کردار عمل سامنے آیا ہے اس لیے تم اسے غلط ماننے میں حق بجانب ہو۔“ اس کو پکلیں چھپکاتے دیکھ کر وہ نہایت نرمی سے کہنے لگا تھا۔

”لیکن سچائی سے مجموعی جائزہ لیا جائے تو وہ برا انسان نہیں ہے، اسی لیے ہم نے اس کے پرنسول کو تمہارے لیے قبول کر لیا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے، تم خوش رہو گی اس کے ساتھ۔“ وہ قائل کر لینے کے لیے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بہت طریقے سے ایک ایک لفظ بہت سوچ سمجھ کر بول رہا تھا۔

”آپ سمجھ کیوں نہیں رہے کہ مجھے ان سے شادی نہیں کرنی، وہ مجھے نہیں پسند۔“ وہ جھنجھلا کر بولی تھی وہ اس کو دیکھنے لگا اس کا حسین چہرہ غصے سے دھنک رہا تھا اور اس کے چہرے پر ماہ کنعان کے لیے واضح ناپسندیدگی چھیلی تھی، مگر ان سب کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اس کی پسند کا خیال نہیں کر سکتے تھے کہ ماہ کنعان نے ان سب کو بے بس کر دیا تھا یہ اور بات تھی کہ نوید عالم ہی نہیں اس نے بھی ہر طرح سے تسلی کے بعد ہی پرنسول ایکسپٹ کیا تھا مگر اس کا صاف انکار وہ ہارنے لگا تھا مگر بے بس تھا اس لیے اس نے کچھ سوچ کر پینئر ابدلہا تھا۔

”وہ شخص نہیں پسند تو صرف اس لیے شادی کر لو کہ میں ایسا چاہتا ہوں۔“ اسے اس کے مان جانے کی امید تھی کہ اس کی بات نے اسے رونا ہی بھلا دیا تھا وہ بے یقینی و نا اطمینانی سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

”جب میں خوش نہیں ہوں گی تب آپ کو پتہ لگے گا کہ آپ نے اپنی خاطر مجھ سے کتنا غلط فیصلہ کر دیا ہے۔“ وہ ابھی اور اس کے کمرے سے نکل گئی جبکہ وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆
ساڑھی میں ماندہ بے حد حسین لگ رہی تھی، اسجد کی نگاہ ٹھٹھک گئی تھی، مگر دوسرے ہی پل وہ نگاہ کا زاویہ بدلتا گاڑی میں بیٹھ گیا تو اسے بھی اس کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

”یہ شخص بھی میرا نہیں ہو سکتا، میں اس کی صرف لمبائی توجہ حاصل کر سکتی ہوں، کبھی دل میں جگہ نہیں بنا سکتی۔“ ماندہ کم مائیگی کے احساس میں ڈوبی سوچ رہی تھی کہ وہ پچھلے کچھ دنوں سے اس کی نگاہ کا ٹھٹھکانا، ٹھٹھک کر ٹھہرنا اور پھر پلٹ جانا محسوس کر رہی تھی مگر جب وہ کوئی پیش رفت کرنے کو تیار نہ تھا تو وہ تو مگر بھی پہل نہیں کر سکتی تھی، اس کا دل آندھیوں کی زد پر تھا مگر وہ بھرم رکھنے کو محفل مسکراتی پھر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ماہ کنعان کی نگاہ ابھی تھی اور ٹھہر گئی تھی، وہ دشمن جاں سیاہ انارکلی فراک اور چوڑی دار پا جامے میں سلور ستاروں سے بھرا سیاہ آنچل سر پڑا لے، نہایت نفیس سینڈل اور ماہر ہاتھوں سے ہوئے میک اپ اور چوڑی پہنے اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ ہر نگاہ اس پر ٹھہر ٹھہر جا رہی تھی اور وہ تو وہ تھا جو پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گیا تھا، اس کی خواہش کے مطابق آج ان کا نکاح بڑی سادگی سے چند رشتے داروں کی موجودگی میں ہو گیا تھا اور وہ روایتی دہنوں کی طرح صرف اس کی خواہش کے سبب تیار نہ ہوئی تھی کہ سیاہ رنگ کے لباس پر سب معترض تھے مگر اس نے کسی کے بھی اعتراض کو اہمیت نہ دی تھی اس کے تن پر بھی ایک ایک چیز اس کی پسند کی تھی اور اسے اپنی پسند پر رشک آنے لگا تھا، زمین نے اسے اس کے پہلو میں بیٹھایا تھا، اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی اور اس کے برابر بیٹھی باقاعدہ لرز رہی تھی اور اس کے عنابی لبوں پر مسکان سج گئی تھی، اور جیسے ہی اس کی نگاہ اس کے مومی حنائی پیروں پر پڑی تھی اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور وہ کھڑا ہو گیا تھا اس کے یکدم کھڑے ہو جانے پر سب ہی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے تھے کہ وہ اس کے قدموں کے پاس ہی ایک پیر اور دوسرے گھٹنے کے بل بیٹھا تھا اس کی اس حرکت پر کتنی ہی نگاہیں ساکت ہوئی تھیں، حیرت و استعجاب سے پھیل گئی تھیں اور وہ بھی بالآخر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی اور اس نے ایک دلفریب مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور وائٹ گولڈ کی نہایت بیش قیمت پازیب اس کے پیروں میں سجادی اس کے احساسات بہت عجیب سے ہو گئے تو وہ لب پکچتی نگاہ چرائی تھی۔

خود اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ کبھی یوں کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اسے کوئی تحفہ اتنے خوبصورت رو میٹک انداز میں دے گا، مگر اس کا سچا، محبت لانا تا انداز ساجدہ کے بے چین دل کو کچھ سکون دے گیا تھا کہ جو ہوا تھا اس سب میں ان کی مجبوری کا ہاتھ تھا اس لیے بے کلی و بے اطمینانی کنڈلی مارے بیٹھی تھی، وہ اس کو مسکرا کر دیکھتا کھڑا ہوا تھا اور اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا۔

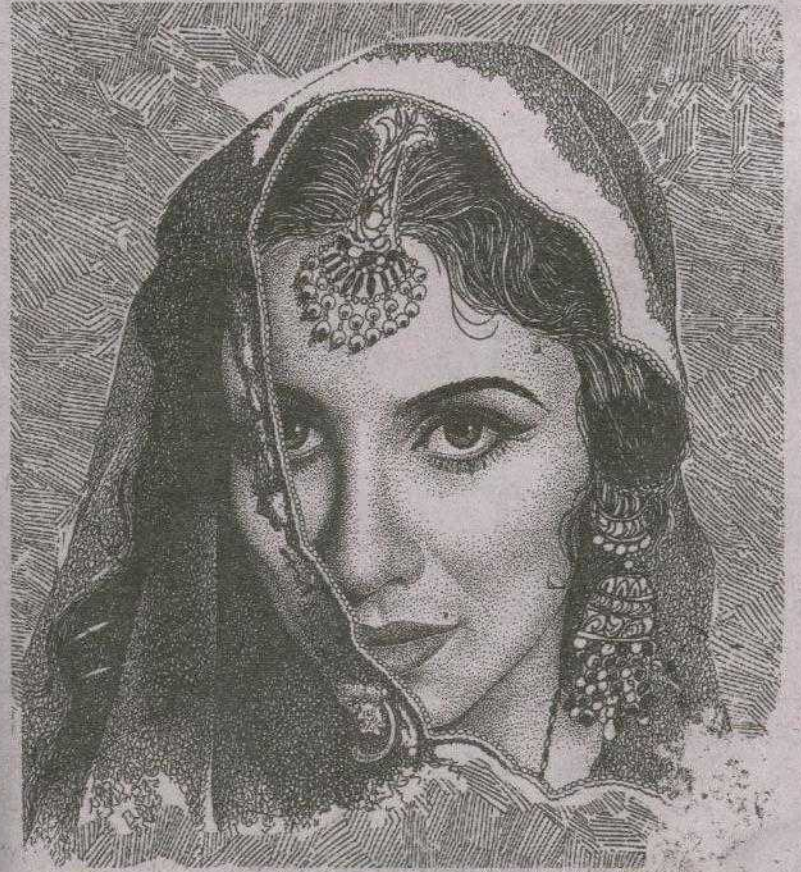
”میری طرف سے تمہارے لیے یہ پہلا تحفہ ہے اور جب تم جہز زدہ سالوں کے بعد رخصت ہو کر میری سونی زندگی کو اپنے وجود سے مہکا لے آؤ گی تب میں تمہیں اپنا آپ گفٹ کر دوں گا۔“ وہ سرگوشی کے سے انداز میں گھیس لہجے میں بولا تھا اس کی پکلیں لرزنے لگی تھیں، اور وہ اس کی حالت سے محفوظ ہوتا کچھ اور ہی سوچنے لگا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

بشرِ قبا کی زندگی جانا

”کیوں آئے ہیں اب یہاں، جایے یہاں سے، نہیں کرنی مجھے آپ سے کوئی بات“ تیسری دستک پر بھی کوئی آواز تک نہ آئی تو وہ دروازہ دھکیلتا بناء اجازت کے ہی کمرے میں داخل ہو گیا، وہ دشمن جاں بستر پر

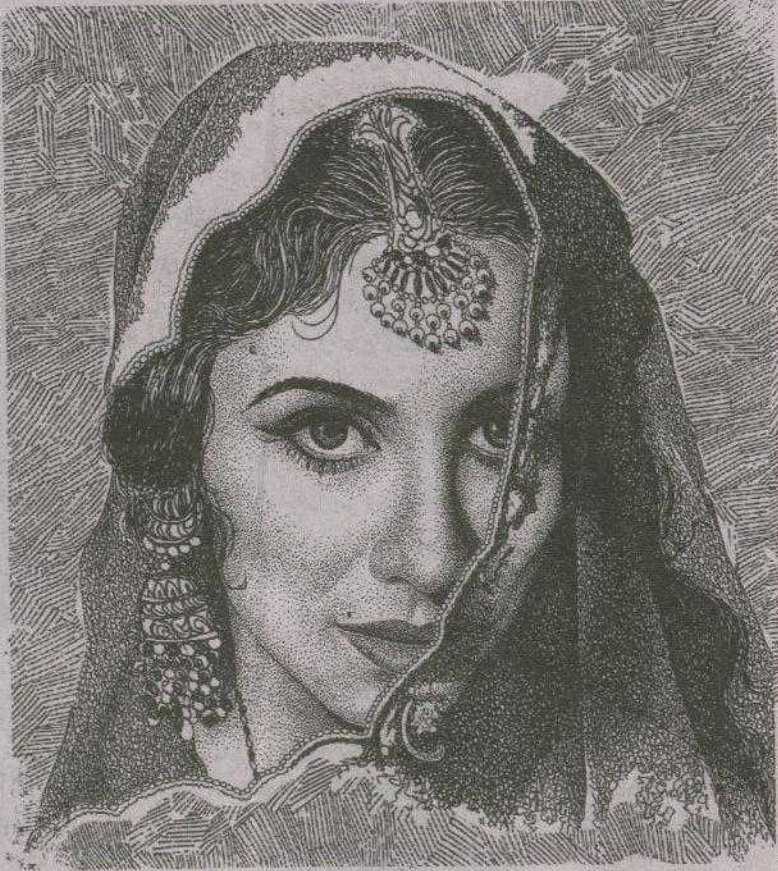


تکے میں منہ دیئے لیٹی تھی، وہ کچھ کہتا، اپنی آمد ظاہر کرتا کہ وہ اسی پوزیشن میں لیٹے لیٹے ہی بولی تو وہ حد درجے چونک گیا تھا۔

”آج جو کچھ ہوا اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، آپ نے مجھے خود سے محبت کرنے کی بہت کڑی سزا دی ہے ارحم!“ اس نے دستک کو ان سا کر دیا تھا، مگر کمرے میں پھیلی مخصوص کلون کی مہک وہ تکے سے منہ نکالے بغیر کہنے لگی تھی، کہتے کہتے جیسے ہی تکہ منہ سے ہٹا یا پانی لفظ منہ میں ہی رہ گئے تھے اور وہ جو ارحم اسن کو سمجھ کر بولنا شروع ہوئی تھی، ماہ کنعان کو دیکھا تو اس کی بولتی ہی بند ہو گئی، اور وہ بڑی سرعت سے اٹھ بیٹھی۔

”آپ میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟“ ناگواری سے بولی تھی اور دوپٹہ اٹھانے کو صوفے کی طرف بڑھی تھی کہ وہ اس کا بازو دو بوج گیا۔

”کچھ دیر قبل جو کچھ کہا اس میں کتنی سچائی ہے؟“ وہ کڑے تیوروں سے استفسار کر رہا تھا اس کے تو خاک



بھی لیے نہ پڑا البتہ اس کے تورا سے سہا ضرور گئے۔
 ”جواب دو جنین عابدی! کہ کچھ درپیش تم کیا بکواس کر رہی تھیں؟“ اس نے اس کی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے نئے حوالے پر زور ڈال کر مزید سختی سے پوچھا تھا کہ اس کے الفاظ ہی برے نہیں لگے تھے کمرے میں بکھری اس کی محبت سے ایس چیزیں اپنی ناقدری پر روتیں اسے غصہ دلا گئی تھیں۔
 ”ہاتھ چھوڑیں میرا، میں نے بار بار آپ سے اپنا ہاتھ نہیں تروانا ہے۔“ وہ سہم کر سسکی تھی اور وہ اس کے بہتے آنسوؤں کے سبب دھیمہ پڑ گیا تھا، اور اسے دیکھنے لگا، حسین جگہ گانی سیاہ فراک میں اس کا چاندنی سا سراپا اس کی آنکھوں سے دل میں اترا تا فریت کی جوت جگا گیا تھا، وہ اپنے اشتعال کو خیر باد کہے اس پر مہربان ہو رہا تھا، مگر اس کی مہربانیاں اسے کہاں، ضم ہو سکتی تھیں، اس کا لمس اسے بے چین کرنے لگا اور کوئی راہ فرار نہ پا کر ہر محنت کو کا کرت جاتے دیکھ کر وہ دھواں دھار رونا شروع ہوئی تو جیسے وہ بھی عالم مدہوشی سے نکل آیا۔
 ”صرف ایک بات کا جواب دے دو کہ نکاح میں تمہاری مرضی شامل ہے یا نہیں؟“ اپنے وجود پر اس کی گرفت ڈھیلی پا کر اس نے اس سے بچنے کو دشاں روم کی طرف دوڑ لگانا چاہی تھی کہ وہ اس کی ممر میں کلائی تھام کر تنجیدگی کے لبادے میں لپٹا پوچھ گیا۔

☆.....☆.....☆
 ”فیصل! آپ سو جائیں، میں نے ابھی اسائنمنٹ بنانا ہے۔“ وہ مصروف سے انداز میں کہتی اسے غصہ ہی تو دلا گئی تھی۔
 ”دن بھر کیا کرتی رہتی ہو، پڑھنے کا، اسائنمنٹ بنانے کا خیال تمہیں رات گئے ہی کیوں آتا ہے؟“ وہ

کڑے تیوروں سے پوچھتا ہے گڑبوائے پر مجبور کر گیا تھا۔
 ”زرمین بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے میں چکن میں ماما کے ساتھ مصروف تھی۔“ صفائی دی تھی۔
 ”یہ تو آج کی بات ہے ناں، لیکن تمہارا تو روز کا ہی یہ مسئلہ ہے، یہ مت بھولو کہ تمہاری شرطیں مان رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری نرمی سے فائدہ اٹھانا شروع کر دو۔“ وہ تھیکے انداز میں بولا تھا کہ وہ زیادہ تر تو میکے میں رہتی تھی اور گھر پر ہوتی تو صرف وہ ہوتی تھی اور اس کی کتابیں اس سے بدلہ لینے اسے تنگ کرنے کے لیے وہ جان کر اس کے آفس سے آنے اور خاص کر رات گئے پڑھائی کرتی تھی۔ مگر وہ یہ سب کافی عرصے برداشت کرنے کے بعد آج پھٹ پڑا تھا تو اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔

☆.....☆.....☆
 ”آئینہ یونیورسٹی کا کام آپ کی غیر موجودگی میں کر لیا کروں گی، فی الحال اسائنمنٹ بنانا ضروری ہے، اس لیے آپ!۔“ وہ اس کے غصے سے خاکف ہوئی منٹنا کر بولنے لگی تھی کہ وہ ٹوک گیا۔
 ”اس مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ ناراضی سے کہتا سونے کیا لینا اس کو مضطرب کر گیا تھا۔
 ”آئی ایم سوری، میں اپنی تمام شرطیں واپس لیتی ہوں اور یکا پراس، بڑھوں کی بھی دل سے، محنت کر کے۔“ اسائنمنٹ بنانا لازمی تھا کہ اس نے اب تک اپنی ازلی سستی کے سبب نہیں بنایا تھا آج کل، آج کل کرتے لاسٹ ڈیٹ سر پر آگئی تھی مگر اس کے ناراض ہونے کے بعد اس سے کہاں ایک لفظ بھی لکھا گیا وہ کچھ ہی دیر میں اس کے برابر دروازہ ہو گئی تھی اور جیسے ہی اس نے ناراضی کے اظہار کے لیے اس کی طرف سے منہ پھیر کر کرکٹ لی اس کے آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا اور وہ اس کے بہت قریب جاتی، شانے پر سر نکالتی نم لہجے میں بول گئی تھی، مگر اسے منانا بھی کون سا آسان تھا کہ وہ روٹھتا ہی نہ تھا، اور روٹھ جاتا تو اسے مناتے اسے دانتوں پسینہ آ جاتا تھا۔

☆.....☆.....☆
 ”میری جان چھوڑ کر اپنا اسائنمنٹ بناؤ کہ جانتا ہوں کل سمیشن کی لاسٹ ڈیٹ ہے۔“ اسے دور کرتا تنجیدگی سے کہہ گیا تھا۔
 ”مجھے نہیں بنانا، کتابوں کے ساتھ مجھے سر کھپاتے برداشت نہیں کر سکتے ہو تو اس مصیبت میں پھنسا یا ہی کیوں؟“ وہ سوں سوں کرنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆
 ”فیصل! میں یہ بات برداشت نہیں کر پا رہا کہ میری کوئی اہمیت نہیں ہے اس کی نگاہ میں، اور وہ ارحم... اس کے لیے اتنا اہم ہے کہ اس کی خاطر اس نے مجھ سے نکاح کر لیا ہے۔“ وہ کل رات سے ان دیکھی آگ میں جل رہا تھا، اور اپنی جگہ اس سے نہ کہتا تو پھر کس سے کہتا؟
 ”جب تو میری خاطر اپنی محبت سے دستبرداری قبول کرنے کو تیار ہو سکتا ہے، کسی کے سامنے جھک کر معافی مانگنے کے لیے رضامند ہو سکتا ہے تو جنین کیوں اپنے دوست کا اپنی دوستی کا مان نہیں رکھے گی؟“ وہ اس کی آنکھوں میں ارحم کے لیے ناپسندیدگی محسوس کر چکا تھا اور اس وقت جو اس کی آنکھوں میں تھا اسے ختم کرنے کو ضروری تھا کہ وہ اس کے لیے کوئی راہ نہ چھوڑتا۔

☆.....☆.....☆
 ”مطلب کیا ہے تیری بات کا؟“ الجھ کر ہر غصہ بھلا کر اسے دیکھا تھا۔
 ”مطلب صاف ہے مگر تو سچائی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ تیری نگاہ پر تو شک کی پٹی بندھنے لگی ہے۔“ نہایت خشکی سے بولا تھا۔
 ”میں جانتا ہوں اسی شک کے کیڑے کے سبب تو نے اس دن شاپنگ مال میں سین کری ایٹ کیا تھا، مگر تم یہ مت بھولو کنگھان! کہ ارحم بھائی اور جنین کے درمیان رشتہ داری ہے لیکن ان کی دوستی ہر رشتے سے بڑھ کر ہے تم فضول میں رشتوں کو داغدار نہ کرو کہ اپنے شک کے حلقے تم ان کی محبت کو محض غلط معنی ہی پہناتا سکتے ہو اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔“ ماہ کنگھان کی باتیں، اس کا عمل فیصل کو لمحے لمحے میں بائیر کر دیتا تھا۔
 ”شک نہیں کر رہا، مگر میں اس کے لیے بہت پوزیشنوں ہوں، اس کو ہوا بھی چھو لے تو مجھے برا لگتا ہے تو ارحم تو پھر جیتا جاگتا وجود ہے۔“ وہ بے بسی سے کہہ اٹھا تھا۔

”اب آئی تا بلی تھیلے سے باہر، پچھ نہیں ہوں جو تمہارے رویے اور فضول شرطوں کو نہ سمجھتا مگر ڈھیل دیتا رہا، آج تو ڈرامہ اس لیے کیا تا کہ تم یہ اعتراف خود اپنے منہ سے کرو۔“ وہ یکدم ہی شرمندہ ہو گئی تھی۔

”تم دن میں پڑھو پارا ت میں، اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر مجھے سامنے کو تم فضول میں اپنی نیند برباد کرنی رہتی ہو اور یہی نہیں چاہتا میں کہ تم کتابیں سامنے کھول کر اڑتی رہو، اس لیے کل سے میں خود انہیں پڑھایا کروں گا۔“ آپ اپنے دام میں صیاد آگیا وہ ایسی حالت میں پچھنی رو تا تک بھول گئی تھی۔

”آپ انتہائی برے ہیں فیصل! میں آپ کی شکایت ڈیڈی سے کروں گی۔“ رو ہا کسی ہو کر دھمکیوں پر اتاری تھی۔

”میں کتنا برا ہوں، اچھے سے جانتا ہوں، اس وقت تو مجھے نیند آ رہی ہے، خود بھی سوؤ اور مجھے بھی سونے دو اور رہ گیا تمہارا سائنٹ، تو وہ میں نے بنادیا ہے، کل سمٹ کروادینا۔“ وہ بنجیدگی سے کہتا اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

”تھینک یو سوچ فیصل! آپ بہت اچھے ہیں۔“ وہ خوش ہو کر سرشاری سے بولی تھی۔

”کبھی اپنی زبان پر قائم نہ رہتا۔“ اسے قریب کرتے ہوئے چھیڑا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

”پکا والا وعدہ اب پورے دل اور لگن سے پڑھائی کروں گی۔“ وہ اتنے عرصے میں حقیقتاً آج دل سے کہہ رہی تھی۔

”سوچ لو اب کہ وعدہ توڑا یا کوئی پکا نہ حرکت کی تو میرے ہاتھوں ضائع ہو جاوے گی۔“ وہ مصنوعی رعب سے بولا تھا، مگر اب کہ اس نے دل سے پوری ایمانداری سے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”اپنے سرال میں آ کر تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟“ وہ نکاح کے بعد پہلی دفعہ ”ماہ ولاز“ آئی تھی کہ ان لوگوں کے ایگزائمز ہونے والے تھے، ان چاروں نے کہا سن اسٹڈی کا پلان بنایا اور اس پر عمل درآمد ہوتا رہا اور آج ماہ لاج کے گھرا اسٹڈی کرنا تھی، اس نے کئی کتار اپنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ماہ لاج نے بھی منوا کر یہی دم لیا تھا۔ اس کے انکار پر اس نے ساجدہ سے بات کی تھی، ان لوگوں کو یہ بات مناسب نہیں لگ رہی تھی، مگر اجازت دے دی تھی کہ اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا اور وہ تو پہلے ہی نروس تھی، اندر ہی اندر اس کے سامنے کا سوچ کر یہ خوفزدہ تھی، ماہ لاج کی شرارت پر سرخ بڑ گئی تو وہ تینوں اس کی نروس سے محفوظ ہوتیں اودہ... اودہ... کر کے اسے مزید کنفیوڈ کرنے لگیں اور یہی سب کچھ دہریس میں ملازمہ جب ماہ لاج کے کہنے پر نکاح کی تصاویر لے کر آئی تب پوری ہو گئی، کہ وہ لوگ ایک ایک تصویر پر تبصرہ کرتیں اسے چھیڑ رہی تھیں کہ وہ گلابی کاٹن کے سوٹ میں حیا سے سرخ بڑتی اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ انھیں اسے ستانے میں مزہ آ رہا تھا، وہ خاموشی سے بس اگلیاں سروڑ رہی تھی یا لب چل رہی تھی اور نان اسٹاپ بولنے والی جین کی خاموشی سے وہ تینوں حظ اٹھا رہی تھیں۔

”قسم سے سب سے حسین یہ تصویر ہے۔“ اس نے اہم سے تصویر نکال کر اس کے سامنے کی تھی، بلاشبہ وہ ایک حسین تصویر تھی جس میں وہ بے یقینی سے ماہ کنعان کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے سامنے دوزانوں بیٹھا اسے پازیب بہنا رہا تھا۔

”تم بڑی چالاک ہو، میری آنکھوں کے سامنے میرے ہینڈسم لالہ جان کو اپنا بنالیا اور مجھے پیہ تک نہیں

چلا۔“ ماہ لاج کی آواز پر اس کی محویت ٹوٹی اور وہ نظر جھکا گئی۔

”لیکن مجھے تو اسی دن شک ہو گیا تھا، کنعان بھائی اس کے لیے کس قدر متفکر ہو گئے تھے اور کیسے کسی کا بھی خیال کیے بغیر اسے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئے تھے۔“ سمیرا بڑے مزے سے معنی خیز لہجے میں بولی تھی اور اس نے بہت چوک کر حیرانگی سے سمیرا کو دیکھا تھا اس کے لبوں پر گہری ہونٹ معنی خیز مسکراہٹ وہ بے چینی سی محسوس کرتی نظر آ رہی تھی۔

”بے چاری بے ہوش تھی ناں، اس لیے ان حسین لمحوں کو محسوس نہیں کر سکی تھی۔“ ماہ لاج ہنستے ہوئے بولی تھی۔

”شٹ اپ... اب تم لوگوں نے کوئی بکواس کی تو میں اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی۔“ وہ نئے انکشاف پر نہ صرف حیران تھی بلکہ شرم سے کٹ کر رہ گئی تھی، ان تینوں کی نظریں اور باتیں وہ رو ہا کسی ہو گئی اور بے چینی سی محسوس کر کے ماہ لاج کو ٹوکا ہی تھا کہ اسی وقت تک سب سے تیار بلیک پینٹ کوٹ، وائٹ شرٹ اور بلیک ٹائی لگائے خوشبو نکھیرتا وہ چلا آیا۔ اس نے ناک تک پہنچنے والی خوشبو کے سبب چوک کر سر اٹھایا وہ اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھرا جی جان سے اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ وہ دو چار قسم کے امپورٹڈ بریفوم استعمال کرتا تھا ان میں سے ایک وہی تھا جو اہم مستقل مزاجی سے یوز کرتا تھا اور اسی لیے وہ نکاح کی شام بھی غلط نہیں کا شکار ہوئی تھی اور آج بھی چوک اٹھی تھی، ان سب کی باتوں کے بعد اس کے سامنے نے اسے بے حد دے حساب پر حیا سا حجاب عطا کر دیا تھا، وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور اس کا ایک دم کھڑا ہونا وہ تینوں ہی دبی دبی ہنسی ہنس دتی تھیں۔

”مجازی خدا کی اتنی عزت۔“ ماہ لاج اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھی شرارت سے بولی تھی اس کا چہرہ مزید سرخ ہوتا جھک گیا جبکہ بہن کی شرارت پر اس کے عنابی لبوں کو تبسم چھو گیا مگر سمیرا پر نظر پڑتے ہی وہ سنبھلا اور احترام بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا بنجیدگی سے اس سے حال احوال پوچھنے لگا۔

”ہمارے سامنے بات نہیں کرنا چاہ رہیں تو ہم چلے جاتے ہیں۔“ اس کے سلام تک نہ کرنے پر لاج نے چوٹ کرتے ہوئے شرارت کیا تھا اور اس کی ہمت جواب دے گئی، آسو پلکوں سے ٹوٹے شرعی رخساروں پر لڑھکتے چلے گئے اور وہ اس کی طرف ایک بار پھر متوجہ ہونے پر مجبور ہو گیا۔ گلابی کاٹن کے سوٹ میں وہ متناسب سراپے کے ساتھ لائے بالوں کی پونی ٹیل بنائے حیا سے سرخ بڑتی بے تحاشہ حسین لگ رہی تھی کئی بار دل کی سرزمین پر جا گئے والی خواہش نے پھر انگڑائی لی تھی مگر وہ اس کے آنسو پھٹنے کی خواہش کو ٹھیک دیتا ایلیکٹروکریک کے چلا گیا کہ وہ بہنوں اور بھائی کی موجودگی میں نظر و دل کو چھلی چھوٹ نہیں دے سکتا تھا جبکہ نکاح کی شام بد مزگی سے ہونے والے سامنے کے بعد آج کافی دن بعد وہ نظر آئی تھی، اس کا دل تو کر رہا تھا کہ وہ بلی ہو، یں کھڑا اس کو دیکھتا رہے، لیکن وہ آفس کے لیے نکل گیا اور ان لوگوں نے اس کا موڈ آف ہوتے دیکھ کر موضوع بدلا اور توجہ سے پڑھائی کرنے لگیں۔ ماہ لاج کے پیرٹس آؤٹ آف کنٹری تھے، ان چاروں نے آج 10 بجے سے دوپہر 2 بجے تک دل جمعی سے پڑھائی کی اور کھانا کھا کر آرام کرنے لگیں، وہ تینوں تو دوپہر میں سونے کی عادی تھیں اس لیے سو گئی تھیں، مگر وہ عادت ہونے کے باوجود جی جگہ پر ان کمرٹ فیل کرنے کی وجہ سے نہیں سو سکی تھی، وہ بور ہو رہی تھی کہ اس کا سیل وائبرٹ کرنے لگا اور وہ اہم کا نمبر دیکھ کر مسرور ہوئی، ان تینوں کی نیند خراب نہ ہو اس لیے روم سے باہر آ گئی، مگر کال یس کرنے سے قبل اسے کچھ یاد آیا تو اس نے لائن ہی کاٹ دی، اہم کا

ایکسپٹ کرتا ہوں، ہمیں ہرٹ کرنے کی معذرت چاہتا ہوں، سواری فار ایوری ٹھنک! وہ نہایت نرمی اور جذباتوں سے چور لہجے میں اسے شانون سے تھاے کہہ رہا تھا اس نے اس کے الفاظ سے ضرور مگر خوف کے سبب محسوس نہ کیے تھے اور اسے پیچھے دھکیلتی فاصلے پر ہو گئی تھی۔

”آپ کے معذرت کرنے سے میری تکلیفیں دور نہیں ہو سکتیں، آپ نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، آپ کی بے باکیوں نے مجھے عجیب سے ہراس میں مبتلا کر دیا ہے، آپ کی وجہ سے میں اپنی آپنی کی شادی انجوائے نہیں کر سکی، صرف آپ کی وجہ سے میری بندیا گھوم رہی تھی، آپ کی وجہ سے میرا پیر زخمی ہوا تھا اور آپ ہی تھے جس نے میرا ہاتھ توڑ دیا تھا، آپ ہی تھے جس سے ڈر کر میں خود کو زخمی کر گئی تھی، اور آج تک درد برداشت کر رہی ہوں، اور آپ ہی ہیں وہ جس نے مجھے میرے ارم بھیا سے دور کر دیا ہے۔ وہ اس کو منہ کھولے بے یقینی سے کہتے ہوئے کہتے سن رہا تھا۔

”ڈھائی ماہ سے میں نے اپنے ارم بھیا سے بات نہیں کی، مگر آپ کو میری تکلیف کا احساس نہیں ہوگا کہ آپ بھی اپنے فادر سے دور نہیں ہوئے، بھی آپ کی بہن آپ سے ناراض نہیں ہوئی بھی آپ کے دوست فیصل بھیا نے آپ سے بات کرنا نہیں چھوڑی، مگر میں صرف آپ کی حمایت کرنے کے سبب، آپ کو سپورٹ کرنے کی وجہ سے اپنے ارم بھیا، اپنے بیٹے فرینڈ سے ناراض ہو گئی ہوں، اور جب آپ کے سواری کرنے سے نہ گزرا وقت لوٹ کر آ سکتا ہے نہ میری تکلیفیں دور ہو سکتی ہیں نہ ارم بھیا اور میرے درمیان فاصلے دور ہو سکتے ہیں تو میں کیوں آپ کی سواری ایکسپٹ کروں؟ نہیں کرنا مجھے آپ کو معاف کیونکہ آپ مجھے بہت برے لگتے ہیں۔ اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہوا تھا جبکہ وہ مسکرا دیا تھا کہ اس کی غلط فہمی جو اس نے دور کر دی تھی اور وہ اپنے اندر سکون اترتا محسوس کرنے لگا تھا، اس کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اگر ابھی اس کو معاف کرنے کو تیار نہیں، اس کی سننے کو نہیں تیار مگر وہ وقت آنا ضرور تھا جب ویسا ہونا تھا، جیسا وہ چاہتا تھا، جبکہ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ اس سے مزید بدگمان ہو گئی تھی، وہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ تینوں آگے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں اور وہ وضاحت نہیں کر سکا تھا ان کی آمد پر لپٹ گیا تھا، اور جبکہ ان تینوں کو ہی اس کو روتے دیکھ کر تشویش ہونے لگی تھی وہ کچھ کہتی کہ اس نے اس کے رونے کے جواز کے طور پر موبائل ٹوٹنے کی کہانی سناؤ لی تھی، یاہ لاؤنج تھیر ہوئی تھی لیکن ان دونوں کو حیرت نہ ہوئی تھی بلکہ حیرش اسے آگے بڑھ کر تسلی دینے لگی تھی کہ وہ جانتی تھی کہ ارم اور اس سے وابستہ ہر چیز اس کے لیے کس قدر اہم تھی جبکہ وہ آج پھر اس کی بدگمانی دور کرنے کے بجائے اس میں اضافہ کرنا بوجھل دل میں ملال لیے وہاں سے نکل گیا تھا مگر ارم کو لے کر جس شک کا شکار تھا آج وہ اس نے خود ہی زائل کر کے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

”میں اور آ پائیگم مارکیٹ تک جا رہے ہیں، ہمیں کچھ منگوانا ہے تو بتاؤ۔“ وہ اکیلے ہی لان میں گھاس پر بیٹھی کسی قدر اداس اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی کہ ماں کی آواز پر جوگی تھی، اسی کا متورم چہرہ اور اداسی دیکھ کر ان کا دل کٹ کر رہ گیا کیونکہ کافی عرصے سے وہ اس کی خاموشی تو محسوس کر رہی تھیں، انہیں وہ ڈسٹرب لگتی تھی مگر ان کے لاکھ پوچھنے پر بھی کچھ بتاتی نہیں تھی، مگر اب نکاح کے بعد تو اس کی خاموشی اور اداسی بڑھ گئی تھی، اور اپنی چھٹی بینا کی خاموشی و آرزوئی ان کو کیسے بے چین کر رہی تھی یہ تو بس وہی جانتی تھیں۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ وہ اندر جانے لگی تھی کہ وہ بیٹی سے بے حد پریشانی سے پوچھنے لگی تھیں اور

دوسرے شہر میں تبادلہ ہو گیا تھا مگر وہ اس سے ناراض بھی اس لیے جب وہ جا رہا تھا ملنے آیا تب بھی بات نہیں کی تھی کہ اس کی اور ارم کی لاسٹ ٹائم اسی دن بات ہوئی تھی جب اس نے نکاح کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی اور اس بات کو اب ڈھائی ماہ ہونے والے تھے سیل فون مستقل و امیریت کر رہا تھا اور اسکرین پر بلیک ہوتا ”ارم بھیا“ اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے، مگر اس نے بہت چاہنے کے باوجود کال ریسیو نہیں کی، اس نے لاؤنج میں بے چینی سے بیٹھی اور بار بار جھللاتی آنکھوں سے سیل فون کی اسکرین کو دیکھتی تھیں کہ حیرت سے دیکھا تھا اور اس کی بے چینی اسے بھی بے چین کر گئی، نظروں کا ارتکا ز سب محسوس کر کے اس نے منہ پر کر نگاہ اٹھائی اور اسے دیکھ کر تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، ہاتھ سے سیل فون چھوٹا اور یکدم مارے بے یقینی و دکھ کے اس کی آنکھیں جھیل گئیں، اس نے بڑی بے قراری سے جھک کر سیل فون اٹھا لیا، اسکرین پر پڑ جانے والا اسکرینچ، ٹوٹ جانے والا کور، وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔

”جنین! اتنے سے موبائل کے ٹوٹنے پر اس طرح تو مت روؤ۔“ اس سے چند قدموں کی دوری پر رکتا نہایت نرمی سے بولا تھا۔

”یہ آپ کے نزدیک اتنا سا موبائل ہوگا، مگر میرے لیے کتنا اہم تھا، آپ کو کیا معلوم۔“ وہ روتے ہوئے اس کو ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے بولی تھی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

”یہ میری لائف کا فرسٹ موبائل تھا جو ارم بھیا نے مجھے دیا تھا اور جو صرف آج آپ کی وجہ سے ٹوٹ گیا ہے۔“ وہ ہچکچاہٹ سے روتے ہوئے بول رہی تھی، اس نے لب بچ لیے۔

”آپ جب میرے سامنے آتے ہیں، میرا کوئی بڑا نقصان کر دیتے ہیں، کیا لگاڑا ہے میں نے آپ کا، جو آپ یوں مجھے تکلیف دینے میں راحت محسوس کرتے ہیں؟“ وہ اس کو ناگواری و بدگمانی سے دیکھ رہی تھی۔

”میں کس بات، کس چیز میں راحت محسوس کرتا ہوں، کاش کہ تم یہ سمجھ پاتیں۔“ وہ سرخ آنکھوں سے اس کو ہلکتے دیکھ کر دل میں اٹھتے درد سے گھبرا کر بولا تھا۔

”میں سمجھتا بھی نہیں چاہتی، آپ کے لیے بہتر ہوگا کہ آپ مجھ سے دور رہیں، مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔“ اس کے لہجے میں واضح اس کے لیے ناپسندیدگی تھی۔

”یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔“ وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے قدرے برہمی سے بولا تھا، جنین نے اس کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا جو ضبط سے سرخ ہونے لگا تھا اور پھر نگاہ چرائی۔

”اور تم مجھ سے کتنا ہی فرار حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کرو، تمہارے سارے راستے پھر بھی آکر مجھ پر ہی رکیں گے۔“ وہ اس کے بہت نزدیک آن کھڑا ہوا تھا، وہ بے اختیار پیچھے ہونے لگی تھی کہ اس نے اسے شانون سے تمام لیا تھا اس نے بے حد ہراساں ہو کر اس کی جانب دیکھا تھا کہ وہ پہلی ملاقات تو کیا نکاح کی شام کی اس کی بے باکیاں اور جارحیتیں بھی بھولی تھی اور اسی لحاظ سے بے چین ہوئی تھی۔

”میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں جنین! اور پلیز تم اپنی ہر ناراضی بھلا دو، ہر بدگمانی دور کر لو کیونکہ تمہاری آنکھوں میں، میں اپنا عکس محبت سے لہراتے دیکھتا چاہتا ہوں، تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی، ناگواری اور اپنی طرف سے خوف نہیں دیکھ سکتا، کہ ہمارے درمیان اب تک جو ہوا وہ غلط تھا، میں اپنی ہر غلطی

”ہاں بھئی! کتنا تھا تب اس احساس ہوا تھا کہ اسے بخار ہے۔“
 ”نہیں تو بخار ہے، بتایا کیوں نہیں سمجھے؟“ وہ بے چینی سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔
 ”میں ٹھیک ہوں می! وہ ہاتھ چھڑا کر اندر چلی گئی تھی۔“
 ”ہائی! آپ یہاں ایسے کیوں کھڑی ہیں؟“ مائدہ ان تک آئی تھی اور انھوں نے تمہلے میں اس کے عجیب و غریب رویے کا بتایا تھا۔
 ”نکاح کے بعد سے تو بالکل ہی سمجھ کر رہ گئی ہے، کھانے پینے کی طرف بھی توجہ نہیں دیتی، ابھی بھی اسے بخار ہے، ہم سے کوئی بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، ہم نے جنین کی زندگی کا غلط فیصلہ کر دیا ہے؟“ وہ مائدہ سے دل کی بات کہنے لگی تھیں۔

”ایسا نہیں ہے مائی! بے شک ہم نے کنعان بھائی کے دباؤ میں آ کر یہ فیصلہ لیا ہے، مگر کنعان بھائی ایچھے انسان ہیں، جنین سے محبت کرتے ہیں، ارحم بھیا اور فیصل بھائی نے ان کی گارنٹی لی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا کیونکہ جنین کو تو جانتی ہیں مزاج اور پسند کے خلاف تو بھی ایک شکا نہیں لیا اور ایسا شخص جو اسے ناپسند ہے اس کا شریک سفر بن جانا، وہ ایک سبب نہیں کر پاری، مگر وقت کے ساتھ کر لے گی کیونکہ کنعان بھائی اپنی محبت سے اس کا دل جیت لیں گے۔“ وہ نرمی سے بول رہی تھی کہ اس نے اس شخص کی آنکھوں میں جنین کے لیے بہت سچے جذبات محسوس کیے تھے، راشدہ کے آجانے پر وہ بوجھل دل کے ساتھ بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعا کرتیں، بہن کے ساتھ چل بڑی تھیں اور وہ اندر بڑھتی کہ چوکیدار نے اسے ایک گفٹ پیک لاکر دیا جو کوریئر کے ذریعے جنین کے لیے بھیجا گیا تھا اور بھیجنے والا کوئی اور نہیں خود سے بھی تھا اور اس شخص سے بھی تھا لڑکی کا شریک سفر ماہ کنعان عابدی تھا۔ اس کے لبوں نے مسکراہٹ کو چھو لیا اور وہ اپنے مزاج اور عادت کے برخلاف پورے جوش سے جنین کو پکارنے لگی تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر وہاں چلی آئی۔

”یہ کیا ہے مائدہ اپنا؟“ وہ گفٹ لیے بغیر سوال کر رہی تھی۔
 ”کھول کر دیکھو گی تو پتہ چلے گا کہ تمہارے کنعان صاحب نے گفٹ دینے کی ابتدا ہی خوبصورت انداز میں کی تھی، اب تو محض اس کو آگے بڑھانے کا سب سے آسان طریقہ اپنا کر گفٹ کوریئر کر دیا ہے۔“ وہ شرارت سے بولی تھی اور وہ سنجیدہ سی مائدہ کو حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔
 ”یار! مجھے ہی دیکھتی رہو گی، پکڑ اپنا گفٹ اور کھولو، میں بھی تو دیکھوں انھوں نے اتنے پیار سے تمہیں کیا بھیجا ہے؟“ اس نے مسکرا کر زبردستی وہ گفٹ پیک اسے تھمایا تھا۔
 ”مجھے نہیں کھولنا، مجھے ان سے کوئی گفٹ نہیں لینا ہے، آپ اسے اٹھا کر پھینک دیں۔“ وہ ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزرتی بولی تھی۔ مائدہ نے ایک نظر اس کے سرخ چہرے پر ڈالی اور اس کے ہاتھ سے نہ صرف گفٹ پیک لیا بلکہ ایک ہاتھ میں اسے سنبھالتی دوسرے سے اس کی گلائی تھامتی صوفے تک اسے لے گئی تو وہ بھی خاموشی سے بیٹھ گئی۔

”کسی بھی انسان سے محبت اور نفرت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی یہ دونوں احساس ذہن و دل میں کیوں سا جاتے ہیں یہ آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا۔“ وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تو وہ اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

”کنعان بھائی کو ناپسند کرنے کا ہو سکتا ہے تمہارے پاس کوئی سبب ہو یا پھر وہی بے سبب احساس کہ

انسان سے محبت ہو جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں، نفرت ہو جائے تو اس میں کوئی اچھائی نہیں۔“ اس نے یکدم نظر چرائی کہ اس کی تمہید اسے اب سمجھ آ گئی تھی۔
 ”لیکن جنین کوئی بھی احساس حرف آخر کی طرح نہیں ہوتا، محبت میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں، محبت میں شدت نہ آئے تو وہ محبت اور شدت آ جائے تو وہ عشق اور نفرت ٹھہری رہی تو ایک احساس، بڑھے تو انتقام اور میں جانتی ہوں تم کسی سے نفرت نہیں کر سکتیں، ماہ کنعان عابدی صرف تمہیں ناپسند ہے اور وقت کے ساتھ ناپسندیدگی، پسند میں بھی بدل سکتی ہے کیونکہ پسند ایک نارل سا احساس ہوتا ہے جس میں شدت اتنی نہیں ہوتی کہ تبدیلی کی گنجائش نہ ہو۔“ وہ کچھ دیر کے لیے رکی تھی۔

اور کچھ رشتوں میں بہت گنجائش ہوتی ہے، تمہارے دل میں زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر دیر سویرے ناپسندیدگی کے جذبات نکل جائیں گے مگر یاد رکھنا جنین! کہ وقت گزر جائے تو سب بے کار ہوتا ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، دونوں میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا مگر ایک دفعہ گرہ لگ جائے تو وہ کھلتی نہیں، کنعان بھائی تم سے محبت کرتے ہیں اور محبت کے مقابلے میں نفرت ایک خراب منفی احساس ہے اور جب تمہیں اب زندگی کنعان بھائی کے ساتھ ان کے حوالے کے ساتھ گزارنی ہے تو تم اپنے احساسات کو فراموش کر دو کہ تمہارے احساسات ان کے احساسات کے مقابلے میں منفی ہیں، اور منفی چیز کے اثرات بھی منفی ہوتے ہیں، کچھ وقت گزرے گا تم پر ان کی اچھائیاں کھلیں گی تم قبول کر لو گی مگر اتنے عرصے میں اگر ان کا دل خراب ہو گیا، مثبت جذبے، منفی روپ دھار گئے تب کیا کرو گی؟ اس لیے زندگی سے کچھ تو کرنا سیکھو، کیونکہ میرا مانتا ہے کہ عورت کو قربانی دینی پڑتی ہے، اپنی، میں اور ان کی قربانی۔ اپنے احساس، اپنے جذبات کی قربانی، ہاں بس میرا پنا مانتا ہے کہ اپنے چند اپنی عزت نفس کی قربانی نہیں دینی چاہیے جبکہ عورت کو یہ سب بھی قربان کرنا پڑتا ہے، زندگی میں، میں نے بہت سی جگہوں پر سیکری فائز کیا، آگے بھی کروں گی کہ عورت میں سے سیکری فائز نکالا ہی نہیں جاسکتا، میں بھی اپنے اندر سے نہیں نکال سکتی، لیکن میں اپنی عزت نفس کو کسی موڑ پر قربان نہیں ہونے دوں گی یہ میں نے اپنی زندگی کے لیے سوچا ہے اسی طرح تم بھی اپنی زندگی کے لیے سوچ لو، مجھ کو فیصلہ کر لو کیونکہ اس طرح زندگی نہیں گزرتی۔“ اس نے بہت دھیمے نامحاذ انداز میں اسے بہت کچھ سمجھایا تھا۔

”ایسا! میں ان کے بارے میں اچھا نہیں سوچ پاتی، میں بہت ڈسٹرب ہوں، وہ مجھے اچھے نہیں لگتے اور سب جس طرح ان کے حوالے سے میرے پیچھے پڑ رہے ہیں، بار بار میرے سامنے ذکر کر رہے ہیں تو میرے اندر چڑچڑاہٹ سی جنم لے رہی ہے، پلیز آپ سب مجھے کچھ وقت دیں کہ میں نے نکاح صرف ارحم بھیا کے کہنے پر کیا ہے، اب مجھے ان رشتوں کو خود سے سمجھنے دیں، کچھ موقع دیں کہ میں ابھی اپنے احساسات نہیں سمجھ پا رہی تو ان کے احساسات کیسے سمجھوں؟“ وہ اپنی بے بسی پر رو پڑی تھی۔

”تم اپنی جگہ درست کہہ رہی ہو، مگر سمجھنے کی ابتداء تو کرنی ہی ہو گی، جو آج ہی کر لو۔“ وہ دھیمے سے مسکرائی اور اس نے اسے گفٹ کھولنے کو دے دیا۔

”یہ محض گفٹ نہیں ان کے کچھ جذبات ہیں، انھیں محسوس کرنے کی کوشش کرو۔“ وہ گویا اسے اکسار ہی تھی اور وہ راہ فرار نہ پا کر جھنجھلا اٹھی تھی اور نہ جانتے ہوئے بھی گفٹ کھولنے لگی تھی۔ اس درمیانے سائز کے ڈبے میں سے تین مختلف سائز کے گفٹ پیک نکلے تھے، اس نے پہلا گفٹ کھولا تھا نہایت حسین نازک سی ڈائمنڈ کی بنڈیا تھی، اس نے دوسرے پیک کا رپر ہٹایا کاغذ کی گلابی چوڑیاں دیکھ کر اب اس نے تیسرا پیک کھولا اس کی

ہی نہیں ماندہ کی بھی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں، اور جیسے ہی اس کی حیرت ختم ہوئی وہ غصے سے جھنجھلائے لگی تھی اور ماندہ حیرت سے نکلتی بے ساختہ ہنسی چلی گئی تھی، اجبد جہاں تھا وہیں تم گیا تھا کہ اس نے پوری زندگی میں پہلی دفعہ اسے ہنسنے ہوئے بلکہ بے تحاشہ ہنسنے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی ہنسی اتنی مزہم تھی کہ اجبد کو وقت کی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ! یہ پین کمر، بینڈ تاج اور خون کی بوتل، کنعان بھائی نے تمہیں گفٹ کی ہے، مگر کیوں؟“ وہ بے تحاشہ ہنسنے ہوئے کہتی آخر میں سوال بھی کر گئی تھی اور اسے ایک لمحہ لگا تھا سب سمجھنے میں کہ اس نے اپنے جتنے نقصانات گنوائے تھے اس میں سے اس نے ان ہی نقصانات کو پورا کرنے کی حامی بھر لی تھی، جبکہ بندیا اور چوڑیوں تک تو ٹھیک تھا، پین کمر، بینڈ تاج اور خون کی بوتل تک اس نے بھیج دی تھی اس نے تھے تھے انداز میں اپنے مخصوص انداز میں اسے کل کی بات بتا دی تھی۔ اجبد کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ وہ بے تحاشہ ہنسنے کے سبب اب اپنے آنسو دوڑنے میں جذب کر رہی تھی۔ اس نے غصے سے تمام چیزیں سائیز میں کیوں اور جانے کو کھڑی ہو گئی تب ہی لینڈ لائن نمبر پر کسی کی کال آنے لگی، ماندہ نے لب بھینچ کر اجبد کی طرف دیکھا جو فون پر بات کر رہا تھا۔

”خنین! تمہارا فون ہے۔“ اجبد سے ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے اس خیال سے وہ بڑی فرمانبرداری سے فون سیٹ کی طرف بڑھی تھی، اجبد نے ایک نظر اس پر ڈالی جس کا نگاہی چہرہ اتاری ہو رہا تھا، آنکھوں کی سطح کیلی تھی، وہ دھانی رنگ کے شلوار سوٹ میں ہر آرائش سے پاک اپنے اندر کی چٹائی اور پاکیزگی کے سبب انتہائی حسین اور پر نور لگی تھی اس کی نگاہ وہ خود پر محسوس کرتی عجیب سے احساس میں گھرنی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی کہ وہ اس کی زندگی کا کوئی چور لچہ نہیں بیٹھا چاہتی تھی اپنا ہر حق، عزت و مان کے ساتھ پانا چاہتی تھی، اجبد نے اپنے اندر غصے کی لہریں دوڑتی محسوس کی تھی اور وہ اُلٹے قدم گھر سے واپس نکل گیا تھا۔

”پہلو!“ اس نے ریسپورڈاٹے ہی کہا تھا۔

”خنین! تمہیں گفٹ پسند آئے؟“ وہ اس کے آتش مزاج سے واقف تھا اور اسے ڈرتا تھا کہ وہ اس کی آواز سن کر ہی فون بند نہ کر دے اس لیے ڈائریکٹ وہی پوچھا جس کے لیے فون کیا تھا۔

”فضول لفٹس کس کو پسند آ سکتے ہیں؟“ وہ غصے و ناگواری سے کہہ اٹھی تھی، جبکہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”اوہو.... کچھ بھی پسند نہیں آیا جبکہ میں نے ایک ایک چیز بہت دل سے لی تھی اور سوچا تھا کہ تمہارے کچھ نقصانات اور تکلیفیں تو دور کر دوں گا۔“ وہ نہایت مصومیت سے بولا جبکہ وہ اپنی شرارت پر مبسم تھا۔

”شٹ اپ! آپ ان فضول باتوں اور حرکتوں سے آخر ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟“ وہ غصے سے باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

”صرف یہ کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، تمہیں تکلیف انجامانے میں دی، تمہاری ہر تکلیف دور کر کے تمہارے ہر نقصان کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ اب کے بخیدگی سے بولا تھا۔

”آپ اپنی فضول حرکتوں سے باز آ جائیں، آپ نے میرا مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔“ اس نے غصے سے فون شیخ دیا تھا اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس کے ستارے ہی گردش میں تھے کہ وہ کچھ اچھا بھی کرتا تو وہ خفا ہی ہوئی تھی۔

”ایک بات پوچھوں تم سے؟“ سمیر اور حشر دونوں نے آج چھٹی کی تھی، وہ دونوں لائبریری میں بیٹھی تھیں جب وہ ماہ لاج کی بات پر چونک کر کتاب سے نظر ہٹا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”کیا تم اپنے ارحم بھائی سے ناراض ہو؟“ وہ اس کی اجازت ملتے ہی پوچھ بیٹھی تھی۔

”اوہ ہوں... سچی مگر اب نہیں ہوں کیونکہ کل رات صرف میری وجہ سے ارحم بھیا پنڈی سے آئے تھے۔“ وہ مسکرا کر بولی تھی کہ ارحم نے اسے منایا لیا تھا۔

”لیکن تم ناراض نہیں کیوں؟“ وہ گڑبگڑ گئی تھی۔

”یہ میں نہیں بتا سکتی، مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟“ اب گڑبگانے کی باری لاج کی تھی۔

”ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔“ نگاہ چرا کر بولی تھی۔

”تم ارحم بھیا کو لالک کرتی ہو؟“ اس کا سوال ماہ لاج کی جان نکال لے گیا تھا۔

”تم مجھ سے ان کے بارے میں ضرور پوچھتی ہوں اس لیے اندازہ لگایا ہو سکتا ہے غلط ہو؟“ وہ اس کی خاموشی سے گھبرا کر وضاحت دینے لگی تھی۔

”تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔“ وہ کہہ کر رکتی نہیں تھی اور اسے نہ جانے کیوں یہ سن کر بہت اچھا لگا تھا۔

”اجبد! میں اس گھر میں بالکل ہی قید ہو کر رہ گئی ہوں۔“ وہ فہری فہری سی اداس اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

”کچھ ماہ کی اور پریشانی ہے یا رڈا کٹرز پر امید ہیں تم انشاء اللہ بہت جلد اپنے پیروں پر چلنے لگو گی۔“ وہ نرمی سے بولا تھا، وہ کچھلے دنوں کافی مصروف رہا تھا اس لیے پورے ایک ہفتے بعد آیا تھا۔

”اوہ ہوں... لیکن یہاں میرا دم گھٹتا ہے اجبد! میں بالکل تمہارہ گئی ہوں، کوئی ہمدرد نہیں ہے میرا۔“ وہ رقتی القلب ہوئی رو پڑی تھی کہ بچپن سے جو عمر وہاں دیکھی تھیں، جو اکیلا پن جھیلنا تھا وہ ہنوز تھا۔

”میں ہوں ناں تمہارا ہمدرد، تمہارا سا گھر، تمہارا سب سے قریبی رشتہ تمہارا ہمسفر۔“ وہ اس کی خوبصورت آنکھوں سے گرتے موتیوں پر پریشان ہوا تھا تھا۔

”آپ بھی مجھے کب میسر ہوئے ہیں، آپ کو لگتا ہے پا کر بھی نہیں پاسکی، آپ ہفتوں میں چوری چھپے آتے ہیں، اپنا آپ تنکے سے زیادہ ہلکا لگنے لگا ہے، میری کوئی پہچان نہیں رہ گئی ہے، آپ کی بیوی ہوں مگر کس کو پتہ ہے یہ؟ اپنے محرم کے ساتھ بھی چھپ کر ایک گناہ کی طرح رہ رہی ہوں، نہ پا کر جتنی تکلیف سہی پڑتی اس سے زیادہ تو پا کر سہہ رہی ہوں۔“ وہ زور و قطار رو رہی تھی۔

”میرنی! پلیز نہ کرو ایسی باتیں، تمہاری تکلیف کا احساس ہے مجھے، میں خود اذیت میں ہوں لیکن میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ابونے میری 75 فیصد جائیداد ماندہ کے نام کر دی ہے، انھیں شادی کا پتہ چلا تو وہ مجھے عاق کر دیں گے اور ایسا ہوا تو میں کیسے خود رسوا بن کر پاؤں گا؟ کیسے تمہیں سپورٹ کر پاؤں گا، میں بہت مجبور ہوں۔“ وہ اس کے آنسو پونچھتا آزرگی سے کہہ رہا تھا، وہ دونوں ہی منجد ہار میں جھپٹنے تھے کہ اپنوں کے خلاف جا کر شادی کرنا نہایت آسان تھا لیکن اپنوں کے سہارے کے بغیر اسے نہانا بہت مشکل کے انسان کی آدمی سے زائد پریشانی تو کسی اپنے کے دلا سے ہی ختم ہو جانی ہے اور وہ دونوں اپنوں کے ہوتے ہوئے اکیسے ہو گئے تھے کہ انھوں نے اپنوں کے خلاف جا کر ایک دوسرے کو شریک سفر منتخب کیا تھا، اور وہ خوش تھے مگر

اپنوں سے دوری کا احساس اس خوشی کو بد مزہ کرتا رہتا تھا۔ وہ بہت کچھ پا کر بھی نہ پانے کی کک جھیل رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

ماہ کھان نے اسے ڈنر پر لے جانے کی بات کی تھی تاکہ ٹل بیٹھے تو کچھ اسے جانے اور اس کے گلے بھی دور کر دے کہ جس قدر وہ بدگمان تھی وہ سب ضروری سمجھتا تھا۔ اس کا سین کے ساتھ ایک شری رشتہ قائم ہو چکا تھا اس لیے اسے اتنی تو چھوٹ ل ہی سکتی تھی، مگر اس نے تو سنتے ہی انکار کر دیا تھا لیکن اس کی ایک بھی نہیں چل سکتی تھی اور وہ ہزار خدشوں اور تمام تر خوف کے ساتھ اس کے ہمراہ شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں آگئی تھی، جہاں اس نے ٹیبل تک کروائی ہوئی تھی اور وہ بہت خوش تھا اور اسے امید تھی کہ جو خوشگوار ہی نہیں ان کی زندگی کے لیے ٹرنک پوائنٹ بھی ثابت ہوگی۔

وہ مسرور تھا اور وہ تو مارے باندھے ہی آئی تھی پورے راستے کچھ نہیں بولی تھی، اس کا خوف محسوس کر کے وہ ہلکی پھلکی سی گفتگو کا آغاز کر چکا تھا۔ اور بات بھی کر رہی تھی کہ وہ ہوں، ہاں کے علاوہ کچھ نہیں کہہ رہی تھی نہ ہی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور سنبھل کر ڈور کی طرف ہوتی بیٹھی تھی، اس کی حرکت پر وہ محض مسکرا دیا تھا کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا کہ وہ مزید ڈر کا، غیر تحفظات کا شکار ہو۔ سفر تمام ہوا تھا اور وہ دونوں آنے والے سانسے بیٹھے تھے وہ بلیک ٹری پیس میں شاندار ہی لگ رہا تھا تو اس کے سامنے برجباب سی گھبراہٹ لیے سیاہ خراؤ زرسوٹ جس پر ریڈریشم کے دھاگے اور اسٹون کی کڑھائی کا کام نہایت خیرہ کن تھا اور لائٹ سے میک اپ اور جیولری میں اس کی شہابی رنگت چمکی جا رہی تھی، وہ نوعمری و دوشیزگی کا بائین و جوبن لیے اس کو بے خود کر رہی تھی، وہ ایک ٹک اسے ٹکٹا اس کے چہرے کے کٹوش ازبر کر رہا تھا، ہوا سے اٹھکیاں کرتے اس کے سیاہ ریڈی بال چہرے پر سایہ سا کرنے لگتے تھے اس کی آنکھوں کی جنبش سے کان کا آویزاں تھا اور قیمتی اسٹون کی سمہری چمک اس کے چہرے پر بکھر گئی تھی اور اس کی گہری نظروں سے وہ موسم کی کڑی لڑکی کھیلنے لگی تھی، اسے اپنی بے اختیاری کا احساس جب ہوا تھا جب ٹیبل کی شفاف سطح پر پانی کی بوندیں گری تھیں وہ تھیوڈ کی نیر بہار ہی تھی کہ وہ اپنی باہت تھی ہی نہیں کہ مزے سے اس کے سین سامنے بیٹھی رہتی، اس نے خود کو سرزنش کی تھی اور اس کی لرزتی پلکوں سے گرتے موتی پھیل آگے کرتے ہوئے اس میں جمع کر لیے تھے۔

”جین! تمہارے آنسو تمہاری ہی مانند جیتی ہیں انھیں یوں نہ بہاؤ۔“ اس کا لہجہ آٹھ دیتا ہوا تھا۔

”پلیز! مجھے میرے گھر ڈراپ کر دیں۔“ 45 منٹ کے ساتھ میں یہ پہلا جملہ تھا جو اس کے پگھڑی سے لبوں سے آزاد ہوتا سے سخت بد مزہ مگر گایا تھا۔

”اوکے، بٹ کچھ کھا تو لیں ناں، سچ بڑی بھوک لگی ہے کہ تمہارے ساتھ کھانا کھانے کے خیال سے میں نے سچ نہیں کیا تھا۔“ وہ اپنے جذبات کو اندر دباتا دوستانہ انداز میں بولا تھا، اس نے نگاہ اٹھائی تھی سیاہ آنکھیں سمندر کا سامنظر پیش کر رہی تھیں اور نہ جانے کب کب کے بڑے شہر اسے یاد آنے لگے تھے۔

”تمہیں پوسٹری پسند ہے؟“ سنبھل کر پوچھا تھا اس نے نفی میں سر ہلادیا تھا۔ اس نے گہرا سانس کھینچے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا تھا اور وہ تو کچھ کھانے کو تو کیا تانے کو بھی راضی نہ ہوئی تو اس نے اپنی پسند و مرضی کا کھانا آرڈر کر دیا تھا۔

”میرا پسندیدہ رنگ سیاہ ہے، تمہیں کون سا رنگ پسند ہے؟“ وہ خود کو اپنی نگاہ کو قابو میں رکھے دوستانہ انداز

میں پوچھ رہا تھا کہ اس کی گھبراہٹ اور ڈر کم کرنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا ناں۔
”مجھے تو سارے ہی رنگ پسند ہیں لیکن میرا موست نیوریت مگر نیوی بلیو ہے۔“ وہ دھیمے دھیمے بولی تھی کہ اس میں اعتماد کی کمی نہ تھی بس ماہ کھان کے سامنے اس کا سارا اعتماد ہی ہوا ہو جاتا تھا کہ محترم کارنامے ہی ایسے انجام دے چکے تھے اور اب ان کی ایک نگاہ بھی کافی تھی۔

”سوئٹس میں تو میری جان ہے۔“ اس نے اپنی پسندیدہ ڈش بتائی تھی، اور اس کے جواب کا منتظر تھا وہ یکدم ہی آنکھوں میں مسکان لیے بولنے لگی تھی، اور اس طرح اپنائیت سے بچا، چمکے ڈرے بولی اسے بہت پیاری اور اپنی اپنی لگی تھی اور اسے دوستانہ ماحول میں اس کے ساتھ بات کرنا، کھانا کھانا بہت اچھا لگ رہا تھا کچھ وہ اسے اپنے بارے میں بتا رہا تھا کچھ اس کی پسند ناپسند سے آگاہ ہو رہا تھا یہ تو جانتا ہی تھا کہ وہ بہت باتونی ہے آج سچ معنوں میں یہ اس پر منکشف بھی ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ہر بات کا کافی لہجہ جواب دے رہی تھی اس کے سادہ دوستانہ انداز پر وہ بھی فراموش کر گئی تھی کہ وہ اسے ناپسند کرتی تھی یا غیر تحفظات کا شکار تھی ویسے بھی اس کی ساری توجہ کھانے پر تھی اور وہ اس کو ایک ساتھ کھاتے اور بولتے متحیر سا دیکھ رہا تھا مگر اس کو بخوبی

سے ہی رہا تھا۔
”تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟“ وہ کہاں اتنی دیر غیر سنجیدہ وغیرہ اہم فضول لایینی باتیں سن سکتا تھا، وہ بھی اس انسان سے جو اس کی محبت ہو، جس کے ساتھ اس کی پہلی ڈیٹ ہو، جو میں سامنے موجود اس کے جذبات بھڑکانے کا سبب ہو، اس کی رومانوی فطرت کو اجاگر کرنے کا موجد ہو اس کے ساتھ غیر رومانوی گفتگو کرنا اس جیسے شخص کا حوصلہ نہ تھا مگر اس نے یہ حوصلہ بھی کافی دیر بہر حال دکھائی دیا تھا اور وہ چاہ کر یکدم ہی پٹری سے اترتا اپنے مزاج کے مطابق بات نہیں کر سکتا تھا سامنے موجود اس لڑکی کو بڑی مشکل سے خود سے بات کرنے پر آمادہ کیا تھا سی لیے بہت لحاظ کرتے ہوئے محض ایک سادہ سا سوال ہی کر ڈالا تھا۔

”کی ہے ناں، مئی سے، تاپا ابو سے، ارحم بھیا اور زمین آپی سے۔“ وہ زور شور سے ”کی ہے ناں“ بولنے کے بعد پوری لٹ ہی لے بیٹھی تھی جس میں اس نے تمام رشتے داروں سے لے کر ڈرائیور ملازمین تک کے نام گنوا دیے تھے اور وہ اس کو چاہ کر بھی ٹوک نہیں پایا تھا کہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے سچی خوشی پھلکی پڑ رہی تھی، اس کی آنکھیں مسکراتے ہوئے اتنی حسین لگ رہی تھیں کہ وہ ان آنکھوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرنے اور ابھرا کر بھر کر ڈوبنے لگا تھا۔

”تمہاری اتنی بڑی لٹ میں تمہیں نہیں لگتا کہ کچھ کی ہے؟“ متبسم سا پوچھ رہا تھا کہ اس نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔

”ہاں! وہ میری باری ڈول اس سے بھی بہت محبت ہے مجھے اور ارحم بھیا کہتے ہیں کہ میں بالکل باری ڈول کی طرح ہوں، بس وہ بولتی نہیں ہے اور میں چپ نہیں ہوتی۔“ وہ ترنت تقریبی کسی کے درمیان بولی تھی اور اس کا دھڑکتا دل آرزو کرنے لگا تھا کہ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی معصوم محبتوں میں اسے بھی شامل کر لے۔

”تم اپنی لٹ میں میرا نام شامل نہیں کر سکتیں؟“ وہ شخص جو ہزاروں دلوں کی دھڑکن تھا جس کی ایک نگاہ التفات کی لڑکیاں منتظر رہتی تھیں، وہ بڑی آس سے اسے چھوٹی سی لڑکی سے پوچھ رہا تھا، جس کی مسکراہٹ نہ جانے کیوں سٹ گئی تھی اور وہ نگاہ چرائے لب چبانے لگی تھی اور اس کا جواب جانتے ہوئے بھی اسے شدید دکھ نے آگھیرا تھا کہ وہ چند ماہ ہی اس کے لیے بہت اہم ہو گئی تھی اور جس کو اپنی نگاہ میں دل میں رکھا جاتا اس

کی نگاہ میں رہنے، دل میں بسنے کی خواہش دل کب کر بیٹھا ہے یہ جان پانا ناممکنات میں سے تھا۔ اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک ہنکارا بھرا اور ایک نگاہ اس کے شرمندہ سے چہرے پر ڈالتے ہوئے جیب سے ایک چٹائی ڈیٹا نکالی۔

”میری بڑی آرزدہی کہ میں تمہیں اپنے روبرو بٹھا کر تمہارے ہاتھوں کی تعریف کروں اور مٹکئی نہ ہوئی تھی اس لیے نکاح کے بعد انگوٹھی ہی گفٹ کر دوں۔“ وہ نرمی سے لمبی لہجے میں کہہ رہا تھا اور وہ نرمی ہو چکی تھی اور جب اس نے ہاتھ بڑھانے کو کہا تھا تب وہ کنفیوژن منمنائی تھی۔

”مم... میں خود پہن لوں گی۔“ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی ہاتھ گود میں رکھے اضطراری حالت میں آپس میں مسل رہی تھی۔

”تم ہاتھ آگے کرو، کھانہ نہیں جاؤں گا۔“ وہ خراب موڈ کے ساتھ بولا تھا اس نے اسے دیکھا جو غصے میں لگا اور اس نے ڈر کر ہاتھ جلدی سے آگے کر دیا اس کی مصیبت پر اس کے اعصاب ڈھیلے پڑتے چلے گئے اور اس نے اس کا دودھیا نرم و نازک ہاتھ نرمی سے تھاما اور بڑے پیار سے اس کی نازک مخروطی انگلی میں دیدہ زیب انگوٹھی سجادی۔ وائٹ ڈائمنڈ کی ہارٹ شپ رنگ اس کے ہاتھ کی دلکشی اور اپنی قیمت بڑھا گئی تھی اس نے اب تک اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا، وہ اس کے ذرا سے لمس پر سرخ پڑ گئی تھی، پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی اور اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر اس کی گرفت اتنی بھی کمزور نہ تھی اس نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا اور چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بے باکی کا ثبوت دے ہی گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی پشت پر لب رکھے تھے وہ جی جان سے کانپتی گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی تو اس نے مسکرا کر ذومعنی نگاہوں سے اس کے حیا آلود چہرے کو دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔

”تم میرے ذرا سے لمس سے کانپ جاتی ہو کبھی جوتہ پر چاہتوں کی بارش کرنے پر آیا تو کیا کرو گی مسز؟“ وہ اس کے سامنے رکنا غمور لہجے میں بولا تھا اور اس پر تو لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

”ابھی تو سنڈنی جا رہا ہوں، واپس آ کر رخصتی کی بات کروں گا کیوں کہ چار سال انتظار نہیں کر سکتا ہوں۔“ نرمی سے اس کے رخسار کو چھوتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولا تھا اور وہ جسے سمجھے بنا بڑی جلدی میں اس سے پہلے ہی آگے بڑھ گئی تھی۔

”تم کتنا ہی بھاگ لو تمہارے سارے راستے آ کر رکنے مجھ پر ہی ہیں۔“ وہ اس کے ہم قدم ہوتا بولا تھا وہ اپنے بہت قریب اس کی آواز پا کر اچھلی تھی اور لڑکھڑا کر گرتی کہ وہ تمام گیا تھا۔

”تم بہت اہم ہو میرے لیے حنین! تمہیں جب تک زندہ ہوں گرنے نہ دوں گا، جہاں تمہارے قدم لڑکھڑائے تم مجھے مضبوط سہارے کی طرح اپنے آس پاس، اپنے ہم قدم پاؤں گی۔“ وہ دلکشی سے اس کی ساحر آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا اور اس کا لہجہ اس کی آنکھوں کی طرح سچا اور شفاف تھا اس کے کورے من میں، کورے دل میں اترتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

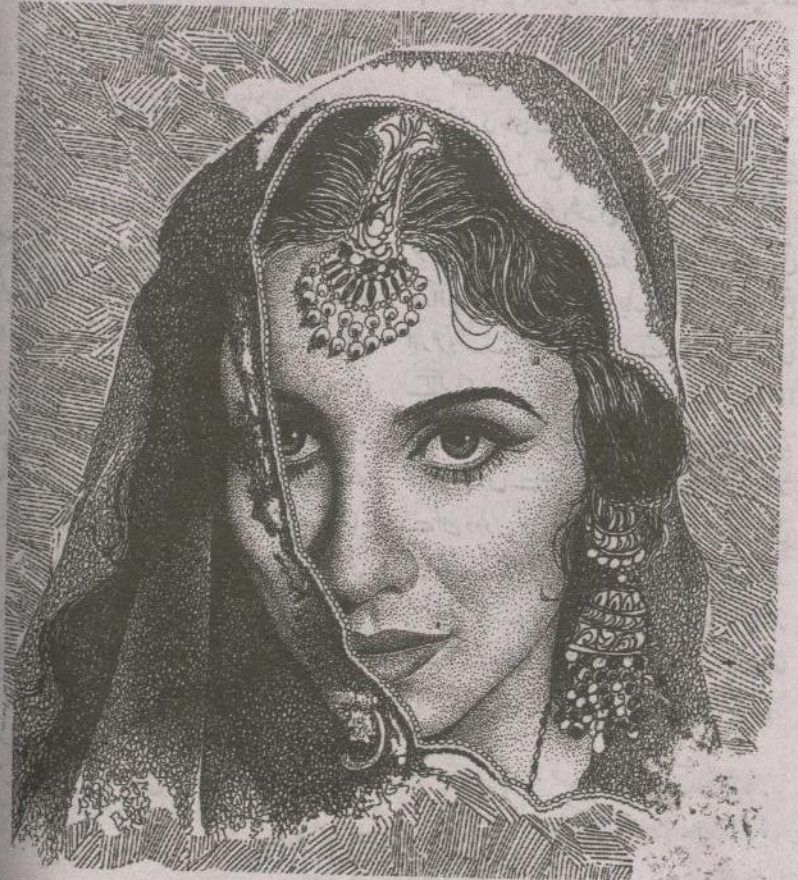
میں نے تمہیں ایسا کوئی حق نہیں دیا ہے کہ تم مجھ سے کسی بھی سلسلے میں جواب طلبی کرو۔“ اس نے اس کے ہاتھ سے جھکا جھپٹا اور نہایت جی سے بولا تھا، نرم و خفا مکدہ کو غصہ دلا گیا تھا۔

(جاری ہے.....)

سلسلے وار ناول

ہنر قبائلی لگی جانا

”آپ کے نہ ماننے سے میرے حقوق کم نہیں ہو جائیں گے! اور یہ جاننے کا مجھے پورا حق ہے کہ یہ جھمکا کس کا ہے؟ کیونکہ میں آپ کی بیوی ہوں۔“ وہ قدرے ناگواری سے بولی تھی کہ آج جب اس کی جیب



سے جھمکا ملا تھا تو وہ اندر تک ٹوٹ گئی تھی کہ چاہے وہ اسے زبردستی ہاتھ لگا کر وہ اس کا حق نہیں اور لٹا رہا تھا اور یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی اس لیے وہ جواب طلبی کرنے کھڑی ہو گئی تھی مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کوشش اس کے سارے بھرم توڑ ڈالے گی۔

”اول شب ہی تمہیں باور کروادیا تھا میں نے کہ تم ماندہ یوسف الحسن اس گھر کی صرف بہو ہے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، میں تمہیں بیوی نہیں مانتا کہ جسے دل سے اپنانا چاہا تھا اسے بیوی بنا چکا اور ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مجھے دوسری بیوی کی نہ چاہ ہے نہ ضرورت۔“ اس کے انکشاف پر سچ معنوں میں زمین اس کے پیروں سے ٹھسکتی چلی گئی تھی وہ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو بے رحمی سے مزید کہہ اٹھا تھا۔

”ایسے بے یقینی سے کیا دیکھ رہی ہو، میں نے تمہیں شادی سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا، تم پر تو مشرقی بیٹی بننے کا بھوت سوار تھا تو جھکتو، مجھ سے کیا شکوہ کر رہی ہو، کیوں سوال کر رہی ہو؟ یاد



رکھو تم میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتیں، جب چاہو اس زبردستی کے نام نہاد رشتے سے آزادی حاصل کر لو۔ وہ انتہائی سنگدل و بے رحم شخص تھا اس پھول سی لڑکی کے نرم و نازک احساسات کی ذرا پرواہ نہ کی تھی اسے بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

”ٹھیک ہے، آپ مجھے طلاق دے دیں۔“ اس کا لہجہ سرد تھا وہ اس کے سرخ چہرے اور ہنسی پکوں کو دیکھنے لگا تھا اس کے لہجے میں انداز میں کوئی نرمی نہ تھی اسے امید نہ تھی کہ وہ ایسی بات کرے گی اور اس کے بعد کا اگلا قدم اس کے دماغ ٹھکانے لگا گیا تھا۔ اس نے بازو سے پکڑ کر اسے باہر جانے سے روکا تھا۔

”مسٹر احمد عالم! آپ کو ایسا کوئی حق نہیں ہے کہ آپ مجھے روکیں۔“ وہ جھٹکے سے بازو زاد کر دیا گئی تھی، اس نے لب بچھ لیے تھے۔

”آپ کو جب مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو نہ کرتے، مجبوری میں کر لی مگر نبھانیں سکتے اس لیے آپ جو فیصلہ چند سالوں بعد لیں گے آج ہی لے لیں اور مجھے طلاق دے دیں۔“ اس کا انداز بے لگ تھا۔

”میں نے صرف ابو کی وجہ سے شادی کی اور ابو کی ہی وجہ سے تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تھا وہ بے ساختہ بس دی تھی مگر اس کی ہنسی میں ٹوٹنے کا لچک کی کڑیوں سی ٹھنک تھی۔

”آپ نہ مجھے اپنا سکتے ہیں نہ چھوڑ سکتے ہیں، نہ میں آپ کو مجبور کر سکتی ہوں مگر اتنا یاد رکھیں آپ کہ مجبور صرف میں نہیں آپ بھی ہیں، مگر میں اپنے والدین کی وجہ سے مجبور ہوں تو یہی مجبوری آپ کو بھی لاحق ہے اور جب میں اپنی مجبور یوں کو نبھار رہی ہوں تو آپ بھی نبھانا سیکھیے کیونکہ میں روز روز اپنی بے عزتی نہیں کرواؤں گی۔“

وہ آنسو گزرتی سخت لہجے میں بہت کچھ باور کرواتا وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور اس نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے لب بچھ لیے تھے کہ اس کا انداز اسے سخت برا لگا تھا مگر کہہ نہیں سکتا تھا وہ اسے طلاق کی شخص دھمکی دے سکتا تھا مگر طلاق دے نہیں سکتا تھا کہ اسے بانڈ کرنے کے لیے نوید عالم نے اپنی جائیداد میں سے احمد کے حصے میں سے 75 فیصد ماندہ کے نام کر دیا تھا وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ماموں جان! آفس جاتے ہوئے مجھے الحسن ہاؤس چھوڑ دیجیے گا۔“ سب سے زیادہ چونک کر اسے احمد نے دیکھا تھا۔

”چھوڑنے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن تمہیں جانا ہے تو احمد سے کہو چھوڑ آئے گا۔“ انھوں نے نرمی سے شائستگی سے پرشراتی لہجہ اپنا دیا تھا۔

”جی میں نے کہا تھا مگر انھیں فرصت نہیں ہے آپ چھوڑ دیجیے گا مجھے پایا ہمایا دے رہے ہیں۔“ وہ فطری طور پر باپ کو زیادہ چاہتی تھی اور یہاں وہ انھیں ہی سب سے زیادہ مس کر رہی تھی، جب جب وہ اسے ہرپ کرنا تھا، اسے اپنی ماں کی آغوش، باپ کے دست شفقت، بھائی کے مہربان سائے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، مگر وہ شخص تو جیسے اسے ہر ایک رشتے اس کی لطافت سے دور کر دینا چاہتا تھا، جب ہی تو وہ شادی کے بعد محض تین سے چار دفعہ ہی میٹھے لگتی تھی، اس کے صاف کہہ دینے پر وہ سب پریشان و حیران ہوئے تھے اور احمد بھی تھیر رہا گیا تھا اور اسے دیکھنے لگا تھا جو پیلے رنگ کے سوٹ میں کافی اداس اور غیر معمولی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”کیوں بھئی! ایسی بھی کیا مصروفیت کہ تم بیوی کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتے ہو؟“ راشدہ نے اسے ڈپٹا تھا

اور وہ اس پر ٹھہر جانے والی نگاہ جراتاں کو دیکھنے لگا تھا۔

”ساری مصروفیات کو ترک کر کے بیوی کا خیال رکھا کرو، چاہے آفس سے چھٹی کرنی پڑے تم ماندہ کو میٹھے لے جاؤ۔“ وہ بیٹے کو ہلکی سی خفگی کے ساتھ ہدایت دے رہی تھیں۔

”جی امی! لے جاؤں گا کہ انکار تو میں نے پہلے ہی نہیں کیا تھا، بس اتنا ہی کہا تھا کہ شام میں لے جاؤں گا۔“ فوراً ہی حامی بھر کر اپنا بھرم قائم رکھنے کو جھوٹ کا سہارا لیا تھا اور وہ جی سے مسکرا اٹھی تھی۔

”آپ کو زحمت کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، ماموں جان نہیں چھوڑیں گے تو میں راحہ بھائی کو بلا لوں گی کہ وہ آپس بھی تو ان کے ساتھ ہی آتا ہوگا، تو ان کے ساتھ ہی چلی بھی جاؤں گی۔“ وہ کہہ کر اٹھی تھی اور نکلتی چلی گئی تھی، اس نے یہ دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ اس کی نرمی کی کاکیا اثر ہوا، احمد عالم کو کتنی صفائی دینی پڑی، کتنے جھوٹ بولنے پڑے اور جب وہ ماں اور باپ کو مطمئن کر کے روم میں آیا تو وہ اپنا بیگ تیار کر رہی تھی۔

”امی اور ابو کے سامنے اس بکواس کا مطلب؟“ جارحانہ انداز میں اس کا بازو جکڑا تھا۔

”مطلب صاف ہے احمد عالم! ہاں آپ سمجھنا نہ چاہیں تو الگ بات ہے۔“ اپنا بازو آزاد کر دیتی دور ہوتی نہایت تلخ لہجے میں بولی تھی کہ وہ نرم مزاج، نرم خول کی عرصے میں بھی نرمی کا ساتھ نہیں چھوڑ پاتی تھی کہ وہ اپنی فطرت نہیں بدل سکتی تھی، ویسے ہی وہ بھی اپنی فطرت کب بدل سکتا تھا، ماں باپ کے سامنے جو بکبی ہوئی تھی، جو وضاحتیں مل سکتی تھیں، سارا جمل غصے کی نظر ہو گیا تھا۔

”بکواس بند کر دینی، اور آئندہ ایسا کوئی تماشہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ چنچا تھا۔

”بچے مت کہ میں اس لہجے و رویے کی عادت نہیں رکھتی۔“ وہ بے بسی سے رو پڑی تھی۔

”وہ صرف آپ کو یہ باور کروانے کے لیے تھا کہ بھرم رکھنا، عزت بنانے رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، اور میں اگر اپنا بھرم رکھتی پھرتی ہوں، اپنی عزت خاندان کی عزت کے لیے تو کچھ فرض تو آپ کا بھی بنتا ہے، کہ میں اگر خاموش ہوں تو اپنوں کو دکھ سے بچانے کے لیے، اپنی عزت نفس کے لیے اور آپ کس طرح مجھے ڈی گریڈ کر رہے ہیں، میری عزت نفس پامال کر رہے ہیں، یہ آپ جانتے ہیں اور یوں ہی رہا تو میری خاموشی ٹوٹ بھی سکتی ہے۔“ اس کے آنسو روانی سے رخساروں کو تر کرتے جارہے تھے اس کا لہجہ مگر ہموار و شفاف اور غیر معمولی سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

”تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟“ اسے دیکھتے چوتھوں سے گھورا تھا۔

”نہیں صرف اتنا بتانا چاہ رہی ہوں کہ آپ کے نہ ماننے کے باوجود رشتہ بہر حال قائم ہے اور اس کے کچھ تقاضے ہیں، مجھے سب کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا ہے اور جب میں اپنا اور آپ کا بھرم رکھنے کو جھوٹ بول کر سب اچھا ہے کی عملی تفسیر پیش کر سکتی ہوں تو آپ کو تو صرف میرا ساتھ دینا ہے کہ اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے میں اب آپ کے بھرم نہیں رکھوں گی کہ جو شخص میری عزت کرنے کو تیار نہیں میں اس کی عزت کیوں رکھتی پھر دوں؟ ہاں آپ عزت دیں گے تو میں بھی آپ کی عزت رکھ لوں گی کہ آپ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ ہر لذت، ہر خوشی، ہر چاہت، ہر ضرورت میں عزت سے کم تر سمجھتی ہوں، آپ سے کچھ طلب نہیں کر رہی کہ مجھے میری عزت نفس عزیز ہے، مجھے اپنا بھرم بہت پیارا ہے اور میری عزت نفس، میرا بھرم دوسروں کے سامنے قائم ہونے سے قبل میرے سامنے قائم رہنا ضروری ہے نفرت سہہ سکتی ہوں، ذلت نہیں، محبت کے بغیر رہ سکتی ہوں، عزت

کے بغیر نہیں، اور آپ مجھے کتنی عزت دے رہے ہیں یہ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ آگے مزید آپ سے ذلت نہیں وصولی نہیں نے۔ وہ اس کو بہت کچھ باور کرائی اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی اور وہ غصے سے تھوکتا گھر سے ہی نکل گیا تھا، مگر جب غصہ اتر اٹھا، ٹھنڈے دماغ سے سوچا تھا تو اس کی ہر بات سچی لگی تھی، آج والدین کو صفائی دیتے اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا اور آج سے قبل ایسی نوبت نہ آئی تھی، تو سبب ماندہ کی خاموشی اس کی اچھائی ہی تھی، اگر وہ سب کو بتا دیتی کہ وہ اس کے ساتھ کس طرح کاسلوک رکھے ہوئے ہے تو اس کی ذات سوالوں کی زد میں آ جاتی، مگر اس نے صرف اپنا ہی نہیں اس کا بھی بھرم رکھا تھا، نہ کہتی تو جو آج ہوا وہ شادی کے اول دنوں میں ہی ہوتا، اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا، وہ جانے انجانے میں ماندہ کے ساتھ ظلم کر رہا تھا، احساس تھا اسے مگر دوسری کوئی چواں نہ تھی کہ وہ جھکے کو تیار نہ تھی تو وہ کیسے جھک جاتا؟ اگر اس نے اسے دھتکارا تھا تو وہ بھی اب یہی کر رہی تھی، وہ اگر دو قدم پیچھے ہوتا تھا تو وہ چار قدم دور چلی جاتی تھی، وہ دونوں ہی انا کے خول میں قید ہوتے جا رہے تھے اور زندگی صرف بھرم رکھنے کا نام تو نہیں ہے، اس طرح کب تک چلنا تھا؟ کب تک انھوں نے دریا کے دو کنارے بنے رہنا تھا؟ پہل کسی نے تو کرنی تھی؟ انا کسی نے تو مار لی تھی، انا کی جنگ میں تو صرف بار ہوتی ہے، جذبات کی اور رشتوں کی، اور جذبات کی نفی کر کے کیا جیا جاسکتا ہے؟ کیا ماندہ جی رہی ہے یا زندگی کو ٹھنڈا کر رہی ہے اور اسے دنیا کا پہلا مرد تو نہیں تھا ناں، جس نے دو شادیاں کی تھیں، تو کیا وہ دوسری کے ساتھ ساتھ ماندہ کو بھی عزت، چاہت اور بیوی کا درجہ نہیں دے سکتا؟ کتنے ہی سوال جو سر اٹھا رہے تھے اور ان کے جواب وقت چلتے ہی مل سکتے تھے، کچھ جواب خود ہی مل جانے تھے اور کچھ خود ڈھونڈنے تھے اور وہ دونوں ہی جس کے لیے نہ راضی تھے، تو زندگی جو جواب خود سے دیتی وہ ہی انھیں قبول کرنے تھے، تو کیا ان دونوں کو جواب ان کی مرضی کے ملیں گے یا مرضی اور امید کے برخلاف؟

☆.....☆.....☆

”تمہیں اپنے پیروں پر چلتے دیکھ کر جو خوش ہو رہی ہے، وہ میں لفظوں میں بتا نہیں سکتا۔“ اسجد اسے اپنے مقابل کھڑا کیسے شدت جذبات سے غمور لہجے میں بولا تھا، وہ نم پلکوں سے مسکرا دی تھی کہ اسجد نے اس کا پر اپر علاج کروایا تھا اور انتہائی توجہ اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ ایک سرساز کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ اپنے پیروں پر ایک بار پھر چلنے لگی تھی، اس نے نرمی سے اس کے آنسو پونچھ کر اسے خود سے بچھینچ لیا تھا۔

”تم میرے لیے بہت اہم ہو، میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تمہاری زندگی میں کی صرف میری محبت میں آئی تھی اور آج تمہیں مکمل صحت یاب دیکھ کر سکون محسوس کر رہا ہوں۔“ وہ اسے خود سے لگائے جذبات سے پورے دم لہجے میں بول رہا تھا، وہ یکدم اس کی اتنی محبت پا کر بلک اٹھی تھی، اس کی محبت اسے معتبر کر دیا کرتی تھی، اس کی ذرا سی توجہ اسے اپنی زندگی کی ہر محرومی بھلا دیتی تھی۔

”پاگل لڑکی! خوشی کے موقع پر اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے؟“ وہ ہلکی سی خشکی سے اسے ڈپٹ کر اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔

”آپ سے آج کچھ مانگوں گی تو کیا آپ دے دیں گے؟“ وہ مومنوں کو کرتی اسے آس سے دیکھ رہی تھی۔

”جان بھی حاضر ہے، جان اسجد!“ نہایت دل فریب لہجے میں کہہ کر اس کی پیشانی چوم لی تھی، اور جو فرمائش اس نے کی تھی اس کا فریض مؤید یکدم ہی خراب ہو گیا تھا۔

”اسجد! میں جانتی ہوں وہ لوگ آپ کو نہیں پسند، مگر وہ جیسے بھی ہیں میرے اپنے ہیں اور میں اس گھر میں تنہا زندگی گزارتے ہوئے اپنوں کی اہمیت سے واقف ہو گئی ہوں، اپنا مارتا بھی ہے تو ڈالنا چھاؤں میں ہی ہے اور خالہ میرے لیے اگر کڑی دھوپ ثابت ہوئیں بھی تو سایہ دار بھر بھی وہی رہیں، اس لیے بار بار نہ سہی ایک بار مجھے ان کے پاس لے جائیں کہ آپ نے مجھ سے وعدہ بھی کیا تھا، پلے اسجد! آپ کو میری قسم!“ وہ رورہی تھی، التجا کر رہی تھی اور اس نے اسے تنبیہ کرنی نہ دیکھا، رونے سے باز رہنے کو کہتے ہوئے لے جانے کے لیے حامی بھری، وہ دلکشی سے مسکراتی تو وہ اس کے کھل جانے والے چہرے کو دیکھ کر اسے نرمی سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ارحم بھیا! آپ شادی کے بعد بدل تو نہیں جائیں گے ناں؟“ وہ شدتوں سے روتی یقین مانگ رہی تھی۔

”تم سے کس نے کہا؟ ایسا کچھ نہیں ہوگا مجھیں؟“ جھنجھلا کر کہہ کر نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

”نہیں آپ بدل جاؤ گے، آپ جب سے پنڈی گئے ہیں تو میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں، آپ بدل گئے تو میں تو مر ہی جاؤں گی، بس آپ لا ج سے شادی نہ کریں۔“ وہ اس کی شرٹ بازو سے جڑے مستقل رورہی تھی، ماحول ایکدم ہی مکدر ہو گیا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی تھی؟

”نہیں بیٹا روؤ نہیں، کہ شاز مین تو مذاق کر رہی تھی۔“ فریدہ نے اس تک آ کر اسے خود سے لپٹا لیا تھا جس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

”آپ سچ کہہ رہی ہیں ناں پھپھو! ارحم بھیا ہمیشہ مجھ سے محبت کرتے رہیں گے ناں؟“ وہ یقین چاہ رہی تھی۔

”ہاں کیوں کہ میری بیٹی کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا، محبت ورشتے کبھی نہیں بدلتے اور بیوی کے آجانے سے بھی تمہاری اہمیت کم نہیں ہوگی، میری چھوٹی سی دوست، پیاری سی بہن، ہمیشہ اہم رہے گی۔“ وہ اس کو بازو سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑ گیا تھا اور وہ اس سے لپٹ کر مزید رو پڑی تھی۔

”آئی کو یو ارحم بھیا! آپ نہیں جانتے آپ میرے لیے کتنے اہم ہو، مجھے آپ بالکل اپنے پاپا کی طرح لگتے ہو، جب جب میں ان کی تصویر دیکھتی ہوں تو اس میں آپ کی شبیہ اترنے لگتی ہے اور جب آپ پنڈی گئے تو مجھے لگا کہ میں اب آپ کو پاپا کی طرح کھودوں گی، آپ سے بات نہیں ہو رہی تھی تو مجھے اپنی سائیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں، آپ کبھی مجھے خود سے دور نہ کرنا، پاپا کی طرح مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا کہ آپ صرف میرے دوست، میرے ارحم بھیا ہیں، آپ میرے پاپا کی طرح ہو۔“ وہ اس کے سینے سے لگی بلبکتے ہوئے کہہ رہی تھی اس نے اسے بہت مشکل سے چپ کر دیا اور شرمندہ سی کھڑی شاز مین کو گھورنے لگا، جو اس کی چپٹی نگاہیں خود پر محسوس کرتی منمناتی تھی۔

”آئی اہم سوری، میں تو صرف مذاق کر رہی تھی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جنین سیریس ہو جائے گی۔“ اس کی آنکھوں میں نمی درآئی تھی۔

”کیا اس کی جذباتیت سے واقف نہیں ہو، جو اس سے مذاق کرنے چلی تھیں؟ اور ایسے بے ہودہ مذاق کی ضرورت ہی کیا تھی، اس کے کچے ذہن میں رشتوں کا منفی تاثر ڈالنے کی تم نے حماقت کیسے کر لی؟ جبکہ جانتی ہو کہ جو بات اس کے ذہن میں بیٹھ جائے نکلتی نہیں ہے اسے رشتوں کی پوزیشیوں کی سکھائی، سمجھائی ہے تاکہ تم اس سے

فضول کیواس کرتیں۔ نرم خوارم کھن اس پرالت پڑا تھا، فریاد ہی نہیں اندر آتے راحم نے بھی اس کے غصے کو اچھبے سے دیکھا تھا۔
”ارحم بیٹا! غصہ کیوں کر رہے ہو؟ شازمین تو بس مذاق کر رہی تھی۔“ شازمین کو روتے دیکھ کر انھوں نے بیٹے کو سرزنش کی تھی۔

”آئندہ اتنا تکلیف مذاق کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، میں ہر رشتے کو اس کی مناسب اہمیت دینا جانتا ہوں، میں نے ہر رشتے میں توازن رکھا ہے، ہاں حنین بچپن سے مجھ سے اچھ زیادہ رہی، لیکن اس کے باوجود حنین اور ماندہ میں، میں نے بھی فرق روا نہیں رکھا، حنین کی فرمائش پر اگر اس کے لیے کچھ لایا تو بھی ماندہ کو یاد رکھا، میرے لیے دونوں بہنیں برابر تھیں، کبھی پلڑا بھاری ہوا تو صرف اس لیے کہ میں نے حنین کو ہمیشہ اپنی دوست کہا اور سمجھا، اور میں اب اتنا کم ظرف نہیں ہوں کہ بیوی کے آتے ہی ماں بہنوں اور دوست کو یکسر فراموش کر ڈالوں گا، اس لیے بہتر ہوگا کہ فضول کی پیشن گوئیوں سے پرہیز کیا جائے۔“ وہ ہرگز بھی دھیمائیں پڑا تھا، اور تن فن کرتا نکلتا چلا گیا تھا۔ شازمین شدتوں سے رونے لگی تھی، فریادہ کو ڈر لگا تھا کہیں راحم کو بڑے بھائی کا غصہ کرنا برا ہی نہ لگا ہو؟ اس لیے انھوں نے ڈرتے ڈرتے بیٹے کو دیکھا تھا، مگر وہ نارمل ہی لگا تھا اس نے آگے سے کچھ پوچھنے کی کوشش بھی نہ کی تھی، لیکن انھوں نے خود ہی اسے بات بتائی تھی، اور شازمین کو چپ کر دانے لگی تھیں۔

”ارحم بھسا کا غصہ جائز تھا! سب ہی حنین کی جذباتیت سے واقف ہیں، اس لیے شازمین کو مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ اس نے دھیمے سے کہا تھا۔
”چھو! اچھی میں تو صرف مذاق کر رہی تھی۔“ وہ سوسوں کرتی بولی تھی اور انھوں نے اسے پکار کر راحم کی طرف سے بھی معذرت کی تھی۔
”بہنیں! چھو! مجھے ارحم بھیا کا ڈانٹنا بالکل برائیں لگا، ابو اور امجد بھائی کی طرح وہ بھی مجھے ڈانٹنے کا حق رکھتے ہیں۔“ وہ یکدم ہی مطمئن ہو گئی تھیں۔
”تم جا کر فریش ہو کر آؤ، میں جب تک چائے گرم کر لیتی ہوں۔“ نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آئی ایم سوری ممما! بٹ میں خود پر کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔“ ماں کے سرزنش کرنے پر وہ شرمندگی سے بولا تھا۔
”لیکن آئندہ خیال رکھنا شازمین تمہاری بھالی ہے اور اس کی کوئی اتنی خاص غلطی بھی نہیں تھی کہ بہنیں آپس میں ہنسی مذاق کر رہی لیتی ہیں، حنین تو ہے ہی جذباتی، ہمیں جذباتیت دکھانے کی ضرورت نہیں تھی۔“ انھوں نے جو غلط محسوس کیا تھا اس کا احساس دلانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

”در اصل ممما! اس کو روٹا دیکھ پانا میرے اختیار میں ہی نہیں ہے، اور آپ نے سنی تھیں ناں اس کی باتیں، وہ میرے لیے کس انداز سے سوچتی ہے، اس کے لیے میرے جذبات بھی بہت سچے اور انمول ہیں، مگر جو پچھلے دنوں ہوا اس کا خیال اور وہ حنین کو پتہ نہ لگ جائے کبھی اس کا خوف کتنی ہی باتیں ایک ساتھ ملیں اور میں ہانپ رہی ہو گیا کہ بھائی نہ بھی سمجھوں تو بہن سے بھی مجھے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی، بہر حال شازمین ہر لحاظ سے، ہر رشتے سے میرے لیے اہم اور قابل احترام ہے اور آپ فکر نہ کریں جو زیادتی اس کے ساتھ کی ہے اس

سے معافی مانگ کر ازالہ کر لوں گا۔“ وہ سچائی سے کہہ رہا تھا، انھیں یکدم اطمینان ہو گیا تھا، وہ اختلافات نہیں چاہتی تھیں اور گھر کا سکون آپسی پیار اور مطابقت پر انحصار کرتا ہے، اس لیے انھوں نے پہلے ہی موڑ پر غلطی کی نشاندہی کر دی تھی، کچھ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، وہ چاہے پہلے شازمین کو بہن کا درجہ دیتا اور بعد میں بھائی کا، اسے احترام بہر حال کرتا تھا۔

”مگر تم حنین کے معاملے میں اکثر توازن نہیں رکھ پاتے اور جواب تک ہوا ٹھیک تھا، مگر آگے کے لیے سوچنا پڑے گا کہ اس کا نکاح ہو گیا ہے، کچھ سالوں میں رکھتی تھی ہو جائے گی، کنعان اس سب کو کس بچ پر لے جا کر سوچے گا، ہم نہیں جانتے، بیٹا! انسان دیکھتا پہلے پرکھتا بعد میں ہے، تمہارے دل و نگاہ میں کتنی محبت و احترام ہے یہ کوئی نہیں دیکھے گا، اس لیے ضروری ہے کہ تم اس سے اپنی اپنٹ کم کرو، جتنی جذباتیت اس نے دکھائی، سچ کہوں ناں تو میں ڈر گئی ہوں، کچھ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، تم سمجھ دار ہو، ہر بات، ہر چیز سمجھ سکتے ہو، مگر اسے سمجھانے کی ضرورت ہے اور یہ بھی مجھے اچھے سے اندازہ ہے، اسے یہ سب تم ہی سمجھا سکتے ہو۔“ وہ نہایت نرمی و شفقت سے بیٹے کو سمجھا رہی تھیں۔

”جی ممما! مجھے بھی ان باتوں کا احساس تھا، اس لیے نامحسوس طریقے سے میں اس کا انحصار خود پر سے ختم کر رہا ہوں، مگر مکمل اسے میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپنی مجبوری ظاہر کی تھی اور وہ مسکرا دی تھیں۔

”مان بویٹا جان! اسے بگاڑنے میں تمہارا اور زرمین کا ہی ہاتھ ہے وہ محترم آج بھی آدمی رات کو بھی پتہ چلے کہ حنین پریشان ہے تو سسرال سے میکے پہنچ جاتی ہے، تم لوگوں نے اس پر پیار و توجہ لگا کر اسے خود پر انحصار کرنا سکھایا ہے وہ خود بے کوئی فیصلہ لے ہی نہیں سکتی، تم دونوں کی طرف لپکتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ آگے زندگی وہ کیسے گزارے گی؟“ وہ سنجی کی آنے والی زندگی کو لے کر متفکر تھیں۔

”ممما! آپ پریشان نہ ہوں، اللہ بہتر ہی کرے گا، اور کنعان کو لے کر آپ سب شکوک و شبہات کا شکار ہیں، مگر وہ شخص نوڈاؤٹ ایک اچھا انسان ہے، مجھے جب اس کے پرپوزل کا پتہ چلا تھا، میں نے تب ہی حمایت کی تھی کہ اس کی نگاہ میں، میں نے حنین کے لیے بہت سچے جذبات دیکھے ہیں اور جن سے محبت کی جائے ان سے وابستہ لوگوں سے محبت خود بہ خود ہو جاتی ہے، آپ سب دیکھنا کہ کنعان ہماری حنین سے بہت محبت کرے گا، اس کا اتنا خیال رکھے گا کہ انشاء اللہ ہمیں حنین کی زندگی پر رشک محسوس ہوگا۔“ وہ پرتیقن لہجے میں بول رہا تھا۔

”اوہو.... اور تم اپنی کھولا ج سے شادی پر اعتراض تو نہیں ہے ناں؟“ انھوں نے یکدم ہی موضوع بدلا تھا۔

”ممما! جو آپ کی پسند ہے، وہ ہی میری پسند ہے۔“ ان کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں کچھ تو کہنا تھا۔
”پھر بھی تمہاری اپنی بھی تو کوئی رائے ہوگی کہ ماہ لاج ہر لحاظ سے اچھی لڑکی ہے، تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی مگر تم اپنی کہو کہ ہمیں کیسی لگتی ہے؟“ نرمی سے استفسار کر رہی تھیں، جب حنین نے ارحم کے لیے ماہ لاج کا نام لیا تھا تو وہ خوش ہو گئی تھیں، لاج انھیں بھی بہت پسند تھی، شوہر سے بات کر کے ارحم سے بات کی تھی اور ارحم کے اصرار پر پرپوزل لے گئے تھے جو ماہ لاج کی خوشی و مرضی پر قبول کر لیا گیا تھا کہ یہاں تک ماہ کنعان بھی صرف اس کی وجہ سے ہی راضی ہوا تھا، وہ تو ارحم کو دیکھتا ہی دوسری نگاہ سے تھا۔

”ممما! میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا، اس لیے میں نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں، ماہ لاج آپ کی

پسند ہے اور بس، ان کے بارے میں بھی نہیں سوچا، نہ میرے دل میں ماہ لاج کے لیے کوئی سوخت کارز ہے، رشتہ بنے گا اس کے بعد خود بہ خود تبدیلی آ جائے گی، فی الوقت میری کوئی رائے نہیں ہے۔ وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

”کہیں تم نے وہ کنعان کی بہن ہے اس لیے تو شادی کی حامی نہیں بھری کہ اس طرح کنعان کی شیورٹی مل جائے گی۔“ پر تفتیش لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

”مہما! آپ مجھے جانتی ہیں، اس کے باوجود اس طرح کہہ رہی ہیں۔“ اس نے ماں کو ناراضی بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”مہما! کسی بھی شخص کو عزت دینے اور محبت کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا، جنین کے لیے وہ شخص خود اپنی وجہ سے مناسب لگا ہے اور وہ خود اپنی شیورٹی ہے، جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتیں، اس شخص پر کہیں نہ کہیں بھر وسا ہے مجھے، تب ہی میں نے جنین کو اس رشتے کے لیے اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی راضی کیا ہے۔ میں اس سے ڈرا نہیں ہوں اس کے جذباتوں کے سامنے جھک گیا ہوں اور جب اس کو نبی کے لیے پر قیادت مان رہا ہوں، میری حیات مثبت اشارے دے رہی تھیں، تو مجھے ضرورت نہیں ہے کہ میں فضول شیورٹیز تلاشتا رہوں، آپ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ ماہ لاج سے شادی کے لیے میں آپ کی وجہ سے راضی ہوا ہوں، نہ کہ کوئی اور سبب ہے، ماہ لاج کی جگہ آپ کسی اور کو میرے لیے چوز کرتیں، میں تب بھی راضی ہو جاتا اور آپ کے ذہن میں کسی قسم کا ڈر یا شک ہے، تو بے شک آپ اس رشتے کو جڑنے سے پہلے ہی تمام سلسلے ختم کر دیں، میرے اقرار کی وجہ لاج کا کنعان ٹی بہن ہونا نہیں ہے، میں دوسرے کے کیے عمل کی جزایاں دوسرے کو دینے کا قائل نہیں ہوں، اور جنین کو وہ ہی ملے گا جو اس کا نصیب ہے اور اس کے لیے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ نہایت ناراضی سے بول رہا تھا، انھوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

”آئی تو مایا من! بس دل میں شک سا آیا تو کہہ دیا، ورنہ میں جانتی ہوں میرا بیٹا بہت فیر ہے، ہر رشتے کو فیر لی ٹھہاتا ہے، اور بیٹا جان! شادی نہ کرنے کے خیالات کو بہت ذہن میں جگہ دے لی، تمہاری ضد سے تنگ آ کر ابھی محض منگنی کر تو رہی ہوں، مگر یاد رکھنا کہ رخصتی کے لیے سال سے زیادہ نہیں ٹھہروں گی۔“ انھوں نے حق ومان سے اسے باور کروایا تھا، وہ محض مسکرا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”تمہیں اپنا ڈریس کیسا لگا؟“ ہلکی پھلکی سی تیار ہوئی اسٹاکش سوٹ میں ماہ لاج بہت حسین لگ رہی تھی، اس کے چہرے پر شرمیلیں مسکراہٹ آن ٹھہری تھی، اندر آئیں ماہ لقا نے بیٹی کا گلزار چہرہ دیکھا تھا اور نجانے کیوں تمام وہم اڑن چھو ہو گئے تھے۔

”السلام علیکم آئی!“ اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے سلام کیا تھا، نکاح کے بعد ان کا پہلا سامنا تھا کہ نکاح سے پہلے بھی وہ ان سے محض تین باری مشکل سے ملی ہوگی، انھوں نے ایک نظر گلابی چہرے والی نازک سی لڑکی کو دیکھا اور سخت سے جواب دے کر صوفے پر بیٹھ گئیں، اس کا بڑھا ہوا ہاتھ بڑھا ہی رہ گیا تھا، جسے اس نے نبی کے احساس کے ساتھ ناخوش طریقے سے نیچے کر لیا تھا، فریدہ کی نگاہ ان ہی پر پڑی، اس لیے انھیں ان کی حرکت عجیب ہی لگی تھی اور اب وہ بیٹی کو لب چبائے، پلکیں جھپکتے دیکھ رہی تھیں، ماہ لقا کے مخاطب کرنے پر ان کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

”ارم! آپ لوگوں کے ساتھ نہیں آیا؟“ وہ ماں کو دیکھنے لگی تھی، جو اپنے مخصوص انداز میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھی تھیں۔

”کچھ مصروف تھا لیکن انشاء اللہ اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔“ انھوں نے بات بنائی تھی، جبکہ ان کی روایات کے مطابق اس وقت لڑکے کے آنے کی ضرورت ہی نہ تھی، مگر یہ انھوں نے کہا نہیں تھا۔

”لاج! ذرا نوران سے کہہ کر ناشتے کا انتظام کروالینا، میری ایک مینٹنگ ہے، اس لیے مجھے جانا ہوگا۔“ ماں کی بات پر وہ لب کھلنے لگی تھی، جبکہ اندر آتا ماہ کنعان بھی چونک اٹھا تھا۔

”واٹ! پلیز نٹ سر پرائز!“ بیٹے کو دیکھ کر انھوں نے جوش دکھایا تھا، وہ مگر مسکرا بھی نہ سکا تھا، ماں کا یہ مصنوعی پن اسے ہمیشہ ہی کھلتا تھا، اس نے شائستگی سے فریدہ کو دیکھتے ہوئے مشترک سلام کیا تھا، جبکہ نگاہ لمحے بھر کو ان کے ساتھ گردن جھکا کر بیٹھی دشمن جاں پر بھی ٹھہری تھی، جو غیر معمولی سنجیدہ لگ رہی تھی اسے تقریباً ایک ماہ بعد دیکھ کر اس کے ذہن دل تر تازہ ہو گئے تھے، مگر وہ ماں کے وہاں سے جانے کے سبب اس پر توجہ برقرار نہ رکھتے ہوئے ماں کے پیچھے ہی بڑھا تھا اور وہ آنکھوں میں آئی تھی پیچھے دھکیلتی فریدہ سے ماں کے رویے کی معذرت کرنے لگی تھی، انھیں وہ چھوٹی سی پیاری سی لڑکی یکدم ہی بہت اپنی اپنی سی لگی تھی۔

”کوئی بات نہیں بیٹا! ہر انسان کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں اور ویسے بھی ہم یہاں تمہاری وجہ سے آئے ہیں، اور جب ہماری بیٹی ہمارے ساتھ ہے، تو کسی کے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم تو تم ہو۔“ وہ فریدہ کے برشفقت و محبت سے لبریز لہجے پر انھیں حیرت سے دیکھنے لگی تھی، اور ان کے مسکرانے پر وہ بھی بیگی پلکوں سے مسکرا دی تھی، جب وہ ماں سے الجھتا ان کو ان کے برے رویے کا احساس دلانے میں ناکام ہو کر لوٹا تھا، تو ڈرائنگ روم کی فضا کافی تسلی بخش تھی اور وہ سفر کی تھکان کے باوجود ماں کے رویے کے ازالے کے احساس سے سنگدل صوفے پر بیٹھ گیا تھا، فریدہ اس سے بڑی ٹرپ کا احوال پوچھنے لگی تھیں اور ان سے بات کرتے ہوئے وہ اس کو بھی نوٹ کرتا رہا تھا، جو بہت سنجیدہ بیٹھی تھی کیوں؟ یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس کے دل کا سوال ماندہ پوچھ بیٹھی تھی۔

”جنین! کیا ہوا چندا... اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہو؟“ اس نے آواز پر سر اٹھایا تھا اس کی آنکھیں نم اور سرخ ہو رہی تھیں۔

”مہم کہہ کر جائیں گے میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ کب کے رکے آنسو اس کے ایک عام سے سوال پر گرنے لگے تھے، فریدہ نے اسے دیکھا تھا جو یکدم ہی مضطرب نظر آنے لگا تھا۔

”تھوڑی دیر بعد چلیں گے۔“ ٹرائلی گھید کر لاتی ماہ لاج کو دیکھ نری سے اسے تسلی دی تھی، ماہ لاج نے اسے پلیٹ میں ریفریجریٹڈ آئس ڈال کر دیئے تھے، مگر اس نے کچھ بھی لینے سے منع کر دیا تھا اور فریدہ کے کہنے پر محض چائے کے گھونٹ بھرے لگی تھی، جو اسے اپنے حلق میں اٹکتے محسوس ہو رہے تھے، وہ تو اب تک ماہ لقا کے رویے میں الجھی تھی، ماہ لاج نے اسے مخاطب کیا تھا، وہ اپنے ہی خیالوں میں الجھی بیٹھی بری طرح چوکی تو ہاتھ میں پکڑا چائے کا گچہ چھلک گیا، وہ ”سی“ کرنی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”ڈونٹ وری... آؤ میرے ساتھ۔“ وہ اسے لیے پاہر لگی تھی، اسے شرارت سوچھی تھی اور وہ اسے ماہ کنعان کے کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر باہر سے ہی پلیٹ لگی تھی، اس نے ماہ کنعان کو بھی تو بھیجتا تھا، وہ اپنی شرارت پر متبسم ہی ان سب کے درمیان آئی تھی۔

”لالہ جان! آپ سفر سے آئے ہیں، فریش ہو جاتے تو اچھا تھا۔“ شازمین سے بات کرتے کرتے یکدم انجان بن کر چوکنے والے انداز میں بولی تھی اور فریدہ نے بھی فوراً ہی اس کے مشورے کو سراہا تھا، اور وہ بھی اٹھنا تو چاہتا تھا، مروتا بیٹھا تھا ایکسکوز کرتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا، مگر بیڈ پر بیٹھی روتی ہوئی صین کو دیکھ کر اس نے صرف حیرت ہوئی تھی، بلکہ پریشانی نے بھی آگھر اٹھا۔

”حنین!...“ اس کے سامنے رک کر پکارا تھا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، ان دونوں کے درمیان محض چند قدموں کا فاصلہ تھا، اس نے اپنے آنسو روکے اور جانے کے لیے آگے بڑھی تھی کہ وہ اس کی کلائی تھام گیا۔

”کیوں رو رہی ہیں؟“ نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

”آپ سے مطلب؟“ ہاتھ چھڑاتے ہوئے وہ بھڑکی تھی، مگر اس نے ہاتھ چھوڑنے کے بجائے یوں جھٹکا دیا تھا کہ وہ اس کے سینے سے آگلی تھی، اس کی توجان ہی ہوا ہونے لگی تھی، اس کی نگاہ نے بہت نرمی سے اس کے چہرے کے بھیکے بھیکے نقوش چھوئے تھے، وہ بدک کر دور ہوئی تھی، نگاہ جھکانے، لب چلتی، بھاگنے کو پر تو تھی وہ پیاری سی لڑکی اسے بہت خاص لگی تھی۔

”یار! اتنا ڈرتی کیوں ہو؟ اچھا خاصا ہینڈسم ہوں، ایک جہان کی لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر اور تم ہو کہ مجھے دیکھ کر یوں بھاگنے لگتی ہو، جیسے میں کوئی دیویدیکل جن ہوں۔“ وہ اس کی کلائی ہنوز تھامے ہوئے تھا، جسے وہ چھڑانے کی کوشش میں تھی، مگر اس کی مضبوط گرفت سے ہاتھ نکالنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔

”آپ پلیز مجھے جانے دیں۔“ وہ منمنائی تھی۔

”ارے.... جانے دوں، آج تو جانے نہیں دے سکتا، اب تک تو میں تمہارے پیچھے تھا اور آج تو تم خود چل کر میرے کمرے تک آئی ہو۔“ وہ شریر ہوا تھا، ہاتھ چھوڑ کر ماتھے پر جھوٹی سیاہ لٹ کو ہاتھ بڑھا کر ماتھے سے پرے کیا تھا، وہ بدک کر دور ہوئی تھی اور پیچھے دو قدم کے فاصلے پر موجود بیڈ پر گر گئی تھی، وہ اس کی گھبراہٹ انجوائے کرتا بیڈ کے پاس ہی نیچے کا پٹ پر اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”بلیو... میں خود نہیں آئی، وہ لاج مجھے چھوڑ گئی تھی اور سچی مجھے نہیں پہنچا کہ یہ آپ کا روم ہے، ورنہ میں نہیں آتی، پلیز مجھے جانے دیں۔“ وہ نیر بہاتے ہوئے منمنائی تھی کہ ایک دفعہ پہلے بھی اس کمرے میں آئی تھی مگر رونی کی وجہ سے اس نے کمرے پر توجہ ہی کب دی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ ہٹائی اٹھنے لگی تھی، وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام گیا تھا اور پیار سے اس کا چہرہ تکتے لگا تھا۔

”ہاں تم سے کبھی امید بھی ظالم لڑکی، وہاں باہر ایک دفعہ جو مجھے دیکھا ہو، جانتی ہو میں نے تمہیں کتنا مس کیا، مگر کہاں اندازہ تھا کہ تم آج ہی دل کا سکون بن کر نکل آ جاؤ گی، اپنی تمام تر سادھیوں کے باوجود بہت پیاری لگ رہی ہو، مگر یار! رو کیوں رہی تھیں؟ او اس کیوں ہو، کیا تم بھی مجھے مس کر رہی تھیں؟“ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہ بولے گی، اس لیے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال کر ڈالے تھے۔

”میں نے آپ کو بالکل مس نہیں کیا تھا، اب مجھے جانے دیں۔“ وہ بے بسی سے گویا ہوئی تھی، وہ اس کے سامنے یوں بیٹھا تھا کہ وہ جانا تو دور کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

”قسم سے تمہاری یہ صاف گوئی اور بے اعتنائی میری جان لے لے گی، جسوئے منہ ہی کہہ دیتیں کہ مس کیا تھا۔“ وہ خائف و ناراض ہوئے بنا ہنوز شوخی سے بولا تھا۔

”میں جھوٹ نہیں بولتی، اب جانے دیں ناں پلیز!...“ وہ خفگی سے کہہ کر ہلکی ہوئی تھی۔

”اداسی کا سبب بتا کر چلی جاؤ کہ کچھ دیر تم اور میرے سامنے رہیں تو قسم سے میرا خود پر اٹھنا نہیں رہے گا، تم تو میرے سارے ایمان و انواں ڈول کر دیتی ہو۔“ نرمی سے اس کا رخسار چھو کر پیشانی پر لب رکھتا اس کی جان نکالتا کھڑا ہو گیا تھا، جبکہ وہ تو بیٹھی ہی رہ گئی تھی، اس نے اسے دیکھا تھا جس کا مہتابی رنگت والا کلابی چہرہ وہ بک رہا تھا، اور وہ بھی لب چلتی دانے ہاتھ کی پشت سے پیشانی مل رہی تھی۔

”تمہارا بھی جانے کا دل نہیں کر رہا ناں؟“ اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے شوخی سے کہا تھا، اس نے بھگی بھگی اٹھائیں، خفگی و ناراضی سے اسے دیکھتی اس کی بولتی شوخ آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہ جھکانی لگی تھی۔

”بتا دو یار! اداس کیوں ہو؟ ورنہ میں پریشان ہوتا رہوں گا۔“ اٹھتے قدم اس کی بھاری گھبراہٹ آواز پر تھمتے تھے۔

”آپ کی مباحثے پسند نہیں کرتیں، ان کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ مجھے ناپسند کرتی تھیں تو آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ وہ دروازے کے پاس ٹھہری بنا پلٹنے نم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”پسند تو مجھے تم بھی نہیں کریں تو تم نے اپنی ناپسندیدگی کے باوجود مجھ سے نکاح کیوں کیا؟“ وہ اس کے سامنے سوال بن کر آن ٹھہرا تھا۔

”ارجم بھیا! کی وجہ سے کہ میں انکار کر کے ان کا مان نہیں توڑ سکتی تھی، سب کو یقین تھا کہ مجھے ارحم بھیا مانا لیں گے، اس لیے میں سب کا یقین نہیں توڑ سکتی تھی۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھی، جو اس کی شخصیت کا خاصہ نہ تھی۔

”تم میری محبت ہو، اور میں کسی کی بھی ناپسندیدگی کے خیال سے اپنی محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتا تھا، چاہے وہ کسی میرے پیڑش ہی کیوں نہ تھے، تم یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہیں کوئی بھی ناپسند کرتا ہو، کتنے ہی لوگ اس رشتے کے خلاف ہوں، مگر میں دل سے اس رشتے کے حق میں تھا، بہت محبت سے اپنایا ہے تمہیں اور میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ اپنا آپ منوالے تم بے فکر رہنا، تمہیں مجھ سے اگر 100 پرسنٹ چاہت ملے گی، تو میں خود سے وابستہ رشتوں کو بھی تم سے محبت کرنے پر مجبور کر دوں گا۔“ وہ بہت پیار و یقین سے کہہ رہا تھا۔

”محبت وہ واحد شے ہے دنیا میں جسے زبردستی حاصل نہیں کیا جاسکتا نہ ہی کسی کو محبت کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔“ وہ اس کو ساکت چھوڑ کر نکل گئی تھی، وہ بے چین ہوا تھا تھا، اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے جوتا مار گئی ہے، وہ اسے اپنے نام تو کر چکا تھا، مگر اس کی محبت اپنے نام نہیں کروا سکتا تھا، محبت زور زبردستی سے حاصل نہیں کی جاسکتی، اس لیے وہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہے، وہ جتنا سوچ رہا تھا اتنا لہجہ رہا تھا اور جتنا لہجہ رہا تھا اتنا ہی مضطرب ہو رہا تھا اور اضطراب کی لہرس دباتے دباتے وہ غصے کو ہوا دے بیٹھا تھا، اور اس نے سوچ لیا تھا زبردستی تو زبردستی ہی کسی کو اسے بس کیسے بھی اس کو پانا تھا، اس کے دل تک رسائی حاصل کرنا بھی، یہ مشکل ضرور تھا ناممکن نہیں اور اس نے کسی بھی کام کو کبھی مشکل نہیں سمجھا تھا اور ناممکن جیسے لفظ کا تو اس کے آس پاس گزر بھی نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

”فارگا ڈیک حنین! ہر وقت تم بحث لے کر کیوں بیٹھ جاتی ہو؟“ ساجدہ حد درجے جھنجھلا کر بولی تھیں۔

”مئی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں، میں ان کے ساتھ کیسے جاسکتی ہوں؟“ وہ ماں سے زیادہ جھنجھلائی ہوئی

تھی۔ ”کیسے جاسکتی ہو کیا مطلب؟ وہ شوہر ہے تمہارا، اسی لیے اجازت دے رہے ہیں۔“ وہ اب کے ناراضی ظاہر کر گئی تھیں۔

”آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں مجھے ان کی بیوی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے، میں منگنی میں ارحم بھیا کی طرف سے شرکت کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ الٹا ناراضی ظاہر کرنے لگی تھی، انھوں نے بیٹی کو خشکیوں نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”شٹ اپ حنین! رشتے تمہارے نزدیک شوق کا نام ہیں۔“ وہ اسے ڈپٹ رہی تھیں۔

”آئی ایم سوری، ہٹ آپ انھیں منع کر دیں، میں منگنی میں ارحم بھیا کی طرف سے شریک ہونا چاہتی ہوں، پلیز می! اٹرائی ٹوائنڈ راسٹینڈ مائی فیلنگز۔“ وہ ماں کے ہاتھ تھامے بیٹی ہوئی تھی۔

”حنین! تمہیں ہر بات سے انکار کر کے مسئلہ بنانے کی کچھ عادت ہی ہو گئی ہے، وہ اس گھر کا داماد ہے، اب اسے کیسے منہ اٹھا کر منع کر دیں؟ شریک تو پارٹی میں ہونا ہے اس سے کیا فرق پڑے گا کہ کس کی طرف سے شرکت کر دو گی۔“ وہ گزشتہ شب سے اسے سمجھا رہی تھیں، آخر غصے میں آ ہی گئی تھیں، ہاتھ جھٹک کر اس پر برسی تھیں۔

”آپ کو اپنے سڑے ہوئے داماد کی بہت فکر ہے جو مجھے ہٹ کرنے، زنج کرنے کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے، میں ارحم بھیا کی منگنی کو لے کر کتنی رجوش تھی، کتنی تیاریاں کی تھیں، پھپھو نے کتنی خوبصورت فراک دلائی تھی مجھے اور انھوں نے گھٹیا سی ساڑھی بھیج کر حکم نامہ جاری کر دیا کہ وہ مجھے لینے آ جائیں گے، میں ان کی طرف سے ایجنٹ میں شریک ہوں گی، مجھے نہ وہ ساڑھی پہننی ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ کہیں جانا ہے اور آپ نے مجھے اب فورس کیا ناں می! تو میں پارٹی میں ہی نہیں جاؤں گی۔“ وہ بھی غصے سے پھٹ پڑی تھی اور اس کو روتے دیکھ کر انھوں نے لب بچھنے لیے تھے، انھیں وہ خود بے بڑھ کر عزیمتی، کچھ عرصے سے انھیں لگنے لگا تھا کہ دھیرے دھیرے ان کی بیٹی ان سے دور ہوتی جا رہی تھی، آنسو ان کی آنکھوں سے گرنے لگے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی لالچالہ ماہ کنعان کے ساتھ جانے کو راضی ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”یہ آپ مجھے ماہ ولاز کیوں لے آئے ہیں؟“ وہ اسے کاشانہ عالم لینے پہنچا تھا جب تو اس کا موڈ خوشگوار تھا، مگر جس دم وہ گاڑی میں بیٹھی تھی، اس کی تنبیہ کی وغصے کو محسوس کر گئی تھی اور جب وہ ریش ڈرائیونگ کرتا ماہ ولاز پہنچا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے کہ جانتی تھی کہ پارٹی شیرن میں ہے۔ ماہ کنعان نے ایک سخت نگاہ اس کے دواؤ تھر روپ پر ڈالی تھی کہ اتار لگی فیروز کی رنگ کی فراک میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، مگر وہ اس وقت شدید اشتعال میں تھا کہ آج کے لیے اس نے اس کے لیے نیوی بلیوساڑھی لی تھی اور کیا کچھ نہیں سوچ لیا تھا اس لیے اسے فراک میں دیکھ کر وہ پارٹی میں جانے کے بجائے گھر آ گیا تھا۔ اسے اترنے کو کہا اس نے ان سنا کر دیا، اس نے غصے سے فرنٹ ڈور اوپن کیا اور بازو سے تھام کر اسے باہر بھیج لیا، اس کے بعد وہ ہزار واویلوں کے بعد اس کے ساتھ چلتی چلی گئی تھی، ماہ کنعان نے اسے اپنے کمرے میں لا کر اس کا بازو آزاد کیا اور بائیں ہاتھ میں موجود شارپ بیڈ پراجھال دیا۔

”جلدی سے چنچ کر کے آ جاؤ۔“ وہ اتنے عام سے لہجے میں بولا تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو جبکہ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

”وقت ضائع نہ کرو حنین عابدی! کہ ہم نے پارٹی میں بھی پہنچنا ہے۔“ اس کا فیروز کی آچل نہ جانے کہاں گر گیا تھا، اس نے دل کو تھپکی دے کر نظر چرائی تھی کہ اس وقت بھی سنواری اس کے دل ہی نہیں خواہشات پر بھی گہرا وار کر گئی تھی۔

”چنچ تو میں ہرگز نہیں کروں گی، چاہے پارٹی ختم ہو جائے۔“ وہ رونے کے درمیان ہٹ دھرمی سے چیخی تھی، یکدم ہی اس کے لب مسکرا اٹھے تھے، اس نے چند قدموں کا فاصلہ طے کیا اور عین اس کے سامنے آن ٹھہرا۔

”اس سے اچھی کیا بات ہوگی کہ تم اتنا وقت میرے ساتھ گزار دو گی۔“ اس کو دیکھتے ہوئے اس کی ساحرانہ آنکھوں میں خسار اترنے لگا تھا اور وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی تھی، اس کی آنکھوں سے چھلکتے جذبوں پر وہ نہ محسوس طریقے سے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا آپ سے، آپ پلیز مجھے پارٹی میں چھوڑ دیں۔“ نگاہ جھکاتی لمحہ بہ لمحہ پیچھے ہوتے ہوئے منمنائی تھی اور اس کی نگاہ اس کے احسوس لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔

”تم چنچ کر لو تو میں لے جاؤں گا۔“ وہ اس کی حالت سے حظ اٹھاتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا، جو پیچھے ہوتے ہوئے دیوار سے جا لگی تھی اور اس نے دیوار پر دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر سارے راستے اس کے لیے مسدود کر دیئے تھے۔

”ورنہ مجھے اکیلے ہی وہاں جانا پڑے گا کہ میں اپنی بہن کی منگنی اپنی نافرمان منکوحہ کے لیے مس تو نہیں کر سکتا۔“ وہ اس کے لرزتے وجود پر نگاہ جمائے شوخ ہو رہا تھا۔

”آپ مجھے یہاں اکیلے کیسے چھوڑ کر جاسکتے ہیں، اکیلے میں مارے ڈر کے میرا دم نکل گیا تو؟“ اس کے کچھ دیر پہلے کے احساسات کچھ اور تھے جواب بدل گئے تھے، اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کی وجہ بدل گئی تھی اور اسے اب ہنسی آنے لگی تھی کہ کتنی افلاطون تھی، مگر دم غبارے جیسا تھا، ہوا اب نکلی تھی۔

”تمہیں ڈر ہے کہ اکیلے تمہارا دم نکل جائے گا، تو میں بھی نہیں جانتا۔“ اس کے لب ہی نہیں آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں اور دیوار پر ٹھہرا دایاں ہاتھ اس کے چہرے پر آ ٹھہرا، تو اس نے یکدم ہی آنکھیں میچ لی تھیں۔

”لیکن میں اگر تمہارے ساتھ رہا تو تمہارا دم یوں بھی نکل جائے گا۔“ وہ اس کی لرزتی پلکوں اور کانپتے ہونٹوں کو نگاہ سے چھو تا لہجے میں جذبوں کی آگن لگائے بولا تھا کہ وہ اس کے لیے امتحان بن گئی تھی کہ نہ فاصلے

مٹا سکتا تھا، نہ ہی فاصلے پر رہ سکتا تھا کہ وہ اس سے پہلے ہی بدگمان تھی اور آج کا اس کا نکل اسے مزید بدگمان کر سکتا تھا، اس لیے دیوار کی حد تک جا کر وہ ضبط سے زرتا اس کے رخسار سے اپنا ہاتھ کھینچتا پلٹ گیا تھا، اس کے بعد اسے کچھ کہنا نہیں پڑا تھا، اس نے کانپتے ہاتھوں سے شارپ میں سے ساڑھی نکالی تھی اور اس روم میں گھس گئی تھی۔ اس نے ہچکیوں سے روتے ہوئے بہت مشکل سے اس کام کو انجام دیا تھا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے

تھے، بس ایک دفعہ اس نے شوق شوق میں شازمین سے ساڑھی باندھنا کی گئی تھی، وہی اس کے کام آ گیا تھا، اور اسے دیکھ کر تو اس پر بے اختیار ہی آتی تھی کہ اس کا چاندنی میں نہایتراشیدہ بدن نیوی بلیوساڑھی میں حشر برپا کر رہا تھا، مگر اس کی خائف، بدگمان، ناراض نظر اس کے جذبوں پر بند باندھ گئی تھی۔

”آئی ایم سوری، ہٹ اگر تم پہلے ہی میرا گفٹ ایکسیپٹ کر لیتیں تو مجھے اتنا تردد نہ کرنا پڑتا۔“ وہ اپنے کیے پر نادم نہ تھا۔

”تم یہ زبردستی کرنے پر مجبور کرتی ہو“۔ ناگواری سے اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھے تھے۔
 ”آپ کے کہنے پر پہن لی ہے ناں یہ ساڑھی تو اب کیا مسئلہ ہے، چلیں یہاں سے“۔ وہ اس پر بگڑی تھی،
 اسے یہاں سے جانے کی جلدی تھی کہ اسے اس سے اس کی آنکھوں سے خوف آ رہا تھا، تب ہی تو اتنی آسانی
 سے مان گئی تھی۔

اس کے اُسو پوچھ لیا تھا۔
 ”وہ وقت کتنا حسین ہوگا، جب صرف میں اور تم ہوگی، میرے لیو پر تمہارے قصیدے ہوں گے، تمہاری آنکھوں میں میرا کس بکھرا ہوگا، اور میں تمہیں سہیتا، تمہاری ہاتھوں میں بکھرجاؤں گا۔“ وہ اس کی نظروں وچدبول کی تاب نہ لاتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی تھی کہ وہ راہ میں آتا اسے شانوں سے تھامتہا پتلا گیا تھا، اس کی نگاہ اس کے چہرے کے نقوش چھو رہی تھی اور اس نے گھبرا کر مارے خوف کے ہمیشہ کی طرح آنکھیں بند کر لی تھیں۔
 ”ناراضی و غصے کی قبایہا بکھرتی جل جائے گی اور پھر میں تمہیں اپنی چاہت کی قباؤں ہا کر تمہیں اپنے نام کر لوں گا، اور تم جو میرے قریب آنے سے گریزاں رہتی ہو، میرے دور جانے سے خائف رہا کر دے گی۔“ اس کے چہرہ حجاب کی سرخی سے دھک رہا تھا اور اس کے سن میں آگ لگا کر اس کے جذبات کی آغ کچھ بکھڑکا کر لیو سے اُسو جھٹے ہوئے فاصلہ قائم کرتے ہوئے اسے پارٹی میں لے گیا تھا، جہاں وہ اس کے سائے سے بھی گریزاں بھاگتی رہی تھی۔

رداؤ انجسٹ 192 اپریل 2014ء

”اُوئے یار! اے منانا کونسا مشکل ہے۔“ وہ کچھ دیر پہلے کی اس کی جھنجھلاہٹ کو سوچتا متبسم سا بولا تھا۔
 ”ٹو سوچ کر فیصلہ کر لے کہ اے منانا واقعی مشکل نہ ہوگا، مگر اس طرح اس کی خوشی سے زیادہ اس سب میں
 اس کی مجبوری کا ہاتھ ہوگا کہ وہ ابھی نکاح کو ہی قبول نہیں کر سکی، کیا شادی کو کرے گی؟ اور تو نے فورس کیا تو نوید
 انکل لوگ اسے فورس کریں گے اور اس طرح تو وہ ساری زندگی ایک غلش سی محسوس کرتی رہے گی اور غلش کے
 ساتھ ملنے والی خوشی ادھوری ہی رہا کرتی ہے۔“ وہ گہری خنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”یہ سب کہنے کی حد تک ہی رہ جاتا ہے کہ شادی کے بعد اپنے ہی جھیلے کم نہیں ہوتے۔“ اس نے نہایت پتے سے لہجے میں کہا تھا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا اور اس نے نہایت سنجیدگی سے جو خبر دی تھی وہ تو خوشی سے ہی جھوم اٹھا تھا۔

”پاگل انسان، اتنی بڑی خوشی کی خبر تو یوں روتے روتے سنجیدگی سے سنارہا ہے۔ اپنی بات کے اور جوش کے جواب میں بھی سنجیدگی پا کر وہ متفکر سا پوچھ بیٹھا تھا۔

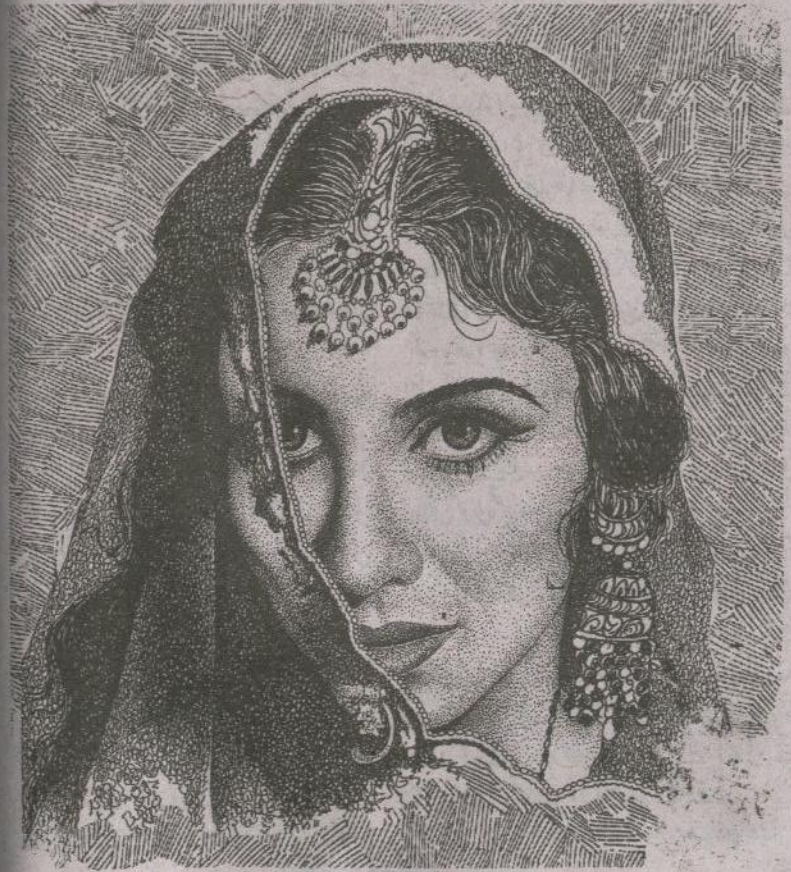
”میری فیوجر لائن تک میں یہ سب نہیں تھا۔“ وہ ہنوز اسی کیفیت میں بولا تھا۔

”میں اتنی بڑی خوشی کی خبر پا کر بہت مسرور ہوں، اتنا خوش کہ اپنی پوری زندگی میں اتنا مکمل خوشی کا احساس نہیں ہوا۔“ وہ دھیمے سے بولا تھا، تجید کی کاخول چٹا تھا، آنکھیں مسکرا اٹھی تھیں۔ (جاری ہے.....)

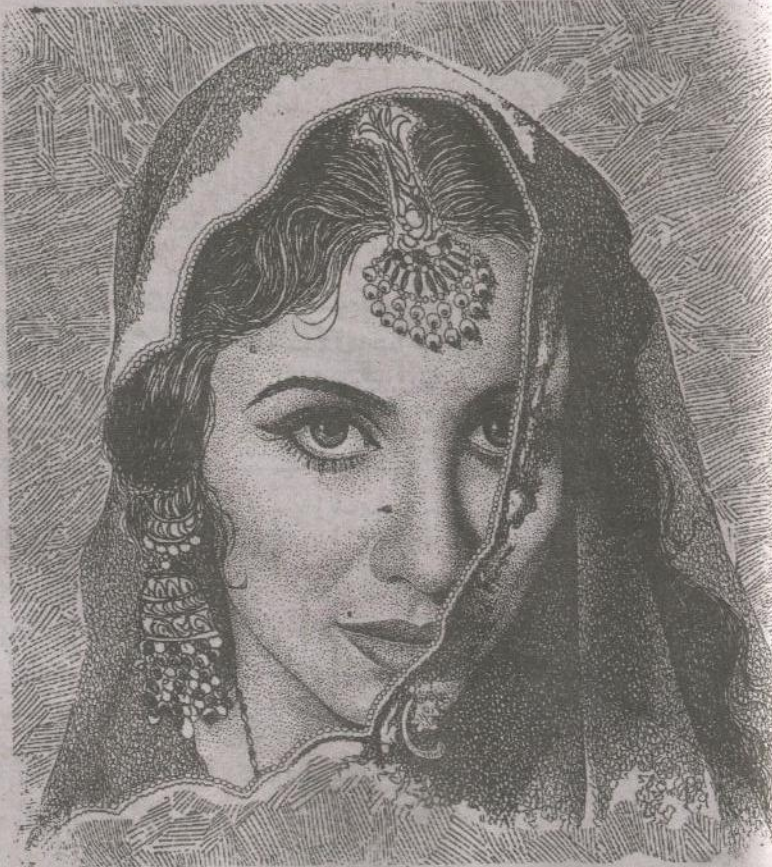
سلسلے وار ناول

ہنر و بنا کا مہلے لگی جاننا

”میرا ان کے ساتھ یہاں آنا اتنا بھی ضروری نہ تھا، میری مرضی کے خیال سے ہی ممی منع کر دیتیں لیکن نہیں، اوپر سے وہ مجھے ماہ و لاز لے گئے، صرف اپنی ضد پوری کرنے کے لیے، آپ خود بتائیے



اس فراک میں کیا برائی تھی، جو انھوں نے مجھے یوں پارٹی میں نہ لانے کی دھمکی دے کر یہ ساڑھی پہننے پر مجبور کر لیا۔ وہ سوں سوں کر رہی تھی کہ اس سے بھی کسی نے کچھ بائے فورس نہیں کروایا تھا، اس کا ذہن دل اس وقت بری طرح ہرٹ ہوئے تھے کہ اول تو وہ نکاح کے لیے ہی بمشکل راضی ہوئی تھی اور نکاح کے بعد جس طرح اس کو باؤنڈ کیا جا رہا تھا، ہر جگہ جس طرح اس کی چل رہی تھی، اس کی پسندیدگی بڑھ رہی تھی کہ اپنوں کی چاہت اور توجہ نے اسے خود پسند بنا دیا تھا، اور آج اس کی اتنا بری طرح متاثر ہوئی تھی کہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھی کہ نرمی و پیار سے جان بھی مانگ لو تو دے دیں اور غصہ و زبردستی سے ایک تنکا بھی دیتے ہوئے اپنے اندر خالی پن محسوس کرنے لگے اور وہ بھی اپنے اندر خالی پن اتنا بہت کچھ ٹوٹا محسوس کر رہی تھی کہ اس کی زندگی میں وہ واحد تھا، جس کے سامنے اس کو جھکنا پڑ رہا تھا، جس کے سامنے اس کے اپنے اسے جھکا رہے تھے، اس کی مان کر اسے ڈی گریڈ کر رہے تھے اور یہ ساری سوچیں اس کی حدود پر جے خود پسندی و حساسیت کا سبب تھیں۔



”میں ارحم بھیا کو اس سب کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی، مجھے لگتا ہے آپ! ایسے ارحم بھیا نے اپنا قسم دے کر مجھے فریاد کر دیا ہے، باقی لڑکیوں کی شادی ان کی پسند و رخصت سے ہوتی ہے اور میری شادی میں میری کوئی مرضی شامل ہی نہیں ہے، اور وہ شخص جب ابھی اپنی بات کو مقدم رکھتا ہے تو کیا آگے میری بات کی اہمیت ہوگی؟ میری ذات کی لٹی ہو رہی ہے، میری شخصیت آپ سب نے ایک زبردستی کا رشتہ جوڑ کر رکھ کر دی ہے۔“ وہ یہ تحاشہ رو رہی تھی، اس شخص سے ہی نہیں اس کی بیوہ سے بانی اپوں سے بھی بہت ناراض تھی، بدگمان ہو رہی تھی، اور سب سے زیادہ ناراض وہ ارحم الحسن سے تھی، جیسے ہی اس پر نگاہ پڑی وہاں سے نکلنے کو سعی کہ وہ اس کا ہاتھ تمام گیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر ٹھہرے گی نہیں اسی لیے زمین کو چسپا رہنے کا اشارہ کر دیا تھا اس نے اس سے آج بات تک نہیں کی تھی، مگر جب اس نے اسے Wish کیا تھا، اپنی تمام تر ناراضی کے باوجود وہ اس کے صاف دل اور اچھی فطرت کا قائل ہوتا نرزی سے مسکرا دیا تھا وہ اتنی ہی چچی، دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھنے والی تھی کہ اس نے جان کر کبھی کسی کو دک نہیں پہنچائی تھی۔

”جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں جو میں محسوس کر رہا ہوں، وہ تم اپنی ناراضی کے چلتے نہ دیکھ سکتی ہوں نہ ہی محسوس کر سکتی ہو۔“ نہایت نرزی سے کہہ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”اسجد! آخر تم نے سوچا ہوا کیا ہے؟ یہ روز روز تم آفس سے جاتے کہاں ہو؟“ نوید عالم کی بات پر وہ غر بڑا گیا تھا۔

”روز کہاں ابو! بس کبھی بکھار دوستوں کی طرف چلا جاتا ہوں۔“ ان کی خشمگین نگاہیں خود پر جمی محسوس کرتے ہوئے دھیمے سے کہا تھا کہ خاموش بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

”تو قیر کے علاوہ تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور تو قیر بھی کچھ ماہ قبل لاہور شفٹ ہو گیا ہے، تو اب یہ نیا دوست کون ہے، منہ سے بتاؤ گے یا میں کچھ کہوں؟“ اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس کی طرف سے اتنے بھی ناپل نہ تھے۔

”ابو! انسان کی کئی مصروفیات، کئی دوست ہوتے ہیں، اب ہر بات، ہر دوست کی تفصیل تو آپ لوگوں کو نہیں دے سکتا۔“ سخت اور دل کا چور چھپانے کو اس نے حشکی وہ بے غصے کا سہارا لیا تھا۔

”تفصیل ہمیں جانتی بھی نہیں ہے، مگر یہ مت بھولو کہ تم کوئی چمڑے چھانٹ نہیں ہو، شادی شدہ مرد ہے، اپنی ذمے داریوں کو سمجھو، شادی کو ڈیڑھ سال ہونے کو ہے، اور بحال ہے جو ہم نے تمہیں مانہ بیٹی کو کہیں لے جاتے دیکھا ہو، یا اس سے گھر میں ہی سیدھے منہ بات کرتے دیکھ لیا ہو۔“ وہ روشنی سے کہتے اسے بے طرح چونکا گئے تھے اور اسے رات کی گفتگو یاد آنے لگی تھی کہ مانہ کو میکے لے کر جانا تھا، مگر وہ بھول گیا تھا اور رات گئے جب وہ اپنی من چاہی بیوی کے ساتھ وقت گزار کر لوٹا تھا، اسے بیٹھے بیٹھے صوفے پر سوتے دیکھ کر شرمندہ ہو گیا تھا کہ اس کی تیاری سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ جانے کو تیار تھی اور انتظار کرتے کرتے ہی سو گئی تھی، وہ بھی بھی گھر میں اکیلی نوید عالم کے کسی جاننے والے کے ہاں شادی تھی، جانا بہت ضروری تھا اس لیے وہ سب وہاں چلے گئے تھے اور اس نے فور ہونے کی وجہ سے معذرت کی تھی اور راشدہ کی تسلی کے لیے کہہ دیا اسے اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھیں، اس لیے اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ انھن کا ہاؤس چلی جائے گی

ابجد مگر بھول گیا تھا اور فون پر یاد دلانے کے باوجود وہ دیر سے لوٹا تھا کہ اسے اطمینان تھا گھر میں کوئی نہیں، اس لیے وہ جواب طلبی سے بچ جائے گا، مگر اپنی اس قدر ناقدی پر وہ مضطرب کھو بیٹھی تھی، وہ ہمیشہ کی طرح غصے میں بھی ششکلی کا دامن تھا، رہی تھی اور وہ جو ماں باپ کے ڈر سے آواز نہ سنی ہی رکھتا تھا، غصے میں آپے سے باہر ہی ہو گیا تھا، نہ صرف اس کو اس کی اوقات بتاتی تھی بلکہ غصے میں اس کے اپنا قصور پوچھنے کے جرم میں ہاتھ تک اٹھالیا تھا، اور اسے یہی لگا تھا کہ مانہ نے ہی ان سے کچھ کہہ دیا ہے، جو وہ جواب طلبی کر رہے ہیں، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس کی ساری بکواس ان دونوں میاں بیوی نے اپنے کانوں سے نہ سنی تھی، جہاں اس کی کم ظرفی و بد نصیبی پر غصہ و افسوس ہوا تھا، وہیں مانہ کا مقام ان کے ذہن و دل میں اور بلند ہو گیا تھا، وہ تو اسی وقت جواب طلبی کرتے کہ راشدہ انھیں زبردستی کرے میں بے گئی تھیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جس عزت نفس کی حفاظت اور مقام کے لیے وہ ڈیڑھ سال سے اذیت میں تھی، وہ بڑھ جائے اس کا مجرم چکنا چور ہو جائے۔

”آپ سے مانہ نے کچھ کہا ہے؟“ لہجے سے زیادہ اس کی نگاہوں میں اشتعال تھا۔

”اس نے کچھ کہا ہی ہوتا تو ڈیڑھ سال سے مشقِ ستم نہ بن رہی ہوتی، ہم سب نے محسوس کیا، دیکھا مگر آنکھوں کے ہوتے ہوئے اس امید پر اندھے بن گئے کہ تم اس لڑکی کو فراموش کر کے ایک دن بیوی کو چاہتے ہو، مگر ہمیں اندازہ بھی نہ تھا کہ تم اس حد تک بھی مانہ بیٹی کے ساتھ برا کر سکتے ہو۔“

روح افزا

برگم میں ہو انرجی فل!



اوپر چلیے!



”ماندہ نے بھی غصے و ناراضی کا اظہار کیا تھا۔
 ”کیا برا کر رہا ہوں میں آپ کی لاڈلی بیو کے ساتھ؟ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہوں، اسے کس چیز کی کمی ہے؟“ وہ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ماں سے بولا تھا، ورنہ غصہ تو اتنا آ رہا تھا کہ اگر سامنے اصل فساد کی بڑبڑ ہوتی تو وہ آج تو کچھ کر ہی ڈالتا۔
 ”عزت اور محبت کی کمی ہے! سجد! ماندہ دنیاوی آسائشات پر مرنے والی لڑکی نہیں ہے، بیوی ہے تمہاری، اسے چاہت و خلوص تو کیا دیتے اس کے بنیادی و ازدواجی حقوق سے ہی تم نے محروم کر رکھا ہے۔“ اس کے غصے کو محسوس کرتیں وہ بھی اشتعال میں آ گئی تھیں کہ رات سے ہی وہ پریشان تھیں، ماندہ کی تکلیف کا احساس انھیں بے چمن کیے ہوئے تھا اسی لیے وہ زہری کا دامن چھوڑ گئی تھیں اور وہ.... اس کا تو غصے سے برا حال ہونے لگا تھا، اس نے غصے سے مٹھیاں پیچ لی تھیں، اسے ماندہ سے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ ان کے آپسی تعلقات کی کیاں، محرومیاں سب سے کہہ دے گی، اس نے ماں سے بے ساختہ ہی نظریں چرائی تھیں ان کی ملا متی نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔
 ”اور آفرین ہے اس بچی پر جس نے اف نیک نہ کیا، نہ روپیے سے نہ انداز اور نہ ہی زبان سے کبھی کچھ کہنا نہ اظہار کیا۔“ ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔
 ”اس نے کچھ نہیں کہا تو آپ لوگوں پر نعوذ باللہ وحی نازل ہو گئی ہے؟ ہمارے آپسی تعلقات کیسے ہیں یہ آپ لوگوں کو کیسے پتہ چلا؟“ وہ اپنی خجالت و شرمندگی مٹانے کو غصے کا اظہار کر رہا تھا۔
 ”روپیے بہت کچھ سمجھا دیتے ہیں! سجد! مگر ہم نے آنکھوں دیکھی کبھی نگلی، تم بڑھوسہ کیا، تم سے آس لگنی جوان کے مفہوم و مطالب بھی نہیں جانتا، مگر ہم تمہیں بہت کچھ سمجھا چکے، بہت ڈھیل دے چکے فیصلہ کر لو آج ابھی اسی وقت کہ تم نے ماندہ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے یا نہیں؟“ وہ غصے سے ہنکارے تھے۔
 ”یہ سوال بہت جلدی نہیں پوچھ لیا آپ نے؟“ اس نے طنز سے ہنکارا بھرا تھا۔
 ”میں اب تک مجبوری میں آدھے ادھورے نام نہاد رشتے نبھاتا رہا ہوں، جبکہ ماندہ سے مجھے نہ کل دلچسپی تھی، نہ آج ہے اور نہ ہی میرا ارادہ ہے، فیصلہ لیکن میں نے نہیں آپ نے کرتا ہے کہ شادی زبردستی کروائی تھی اب اس کو خود ہی انجام دے دیں گے تو اچھا ہوگا۔“ وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتا صاف گوئی کی انتہاؤں کو پہنچا ہوا تھا۔
 ”اس لڑکی ہاں کرنا تو مجھے ہی کچھ پڑے گا، مگر تم اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم ماندہ بیٹی کی زندگی برباد کر کے میں عاق کر دوں گا، کہ اس گھر کی بہو صرف ماندہ ہے، اور میری آخری سانس تک وہی رہے گی۔“ وہ کف نکلنے چلے گئے تھے۔
 ”آئی! آپ ابو سے کہہ دیجیے گا انھوں نے جو کرتا ہے کر لیں کہ میں ماندہ کو نہیں اپنانے والا اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے میں جسے چاہتا تھا شادی کر چکا ہوں اور مجھ میں اتنا دم ہے کہ یہاں سے نکل کر نوید عالم کے عاق کر دیں پر نہ خود بھوکا مہروں گانہ بیوی اور بیٹی کو ماروں گا۔“ جبکہ وہ تو اس کی باتوں میں ہونے والے انکشاف پر ہی انک گئی تھیں۔

فضائل قرآن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

- ★ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔
- ★ حق سبحانہ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔
- ★ حدود و شخص کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور دن رات اس میں مشغول رہتا ہے دوسرے وہ جس کو حق سبحانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔
- ★ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔
- ★ قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور پھر پھر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پھر پھر کر پڑھا کرتا تھا۔ پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔
- ★ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔
- ★ میں نہیں کہتا کہ سارا (الم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔
- ★ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اسکے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جسکی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھر میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عطا ہے۔
- ★ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمادیں گے اور اس کے گھر ان سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمادیں گے جس کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو۔
- ★ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بھول ویران گھر کے ہے۔
- ★ دلوں کو بھی رنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے رنگ لگتا ہے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔
- ★ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں قرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے ملے ہے یعنی کلام پاک۔
- ★ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کیلئے دو چتر نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔
- ★ کلام اللہ کو آواز سے پڑھنے والا عظیمہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔
- ★ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا نہ کوئی نئی نہ فرشتہ وغیرہ۔
- ★ اگر تو صبح کو چاکر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سکھ لے تو نوافل کی سو 100 رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔
- ★ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے غلامی کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

”ماندہ سے شادی سے 2 ماہ قبل میں نے یسری سے شادی کر لی تھی، اب تو میری ایک 2 ماہ کی بیٹی بھی ہے، بتا دیجیے گا ابو کو، اور وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے تو میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا، مگر ان کی لاڈلی بیٹی وہ ہو کو اب آزاد تو کسی صورت میں نہیں کروں گا اور جتنی تذلیل اس کے سبب میری ہوئی ہے سود سمیت بدلہ نہ لیا تو میرا نام بھی احمد عالم نہیں۔“ وہ انکشاف کے صدمے سے نہ لگی تھیں کہ اس کی دھمکی، آنکھوں سے ٹپکتے شعلے وہ یکدم ہی دہل گئی تھیں۔

”تم یہ ہمیشہ یاد رکھنا احمد! ماندہ تم باپ بیٹے کی ضد و غصے میں بے تصور ہی پس رہی ہے، وہ معصوم سیدھی بیٹی اس نے ہم سے ایک لفظ نہیں کہا، ہم نے ساری حقیقت اسنے کانوں.....!“ وہ کہہ رہی تھیں مگر وہ رکاب، گھر سے ہی نکل گیا تھا اور ماں کو ساری حقیقت بتا چکا تھا، اس لیے اب اسے کسی بات کا ڈر بھی نہ تھا، کہ وہ فیصلہ بھی کر چکا تھا، یسری کے ساتھ مستقل رہنے اور ماندہ کو اذیت بھری نا آسودہ زندگی دینے کا فیصلہ، اس لیے وہ رات گھر نہیں آیا تھا، دوسرے دن ماں کے فون کرنے پر وہ منہ بنائے جس وقت گھر میں داخل ہوا تھا، گھر میں صرف حنین اور ماندہ ہی تھیں وہ دونوں بچپن اور نوید عالم کچھ گھٹنے قفل ہی اپنی خالہ کی محبت میں نوابشاہ چلے گئے تھے۔ مجبوراً اسے ہی کال کر کے گھر پہنچنے کو کہا تھا کہ انھیں واپسی میں دیر بھی ہو سکتی تھی۔ ایسے میں ماندہ اور حنین گھر میں اکیلے نہیں رہ سکتی تھیں، راشدہ نے تقریباً دن کے ڈھائی بجے اسے فون کیا تھا، مگر وہ رات کے 9 بجے گھر میں داخل ہوا تھا۔ ماندہ آنے والے بے رحم وقت سے انجان اپنی سادگی اور معصومیت کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

”کھانا لے آؤں آپ کے لیے؟“ اس کے پاس گھر کی چابی تھی، وہ لاک کھول کر کب آیا تھا وہ اس لیے انجان تھی کہ وہ حنین کے کمرے میں تھی، دونوں نے مل کر انڈین مووی ”من“ دیکھی تھی جو ماندہ کی پسندیدہ فلم تھی جو وہ کئی بار دیکھ چکی تھی، مگر جیسے اس کا دل ہی نہیں بھرتا تھا، کچی، بے لوث محبت اس کے دل کی محرمیوں کو بڑھا دیتی تھی، مگر وہ اپنی زندگی سے مایوس نہ تھی کہ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ رکھا تھا، اور اللہ نے ہی اس کی زندگی میں مزید مشکلات رکھی تھیں کہ کچھ لوگ بہت بانصبیب بھی ہوں تو آزمائش کی بھی سے گزرتے ہیں۔

اپنے خیالوں میں گم احمد آواز پر چونکا اور اسے دیکھ کر اسے اپنی کل کی بے عزتی، ماں باپ کی لگا ہوں میں ناچنی نفرت و حقارت یاد آئی تھی۔ اس کی آنکھیں یکدم ہی سرخ ہوئی تھیں۔

”تم نے امی ابو سے کیا بکواس کی ہے؟“ کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، وہ پریشان ہوئی تھی کہ کسی بھی بات کا اس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ کل لپچ ٹائم میں راحم اسے گھر لے گیا تھا اور آج چھوڑ گیا تھا وہ زیادہ تر میکے بھائیوں کے آسرے پر ہی جایا کرتی تھی، وہی لانے لے جانے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھے، انھیں برا لگتا بھی تھا تو وہ بہن کا منہ دیکھ کر خاموش رہتے تھے، اور ان کی خاموشی میں فریدہ کا سارا ہاتھ تھا کہ وہ کچھ نہ جانتے ہوئے اپنی متاع کے محسوسات کے ساتھ اس کے بھرم رکھنے کے مشن میں نہ صرف خود شامل ہوئی تھیں، شوہر اور بیٹوں کو بھی کر لیا تھا۔

”نہیں، میں نے تو بڑی مایامی اور ماموں جان سے کچھ نہیں کہا، مگر میں سمجھی نہیں کہ آپ بات کس بارے میں کر رہے ہیں؟“ وہ اس کے لہجے و گھورتی آنکھوں سے خائف ہوتی دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

”شٹ اپ ماندہ! بہت بن چکیں تم معصوم مگر مزید نادان و انجان بننے کی کوشش کی تو میں تمہیں جان

سے مار دوں گا۔“ وہ اس کے قریب آتے ہوئے دھاڑا تھا، وہ بے ساختہ لرز کر کچھ قدم دور ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے نکلنے لگی تھیں، یوں سے اگلنے انگارے اس کا چہرہ زرد کر گئے تھے کہ وہ پرسوں رات کی بے عزتی بھولی نہیں تھی، زندگی کا پہلا پھٹرا اس بے صبر سنگدل شخص کے ہاتھوں کھا چکی تھی اور گھر میں کسی بڑے کا نہ ہونا اس کے اوسان خطا کر دینے کو کافی تھا، وہ اس بے حس، غصیلے شخص سے کچھ کچھ واقف ہو ہی گئی تھی، وہ غصے میں تو کچھ سوچتا ہی نہ تھا کہ اپنے سوچنے بجھنے کی تمام صلاحیتیں اشتعال کی نظر کر دیتا تھا۔

”جواب دو مجھے تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ہمارے آپسی تعلقات کی نوعیت اب اور امی کو بتانے کی؟“ اس نے لرزتی ہوئی ماندہ کا بازو جکڑا تھا اس کی چیخ کیا نکلی تھی، اس کا اشتعال دگنا ہو گیا تھا۔

”میں نے سچ میں کسی سے کچھ نہیں کہا، آپ میرا ہاتھ چھوڑیں، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔“ رخساروں پر موتی گرنے لگے تھے اور وہ منمنائی بھی کیونکہ اس کی انگلیاں اسے اپنے بازو میں گڑھتی محسوس ہو رہی تھیں، اس کی گرفت اشتعال آمیز و جارحانہ تھی۔

”جھوٹ بولو گی تو یہیں کھڑے کھڑے زمین میں گاڑ دوں گا۔“ وہ نفرت سے کہہ اٹھا تھا۔

”بہنی تو کتنی بھولی ہو، اور ایثار پسند، مشرقی عورت ہو، اور جب تمہاری مشرقیت اور بھرم رکھنے کی ادائیں کہاں مر گئی تھیں جو تم ہمارے ازادواجی تعلقات کی نوعیت اب کو بتا رہی تھیں؟“ حقارت سے کہتے ہوئے اشتعال آمیز تاثرات کے ساتھ اس کے بازو کو جھٹکا دیا تھا۔

”پہلے ہی کہا تھا ناں میں نے تو، کہ میری قربت کی خواہش ہے تو مجھ سے کہو، یہ چور دروازے تلاش کر کے سرعام اشتہار لگا کر تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟“ الزامات کی بھی کوئی انتہا تھی، وہ کھڑے کھڑے اسے ذلت کے پاتال میں اتار گیا تھا۔

”زبان سنبھال کر بات کریں ابجد! میں کچھ ثابت نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی میں نے چور دروازے ڈھونڈے ہیں، اللہ گواہ ہے آپ کے پیرئش تو کیا میں نے بھی اپنے پیرئش کو بھی کچھ نہیں بتایا کہ میں اتنی بے حیا نہیں ہوں کہ اتنی کھلیا بائیں اپنے بزرگوں سے کرنی پھروں، آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیں، الزامات کی خوش فہمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔“ وہ ایک جھگڑے سے اپنا بازو آزاد کرداتی شدتوں سے روتی کہہ رہی تھی، آج تو اس نے ڈیڑھ سالوں میں کی توہین کو تین سے ضرب دے کر اسے اتنا ذلیل کر ڈالا تھا کہ اس کے وجود میں کانٹے آگ آئے تھے، اور وہ چیخ پڑی تھی، غصے سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس قابل تھا ہی نہیں کہ وہ اپنے سچے جذبات اس کے نام کرنی اس کے دل میں موجود اس کی محبت پھڑپھڑانے لگی تھی، آزادی کی التجا کرنے لگی تھی کہ محبت بھی اتنی ذلت کہاں سہہ پاتی ہے۔

”مجھے آپ کی قربت کی خواہش بھی نہیں رہی اور آپ کو یہ خوش فہمی لاحق ہوئی بھی تو کیسے، بتائیے مجھے کب میں آپ کے آگے بن ٹھکن کے بھری؟ کب آپ کو اپنی اداؤں سے لہجھا؟ آپ نے اگر مجھے دھتکار دیا تو میں نے بھی آپ کو پانے، حاصل کرنے کی کوشش نہ کی، کہ مجھے اپنی عزت نفس اور اتنا دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے اور میں اپنے مقام سے نہیں گر سکتی، آپ مجھے اپنی طرح گرا ہوا نہ سمجھیں کہ جب میں نے اپنے جائز مطالبات کے لیے آپ کے آگے آواز بلند نہ کی تو چور دروازے ڈھونڈنے کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں، اگر میں آپ کے لیے غیر اہم ہوں تو آپ بھی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، آپ اگر مجھے بیوی نہیں سمجھتے تو مجھے بھی آپ کو زبردستی اپنا شوہر بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں یہاں صرف اپنے

پیرئش کے لیے ہوں ان کو دکھ سے بچانے کے لیے مجبوری کے آدھے ادھورے رشتے نبھار ہی ہوں، لیکن اب مزید نہیں کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، میں اب یہاں آپ کے ساتھ آدھے ادھورے رشتے جوڑ کر نہیں رہوں گی، چلی جاؤں گی میں یہاں سے۔“ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، بے تاثر نگاہوں سے اس کے لہرنگ چہرے کو دیکھ رہی تھی، یکدم وہاں سے جانے کو چلی تھی وہ وہاں سے اس شخص کے سامنے سے اس کی نفرت و حقارت بھری تذلیل چھلکانی لگا ہوں سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔

”تم یہاں سے جانا تو دور سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔“ اس نے اس کی گلابی چوڑیوں سے بھی دودھیا نرم کلائی تمام کر اسے اپنی اور کھینچا تھا اور اس کی سرخ نمناک آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔

”تم نے نہیں کہا کچھ، میں نے نہیں بتایا کچھ، ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوا، اور یہ سلسلہ آگے بڑھے مجھ پر میری مردانگی پر سوال اٹھیں، اس سے پہلے ہی مجھے اس سارے قصے کو ختم کرنا ہوگا۔“ اس کا سر دلچاس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گیا تھا اس نے چند قدم پیچھے لے کر اس سے فاصلہ قائم کیا تھا، کلائی آزاد کرانا چاہی تھی مگر اس کی گرفت بھی بلا کی مضبوط تھی، اور اس کی نازک گلابی کانچ کی چوڑیاں اس کی گرفت کی نظر ہونے لگی تھیں۔

”نہ خواہش تمہیں ہے، نہ ہی کوئی آرزو میرے دل میں پنپ رہی ہے، مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، وقت حسین ہے، رات بھی خوب صورت ہے، تم بھی جوان ہو جیسی ہو، کچھ میں بھی تو اس معصوم حسن کے جلوے دیکھ لوں، کچھ اپنے کمالات دیکھ لوں کہ قربتیں ضروری تو نہیں ناں کہ ہمیشہ من چاہی ہوں۔“ وہ اس کے لفظوں پر غور کرتی اس کی جساتوں پر بند باندھتی، لرزتی، سسکتی اپنی پوری جان لگا کر اپنی کلائی آزاد کرداتی دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے اسے بازو سے تمام کر بیڈ کی طرف دھکیل دیا تھا، وہ اوندھ منہ بیڈ پر گر رہی تھی، مگر اس کی حیات بڑی تیزی سے کام کر رہی تھیں، وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سیدھی ہوئی تھی اور اس کو دیکھنے لگی تھی، جس نے شرٹ کے بٹن کھولے بنا دونوں ہاتھوں سے شرٹ کی بٹن پٹیوں کو یوں کھینچا تھا کہ سارے بٹن ٹوٹ کر بکھر گئے تھے اور اس نے شرٹ اتار کر صوفے پر اچھال دی تھی، وہ اس کے تپوروں سے خوفزدہ ہوئی بیڈ سے اتر رہی تھی۔

”دل میں تمہارے لیے جگہ نہیں تو کیا ہوا ماندہ! تمہیں اپنے پہلو میں تو جگہ دے ہی سکتا ہوں کہ بات اب مردانگی تک جا پہنچی ہے اور کیا پتہ تم ادا نہیں دکھاؤ تو میں تم پر تمہارے اس سادہ حسن پر دل بھی وار دوں۔“ وہ ہوش و حواس سے ریگانہ لگ رہا تھا، اس پر خود کو برتر ثابت کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی، وہ اپنے معیار اور اخلاقیات سے غمخیز کر گیا تھا، اور وہ خود کو پاتال میں دھنسا محسوس کرنے لگی تھی، اس کی مضبوط گرفت میں بن پانی کی چھٹی کی طرح تڑپتی رہائی کے لیے فریاد کناں ہو گئی تھی۔

”پلیز ابجد! آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، چھوڑ دیں مجھے، جانے دیں خدا کے لیے، میں مر جاؤں گی، یوں میری تذلیل نہ کریں، میری سوانحیت تار تار نہ کریں۔“ وہ رو رہی تھی، سسک رہی تھی، مگر وہ جیسے آنکھوں کے ہوتے اندھا ہو گیا تھا، اس کی بے بسی اس کی تڑپ نہیں دیکھ سکتا تھا، کانوں کے ہوتے بہرہ ہو گیا تھا کہ اس کی فریاد اس کا بلکنا، التجائیں کرنا کچھ بھی اس کے کانوں تک نہیں جا رہا تھا کہ اس کے تمام احساسات ہی فی الوقت مردہ ہو چکے تھے، اس کو صرف اپنی مردانگی ثابت کرنی تھی اور اس سب میں وہ اس

کا بچہ سی حساس لڑکی کو پتہ نہ گیا تھا اس کی سسکیاں دم توڑنے لگی تھیں، اور پچھڑ پچھڑاتی محبت دم آخر کو پہنچ کر جان کنی کے سخت مرحلے سے گزرنے لگی تھی، محبت پر چڑھی حسین قبائدا ہو گئی تھی، تار تار ہو گئی تھی، روح بے قبا ہو گئی تھی اور اس تار تار قبا سے اس کے آنسو پھسلنے جا رہے تھے، کہ جسم کی بے قبا کی تو سب دیکھ لیتے ہیں مگر روح سے قبا چھین بھی لی جائے تو سب انجان ہی رہتے ہیں کہ روح کی بے قبا کی دیکھنے کو حساس دل، شفاف آنکھیں چاہیے ہوتی ہیں اور پھر شہر میں اجنبیوں اور اپنوں کے گھٹنے میں اس کو کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا، جو اس کی روح کو قبا عطا کر کے پھر سے زندہ کر دیتا۔

ہم نے تو تصور بھی نہ کیا تھا جاناں!

کہ جب احساسات کی بند قبا کھلنے لگے گی

ہم اندر سے فنا ہو جائیں گے

جسم پر تو بھی ہوگی اطلال و خواب کی قبا

مگر روح بے قبا ہو جائے گی

ہمارے احساسات ہمارے جذبات جاناں

ہماری زیست ہماری خواہشات جاناں

روح کی بے قبا پر خون روتی ہیں

اس طرح کھلتی ہے محبت کی بند قبا جاناں

تو بھی نہ کھلتی بند قبا جاناں!

ہم جس وفات کی سیاہ قبا ہی پہنے رہتے

روح تو نہ ہوتی بے قبا جاناں!

کبھی نہ ملتی احساس کو قبا جاناں

کبھی نہ کھلتی احساس کی بند قبا جاناں!

☆.....☆.....☆

”پاپا! میں مانده... مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز آپ مجھے آکر لے جائیں۔“ اس کی ہلکی درد میں ڈوبی آواز ڈرامائی رنگ کرتے یوسف اسن کو پریشان کر گئی تھی اور انھوں نے جیسے ہی گاڑی بیک کی تھی، فریدہ انھیں سوالیہ لگا ہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

”مانده کا فون تھا، کچھ پریشان لگ رہی تھی اور رو بھی بہت رہی تھی۔“ انھوں نے دھیسے سے کہا تھا اور وہ مضطرب ہو گئی تھیں۔

”مانده نے آپ سے کچھ تو کہا ہوگا؟“ ان کا دل تو کل سے ہی گھبرا رہا تھا اور بار بار نجانے کیوں بیٹی کا ہی خیال آ رہا تھا اور مجبوری سی مجبوری تھی کہ وہ خالہ کی فون کی میں نواب شاہ لگی ہوئی تھیں، اس لیے بیٹی سے رابطہ بھی نہ کر سکی تھیں اور راستے میں ہی تھیں کہ ان کی گھبراہٹ کا سبب لگ گیا تھا۔

”نہیں اس نے کچھ نہیں کہا اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی، جیسے وہ روتی رہی ہو۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے کہ نجانے کیا ہو گیا ہے بھائی صاحب اور بھائی بھی گھر میں نہ تھے، آج کل حالات بھی ٹھیک نہیں آپ بس دعا کریں کہ ہماری بیٹی خیریت سے ہو۔“ وہ دونوں ہی پریشان اور دل میں ہزار خدشے لیے جس پل

کا شانہ عالم پہنچے وہ لوگ انھیں دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے کہ ان کی گاڑیاں آگے پیچھے ہی تو نواب شاہ سے کراچی پہنچی تھیں۔

”مانده کہاں ہے بھائی؟“ انھوں نے چھوٹے ہی را شدہ سے پوچھا تھا۔

”کچھ دیر پہلے ہی ہم پہنچے ہیں، مانده سے تو ملے بھی نہیں ہیں، اپنے کمرے میں ہوگی، تم آرام سے بیٹو! میں حنین سے کہہ کر بلوائی ہوں اسے یہیں پر۔“ را شدہ سادگی سے بتاتے ہوئے حنین کو دیکھ کر بولی تھیں، مگر انھوں نے حنین کو روکا تھا اور کھڑی ہو گئی تھیں۔

”میں خود دیکھ لیتی ہوں۔“ اب تو وہ تینوں بھی پریشان ہو گئے تھے۔

”بات کیا ہے فریدہ! سب خیریت تو ہے؟“ نوید عالم پریشانی سے پوچھ رہے تھے تو انھوں نے مانده کے فون کا بتایا اور مانده کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور را شدہ بھی ان کے پیچھے ہی حیران پریشان ہی بڑھی تھیں اور باقی رہ جانے والے یوسف اسن اور نوید عالم کی نگاہیں حنین پر جم گئی تھیں کہ گھر میں وہی تو تھی، مگر اس نے نگاہیں چرا لیں اور وہاں سے نکل گئی۔ فریدہ نے دروازے پر دستک دی تھی اور کوئی جواب نہ پا کر آواز لگائی تھی، ماں کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھولا تھا، ماں کے سینے سے لگی جو روٹا شروع ہوئی تھی ان دونوں کی ہی جان نکال لے گئی تھی۔

”مانده! میری جان! کیا ہوا ہے، کیوں اس طرح رو رہی ہو، بتاؤ ماما کو؟“ وہ بہت مشکل سے پوچھ رہی تھیں کمرے کی حالت بھی ابتری تھی اور وہ یوں ٹوٹی کھری لگ رہی تھی کہ فریدہ کا کلیجہ منہ کو آئے لگا تھا۔

”مما! پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں۔“ وہ سسکیوں کے درمیان بولی تھی وہ بھائی کو دیکھنے لگی تھیں کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں اور را شدہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ رہی تھیں، اس لیے ان کی پریشانی فریدہ سے سوا کسی کہ ان کے اندازے فی الحال معمولی تھے اور جس بچ پر جا کر وہ سوچ رہی تھیں، قدموں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہو رہی تھی۔

”مانده بیٹا! رو نہیں اور سلی سے بتاؤ کہ بات کیا ہے؟ کیا احمد سے جھگڑا ہوا ہے؟ اس نے کہا تم سے کچھ؟“ وہ اس کے چہرے پر آنے والوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی تھیں۔

”مما! اس شخص نے کچھ نہیں بہت کچھ کہا، میری ذات کا غور چھین لیا، میں مر رہی ہوں! اس کمرے میں مجھے اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا ہے، مگر میں یہاں مرنا نہیں چاہتی، مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے یہاں مرنے سے بچائیں!“ وہ بولی نہیں تھی اپنی اذیت کا کچھ حصہ بیان کرنی ان دونوں کے پیروں تلے سے زمین پہنچنے لگی تھی، اور وہ یوں بکھر کر تڑپ تڑپ کر روئی تھی کہ سنگدل سے سنگدل بے مہر سے بے مہر پتھر کا سینہ شق ہو جاتا اور وہ تو پھر ماں تھیں، اس کو خود سے لگائے رونے لگی تھیں، را شدہ نے اگر دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا تو وہ پورے قد سے نیچے آگرتیں یہ اور بات تھی کہ وہ اپنی نظروں سے ہی گر گئی تھیں اور وہ ماں کے سینے سے لگی روتے بلکتے اپنے حواس کھوئے لگی تھی، ان دونوں کے ہی اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، اور وہ سب ہی ہاسٹل کے کارڈیور میں پریشانی سے کھڑے تھے اور اس کی زندگی کے لیے دعا گو تھے، جو زندہ رہنے کی ہر آس، ہر چاہت کو ہی ذات کی سیاہی میں دفن چکی تھی، اس کے اعصاب بکھر گئے تھے اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، گیارہ گھنٹوں سے وہ زندگی اور موت کی کشش میں تھی، سب اس کی حالت سے پریشان اس کا سبب جاننا چاہتے تھے اور را شدہ نے روتے ہوئے خون ہوتے دل، مٹی میں

مل جانے والی تربیت کی تکلیف کو بھلائے اس باوقار و ناپسند، بھرم رکھتے رکھتے بکھر جانے والی لڑکی کا بھرم سب کے سامنے رکھ لیا تھا، اس کی ذات کو تشہیر سے بچا لیا تھا، اسجد اپنے عمل پر نادم نہ تھا، وہ خود کو غلط نہیں سمجھ رہا تھا، مگر جب اسے ماندہ کے ہاسٹل میں ہونے کا پتہ چلا تھا، ندامت کا احساس اس کے ہر احساس پر حاوی ہو گیا تھا اور اسی کے زیر اثر اس نے اپنا بھرم بھی تو رکھنا تھا، ہاسٹل پہنچا تھا، نوید عالم نے کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہاں سے دفع ہو جانے کو کہا تھا، اس کی ندامت پر ہونے والی بے عزتی حاوی ہوئی تھی اور وہاں ٹھہرنا تھا اس کو دیکھ کر فریدہ اور یوسف احسن نے کسی قسم کاری ایکشن ظاہر نہیں کیا تھا کہ ان کی حیات تو بیٹی کی جانب مرکوز تھیں، ان کا تو رواں رواں اس کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھا، گیارہ گھنٹے چوبیس گھنٹوں میں منتقل ہو گئے تھے، ارحم احسن بھی پنڈی سے آ گیا تھا اور ان سب کی دعائیں ہی تھیں کہ روح کے مردہ ہو جانے کے باوجود اس کے وجود میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی موت کو شکست دے گئی تھی کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

☆.....☆.....☆

”مما! اس سب کی ذمہ دار صرف آپ ہیں، آپ سے کتنی بار کہا تھا ناں میں نے کہ ماندہ کچھ پریشان لگتی ہے، وہ شادی کے بعد خوش نہیں ہے، اس نے ہنسنا مسکرانا چھوڑ دیا ہے، وہ اداس رہنے لگی ہے، مگر آپ نے میرا وہم کہہ کر ٹال دیا، نہ آپ نے خود بات کی نہ مجھے کرنے دی، اسجد نے میری بہن کی زندگی تباہ کر دی اور میں اب کسی کا بھی منہ دیکھ کر خاموش نہیں رہوں گا، اسجد کو جواب دینا ہو گا کہ اس نے جب شادی کی ہوئی تھی تو ماندہ سے شادی کیوں کی؟ کیوں میری بہن کو موت کے دہانے تک لے گیا اور باخدا میری بہن کو کچھ ہوا تو میں اسجد کو جان سے مار دوں گا۔“ وہ بہن کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا کہ وہ شخص رشتوں سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے والا تھا، خود سے وابستہ کسی بھی انسان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور ماندہ کے لیے تو وہ پریشان رہا تھا، ماں سے اپنی پریشانی بانٹی بھی تھی، خود ماندہ سے پوچھا تھا مگر نہیں ہے بھی اس کی تسلی نہ ہوئی تھی، اب انکشاف ہوا تھا کہ ماندہ سے شادی سے پہلے ہی اس نے شادی کی ہوئی تھی، اس کی ایک بیٹی بھی ہے اور یہی انکشاف ماندہ کو موت کے دہانے تک لے گیا۔ راشدہ کے علم میں یہ بات تھی مگر انھیں کیا پتہ تھا کہ جو بات وہ کسی کے سامنے کہہ نہیں پا رہیں، وہ سب کو نہ صرف بتائیں گی بلکہ اس کے ذریعے ہی کتنے لوگوں کا بھرم رہ جائے گا۔

”پلیز ارحم! کچھ الٹا سیدھا مت کر بیٹھنا کیوں کہ میں پہلے ہی پریشان ہوں۔“ ماں کو روتے دیکھ کر وہ نرم پڑ گیا تھا۔

”آئی ایم سوری ممما! بٹ ماندہ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی، اس کے ہم سب مجرم ہیں، وہ دکھی تھی، پریشان تھی اور ہم سب اپنی زندگی میں گن رہے۔“ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

”میں اپنی زندگی میں گن نہیں تھی، ماندہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا، میرے پوچھنے پر بھی نہیں، اس نے مجھ سے صرف اتنا کہا تھا (مما! آپ کے محسوسات غلط نہیں ہیں، میں خوش نہیں ہوں، لیکن میں خدا کی ذات سے مایوس نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ میری زندگی سہل ہو جائے گی اور جب مجھے یقین ہے تو کیوں میں اشتہار لگا کر سب کی ہمدردیاں میٹوں کہ مجھے اپنی اتنا بہت عزیز ہے، کوئی مجھ سے سوال کرے، یہ مجھے نہیں پسند، اور بتانے سے تکلیف راحت تو نہیں ہے گی ناں، اس لیے میرا بھرم قائم رہنے دیں، نہ آپ سوال

کریں نہ کوئی اور... ارحم بھیا سے بھی کہہ دیں کہ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں، اور میرے نصیب میں خوشیاں ہوں گی تو وہ بھی مل جائیں گی کہ مکمل جہان تو کسی کو بھی نہیں ملتا) یہ سب کہا تھا ماندہ نے اسی لیے میں خاموش رہی، جنہیں بھی رہنے کو کہا کہ ماندہ بہت حساس لڑکی ہے، اپنی عزت نفس اور وقار سے ہمیشہ عزیز رہا، اسجد کا رویہ ٹھیک نہیں تھا، توجہ، محبت کچھ نہیں دیا اس نے، مگر وہ سہہ گئی مگر یہ نہ سہہ سکی کہ اس کا شوہر ہی اس کا نہیں ہے۔ وہ بیٹے کے کاندھے سے لگیں بری طرح رو رہی تھیں، وہ احساس جو وہ بھی بیٹے سے تو کیا شوہر سے بھی نہیں کیا سکتی تھیں، وہی احساس ان کو خون کے آنسوؤں میں ڈوب رہا تھا، بیٹی کی ناقدری پر وہ تڑپ رہی تھیں، مگر کہہ نہیں سکتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”تزاخ...!“ اسجد تو اس کو اپنے فلیٹ پر دیکھ کر ہی حیران تھا کہ اس کے عمل پر ساکت رہ گیا تھا۔

”تھپتھپ میں نے تمہیں ماندہ کا بھائی بن کر نہیں مارا ہے کہ اس کا بھائی بن کر تم سے جواب طلبی کرنے پر آؤں، تو تمہیں جان سے ہی مار دوں۔“ وہ بہت اذیت زدہ لہجے میں کہتا اس کو ہی نہیں یسری کو بھی ششدر کر گیا تھا۔

”تم پر کتنا بھروسہ کیا تھا اسجد! اور تم نے ہم سب کا بھروسہ توڑ دیا۔“ کہتے ہوئے نگاہ یسری پر پڑی تھی۔

”میری لڑکی تھی ناں جس کا ایکسڈنٹ تمہاری گاڑی سے ہوا تھا، تم اس کے لیے کتنا پریشان تھے، میرے ذہن میں کتنے ہی سوال اٹھتے تھے، مگر تم پر شک نہیں کیا۔“ وہ اس پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا، جو دو ماہ کی بچی گود میں لیے ساکت و شرمندہ سی کھڑی تھی۔

”اتنا تو با اختیار تھا ناں کہ اپنی اپروچ کے ذریعے تمہاری انکوائری کروالیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہاری زبان پر بھروسہ کیا جبکہ اگر تم مجھ سے کہتے ناں اسجد! کہ یہ لڑکی تمہاری محبت ہے، تمہاری محبت میں جان دینے چلی گئی، تو میں خود تمہاری اس سے شادی کروانا، لیکن تم نے ہم سب سے جھوٹ بولا، ہمیں دھوکا دیا، ہماری بچی کی زندگی برباد کر دی، اس سے محبت تھی، شادی بھی کر لی تھی تو کیوں کی ماندہ سے شادی؟ اور شادی کر لی تھی تو کیا کی تھی اس میں جو اسے خوش نہ رکھ سکے؟ تم پہلے انسان تو نہ تھے ناں جس نے دو شادیاں کی تھیں تو پھر کیوں میری بہن کو اس بچے تک لے گئے ہم آج کتنے بے بس ہیں کہ کچھ نہیں کر سکتے، تمہیں بددعا نہیں دے سکتے، ماموں جان سے جواب طلبی نہیں کر سکتے، تم نے اپنی کمزوری سے رشتوں کو سوال بنا دیا ہے، تم اتنا سب کچھ کر کے بھی یہاں مطمئن سی خوشگوار زندگی گزار رہے ہو، موت سے لڑ کر تو میری بہن آئی ہے، نظریں تمہارے والدین چراتے پھر رہے ہیں، ماموں جان کتنے دکھی ہیں، تمہارے کیے کی معافی وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگ رہے ہیں اور تم اپنی زندگی میں گن ہو۔“ ارحم احسن کا لہجہ بھیگا ہوا تھا اور وہ سچ معنوں میں آج خود کو زمین میں گڑھتا محسوس کر رہا تھا، ان سب کی اعلیٰ ظرفی نے اسے کتنا حقیر بنا دیا تھا، وہ ارحم کو دیکھ رہا تھا جو اس وقت بھی اس تک اس لیے نہیں پہنچا تھا کہ اس نے اس کی بہن کو تکلیف پہنچائی تھی، اس لیے آیا تھا کہ وہ خود اپنے کیے کی معافی مانگے تاکہ اس کے پیرئس کو کسی سے معافی نہ مانگنی پڑے۔

”تمہارے کیے کسی بھی عمل میں ماموں جان اور بڑی مامی کا قصور نہیں ہے، اس لیے یہاں چھپ کر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ سب کا سامنا کرو، زندگی کا فیصلہ کر لو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری وجہ سے ماموں جان معافی مانگیں کہ تم بے حس ہو گئے ہو، ہم میں ابھی انسانیت بھی باقی ہے اور رشتوں کا احترام بھی۔“ وہ ایک

غصہ و نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتا جیسے آیا تھا، ویسے ہی چلا گیا تھا اور اسے لگا تھا کہ وہ خود سے اب کبھی نظر نہیں ملا پائے گا، اسے احساس جرم ہو گیا تھا جو اسے ساری عمر ہی بے چین رکھتا، کبھی ہونی بات اور کیا ہو سکتا لوٹا یا نہیں جاسکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آپ لوگ کیوں ہر دوسرے دن میری ذات کی بجاہت لگا کر بیٹھ جاتے ہیں؟“ دھیسے لہجے میں ناپسند بولنے والی ماندہ شعلہ جوالہ بنی ان دونوں کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی، جنس پندرہ دنوں میں وہ بالکل ہی خچر کر رہ گئی تھی۔ زرد چہرہ، آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے اس کو دیکھ کر راشدہ کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ تین دن بعد جب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر آئیں ہاؤس آئی تھی، اس کے بعد اس نے کاٹنا نہ عالم کے کسی مکیں سے سامنا نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ حنین کو بھی اپنے سامنے سے دفع ہو جانے کو کہہ دیا تھا اور ذرا سی بات پر منہ پھلا لینے والی حنین نے ایک لفظ نہیں کہا تھا وہ اپنے دل میں اسجد کے لیے نفرت محسوس کرنے لگی تھی۔

”میں تم سے بہت شرمندہ ہوں ماندہ! ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا۔“ وہ رو رہی تھیں۔

”آپ لوگوں کی شرمندگی میرے دکھوں کا مداوا نہیں بن سکتی، میرا کھویا مان، میری ذات کا غرور نہیں لوٹا سکتی، تو مجھے کیا ضرورت ایسی شرمندگی کی؟ مجھے نہیں چاہیے آپ کی شرمندگی اور نہیں کرنا مجھے کسی کو بھی معاف، آپ اور ماموں جان ہی میری بربادی کے ذمے دار ہیں، آپ لوگوں نے ہی جانتے بوجھتے میری شادی اس شخص سے کر دانی جو مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، اور میں آپ کو اور ماموں جان کو بھی معاف نہیں کروں گی۔“ شائستگی کی اعلیٰ مثال ماندہ اس وقت بدتمیزی کا نمونہ لگ رہی تھی، آئین ہاؤس کے در و دیوار بھی اس کے تیز لہجے پر حیران تھے کہ وہ بھی تو اس کے نرم ہنسنے لہجے کے عادی تھے۔

”تمیز سے بات کرو ماندہ! حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں ہم تمہیں اپنے سے بڑوں کی توہین کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔“ وہ بیٹی کی حالت سمجھتی تھیں، اس کے باوجود سختی سے سرزنش کر رہی تھیں، راشدہ کا دھواں دھواں چہرہ انہیں شرمندہ کر گیا تھا اور وہ لوگ ان کے اور نوید عالم کے سب ہی تو خاموش تھے کہ وہ کیسے بھی حالات میں بڑے بھائی اور بھائی کو شرمندہ یا بے عزت ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں، اسی لیے وہ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اعلیٰ ظرفی دکھا گئے تھے۔ تم آنکھوں سے جب ہاتھ جوڑ کر نوید عالم نے ان دونوں میاں بیوی سے معافی مانگی تھی، تو یوسف آئین بہت تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام گئے تھے، وہ نوید عالم کی بہت عزت کرتے تھے۔

”اس کو کچھ نہ کہو فریاد! یہ حق بجانب ہے، مگر خدا کو اے ماندہ بیٹا! میرے علم میں جب بات آئی تو بہت دیر ہو چکی تھی، عین شادی کے دنوں میں شادی کینسل ہو جانے کے ڈر سے خاموش رہی، سوچا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن کیا پتہ تھا کہ اسجد اتنا کم ظرف ثابت ہوگا، اس پر پھر وسوسہ کیا اور اس نے ہماری پرورش کو ہی گالی بنا دیا، ہم نے مگر تمہارا برا کبھی نہیں چاہا تھا، نوید بھی تم سے شرمندہ ہیں انھوں نے تمہیں کبھی زرمین سے کم نہیں سمجھا، تمہارے بارے میں اچھا سوچتے سوچتے تمہارے ساتھ ہم سب ہی برا کر گئے، ہم سب تمہارے مجرم ہیں، ہو سکے تو معاف کر دینا اور اتنا یاد رکھنا کہ اب تم جو فیصلہ لوگی، میں تمہارے ساتھ ہوں گی، تمہارا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہوگا اور یہ شک بھی دل میں نہ لانا کہ اسجد کی شادی کا ہم میں سے کسی کو علم تھا، ہم سب کو ہی اسجد نے بے وقوف بنایا، دھوکا دیا۔“ وہ بیٹی کی وجہ سے شرمندہ تھیں، اس

کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، جنھیں وہ تڑپ کر تھام گئی تھی۔

”مامی! آپ کو میں نے بھی ماما سے کم نہیں سمجھا، تھوڑی دیر پہلے جو بکواس کی اس کے لیے مجھے معاف کر دیں، سارے قصے میں آپ سب کا کوئی قصور نہیں ہے۔“ وہ روتے ہوئے ان کے ہاتھ تھامے کہتی اپنی اچھی تربیت اور نیک فطرت کا ثبوت دے گئی تھی۔

”بیٹا تو وہ میرا ہی ہے ناں، اور اولاد والدین کا سریوں ہی جھکا دیتی ہے، تربیت کو گالی بنا دیتی ہے۔“ ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

”بات صرف تربیت کی نہیں ہوتی، فطرت کی بھی ہوتی ہے بھائی! والدین تو اولاد کو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، مگر اولاد ماں باپ کی انگلی تھامے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھی ہینک جائے تو والدین کا کیا قصور؟“ فریدہ نے نم لہجے میں ان کی ڈھارس بندھائی تھی، انہیں شرمندگی کے حصار سے نکالنا چاہا تھا۔

”قصور جس کا ہے میں اس کو سزا دینے پر قادر نہیں ہوں، لیکن میں اسے معاف بھی نہیں کر سکتی ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ اسجد عالم سے جا کر کہ مجھے ڈائیورس چاہیے۔“ پتھر ائے ہوئے انداز میں کہتی وہ ان دونوں پر ہی کوئی قیامت ڈھا گئی تھی۔

”ماندہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹا! وہ ماندہ کے زرد چہرے اور بے تاثر آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

”جو آپ نے سنا ماما! میں اس شخص کا حوالہ اپنی ذات سے مٹا دینا چاہتی ہوں، جس نے میری ذات کو ہینک سے بھی ہلکا کر دیا۔“ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔

”تم ابھی غصے میں ہو، بعد میں اس موضوع پر بات کریں گے کہ رشتے مذاق نہیں ہوتے، ہم اسجد کو برا کہہ رہے ہیں کہ اس نے برائی ثابت کی ہے، مگر اس سب کے باوجود ایسا فیصلہ نہ لووہ جیسا ابھی ہے تمہارا شوہر ہے۔“ وہ ان ناؤں میں سے نہ تھیں جو ذرا سی بات پر رشہ دے کر اولاد کو سر چڑھائی ہیں، معاملہ کچھ بھی تھا انھیں اس کا فیصلہ غلط لگا تھا، اس لیے پہلے ہی موڑ پر باور بھی کر دیا تھا۔

”انھوں نے مجھے کبھی بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے شادی کے ڈیڑھ سال تک میری توہین کی، مجھے یہ باور کر دیا کہ میں ان کی بیوی نہیں ہوں صرف اس گھر کی بہو ہوں، اور میں نے آپ سب کے لیے، آپ سب کو دکھ سے بچانے کے لیے، اپنا بھرم بچانے کو ہر تدبیر سہی، سب کچھ برداشت کر لیا، ہر الزام، ہر گزروی بات سہم گئی، مگر اب ایک لمحہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جنھوں نے میرے سچے جذبات کو با مال کر دیا، مجھے اب کسی کے لیے بھی کچھ رومان نہیں کرنا، مجھے ڈائیورس چاہیے۔“ وہ بہت مشکل سے کہہ رہی تھی کہ عزت نفس کی خاطر اس نے کیا کچھ سہا تھا، حرف شکایت لب سے ادا نہ کرنے والی آگے عذاب سے بچنے کو تفسیلات بیان کر رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے بھی تکلیف میں تھی، خود کو کسی سے نظر ملانے کے قابل نہ سمجھ رہی تھی، اس لیے ان دونوں سے نگاہ چرائے رو رہی تھی۔

”ماندہ!...“ انھوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، چہرہ تھا مناجا تھا، مگر وہ فاصلے پر ہو گئی تھی۔

”ماما! میں بہت تکلیف میں ہوں، لفظوں سے کھیلنا مجھے نہیں آتا، نہ ہی میں اظہار کے ہنر سے واقف ہوں، مگر آپ میری مثال اس پرندے کی سی سمجھ لیں، جس کے پر کاٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ قفس کے

پنجرے میں پڑاڑنے کی آس میں پھڑ پھڑا کر رہا تھا اور ایک دن آتا ہے کہ وہ اسی پنجرے میں اپنی جان دے دیتا ہے، مگر میں اس پنجرے میں بیٹھ رہی ہوں، وہاں جا کر میں پھڑ پھڑا بھی نہ سکوں گی اور آپ لوگ مجھ سے پھڑ پھڑانے، ترپنے کا حق نہ چھینیں۔ وہ شدت ضبط سے کانپ رہی تھی اپنی ذات کو سوا لہ نشان بنے دیکھ کر اذیت میں تھی۔

”اسجد عالم بے شک میرے شوہر ہیں، لیکن انھوں نے مجھے بیوی نہیں سمجھا، انھوں نے صرف اپنی مردانگی کو ثابت کیا حق ہی حاصل کرنا ہوتا تو بڑھ سالوں میں حاصل کر چکے ہوتے، انھوں نے اپنی تو جین کا بدلہ لیا ہے مجھ سے اور بس... اس وقت میری جگہ کوئی اور ہوتا تب بھی انھوں نے یہی کرنا تھا کیونکہ انھوں نے تو اپنی مردانگی کو سوا لہ نشان بننے سے بچنا تھا، اور خود کو بچاتے وہ مجھے ایک سوال بنا گئے اور میں پھڑ پھڑا تو سکتی ہوں مگر کچھ کر نہیں سکتی کہ وہ دنیا کی نظر میں میرے شوہر ہیں، مگر میرے احساسات، میرے جذبات کے وہ قاتل ہیں، انھوں نے مجھے بری طرح توڑ ڈالا ہے، انھوں نے اپنا حق، حق کی طرح حاصل نہیں کیا، زور زبردستی اپنی مردانگی کی دھاک بٹھائی ہے اور ایک ایسے شخص نے جس نے مجھے عزت نہ دی، ہر قدم قدم پر مجھے ذلیل کیا، مجھے میری ہی نظروں سے گرادیا، اس کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی، آپ لوگ مجھ پر ایک احسان کر دیں مجھے اس شخص سے طلاق دلوادیں، میری روح مردہ ہو گئی ہے، یہ حوالہ مجھے جیتے جی مار رہا ہے، مجھے قفس سے رہائی دلوادیں، مجھے تل تل مرنے سے بچالیں۔“ وہ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی، اور ان دونوں کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، وہ ایک دوسرے سے نظر چرائے کھڑی تھیں کہ کچھ حقیقتیں بہت سن ہوئی ہیں، اندر تک مار دیتی ہیں، جیسے وہ مر گئی تھی اور وہ مرنے کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

”راحم! میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی، یہ میرا گھر ہے، آپ اسجد بھائی کے کیسے کی سزا دے کر مجھے میرے ہی گھر سے نہیں نکال سکتے۔“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی، راحم آفس ٹیم کے ساتھ نیویارک گیا ہوا تھا، آج ہی اس کی واپسی ہوئی تھی، بات جیسے ہی اس کے علم میں آئی تھی اس کا سارا غصہ شازمین پر اتر اٹھا، اور اس نے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا اور وہ حیرانگی سے نکلی تھی تو غصے و ناراضی سے انکاری ہو گئی تھی۔

”بکواس بند کرو، اور میرے سامنے سے چلی جاؤ شازمین! ورنہ میں غصے میں کچھ کر بیٹھوں گا۔“ وہ چیخ کر بولا تھا۔

”پلیز راحم! اس سارے قصے میں میرا کیا قصور ہے، جو آپ میرے ساتھ ایسے پیش آرہے ہیں؟“ شازمین جان لٹانے والے شوہر کا ظالمانہ روپ دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔

”قصور تو تمہارا بھی ہے، دھوکا تو تم نے بھی دیا ہے کہ تم بھی جانتی ہو گی ناں کہ اسجد بھائی، مائندہ میں انٹر سٹنڈ نہیں ہیں لیکن تم نے سچائی ہم سے چھپائی۔“ وہ اس کو غصے سے گھور رہا تھا۔

”مجھے یہ سب صرف ایک دن پہلے پتہ چلا تھا، مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شادی کر چکے ہیں۔“ اس نے روتے ہوئے صفائی دینا چاہی تھی۔

”ایک دن ہو یا ایک سال، جب سچائی پتہ چلی تھی، ہمیں جب ہی سب بتادینا چاہیے تھا، مگر تم نے اپنے بھائی کا خیال کیا اور میری بہن کی تم سب نے مل کر زندگی تباہ کر دی، اور اب میں تمہیں ایک لمحے کے لیے

اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا، ابھی اسی وقت اپنے گھر چلی جاؤ، تمہارا بھائی اس لڑکی کو چھوڑ دے گا، اور میری بہن کو عزت سے اپنے ساتھ لے جائے گا، اس کے بعد ہی تم اس گھر میں واپس آ سکو گی، ورنہ میں تمہیں آزاد کروں گا۔“ وہ تڑپ کر اس کو دیکھنے لگی تھی، اس سے پہلے کہ کچھ کہتی کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔

”راحم! میری بات سنیں، مجھے گھر سے نہ نکالیں، میں مر جاؤں گی، اسجد بھائی کی غلطی کی سزا مجھے مت دیں پلیز، دروازہ کھولیں۔“ وہ روتے ہوئے کہتی دروازہ پیٹ رہی تھی، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، مگر مائندہ کا زرد چہرہ، اداس آنکھیں یاد آتے ہی وہ خود کو حق بجانب سمجھنے لگا تھا۔

”شازمین! کیا ہوا ہے؟“ راحم کہیں جانے کے ارادے سے اپنے کمرے سے نکلا تھا اس کو دیکھ کر اس تک چلا آیا تھا۔

”راحم بھیا! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔“ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

”وہ پاگل ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، مگر تم پریشان نہ ہو، ہم سب کے ہوتے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔“ اس نے روتی ہوئی شازمین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی و شفقت سے اسے دلاسا دیا تھا۔

”وہ بہت غصے میں ہیں راحم بھیا! مجھے طلاق دینے کی بات کر رہے ہیں۔“ وہ سہارا پا کر کھڑی تھی اور وہ تودھک سے ہی رہ گیا تھا، غصے سے کھولتے ہوئے اس نے دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔

”راحم! دروازہ کھولو۔“ وہ جو سمجھ رہا تھا شازمین ہے راحم کی آواز سن کر لمحہ ضائع کیے بنا دروازہ کھول گیا تھا۔

”کیا تم شازمین کا ہوا ہے تم نے، کہا تھا ناں میں نے تم سے کہ اس سارے قصے سے تم شازمین کو دور رکھنا، تو پھر کیوں اسے گھٹھ رہے ہو؟“ وہ اس پر بری طرح برس رہا تھا حقیقت جان کر بھی اس نے یہی بکواس کی تھی اور اس نے راحم کو بہت نرمی و پیار سے غصہ نہ کرنے اور شتوں کی اہمیت سمجھائی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کو بات سمجھ آ گئی، مگر وہ غلطی پر تھا کہ جو وہ اس سے کہہ کر آیا تھا، کمرے میں آ کر اسی پر عمل کرتے ہوئے اسے گھر سے جانے کو کہہ دیا تھا۔

”لینا دینا ہو یا نہیں مگر میں فیصلہ کر چکا ہوں، اپنی بہن کو دیکھیں گے تب انھیں پتہ چلے گا کہ ایک بہن کی بربادی ایک بھائی کو کتنا بے سکون کر دیتی ہے، اور جب وہ میری بہن کو کوئی خوشی نہ دے سکے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو ان کی بہن کو خوش رکھوں؟“ وہ راحم کے احترام میں آواز پیتی کر کے بول رہا تھا، وگرنہ غصہ تو اتنا تھا کہ بس چلتا تو دنیا کو آگ لگا دیتا۔

”تم اسجد کی بہن کو نہیں اپنی بیوی کا خیال کرتے ہوئے اس کو خوش رکھتے رہے ہو اور آگے بھی رکھو گے۔“ اس کو غصے سے گھور رہا تھا۔

”میں فیصلہ لے چکا ہوں بھائی! جس سے ایک انج نہیں ہٹوں گا۔“ وہ اس کے غصے سے خائف ہو کر بولا تھا۔

”پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو کہ کسی کی برائی کو اپنا لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ غصے میں اس کی حالت تو فراموش نہ کرو کہ اللہ نہ کرے کسی قسم کی اونچ نیچ ہوگی تو کون ذمے دار ہوگا؟“ وہ اب اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

”میں کچھ بھی سوچتا، سمجھتا نہیں چاہتا میں اسے اس کے گھر بھیجے گا فیصلہ کر چکا ہوں، اور یہی اس کے بھائی کے لیے بہت ہے کہ میں اسے زندہ سلامت اس تک بھیج رہا ہوں، جبکہ میری بہن وہاں اس کے گھر سے زندگی اور موت کی کشمکش میں لوثی ہے، اور میں جانتا ہوں میں غلط کر رہا ہوں مگر پھر بھی کروں گا کہ اسے بھائی کے جرم میں یہ بھی برابر کی شریک ہے، اس نے بھی نہیں دھوکا دیا، کم از کم یہی نہیں بتا دیتی کہ اسے بھائی کیا چاہتے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں کمی تھی، مائدہ ان کی انگلیوں کی بہن تھی، بہت عزیز بھی وہ انھیں، اس کی تکلیف بردہ تڑپ اٹھے تھے، شور اور تیز آوازوں پر وہ دونوں میاں بیوی ہی نہیں مائدہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔

”پھوپھو! راحم مجھے گھر سے نکال رہے ہیں، مجھے ڈائیورس دینے کی بات کر رہے ہیں، آپ سمجھائیں انھیں، یہ ایسا نہ کریں، میں مرنے جاؤں گی پھوپھو!“ وہ فریاد کو دیکھ کر لپک کر ان سے لپٹ کر جو بولی تھی اسے سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین ہی سرک گئی تھی۔

”تم یہاں سے چلی جاؤ شاز مین! اور نہ میں تمہیں خود جان سے مار دوں گا۔“ وہ دھاڑا تھا۔

”کیا بکواس ہے یہ راحم؟“ یوسف اٹھن اس کے سین سامنے ٹھہر گئے تھے۔

”آئندہ تم نے شاز مین سے اس لہجے میں بات بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، شاز مین اس گھر کی بہو ہے اور ہم اپنی بہو کی تو بہن اس کے شوہر کے ہاتھوں بھی برداشت نہیں کر سکتے، شاز مین اور مائدہ ہماری بیٹیاں ہیں، ایک برباد ہو رہی ہے، تم چاہتے ہو دوسری کو بھی برباد کر دوں، جبکہ یہ ہماری بیٹی کی بربادی کی ذمہ دار بھی نہیں ہے، تو پھر اسے تم سزا کیوں دینا چاہتے ہو؟“ وہ دھاکہ دھنے سے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بول رہے تھے۔

”اس کا قصور ہے یا نہیں، میں نہیں جانتا مگر اب میں اسے صرف اسی صورت بساؤں گا جب اسے بھائی میری بہن کو ساتھ لے جائیں گے، اس لڑکی کو طلاق دے دیں گے کہ اگر انھوں نے مائدہ کو طلاق دی تو میں شاز مین کو طلاق دے دوں گا۔“ وہ کسی کے بھی غصے کو خاطر میں لائے بنا اپنی بات و فیصلے پڑھتا تھا۔

”تزامن! بکواس کرتے ہو، ایسا کچھ کیا تم نے تو جان سے مار دوں گا میں تمہیں۔“ یوسف اٹھن اس پر ہاتھ اٹھا چکے تھے اور بہت غصے میں آتے دھاڑے تھے۔

”پاپا! کوئی بھی چیز مجھے میرے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی، اور تم کیا کھڑی ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے، جس دن تمہارا بھائی مائدہ کو طلاق دے گا، اس کے اگلے دن تمہیں بھی طلاق کے پیپر زل جائیں گے۔“ اس نے باپ کی سائیڈ سے نکل کر اسے گھورتے ہوئے اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر باہر کی طرف دھکیلا تھا، وہ ڈس بیلیٹس ہوتی لڑکھائی تھی، اس سے پہلے وہ گرتی کہ مائدہ اسے قہام گئی تھی۔

”شاز مین کو ساتھ رکھیں یا اسے چھوڑ دیں، مگر ایک بات میری اپنے ذہن میں بٹھالیں کہ اسے بعد عالم مجھے نہیں چھوڑ رہے، وہ مجھے طلاق نہیں دے رہے، میں ان سے طلاق لے رہی ہوں، اور یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، اس فیصلے کا اثر کسی کی زندگی پر نہیں پڑے گا اور پڑا تو میں اس گھر سے ہی چلی جاؤں گی، خود کو ختم کر لوں گی۔“ وہ ان سب کو ساکت چھوڑ کر راحم کو غصے و ناراضی سے دیکھتی نکلتی چلی گئی تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

”راحم! جا کر روکواسے، غصے میں کچھ نہ بیٹھے۔“ وہ بول کر بولی تھیں۔

”اس کے پیچھے نہ جاؤ کتنا ہی غصہ کر لے کچھ غلط نہیں کرے گا، اور تم شاز مین بیٹی کو کمرے میں لے جاؤ، اس کا خیال رکھو۔“ راحم کو میں خود سمجھا لوں گا وہ کوئی غلط فیصلہ نہیں لے گا۔“ وہ راحم کو روکتے بیوی سے بولے تھے اور رونی ہوئی شاز مین کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے تسلی دیتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”نوید!...“ وہ بے خبر سوئیں نہ جانے کس احساس کے تحت جاگی تھیں اور نوید عالم کو بید کر اؤن سے ٹپک لگا، سردہ سا گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھیں، لائٹس آن کرنے کے بعد جب ان کے چہرے پر نظری تھی تو انھیں اپنا دل خون ہوتا محسوس ہوا تھا کہ ان کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں سی بنی تھیں اور وہ اپنی عمر سے زیادہ بوڑھے لگے تھے۔

”سب کچھ ختم ہو گیا راشدہ!“ وہ ان کے ہاتھوں پر چہرہ دکائے شدتوں سے رو پڑے تھے۔

”مجھے میری اولاد نے کسی سے نظر ملانے کے لائق نہیں رکھا، اپنی ہی نظروں سے گر گیا ہوں، اسے برباد کرنا بھروسہ تھا، کتنا مان تھا اس نے میرے سارے بھروسے توڑ دیے، مجھے میری ہی اولاد نے رسوا کر دیا، میری اپنی اولاد نے مجھے جس میں میرے تن پر بھی ریشی قبضہ لی، مجھے برباد کر دیا، مجھے کوئی چیز، کوئی راستہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس سے میں اپنا وجود ڈھانپ لوں۔“ وقت کی کیا قسم ظریفی تھی کہ آج وہ اس شخص کو روتے دیکھ رہی تھیں، جو ان کے آنسو پونچھتا آیا تھا اور آنسو پونچھنے والوں کے آنسو پونچھتا کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، یہ کوئی راشدہ عالم سے پوچھتا، وہ ان کے گرتے آنسوؤں کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہی تھیں، ان کو تسلی دینے کو ایک حرف نہ تھا وہ ہی نہیں ان کے ساتھ وہ خود خشک و ریخت کے مرحلے سے گزرنے لگی تھیں۔

”اسے بھائی نے جب کہا کہ وہ مائدہ سے شادی نہیں کرے گا، میں نے سوچا کہہ رہا ہے لیکن جب شادی ہوگی تو میرا مان رکھے گا، میرا سر کسی کے سامنے جھکنے نہ دے گا، بھروسہ کیا اس پر، اور اس نے دھوکا دیا، میرے منہ پر طمانچہ دے مارا کہ کرواؤ میری شادی، مجھے نہیں بسانا تو نہیں بساؤں گا۔ میں مائدہ سے کس طرح معافی مانگوں؟ یوسف اور فریدہ سے کس طرح نظر ملاؤں؟ میں ٹوٹ گیا ہوں راشدہ! میری اولاد نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔“ ان کی چیخوں میں راشدہ کی سسکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

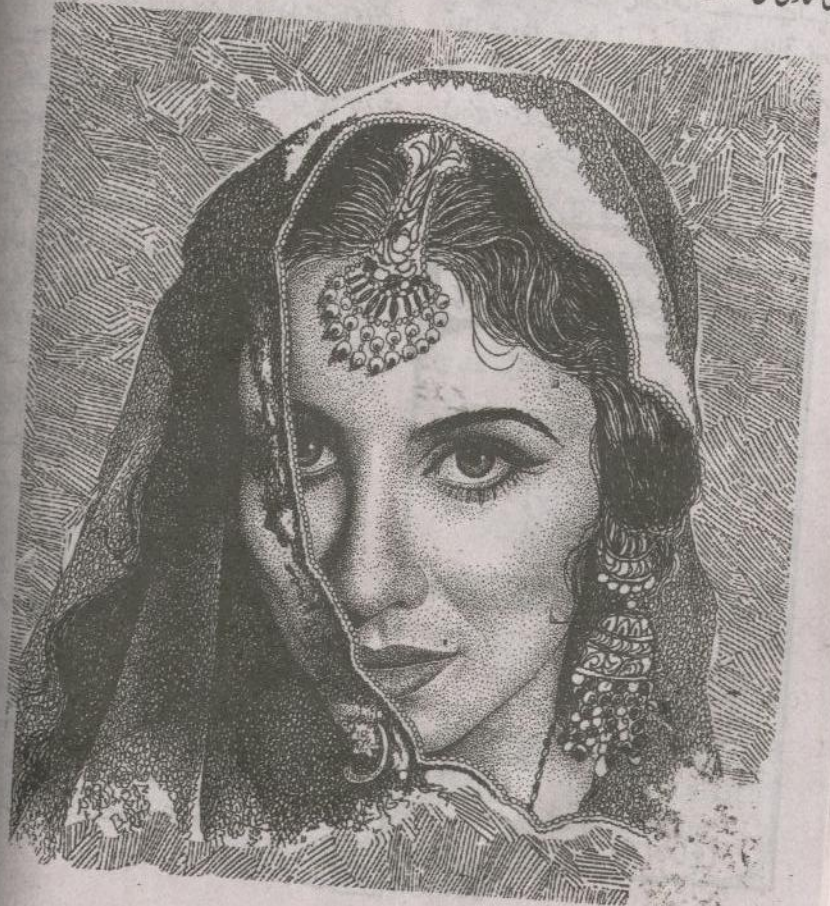
”وہ بچی کتنا کچھ سہتی رہی، اس کی بربادی کا ذمہ دار صرف میں ہوں راشدہ! اس سے کہو جا کر وہ مجھے معاف کر دے اس نے معاف نہ کیا تو میں سکون سے جی تو کیا مر بھی نہیں پاؤں گا۔“ وہ اذیت میں تھے شادی اگر انھوں نے جبراً بھی کروائی تھی تو ایسی بھی کوئی قباح نہ ٹوٹی تھی کہ مائدہ ہی لوگوں کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہو جاتی ہے، مگر یوں تو کوئی نہیں کرتا، جس طرح وہ کر گیا تھا۔ آگے زندگی نہ جانے کتنے امتحان لینے والی تھی، وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اور وہ اپنے فیصلے میں تنہا کھڑی تھی، اس کا موقف، اس کے احساسات سب اگر سمجھ بھی رہے تھے تو اس کی طرح سوچ کر کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے تھے، وہ آگے کا سوچ نہیں رہی تھی، جبکہ ان سب کی نظریں مستقبل پر بھی جمی تھیں۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

بشریقہ کے لگی جانا

”مہی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، میں آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی، مجھے خود سے دور نہ کریں۔“ آج شام اس کی شادی تھی، تاریخ طے تھی، جسے نوید عالم نے منسوخ نہ کیا تھا، انہیں اب زندگی کا کوئی بھروسہ نہ تھا اور اپنی زندگی



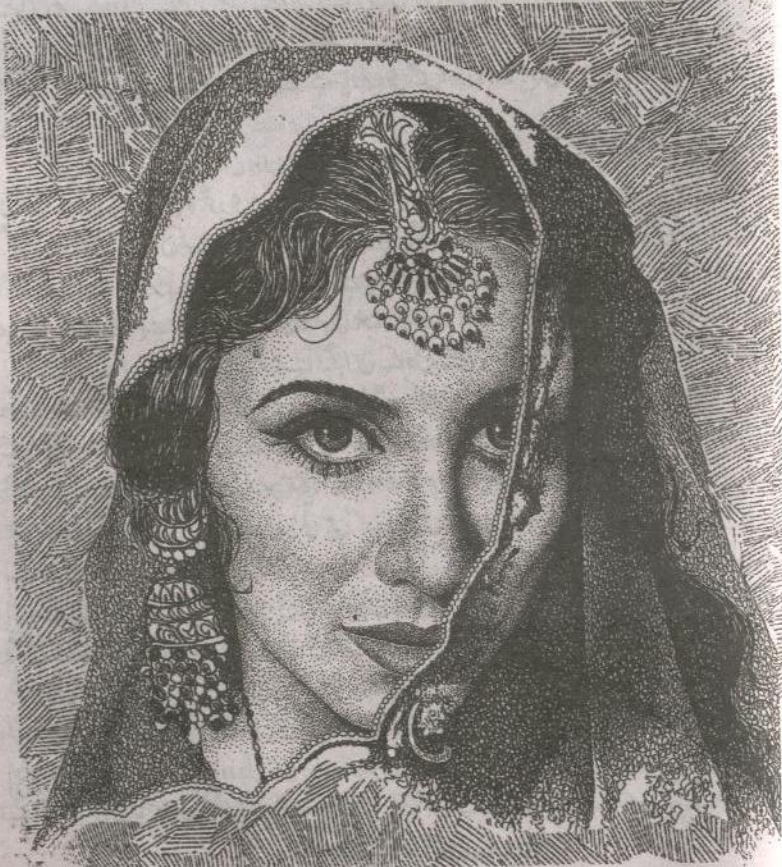
میں ہی وہ خنن کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے، جبکہ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ تھی۔ ساجدہ مایوں کے زرد جوڑے میں سرسوں کا پھول لگتی بیٹی کو خود سے لپٹا گئی تھیں۔

”خنن میری جان! روؤ نہیں، تمہارے دور جانے کے احساس سے ہی میری سانس رک رہی ہے، مگر یہی زمانے کی ریت ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹیوں کو رخصت کرنا پڑتا ہے۔“ وہ اس کو خود سے لگائے بلک رہی تھیں۔

”کیوں ہے ایسی ریت مہی! مجھے آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا ہے۔“ وہ سکی تھی۔

”ایسے نہیں کہتے بیٹا! اللہ سب بہتر کرے گا، تم آج ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہو، تمہاری ماں کی دعائیں ہمیشہ تم پر سایہ کیے رہیں گی، ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے تمہیں بھی کچھ قربانیاں دینی ہوں گی۔“ وہ اپنے آنسو پونچھتی تھیں، وہ جذباتیت دکھائیں تو ممتا کا فرض کب پورا کرتیں؟

”ماں باپ کے گھر گزاری جانے والی زندگی اور شوہر کے ساتھ شادی شدہ زندگی میں زمین آسمان کا سا فرق ہوتا ہے، والدین اولاد کی پہاڑ برابر غلطی بھی معاف کر کے بھول جاتے ہیں اور شوہر اور اس سے وابستہ رشتے رانی کو



بھی پہاڑ بنا دیتے ہیں، عورت کو اپنا گھر بنانے، سسرال میں جگہ بنانے، شوہر کا دل جیتنے کے لیے اپنا پتہ پانی کرنا پڑتا ہے کہ ایک اچھی بیٹی ضروری نہیں ہوتا کہ اچھی بہو بھی بن جائے کہ کچھ رشتوں پر زندگی بھی وارد تو وہ پرانے رچے ہیں، ان ہی پرانے رشتوں کو اپنا رورنگ عادات و فطرت سے تم نے اپنا نا ہے، اپنا ظرف بڑا رکھنا ہے، لینے سے زیادہ دینا ہے۔ وہ نرمی سے اسے رشتوں کی نزاکتیں ان کی اونچ نیچ سمجھا رہی تھیں۔

”یہ یاد رکھنا کہ اب شوہر کا گھر ہی تمہارے لیے سب کچھ ہوگا، یہاں تم ایک مہمان کی حیثیت سے آیا کرو گی۔“

وہ ماں کو غور سے سنتی یکدم بے یقینی سے کہنے لگی تھی۔

”ممی! مجھے اتنا بھی پرانا نہ کریں کہ اپنے ہی گھر میں، میں مہمان بن جاؤں، کیا شادی کے بعد اس گھر سے،

آپ سب سے میرا تعلق ختم ہو جائے گا؟“ وہ چھوہ کنال لہجے میں کہتی بلک اٹھی تھی۔

”رشتے کبھی نہیں ٹوٹے سنیں! بس انھیں ان کے اصل مقام پر رکھنے کا ہنر آنا چاہیے، اور بیٹی شادی کے بعد

پرائی ہو جاتی ہے، والدین اس کی ذمہ داری اپنی خوشی اور رب کی رضا سے ایک ایسے شخص کو سونپ دیتے ہیں، جو

نکاح کے تین بولوں کے ذریعے سب کچھ بن جاتا ہے، اور اب تم نے اس رشتے کو ہر شے سے اہم جاننا ہے، سمجھنا

ہے اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کھلے رہیں گے، تم اپنی خوشی آؤ گی تو ہم مطمئن ہو کر تمہیں دل سے لگائیں گے،

مگر یہ یاد رکھنا بیٹا! کہ جس دن اللہ نہ کرے کہ تم اپنے شوہر سے لڑ کر آئیں، اس گھر کے دروازے خود پر بند

پاؤ گی۔“ وہ اس کو ہر طرح کے حالات کے لیے تیار کر رہی تھیں اور وہ رونا بھول کر ماں کو چٹھی چٹھی نگاہوں سے دیکھ

رہی تھی۔

”میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں جو بیٹیوں کی ہر اچھی، بری بات میں حمایت کر کے انھیں سرچڑھاتی ہیں اور

خدا خواستہ ان کی بربادی کا خود ہی موجب بن جاتی ہیں، شادی شدہ لائف کے ہر مسئلے، ہر قسم کے حالات سے

تمہیں خود ہی نبرد آزما کرنا ہوگی، کیسے بھی حالات ہوں، شوہر کو نہیں چھوڑنا کہ مشرقی عورتیں گھر بنانے کے لیے

خود کو واردیتی ہیں، اور تم نے بھی گھر بنانا، بسانا ہے یاد رکھنا کہ شادی سے پہلے ایک مرد کی محبت اور اسی کے شوہر بن

جانے کے بعد کی محبت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اور تم بہت پچھتا دھکا چکیں، کنعان کے ساتھ مس بی بیو

کر چکیں، آگے تم نے ایسا کچھ نہیں کرنا ہے کہ تم اس کے دل سے اتر جاؤ بیوی ایک دفعہ دل سے اتر جائے، تو کبھی

دوبارہ وہی مقام حاصل نہیں کر پاتی، اس لیے تم نے شوہر کی عزت کرنی ہے، اس سے محبت کرنی ہے، اس کے دل

میں مضبوط مقام بنانا ہے اور اس کے لیے تمہیں مجھداری کا ثبوت دینا ہوگا، اپنی ذات کو پس پشت ڈالنا ہوگا، ضدیں

چھوڑ کر اپنی منوانے کا خیال چھوڑ کر سبر جھکا نا سیکھنا ہوگا، تمام میدان سرائی کر نہیں جیتے جاتے کچھ جیتیں ایسی ہوتی

ہیں، جو نرمی سے، جھک کر حاصل کرنی پڑتی ہیں۔“ وہ بیٹی کی خود پسندی اور ”میں“ سے واقف تھیں، اس لیے نرمی

سے کچھ سختی سے اسے بہت بڑا سبق تھی، مگر وہ اپنی ذات کو کہیں پاتال میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اسے لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی

اس کے لیے بہت بڑا سبق تھی، مگر وہ اپنی ذات کو کہیں پاتال میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اسے لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی

مقتل گاہ میں جا رہی ہو، جہاں اس کی خودی، اس کی انا اور اس کی ”میں“ ذبح کر دی جائے گی، لفظ شادی اور لفظ

شوہر نہیں اس سے وابستہ تمام لفظوں، تمام رشتوں اور احساسات سے اسے چڑ اور بے زاری سی محسوس ہو رہی تھی،

اسے اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا تھا، مگر کوئی اسے ایسی جائے پناہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں وہ اپنی ذات کی قبا اوڑھ کر

پوشیدہ ہو جاتی، راہ فرار نہ تھی اور دل میں ہزار وہم، ہزار خدشے، ہزار ہا وہم لیے اس کے تن پر خوبصورت آنکھوں کو

خیرہ کرتی عروسی قبا سجادی لگی تھی، اس کا پور پور ایک ایسے شخص کے لیے سجایا جا رہا تھا، جس کے لیے وہ اب تک کچھ

اچھا نہیں سوچ سکی تھی کہ جب سوچنا چاہا تھا، بدگمانیاں ہی بڑھتی تھیں، نرم گرم جذبات نہ اندھ سکے تھے، وہ بہت رقیق القلب ہو رہی تھی، اس کی آنکھیں رہ رہ کر برس رہی تھیں اور وہ ڈیپ ریڈ لکڑے شرارے سوٹ میں روایتی دلیوں کی طرح گچی ہر دیکھنے والی آنکھ کو کھٹکھا دے رہی تھی، اس کے ہنسنے نین نقش میک اپ نے دوا تھ کر دیے تھے، اس پر اس کی سوگاری اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی، ماہ کنعان کی نگاہ اس پر اٹھی تھی اور وہیں پھری رہ گئی تھی کہ نگاہ نے تو پلٹنا ہی تھا مگر نگاہ کا ہر احساس، ہر جذبہ اس کے چہرے پر ہی رہ گیا تھا، اور وہ بلیک شروانی میں روایتی دلیوں کی طرح کلاہ سر پر سجائے اپنی چار منگ پر سٹیلیٹی کے ساتھ خود اعتمادی و سرمستی کے عالم میں اس کے پہلو میں کھڑا کتنے ہی دل دھڑکا گیا تھا کہ وہ دونوں ساتھ کھڑے بہت مکمل اور نظر لگ جانے کی حد تک پیارے لگ رہے تھے، جہاں وہ خوش و اعتماد تھا وہیں وہ اداس اور نروس تھی، روش پر گلاب کی پتیوں بکھری تھیں، اوپر سے بھی پتیوں الگ ان پر قربان ہو رہی تھیں اور اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے وہ زیر لب مسکراتا اس کی تنائی سرخ کالج کی چوڑیوں سے مزین کلائی تھام گیا تھا، اس کی حرکت پر اس نے نگاہ اٹھائی تھی اور وہ دفتر سے ہی مسکرایا تو اچھی کپکپوں اور عنابی لبوں کی ذومعنی مسکراہٹ کا حسین منظر کمرے کی آنکھ میں مقید ہو گیا، وہ دونوں ساتھ چلتے آج تک پہنچے تھے، اور رسوں کا آغاز ہو گیا تھا، ہر فرد اداس تھا کہ وہ بھی سب کی لاڈلی، رخصتی کے وقت وہ دھواں دھار روئی تھی اور سب کو رلا گئی تھی، کیا ساجدہ، کیا ارحم اور نوید عالم سب اس کو رخصت کرتے اس کے ساتھ رو رہے تھے، نوید عالم اپنی سگی دو بیٹیوں کو رخصت کرتے اتنے اداس نہ تھے، مگر بھائی کی نشانی جسے انھوں نے اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا اس کی رخصتی کے منظر نے ان کی آنکھیں نم کر دی تھیں، ساجدہ شوہر کی کمزوریوں سے محسوس کرنے لگی تھیں اور وہ اپنوں کی دعاؤں اور آنسوؤں تلے چم چم روتی ماہ کنعان عابدی کے ساتھ رخصت ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”ماندہ! زکوبات سنو میری۔“ وہ رخصتی کے بعد واپسی کی تیاریوں میں تھے کہ اس کی نگاہ پارکنگ میں ارحم کی گاڑی سے ٹپک لگنے لگی کھڑی ماندہ پر پڑی تھی، جو سبز رنگ کے دیدہ زیب سوٹ میں نیچرل میک اپ کیے سوگوار سی بہت حسین لگ رہی تھی اور اس کے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھنے لگے تھے، وہ اپنے نام کی پکار پر اپنے خیالات سے چونکی اور اسے دیکھ کر ناگواری کی واضح لہر اس کی آنکھوں میں اٹھ ائی۔

”ماندہ! مجھے بات کرنی ہے تم سے، پلیز۔“ وہ اس کے سامنے کھڑی ہوا تھا کہ اس کو لڑکی کو وہ کس قدر تکلیف سے دوچار کر چکا تھا، ایسی اذیت سے نواز چکا تھا، اندازہ تھا، شرمندگی تھی اور جو اس کی آنکھوں میں اترتے سہم اور آنسو کے سبب بڑھ گئی تھی، وہ بے اعتباری کا شکار تھی، اور اس سے زیادہ باعث ندامت اس کے لیے کیا بات ہو سکتی تھی، وہ لڑکی جس پر وہ تمام جائز اختیارات رکھتا تھا، اپنے غلط انداز کے سبب اس پر اپنا اعتماد کھو چکا تھا وہ خود کو ذمہ میں گڑھتا محسوس کرنے لگا تھا۔

”لیکن مجھے آپ سے بات نہیں کرنی ہے، آپ یوں میرے سامنے آ کر مجھے مزید اذیتیں دے کر کانٹوں پر نہ گھسیٹیں۔“ وہ رونا نہیں چاہتی تھی اس شخص کے سامنے جو اس کے سکون کا قاتل تھا، مگر وہ بہت کمزور تھی، اس کی فطرت کی نرمی کو ملتا ذرا سی توجہ پر ہی بکھری تھی اور وہ ہزن کے سامنے کھڑی بے بسی سے رو رہی تھی۔

”ماندہ! میں بہت شرمندہ ہوں، خدا کے لیے مجھے معاف!....“ وہ اس کے بے بسی سے کانپتے وجود سے نگاہ چراتا نہایت دکھ اور شرمندگی سے کہنے لگا تھا۔

”میں آپ کو مگر کبھی معاف نہیں کروں گی اجد عالم! آپ نے عرش سے مجھے فرش بنا دیا ہے۔“ وہ رو رہی تھی

اور وہ شرمندگی سے اسے دیکھتا دو قدم پیچھے ہو گیا تھا۔
 ”اپنا وجود فرش کی قاب محسوس ہوتا ہے اور گرد آلود اندھیرے میں ڈوبی قبا آپ اپنی مردانگی کے ثبوت کے لیے استعمال کر چکے، اب اس قبا کو اتار بھیجئے، مجھے آپ سے ملنے والی ہر ذلت نہ چاہئے ہوئے بھی قبول ہے، اور میں اپنی داغ داغ زندگی و ذات کے ساتھ چھی رہوں گی، اب میں اٹھ نہیں سکتی کیونکہ فرش، کبھی عرش نہیں بنایا اور آپ نے مجھے فرش بنایا، اب گزر جائے، نہ خود کو پریشان کریں، نہ میری اذیتوں کو بڑھا سکیں، فرش سے گزر کر عرش پر پہنچ جائے اور جب اس عرش پر ملوں گی آپ سے تب آپ کا گریبان تمام کمر سوال کروں گی، پوچھوں گی آپ سے اپنا قصور؟ ابھی جانئے کہ ہر بات، ہر کوشش اب بے کار جائے گی کہ اس ماندہ کو آپ نے روند ڈالا ہے، جو رشتوں کے لیے، ان کے احساسات کی خاطر جیا کرتی تھی، گری ہوئی عمارت کی جو باقیات ہیں ناں... اسجد عالم! ان سے میں نے اپنا ایک نیا خاکہ تراشا ہے، جس میں رشتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی کہ رشتوں کے نام پر ماندہ نے بہت ذلت سہی، بہت عزت کمالی، اس لیے اب مجھے صرف نام نہاد رشتوں سے چھٹکارا چاہیے، مجھے آپ سے طلاق چاہیے اسجد عالم!“ اس نے آنسو گرے تھے پھر ساکت کھڑے اسجد عالم پر نگاہ کی تھی، جسے وہ احساس دلانے بغیر ذلیل کیے بنا عداوت کے زیر اثر لے گئی تھی، ایسی عداوت کہ وہ ختم بھی ہو جاتی تو اس کا احساس چٹارہ جانا تھا۔
 ”میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔“ وہ وہاں سے نکلنے لگی تھی کہ اس نے اپنی تمام تمہیں جمع کر کے کہا تھا۔
 ”میں یہ نہیں جانتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں مزید نام نہاد رشتے کو نہیں نبھاسکتی، آپ طلاق دے دیں گے تو ٹھیک، ورنہ یاد رکھیے گا کہ میرے پاس خلع کا آپشن ہے اور جسے میں سب کی مخالفت کے بغیر بھی استعمال کروں گی۔“ وہ اس کی آواز پر تھی، اور پلٹے پیاسہ دل بھی بے کبریٰ اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی، وہ شکستہ قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا، اپنی ذات کی شکست پر وہ جتنی آرزو تھی اتنی ہی آرزو تھی اس نے اس کی شکست پر بھی محسوس کی تھی، اپنی شکست سے تو جان چھڑا نہیں با رہی تھی، اس کی شکست کی اذیت سے بچنے کو رنج پھیر کر آنکھیں بند کر لی تھیں، آنسو اس کے رخساروں پر گرتے چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

اس نے ماہ کنعان عابدی کی ہمراہی میں ”ماہ دلاز“ میں قدم رکھے تھے، مشراہند مسز عابدی رسما اسے منہ دکھائی میں قیمتی تحفے دیتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے، اس کا استقبال ماہ لاج اور سیرانے ہی کیا تھا، ماں باپ کا ہوں چلے جانا وہ خود پر ضبط کے کڑے پہرے نہ بٹھاتا تو کچھ التماسیدھا کر بیٹھتا اور اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے ہی فیصل نے بیوی کو اشارہ کیا تھا، سمیرا جو خود پریشان تھی اسے لاج کے ہمراہ ماہ کنعان عابدی کے کمرے میں لے گئی تھی، اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا کہ اس کے گھر میں بھی شادیاں ہوئی تھیں، اس نے نئی دہلی کا اب تک شاندار استقبال اور نہ جانے کون کون سی رسمیں ہوئی دیکھی تھیں اور اس کا روکھا پچھا کا استقبال ہوا تھا، بناء کسی رسم کے اسے کمرے میں چھوڑ کر وہ دونوں ہی چلی گئی تھیں، اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ گرنے لگے تھے۔
 ”ممی! جو لوگ میرا اچھا استقبال نہ کر سکے، میری آمد پر خوشی کا جھوٹا نکتہ اظہار نہ کر سکے، کیا میں ان کے لیے کبھی اپنے دل میں جگہ بنا پاؤں گی، جنھوں نے میری پہلے ہی قدم پر تذلیل کی، انھیں عزت دے پاؤں گی؟“ وہ روتے ہوئے ماں سے مخاطب ہوئی تھی۔
 ”میں محبتوں کی نہیں عزتوں کی بھی عادی رہی ہوں، بقول آپ کے ارحم بھیا! یہ شخص مجھے محبت دے گا، مگر کیا میں عزت اور مان کے بغیر وہ پاؤں گی؟ جو شخص میرا اچھا استقبال نہ کر و اس کا وہ مجھے محبتوں میں رنگ بھی دے تو کیا؟

کہ رنگ تو موسم کی پہلی بارش میں ہی نکل جاتے ہیں۔“ اس نے سسکی لی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی اس کی سوچ کنعان کے لیے بہت غلط ہے، وہ جب اسے نہ سمجھ سکتی تھی، اس کی محبت اس کی گہرائی تک کیسے پہنچ سکتی تھی کہ اس کی محبت پر تو عشق کا رنگ غالب تھا اور محبت کے رنگ اتنے کچھ نہیں ہوتے کہ سال کی پہلی بارش کی نظر ہو جائیں، تو پھر وہ تو اس کے عشق میں رنگا تھا اور اس کی کوری ذات کو اپنے عشق میں رنگ دینے والا تھا، ایسا پکا مضبوط رنگ جو مرے دم تک نہیں نکلتا، انسان فنا ہو جاتا ہے، مگر عشق کا رنگ نہیں دھلتا کہ عشق روح کی قبا ہوتا ہے، اور عشق کی بند قبا ہے بہت مشکل سے اپنی معراج تک جا کر کھلے، مگر کھلتی ضرور ہے کہ عشق ایک جادواں سفر ہے، روح سے روح تک پہنچ ہی جاتا ہے، بس اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ عشق و روح کا سفر، یہ عشق میں رنگ دینے کے مرحلے کب طے ہونے لگے؟ محبوب نے محبت کے دل تک کب سفر کرنا تھا کہ ابتداء تو ہونے کو تھی، عشق نے اپنی کمر کس لی تھی اور عاشق تو تھا ہی والد و شیدا، سب کچھ وارنے کو تیار، قدموں میں ڈھیر کرنے کو راضی، جھکنے کو تیار، جھکانے سے برگشتہ، ملن کو بے قرار، تن من وارنے کو تیار و راضی، وہ کتنی ہی خواہشیں دل میں جگائے، آنکھوں میں مسرت و خمار لیے با اعتماد و سرشاری سے لبریز چال چلتا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا کہ یہ کمرہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے اپنی پسند سے سجایا تھا، بیڈروم سیٹ سیاہ رنگ کا تھا، دیوار پر پینٹ اور پردے وائٹ تھے، بلیک فرنی کارپٹ جو وائٹ پھولوں سے مزین تھا، کمرے کی دیواروں پر آویزاں ان کے نکاح کی سب سے حسین تصویریں، ڈریسنگ ٹیبل کے عین سامنے والی دیوار پر لگا اس کا پورٹریٹ جو اتنا حسین تھا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ کو ساکت کر دے، بیڈ سے اٹھتی گلاب اور موہی کی مہک، کمرے کے کلبے سے اندھیرے میں کھلی کھڑکی سے جھانکتی چاند کی نرم سی روشنی ہر چیز بہت مکمل تھی، بہت حسین تھی، اس کے احساسات ڈر و خوف کے ساتھ ساتھ عجیب سی لے اختیار کرنے لگے تھے کہ دروازہ کھل کر بند ہونے کی آواز نے رہی سہی کسر بھی پوری کر ڈالی تھی، بیڈ سے زرافا صلے پر اس نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا، جو گلاب کے پھولوں اور پتیوں میں گھری بیٹھی خود گلاب کا پھول لگ رہی تھی، اس کے لرزے وجود اور ارتعاش زدہ پکوں کو دیکھ کر وہ دھیسے سے مسکا تا بیڈ کے سر پانے تک گیا تھا، اس نے آنکھیں تختی سے بند کر لی تھیں، مگر زونسن کا وہ عالم تھا کہ بند پکوں پر بھی لرزا ہٹ طاری تھی، خوبصورت لب ڈارک سرخ لب اس کے سچے لرزے ہوئے بڑے ہی قاتل لگ رہے تھے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کر دیکھتے ہیں
 یہ بات ہے تو چلو اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں
 سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
 کہ پھول اپنی قابیں کتر کے دیکھتے ہیں

کمرے کے خوابناک ماحول میں اس کا میجر لہجہ کیا گونجا اس کا دل پلیاں تو زکر باہر آنے کو بے تاب ہونے لگا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تمام لیا۔
 ”آج میں کتنا خوش ہوں، خود کو کتنا مطمئن پارہا ہوں لفظوں میں تو کیا اپنے کسی انداز سے بیان نہ کر سکوں گا، تم تو وہ ہو جان کنعان! کہ جسے میں نے خود سے زیادہ سوچا، محسوس کیا، لگتا ہے کہ آج میرے پہلو میں تم نہیں، میری خواہشیں، میرا جنون، میرا عشق براجمان ہے۔“ وہ میجر لہجے میں اپنے جذباتوں کا کچھ حصہ کہہ گیا تھا اور ایک ہاتھ، ہاتھ میں تھا دوسرے ہاتھ سے اس کے چہرے کے نیچے میں نقش چھو رہا تھا اس نے گہرا کر آنکھیں کھولی تھیں، دونوں کی نگاہیں ٹکرائی تھیں، وہ پھیلی پھیلی جھکائی تھی اور وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

”یار! کہنے کو اتنا ہے کہ اگر تم سے اپنے جذبات، محسوسات کہنے پر آؤں تو ایک عمر بیت جائے۔“ وہ غمناک لہو میں اظہار کی ابتدا کر گیا تھا۔

”اپنی آخری سانس تک کے لیے تمہیں اپنا بنالیا ہے، آخری سانس تک کے لیے یہ ماہ کنعان عابدی بس تمہارا، کہ اب صرف تمہارے لیے ہی جیے، زندگی میری نام تمہارے، آج پورے کا پورا ماہ کنعان عابدی تمہارا۔“ وہ بہت میٹھے جذبوں سے چور لہجے میں کہہ رہا تھا، اسے اس سے مانگنے کے بجائے خود کو اسے سوپ دیا تھا۔

روہ ڈر و خوف بھلائے حیرانگی سے اسے سن رہی تھی کہ جو وہ کہہ رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پاری تھی، مگر دل کی لے بھی عجیب ہی تھی۔

”میں تمہیں تم سے نہیں مانگوں گا کہ میں نے صرف تمہارا بننا ہے، کیونکہ تم تو میری اسی دن بن گئی تھیں، جب تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا، جب پہلی دفعہ تمہیں محسوس کیا تھا، جب تمہیں اپنے نام کیا تھا، تم تو صرف میری ہو اور میں تمہیں بس یہ یقین سوچنا چاہتا ہوں کہ میں صرف تمہارا ہوں، میری ہر سانس صرف تمہارے نام، یہ ماہ کنعان عابدی تمہارا ہوا جنین عابدی! اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنے کنعان کو دل میں رکھتی ہو، نظر میں رکھتی ہو، محبت بناتی ہو، نفرت سمجھتی ہو، کہ جذبہ کوئی بھی ہو، احساس کوئی بھی ہو تم سوچو گی مجھے ہی کیونکہ تم میری ہو، تم نے مجھے ہی سوچنا ہے اور میں بھی تمہارا ہوں، میں نے بھی صرف تمہیں ہی سوچنا ہے، میں تمہیں دل سے نکلنے نہ دوں گا اور تم کیا کرتی ہو، یہ تمہارا کام ہے کہ مجھے اپنی جنین کی حفاظت خود کرنی ہوگی اور تمہیں اپنے ماہ کنعان کی حفاظت خود کرنی ہوگی۔“ وہ عجب بے تکلف لہجے میں کہہ رہا تھا اور وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس کے ہاتھ کالس آٹکھوں سے لیوں تک آ جانے پر محض سوچ کر ہی رہ گئی تھی اور اس نے اس کی چوڑی اتارنی شروع کر دی تھی۔

”یار! میں تو تمہاری ایک جھلک پر ہی مرنا تھا، مزید میرے قتل کا سامان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ اب کے دوستانہ انداز میں اس کو تیاری کے حوالے سے چھیڑ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے کہ وہ اس کی بے تابیوں کی تاب نہیں لا پاری تھی۔

”اف... تمہارے یہ آنسو، کسی دن اس کھاری ندیا میں ڈوب جاؤں گا۔“ وہ اس کے آنسو خونی سے کہتا لیوں سے چن رہا تھا، اس کا چہرہ شدت ضبط و جذبات سے غمناک تھا، وہ خاموش تھی اور صرف وہ بول نہیں رہا تھا، اس کے جذبات، اس کے محسوسات ہی نہیں اس کا بس بھی بول رہا تھا، وہ اس کی مرمریں کلائی سے چوڑیاں اتار رہا تھا اور اس کی جان پر بن آئی تھی۔

”جس شام میں تمہاری نازک کلائی مرمریں ہاتھوں کی خوبصورتی کو محسوس کیا تھا، نگاہ سے چھوٹا تھا تب ہی سوچ لیا تھا کہ میں تمہیں رونمائی میں نکلن دوں گا۔“ نہایت حسین سیاہ جڑاؤ نکلن اس کی دودھیا کلائی میں سج کر رہی ہو گئے تھے، اس نے اپنے لب بے ساختگی میں نکلن پر رکھے تھے وہ چھوٹی موٹی سی ہوئی جا رہی تھی، اس کی ساری توجہ اس کے ہاتھوں پر ہی مرکوز تھی، وہ دھیرے دھیرے نکلن کو چھو رہا تھا کہ یکدم اس نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا، اس کی تو وہ حالت تھی کہ اب جان لگی کہ تب نکلن اس نے سرخ زرتار آچل کو بڑی نرمی سے اس کے وجود سے چھین لیا تھا اور دراز ہو کر اس نے ساری لائش ہاتھ مار کر بچھا دی تھیں، چاند کی نرم روشنی کمرے کی خوابنا کی کوا لگی ہی سحر عطا کرنے لگی تھی۔ اسے اپنے چہرے و گردن پر اس کی ہر جدت سانسوں کی پیش محسوس ہونے لگی تھی، اس نے لب کچلتے ہوئے آنکھیں میچ لی تھیں اور وہ اس کو اپنے سینے پر گرائے اس کا ہاتھ تھامے محسوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”اور جب کبھی بند قبا کھلتے لگتی جاناں! اپنی آنکھوں کو تیرے حسن سے خیرہ کرتا مجھ کو بے تاب سا رکھتا تیری چاہت کا نشہ میں تیری زلف کے آنگن میں مہلکا رہتا کچھ نہیں تو یہی بے نام سا بندھن ہوتا کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا نکلن ہوتا“

وہ دودھیا کلائی میں سجے نکلن کو انگلی سے جنبش دیتا لیوں سے چھوٹا محسوس لہجے میں دل کی شدتوں سے کہہ رہا تھا، اپنے حق کا استعمال کر رہا تھا، اور وہ اس کے جذبوں اور جساتوں پر بند نہ باندھ سکی تھی، اور وہ کاش کی گردان کرتا، بے نام سے بندھن میں الجھا سب سے مضبوط رشتے کی بنیاد رکھ چکا تھا، وہ رشتہ جو ناک کے تین بولوں سے شروع ہوا تھا، وہ رشتہ جسے بہت اہمیت حاصل تھی، وہ رشتہ جس میں بندھ کر دو انجان لوگ بہت اپنے بن جاتے تھے اور دو انجان و اجنبی دل کی ڈور سے بندھے، حجاب و دوری کی قبا کھولتے، قربت و ملن کی قبا اوڑھ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

”پلیز یس! اسے چپ کرواؤ، اس کی آواز میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی ہے۔“ وہ اس کی شکل دیکھتی لب چلتی روٹی ہوئی تھی جس کی لیے کمرے سے نکل گئی تھی اور آدھے گھنٹے بعد اسے سلا کر بواجی کے حوالے کر کے، وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی، تو وہ کھڑکی میں کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا، اسے حیرت ہوئی تھی کہ ایسا فرسٹ ٹائم دیکھا تھا تو حیرت بے جا نہ تھی۔

”اجدا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ حیرت کو سائیڈ میں رکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

”دھیرے دھیرے میرے ہاتھوں سے سب کچھ ٹھٹکا جا رہا ہے، رشتے ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسلتے جا رہے ہیں۔“ وہ آزدگی سے کہتا تھا میں دھواں آزا کر گیا تھا۔

”ابو نے تو کیا امی نے بھی میرے سلام کا جواب تک نہیں دیا، شاز مین الگ ناراض ہے کہ راحم اس سے خفا ہے، میں نے شاز مین کے بیٹے کو پیسے دینے چاہے تو وہ اس نے اٹھا کر پھینک دیئے، اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی میں آنے والی دشواریوں کا وہ مجھے سب سمجھتی ہے اور وہ کچھ غلط بھی تو نہیں سمجھتی ناں، میں ہوں ہی براء، مجھے رشتے نبھانے نہیں آئے ان کی عزت نہیں کر سکا میں۔“ وہ اس سے لپٹ کر رو پڑا تھا۔

”اور اس سب کی ذمے دار صرف میں ہوں، میری خود غرضی نے آپ کو یہ دن دکھایا ہے۔“ وہ اس کو بیڈ پر بٹھاتی اسے پانی پلانے کے بعد نیچے کارپٹ پر اس کے پیروں میں بیٹھ گئی تھی۔

”لیکن میں بہت مجبور تھی اجد! آپ کو کھونے کا حوصلہ ہی نہیں تھا مجھ میں، اس لیے میں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ شادی کر لیں، لیکن میں غلطی اجد! اور آپ صحیح تھے، آپ نے صحیح کہا تھا کہ راستے لوگوں کی زندگی برباد ہونے سے بہتر ہے کہ ہمارے دل اجڑ جائیں، لیکن میں اس کے لیے آبادہ نہ ہوئی، آپ کی محبت مجھے آپ سے دور ہونے کا حوصلہ نہیں دیتی تھی، آپ کے دور جانے کا خیال میری سانسیں چھیننے لگتا تھا اور آپ کو پالیا میں نے مگر ہمارے ملن میں کتنی آہیں تھیں، کتنے دل کتنے رشتے ٹوٹے تھے اور ان میں سے کسی کی ایک آہ ہمیں لگ گئی، ہم بہت کچھ پاکر بھی ادھورے ہیں کہ ہمارے پاس رشتے نہیں ہیں، اپنوں کا ساتھ ان کا مان نہیں ہے، دیر ہو گئی ہے اجد! بہت دیر... مگر کوئی روز ان ابھی بھی ضرور کھلا ہوگا، اسی کے ذریعے آپ اپنے رشتوں تک پلٹ جائیں، میں

آپ کے بغیر مر کر جی لوں گی، بس آپ لوٹ جائیں اپنوں میں، مجھے چھوڑ دیں اسجد! وہ رورہی تھی، بلکہ رنی تھی، وہ اپنی ہر تکلیف بھلا کر، ماندہ کے لفظوں اور نگاہ سے اتنی دل میں اذیت کو فراموش کیے ناگواری غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے آپ سے آپ کے رشتے چھیننا کبھی نہیں چاہے تھے، اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ آپ ماندہ سے شادی کر لیں، مجھے لگا تھا کہ وہ کمپروماز کر لے گی، مگر وہ نہیں کر سکتی تو آپ اسے مجبور نہ کریں کہ وہ آپ کی خاندانی بیوی ہے، آپ کے ابو کی پسند ہے، آپ اسے کیسے بھی کر کے ساتھ رہنے کو راضی کر لیں، اس سے کہہ دیں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔“ وہ کہہ رہی تھی اس نے اسے بازو سے تھام کر اپنے مقابل کھڑا کیا تھا اور پچکیاں بھرتی یسری کے رخسار پر گھما کر ایک طمانچہ لگا تھا۔

”بکواس بند کرو اپنی، ہر بات کہہ دینا تمہارے لیے کتنا آسان ہوتا ہے، جان دار بھی دیتی ہو اور کھینچ بھی لیتی ہو، اتنی ظالم کیسے ہو سکتی ہو تم؟“ وہ اس پر چلاتے ہوئے اسے کھینچ کر خود سے لگا گیا تھا، اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی، جب وہ ہسپتال سے بہت غصے میں گھر پہنچا تھا تو اس کے کچھ گھنٹوں بعد ہی نوید عالم بھی آ گئے تھے اور انھوں نے اسے ہمیشہ کیسے لیے گھر سے نکال دیا تھا، اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آئندہ انھیں اپنی شکل بھی نہ دکھائے اور وہ اس وقت تو یسری سے چھپا گیا تھا مگر تک کہ وہ گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ہی اس کے بہت اصرار پر بھی گھر سے بغیر چلا جاتا تھا اور اب دو دن، دو راتوں سے ساتھ تھا، وہ سوال کر رہی تھی اور اس نے ڈپٹ کر غصہ دکھا کر خاموش کر دیا تھا کہ وہاں ارحم الحسن کا آنا اس کی باتیں اسے کچھ نہ کچھ سمجھا گئی تھیں اور اس کے اصرار پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر میں اس کی شادی کا پتہ چل گیا ہے، ماندہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے اور نوید عالم نے اسے گھر سے نکال دیا ہے، وہ اس کو اپنے کارنامے کو چھپا کر بانی ہر بات سچائی سے بتا گیا تھا، وہ اس کے ساتھ ساتھ دھکی تھی، مگر اس کے لیے کچھ نہیں باری تھی اس نے جب کہا تھا کہ وہ ماندہ سے ملے گی تو اس نے سختی سے منع کر دیا تھا، یہاں تک کہ اپنے پیرئس سے بھی اسے کسی قسم کا رابطہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

”اسجد! یہ میرے لیے آپ کے لیے بہت مشکل ہے، مگر اب یہی مناسب رہے گا۔“ وہ اس سے الگ ہوتی ہوئی تھی۔

”اب بکواس کی ناں تو جان سے مار دوں گا۔“ اب کے وہ غصے سے پھنکارا تھا۔

”اتنے لوگوں کی زندگی میری وجہ سے برباد ہو رہی ہیں، کتنے لوگ میری وجہ سے ناخوش ہیں، مجھے تو مر ہی جانا چاہیے۔“ وہ پچکیاں لے رہی تھی۔

”سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے اور اس کا سبب میری ذات ہے، تمہارا لیتا دینا نہیں ہے، میں ہی بہت کمزور تھا، جو اپنی محبت نہ منواسکا، اب پھر کم از کم شادی کے بعد تو تمہیں ابو کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا، مگر میں نے کچھ نہیں کیا، تمہارے ساتھ نا انصافی کی اور ماندہ... اس کو بھی پریشان کیا، اذیت دی، وہ سب کچھ بہت پہلے جان گئی تھی، اس کو مان لیتا، تم دونوں کو ساتھ رکھ لیتا، مگر میں نے سب کچھ نہیں کر دیا، معاملات بہت بگڑ چکے ہیں، کسی طرح قابو میں نہیں آ رہے کہ ماندہ کو طلاق چاہیے اور میں چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا، اور جب میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، تمہیں کیسے چھوڑ دوں، جو ابو بن کر میری سانسوں میں گردش کر رہی ہے۔“ وہ اپنا بھرم رکھنے کو اپنا ضبط آزماتا جھوٹ بول رہا تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ ماندہ سے جڑے معاملات کے علاوہ اس کا ایک ایک لفظ سچا تھا اور سچائی اور اس کی محبت اس کی آنکھوں میں لکھی تھی۔

”اسجد! مجھے بتائیے آپ نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ اتنا پریشان ہیں، نام ہیں، آپ کی آنکھوں میں اس وقت ہر جذبے پرندامت غالب نظر آ رہی ہے، بتائیے مجھے کیا چھپا رہے ہیں؟“ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام گئی تھی اور وہ نظر چراتا اس کے سامنے سے ہی ہٹ گیا تھا۔

”اسجد! میں اور آپ الگ تو نہیں ہیں ناں، بتائیے مجھے کیا بات ہے؟ آپ نے ماندہ سے کیا کہا ہے؟ جب وہ پہلے سے جانتی تھی تو اس وقت کی بجائے اب طلاق کا مطالبہ کیوں کر رہی ہے؟“ وہ اس کی شرٹ پشت سے دبوچ کر اسے روکتی اس کے سامنے کئی سوال لے کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”اب ہر بات بھی تمہیں نہیں بتا سکتا۔“ وہ سچ کر بولا تھا۔ اور وہ اس کو دیکھنے لگی تھی، وہ غصے کا تیز تھا اور وہ اس پر بھی اچھے، برے موڈ پر اپنا غصہ عیاں کر چکا تھا، مگر وہ اس وقت غصے میں نہ تھا، جھلاہٹ و بے بسی کا شکار محسوس ہو رہا تھا۔

”بات کہہ دینے سے شیز کر لینے سے مسئلوں کا حل نکل آتا ہے اور مجھ پر یقین رکھیں اسجد! میں آپ کا یقین ٹوٹنے نہیں دوں گی، ہر اچھے دیرے وقت میں، آپ کی اچھائی و برائی میں آپ مجھے ہم قدم اور رہنمائی کریں گے۔“ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے زری سے کہتی پھیلی آنکھوں سے مسکراتی تھی۔

”ہم قدم... رہنما! اور ڈائیرس کی جوابات کر رہی تھیں؟“ اس کے سوالوں سے بچنے کو اس نے خود کو کپڑوں کر کے سوال داغا تھا۔

”کیسے کی تھی آپ تصور میں بھی نہیں لاسکتے، مگر میں مجبور ہوں اسجد! کہ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، آپ کو اپنے رشتوں کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ کو پچھتاوا ہو کہ آپ نے مجھے چنا، اس لیے سب آپ سے پچھڑ گئے، والدین ناراض ہو گئے، بہن کا گھر خراب ہو گیا، میں اپنے اسجد کو رشتوں کا مقروض نہیں بنانا چاہتی، اس لیے یہی بہتر لگا کہ میں آپ کو اپنی محبت سے آزاد کر دوں۔“ وہ بھر پھر کر کہتی اس کو چوگانا تھی۔

”کیا تم سے کسی نے کچھ کہا ہے؟ کیا تم نے پھر میری کوئی کال ریسیو کی ہے؟“ وہ اس کو اب کے غصے سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے زمین کی کال ریسیو کرنے کے بعد ہی تو اسے اپنی قسم دے کر شادی کے لیے مجبور کیا تھا، اور اب نیا مطالبہ!

”آج جب آپ حنین کی شادی میں چلے گئے تھے، اس کے بعد یہاں راحم الحسن آئے تھے۔“ وہ اس کو بری طرح ٹھٹھکا گئی تھی، الحسن کے مکتوبوں میں وہ واحد تھا، جو اس سے کلام تک نہیں کر رہا تھا، باقی تین افراد نے تو خوش اخلاقی و اعلیٰ ظرفی کی مثال قائم کی تھی۔

”کیا... راحم یہاں آیا تھا؟“ وہ حیرت سے بولا تھا اور وہ تفصیل بتانے لگی تھی۔

”جی، انھوں نے کہا تھا کہ وہ شازمین کے شوہر اور ماندہ کے بھائی ہیں، اپنے تعارف کے بعد انھوں نے کہا کہ میں آپ کی زندگی سے خود ہی چلی جاؤں، اگر میں آپ کو چھوڑ کر نہیں گئی اور آپ نے ماندہ کو چھوڑ دیا، تو وہ شازمین کو ڈائیرس دے دیں گے، میں نے اسی لیے آپ سے کہا کہ آپ مجھے چھوڑ دیں، میری وجہ سے شازمین کا گھر خراب ہو، یہ مجھے گوارا نہیں کہ اتنے لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود آپ کو پا کر بھی نہ خوش ہوں کہ ہماری خوشیاں تمام عمر ادھوری رہیں گی اس لیے بہتر ہے کہ ہم آدھی ادھوری خوشیوں کے لیے ماندہ اور شازمین کی مکمل خوشیاں نہ چھینیں، اس سارے قصے میں شازمین بے قصور ہے اور اس کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو گئی تو میں تمام عمر خود

کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔“ وہ حیرت سے بت بن گیا تھا، اس نے روتے ہوئے نہ صرف تفصیل بتائی تھی بلکہ اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کیا تھا۔

”تم پریشان نہ ہو، کچھ نہیں ہوگا، میں پچھو کو جانتا ہوں وہ شازمین کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گی، اور ارحم بھی ایسا کبھی نہیں کرے گا کہ وہ شازمین سے محبت کرتا ہے۔“ وہ حیرانگی سے نکلتا اس کو ہی نہیں خود کو بھی پریشان کن سوچوں سے بچانے کے لیے مثبت سمت دیکھ رہا تھا۔

”وہ بہت غصے میں تھے اجد! وہ جو اس دن آئے تھے ان کے برعکس کہ انھوں نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا اور ارحم لحن کا بس چلتا تو وہ مجھے آپ کی زندگی سے لمحہ ضائع کیے بنا نکال دیتے، اس سارے مسئلے میں، میں ہی فساد کی ہوا ہوں اس لیے آپ مجھے ہی چھوڑ دیں۔“

”بکو اس بند کرویسری! اور یاد رکھنا کہ تمہیں چھوڑ دیا تب بھی ماندہ کے ساتھ میری زندگی شروع نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی، وہ میرے لیے اتنی اہم ہے بھی نہیں کہ اس کے لیے تمہیں چھوڑ دوں۔“ وہ اسے گھورتا کرے سے ہی نکل گیا تھا اور وہ بیڈ پر گر کر روتی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میں اس شخص کے لیے اتنی زیادہ غیر اہم ہوں کہ شادی کی تقریبات میں سامنے پر بھی اس نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا مجھے۔“ وہ بستر پر دراز آرزوگی سے سوچ رہی تھی کیونکہ وہ تو کسی خوشبو جیسی بات اور دل میں اتر جانے والی نگاہ کی منتظر تھی، مگر اس کا انتظار، انتظار ہی بنا اس کا منہ چڑاتا اسے دکھ سے دوچار کر رہا تھا، کہ برتھ ڈے پارٹی میں حادثے کے بعد جو آنے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اس نے پورا نہ کیا تھا، اس کے اکلوتے بھائی کی شادی تھی اس نے ایک ایک چیز بڑی شاندار لی تھی جو اس پرچ کر اور حسین ہو گئی تھی، مگر اس کی تیاری بطور خاص جس شخص کے لیے تھی اس کے سوا سب ہی نے اس کی تعریف کی تھی، اس سنگدل کی ماں نے بلا میں لی تھیں، کتنے ہی نوٹ اس پر سے وارے تھے، اور وہ خوش فہم ہو گئی تھی، آج تو وہ اسے سراہے گا، مگر وہ تو بنجید کی سے بھی اس کے ساتھ تو بھی اس کے ساتھ کھڑا تیس بنا رہا تھا، یہ نہ تھا کہ دونوں کا سامنا ہی نہ ہوا ہو، مایوسی کی شب وہ اس پر آ رہا تھا، تو وہ بھائی کے پہلو میں بیٹھی اسے تنگ کر رہی تھی، ہنس رہی تھی، دونوں کی ساتھ پکڑ بیٹھی تھیں، مگر جمال ہے جو اس نے کچھ کہا ہو یا ماتی سب سے ہٹ کر کسی خاص نظر سے دیکھا ہو، اور ویسے کی شب تو وہ مہوش کے چیمچے بھاگتی اس سے نکل گئی تھی، گجرے اس کے قدموں میں گر گئے تھے اور وہ سادگی سے اٹھا کر انھیں اسے پکڑا تا نکلتا چلا گیا تھا، جب سے ہی اسے روٹنا آ رہا تھا کہ وہ کوئی عام ی آرام سے نظر انداز کر دینے والی بھی نہ تھی کہ اس کی خوبصورتی اپنی مثال آپ تھی، اوپر سے ان کے درمیان جزا رشتہ کی شرارت اور سرگوشی کا متقاضی تھا، مگر لگتا تھا جیسے وہ جذبات سے عاری ہو، محض ”سوری“ کہہ کر گجرے پکڑا تا اس کے برابر سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ جو پوری محفل میں ضبط کرتی رہی تھی، گھر آ کر ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے، ساری آرائش اس نے بے دردی سے نوح ڈالی تھی اور نیکیے میں منہ دیے سکے تھی تھی۔

”کہیں جنین نے اپنی جذباتیت میں ہر بات ارحم سے کہہ تو نہیں دی تھی؟“ وہ اپنی سوچ پر گہرا اکڑاٹھ بیٹھی۔

”جنین تو ان سے کچھ چھپاتی بھی نہیں، اس نے انھیں بتا دیا ہو اور انھوں نے منہ ہی منہ صرف جنین کے کہنے پر کی ہو کہ وہ جنین کی کوئی بات نالتے بھی تو نہیں۔“ وہ لب کھلتے ہوئے بے چینی سے سوچ رہی تھی۔

”نہیں، کوئی اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کسی کے لیے کیسے لے سکتا ہے؟“ اس نے سر کو ہلاتے ہوئے اپنی ہی

سوچ کی نفی کی تھی۔

”لیکن جن سے محبت کی جائے، ان کی خوشی کا خیال رکھا جائے تو کیا چھوٹا فیصلہ اور کیا بڑا۔“ دماغ نے نیا پوائنٹ اٹھایا تھا۔

”لالہ جان سے شادی کا فیصلہ اس نے بھی تو صرف ارحم کے لیے کیا، تو پھر ارحم اس کے لیے کیوں مجھ سے رشتہ نہیں جوڑ سکتے۔“ وہ خود سے سوال جواب کا کھیل کھیل رہی تھی، الجھتی پریشان ہو رہی تھی۔

”تو کیا جنین اور ارحم ایک دوسرے سے...؟“ وہ یکدم ہی لب کا کونا دانتوں تلے چل گئی تھی، ہونٹ کے کنارے سے خون رسنے لگا تھا کہ یہ خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا کجا کہ وہ اس خیال کو ذہن سے نکال کر یوں تک لاتی۔

”نہیں وہ جنین سے محبت نہیں کرتے، ایسا ہوتا تو ان کے درمیان تو کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔“ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی اپنی سوچ کی شدت سے نفی کرنے لگی تھی۔

”ارحم! جنین سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی مجھ سے لالہ جان، ان کے انداز میں، پیار میں نرمی و شائستگی اور پاکیزگی پکیتی ہے۔“ وہ اپنے ذہن میں کتنے ہی مناظر کو لا کر تجزیہ کر رہی تھی۔

”اس دن جب جنین نے مجھ سے لالہ جان کی وجہ سے لفٹ نہیں لی تھی، تب ان کی آنکھیں دیکھی تھیں میں نے کتنی صاف تھیں، آئینے کی طرح شفاف.... اور جنین.... اس نے تو خود مجھ سے کہا تھا کہ...!“ وہ بھر کر اس کی کبھی بات سوچنے لگی تھی۔

”یہ میرے پاپا کی تصویر ہے اور میرے ارحم بھیا، میرے پاپا سے بہت ملتے ہیں، جب میں بہت چھوٹی تھی تب میرے پاپا مجھے چھوڑ گئے تھے، ارحم بھیا مجھ سے تقریباً گیارہ سال بڑے ہیں، مجھے دھیرے دھیرے ان میں اپنے بابا کی شباہت محسوس ہونے لگی اور میں ان کے قریب ہو گئی، مجھ سے وابستہ میرا ہر رشتہ میرے لیے بہت اہم ہے، میرے اپنوں نے مجھے میری سوچ سے بڑھ کر چاہت دی ہے، مجھے کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوایا اور جیسے بیٹیاں ماں سے بڑھ کر باپ کے نزدیک ہوتی ہیں، میں تایا ابو کے قریب ہوتی چلی گئی تھی، اپنے پاپا جیسے نظر آنے والے ارحم بھیا تو میری کل کائنات ہیں اور شاید وہ میرے لیے می، تایا ابو اور زرین آپنی سے بڑھ کر اہم ہیں کہ می بھی ایک ہیں، تایا ابو بھی مگر ارحم بھیا تو میرے لیے تین ہیں، میرے پاپا، میرے بھیا اور میرے دوست، اور میں جو بات ایک باپ سے نہیں کہہ سکتی، بھائی سے کہہ دیتی ہوں اور جو بھائی سے نہیں کہہ سکتی وہ دوست سے کہہ جاتی ہوں کہ وہ ایک شخص میرے لیے چاہت و عزت کا بحر و سائبان ہے، وہ جب سے پنڈی گئے ہیں، میں بہت اداس ہوں، دعا کرتی ہوں ان کا ٹرانسفر یہاں کراچی ہو جائے، تو تم بھی دعا کرنا لااج! کہ وہ واپس آ جائیں اور زندگی میں چاہے مجھ سے ہر کوئی روٹھ جائے، ارحم بھیا نہیں، اسی لیے صرف ان کو منانے کو ان کی بات کا مان رکھنے کو میں نے نکاح کیا ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میں ارحم بھیا کا مان نہ توڑ دوں، اس لیے دعا کرنا میں نئے رشتے کو ایکسپٹ کر لوں کہ خود ٹوٹ بھی جاؤں گی تو ارحم بھیا کا مان نہ ٹوٹے دوں۔“ اس کا بھیا لہجہ اس کے کانوں میں کیا گونجا تھا، وہ اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گئی تھی اور خود کو ڈھونڈنے لگی تھی۔

”آئی ایم سوری! میں لمحے بھر کو اپنی سوچ کے ساتھ بھٹک گئی تھی، ایکسپریس سوری، بٹ اگر ارحم نے مجھ سے منہ کی صرف تمہارے کہنے پر کی ہے، تو میں رشتہ توڑ دوں گی۔“ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا کہ دل تکلیف سے بھر گیا تھا، وہ شخص اپنی تمام تر بے اعتنائیوں اور بنجیدگیوں کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا تھا، اور وہ

اس کے سنجیدہ رویے کو سوچتی پریشان ہوتی رات آنکھوں میں ہی کاٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری یہ اداسی اور خاموشی میری سمجھ سے باہر ہے جنین!“ وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا کہ بے شک وہ کچھ خود سمجھ رہا تھا، کچھ باتیں سننے کے سبب جان گیا تھا، مگر منہ اٹھا کر کہہ تو نہیں سکتا تھا، اس لیے اسے کھوجنا چاہتا تھا، آیا وہ اسے کیا بتاتی ہے؟ بتاتی بھی ہے یا نہیں؟

”میں اداس نہیں ہوں۔“ وہ دھیمے لہجے میں کہتی چوہری اتارنے لگی تھی، یہ اس نے کل سے اب تک پہلا مکمل جملہ اپنے منہ سے کمرے کی فضا میں آزاد کیا تھا۔

”تم اداس نہیں ہو، لیکن پھر مجھے اداس کیوں لگ رہی ہو؟“ ملکہ پھلکے انداز میں بولا تھا۔

”دیکھو جنین! بات کہنے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں، تمہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو کہہ دو۔“ وہ نرمی سے اسے بولنے لگا کسار ہاتھا۔

”میرے کل کے اور آج کے موڈ میں اور رویے میں ذرا بھی فرق نہیں ہے اور جو بات آپ کو کل محسوس نہیں ہوئی، اس کو آج محسوس کر کے اس کا کل نکالنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔“ وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہتی، آنسو بہاتی اٹھی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تمام کمرے سے واپس بٹھا گیا تھا۔

”ہر بات کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے اور اسی لیے میں نے کل کی رات ضائع نہیں کی کہ گلے شکوے تو عمر بھر دور کیے جاسکتے ہیں، مٹانے کو فاصلے بھی بعد میں مٹائے جاسکتے ہیں، مگر خوبصورت وقت تو نکل جاتا کہ زندگی میں کتنی ہی جینیں، کتنی ہی راتیں آئیں، کل کی رات اور آج کی صبح ہر رات صبح پر بھاری ہی رہے گی اور میں کل کی رات گوانا نہیں چاہتا تھا۔ تمہارے انداز میں اداسی تھی، جھجک تھی، ڈرتھا، لیکن اس سب کے باوجود بے زاری وغصہ نہ تھا، لافلتی تھی مگر خود پردگی بھی تھی، کچھ پوچھتا تھا، کچھ نیکیوں تھا میں نے اگر پوچھتا تو پھر نظر رکھی تو کیا غلط کیا؟ بات کر کے پریشانی تو آج بھی دور ہو سکتی ہے، لیکن کل کی رات مس کر دیے تو عمر بھر نفسی محسوس کرتے۔“ وہ خود اعتمادی بولتے اور بولتے کا ثبوت دیتا اس کے ماتھے پر شبنم کے قطرے نمودار کر گیا تھا، اور اس کی ذومعنی گفتگو سے اس کے چہرے کی رنگت ٹھنڈا گئی تھی۔

”خاموشی محسوس کی تھی میں نے تمہاری، مگر مجھے یقین تھا کہ تم کچھ بول ہی نہیں پاؤ گی کہ ہاں بول سکتی ہو تو ہوں میں تمہارے سامنے، بولو کیا بولنا ہے؟ دوسرا کیا دینی ہے؟ کہ بات تمہاری بات کو اہمیت نہ دینے کی نہ بھی وقت کو اہمیت دینے کی تھی، میں نے تو رات ہی کہہ دیا تھا کہ تم میری ہوئیں، میں تمہارا ہوا، تم مجھے اس طرح خاموش، شرمیلی، لاجی اچھی لگیں میں اس پر فدا، تم آج بول اچھی نہیں لگ رہیں، تو اس فیئر سے نکالنے کو کوشاں ہوں میں اپنی جنین کو اپنے انداز میں دیکھنا، رکھنا چاہتا ہوں اور اب یہ تم پر ہے کہ تم اپنے ماہ کنعان کو کیسے رکھو، اداس تو میں بھی ہوں کہ تم اداس ہو، میں بول اس لیے رہا ہوں تاکہ تمہاری خاموشی ٹوٹے، جب میں تمہارے لیے اتنا کچھ کر رہا ہوں تو کیا تم میرے لیے کچھ نہیں کرو گی؟ میں بھی تو تمہارے منہ سے اپنے لیے کچھ سننا چاہتا ہوں، آج تک تم نے تو میرا نام بھی پیار و حق سے اپنے احمریں لبوں سے ادا نہیں کیا۔“ وہ دھیمے دھیمے کھیر لہجے میں کہتا اس کے چہرے پر پرچاب سی قوس و قزح بکھرا گیا تھا۔

”کہو ناں کچھ جنین! میرے کان تمہاری آواز سننے کے منتظر ہیں، میری تعریف نہ سہی، برائی سہی، میری برائی نہ سہی، اپنی اداسی کا سبب ہی بتا دو کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو جنین! کہ میں تمہارے لیے تمہاری خوشی کے لیے خود کو

اپنی ذات کو بھول سکتا ہوں، تم بس مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھو۔“ وہ دلکشی سے کہتا اس کا ہاتھ تمام گیا تھا اور اس کے لبوں پر لگے تھے۔

”مجھے نہیں پتہ کچھ، نہیں سمجھ آ رہا کچھ بھی، سب خوش ہیں، مطمئن ہیں، لیکن میں خوش نہیں ہو پا رہی، پتہ نہیں کہی بے اطمینانی میرے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گئی ہے کہ میں مطمئن نہیں ہو پا رہی۔“ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

”اس ناخوشی و نا مطمئن ہونے والے احساس کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی، وہ کہو مجھ سے اپنے احساسات، خیالات، خیال کرو، یقین کرو جنین! ہم الگ نہیں ہیں، میاں بیوی کو قرآن حکیم میں ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، اور جب ان فرمیں رشتہ ہے، جب کوئی پردہ ہے ہی نہیں تو خیالات محسوسات بانٹنے میں کیسا تردد؟ کیسی جھجک، کیسا ڈر؟“ وہ اس کے رونے سے خائف ہوا تھا، مگر جب بولا تھا تو نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہ وہ اس کو غیر محفوظات کا شکار پا رہا تھا اور نرمی سے اس کے تمام بے یقین و پریشان کن احساسات جان کر ختم کر دینا چاہتا تھا۔

”میں نہیں کہہ پا رہی، آپ پر یقین بھی نہیں کر پا رہی، آپ کے بارے میں سوچ بھی نہیں پا رہی۔“ وہ بے بسی سے کہتی اسے سن کر گئی تھی، اتنی چاہت کے بعد ایسا سانس اس کے شعور، لاشعور میں کہیں بھی نہیں تھا، اس کے رخسار پر رکھا ہاتھ بے جان، بے روح ہو کر اپنے مقام پر آن ٹھہرا تھا، بائیں ہاتھ میں موجود حنائی پتھلی یکدم چھوٹ گئی تھی۔

”ٹھیک ہے تو فیصلہ کر لو کہ زندگی کس طور گزارنی ہے یہ تو طے ہے کہ خوشی کا احساس انسان کو اپنے اندر سے ہی نکالنا ہوتا ہے، اور جب انسان خوش ہوتا ہی نہ چاہے تو اداسی یوں ہی خوشی کے بے کراں محوں میں ٹھہر جایا کرتی ہے، اب یہ تم پر ڈپنڈ کرنا ہے کہ تم خوش ڈھونڈی ہو یا میری خوشی کو بھی ماند کر دیتی ہو۔“ وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”مما پلیر! آپ لوگ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ کم از کم آپ تو میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔“ وہ طلاق لینے پر یقینی اور وہ سب اس کے لیے پریشان، اس کی زندگی سے ہراساں، کیونکہ ایسا ہوا تو وہ بہاڑی زندگی کیسے گزارے گی؟

”میں تمہارے محسوسات سمجھ رہی ہوں، تمہیں حق بجانب مانتی ہوں، لیکن جو سزا تم اہجد کے لیے منتخب کر رہی ہو، وہ صرف اس کے لیے نہیں، ہم سب کے لیے خود تمہاری لیے بھی سزا ہے، زندگی کیسے گزارو گی؟“ وہ رونی ہوئی تھی کہ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبا گئی تھیں۔

”مما! جیسے اب تک گزاری، مگر میں اب آگے ذلت نہیں چاہتی، کیوں آپ مجھے اس قفس میں بھیج کر میرا دم ٹوٹ دینا چاہتی ہیں؟“ اس کی لاج پاری پروہ دہل اٹھی تھیں۔

”اے نہ دیکھیں کہ اس قفس کی ہر اہی میری جان لے لے گی، ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے مجبور نہ کریں۔“ وہ رونی ہوئی اٹھی تھی مگر چند قدم ہی چلی تھی کہ آنکھوں کے نیچے ایسا اندھیرا آیا تھا کہ لہر اکرا پٹ پر جا گری تھی۔

☆.....☆.....☆

”فری! کیا سوچ رہی ہو؟“ ماندہ جب سے احسن ہاؤس آئی تھی، وہ سب ہی پریشان تھے مگر آج فریدہ ہر دن سے زیادہ مضطرب تھیں، گہری سوچ میں مستغرق تھیں شوہر کی آواز پر انھیں دیکھنے لگی تھیں۔

”ماندہ کو لے کر پریشان ہوں یوسف! وہ اپنے فیصلے سے ایک انج پٹنے کو تیار نہیں، وہ غلط نہیں ہے اہجد نے اس

کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے، وہ حق بجانب ہے لیکن کیسا بھی ہے اس کا شوہر ہے۔ آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

”مائدہ نے کمال کا ضبط دکھایا ہے فری! جتنا وہ سہہ گئی کوئی نہیں سہہ سکتا، اس نے ہم سب کے لیے ایثار کا مظاہرہ کیا، کپیر و مازکی راہ پر چلی اور جب شوہر ہی اس کا نہیں تو وہ جو فیصلہ لے رہی ہے، درست ہے، نا آسودہ زندگی گزارنے سے بہتر ہے راستے الگ ہو جائیں کہ بہتری کی دوسری راہ ڈھونڈی جاسکتی ہے۔ وہ اشارتا جو کچھ گئے تھے اسے سمجھتے ہی وہ مضطرب ہو گئیں۔

”یہ ممکن نہیں ہوگا، طلاق کے بعد مائدہ دوسری شادی کے لیے کسی قیمت پر راضی نہیں ہوگی اور دوسری راہ ڈھونڈنے سے بہتر ہے کہ اس راہ کو سنوارا جائے، اسجد شرمندہ ہے، معافی مانگ رہا ہے، تو ہمیں گنجائش نکالنی چاہیے، اسی میں مائدہ کی بھلائی ہے کہ ہر صورت، ہر طریقے میں نقصان مائدہ کا ہے، اگر اس کا نقصان دونوں صورتوں میں نہ ہوتا تو میں بھی اسے اسجد سے کپیر و مازک نہ کہتی، کہ اس میں نقصان کی بھرپائی کے آثار موجود ہیں۔ وہ گہری سوچ کے بعد بولی تھیں، وہ ہر پہلو پر سوچ چکی تھیں۔

”اور اب تو مائدہ کے پاس کوئی آپشن بچا بھی نہیں ہے کہ اس نے اپنی راہیں الگ کر لیں تو سوچیں آنے والے بچے کا کیا مستقبل ہوگا؟ اصل پریشانی والی بات تو یہی تھی کہ اس کے قدموں میں بیڑیاں بڑ چکی تھیں۔ اسے اس خبر نے سکت کر دیا تھا اور وہ اضطراب سمیٹ لاتی تھیں کہ آگے کتنا، پیچھے کھائی، بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ بات ہے پریشانی والی، لیکن مائدہ کو جراثیمے نبھانے کے لیے نہ کہا جائے تو بہتر ہے، اس لیے میں اپنی بیٹی کے فیصلے میں اس کے ساتھ ہوں، اس کی مزید ناقدی نہیں چاہتا، اپنی بیٹی کو اس کی اولاد کو ہر طرح سے سپورٹ کروں گا۔ ان کا لہجہ خوش تھا۔

”یوسف! میں کب کہہ رہی ہوں کہ ہم اسے سپورٹ نہیں کریں گے لیکن باپ کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا، مائدہ کی زندگی آگے اور سکھن ہو جائے گی، میں چاہتی ہوں آپ اسے سمجھائیں، مجھ سے تو وہ بحث کر رہی ہے، اپنی بات پر ڈٹی ہے، آپ سے کچھ نہ کہہ پائے گی، کچھ چلک آجائے گی اس کے فیصلے میں۔“ وہ شوہر کو آس سے دیکھ رہی تھیں۔

”یعنی میں اسے مجبور کروں، اموشلی بلیک میل کروں، وہ بھی اس شخص کے لیے جو اسے یہاں سے لے جانے تک نہیں آیا، بھائی صاحب نے گھر سے نکالا تو خاموشی سے نکل کر اپنی من چاہی بیوی اور بیٹی کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرنے لگا، اس بے حس ناقد کے شخص کے لیے اپنی بیٹی کو مجبور کروں؟ تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا فریاد! وہ رہے اپنی زندگی میں خوش، مائدہ کوئی لاوارث نہیں ہے، نہ مجھے وہ اتنی بھاری ہے کہ اسے اس سب کے باوجود اس کے گھر روانہ کر دوں۔“ وہ غصے میں آگئے تھے اور وہ خائف ہو گئی تھیں، وہ بہت نرم مزاج، بردبار انسان تھے، غصہ نہ ہی کرتے تھے مگر جب کرتے تھے ان کی جان پر بن آتی تھی کہ غصہ نہ کرنے والا غصہ کرے تو سمجھ نہیں آتا اسے کیسے قابو کیا جائے؟ کیسے غصے سے باز رکھا جائے؟

”اسجد آیا تھا، شرمندہ ہے، مائدہ کو ساتھ رکھنا چاہتا ہے، لیکن مائدہ نے اس سے بات ہی نہیں کی، وہ طلاق چاہتی ہے، وہ دینا نہیں چاہتا۔“ وہ کچھ برکی خاموشی کے بعد بولی تھیں۔

”ایسا واقعی میں وہ چاہتا ہے تو وہ کوشش کرے، بیوی کو منکر ساتھ لے جائے، ورنہ میں اپنی بیٹی کے فیصلے میں اس کا ساتھ دوں گا۔“ وہ ٹڑے لہجے میں انھیں باور کروا رہے تھے۔

”دیکھو فری! صرف بھائی صاحب کا منہ دیکھ کر میں خاموش ہوں ورنہ اسجد کا وہ حال کرتا کہ اسے پتہ چلتا مائدہ لاوارث نہ تھی جو اس نے یوں اس کو تکلیف دیں۔“ وہ اداس ہو گئے تھے۔

”مجھے اپنی بیٹی بہت عزیز ہے، اسی لیے صرف اس کی خوشی کے لیے اسجد کے ساتھ نرمی سے پیش آیا کہ وہ میری بیٹی کا شوہر ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ قائم رہے، اگر ایسا نہ ہوا تو یا تو تم اپنے بھائی کو کھودو گی، یا بھائی صاحب بیٹے کو کھودیں گے، اور بھائی صاحب کو میں نے ہمیشہ اپنے بڑے بھائی، اپنے باپ کی جگہ رکھا ہے، انھیں شرمندہ نہیں دیکھ سکتا، نہ یہ چاہتا ہوں کہ ان سے ہم یا اسجد دور ہوں، مگر اس کے لیے اسجد کو کچھ کرنا ہوگا، ہم سب کے اچھا کرنے، سوچنے سے کچھ نہیں ہوگا، اسجد ہی تمام معاملات کو تمام رشتوں کو سلجھا کر ایک ڈوری میں باندھ سکتا ہے کہ دو شادیاں کرنا دو بیویوں کو رکھنا مشکل ہے تاہم نہیں، طرف و حوصلہ اسجد کو بڑا کرنا ہوگا، اور ایسا نہیں کرنا تو باپ سے ہی نہیں آنے والی اولاد سے بھی محروم ہو جائے گا۔“ وہ حقیقت بیان کر گئے تھے کہ کرنا تو اسجد نے ہی تھا۔

☆.....☆.....☆

”مجھے معاف کر دیں امی! میں بہت شرمندہ ہوں۔“ وہ ماں کے سامنے رو پڑا تھا کہ اتنے لوگوں کی نفرت وہ سہہ نہیں پار رہا تھا۔

”مت کہو مجھے ماں، تم نے اپنی مردانگی کے زعم میں، میری پرورش کو بدنام داغ لگا دیا ہے، کسی کے سامنے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔“ وہ بھی رونے لگی تھیں۔

”مائدہ سے صرف ایک بار میری بات کروادیں، میں اس کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں گا، اس سے کہیں وہ مجھے جو چاہے سزا دے لے، بس طلاق کا خیال ذہن سے نکال دے، ایسا ہوا تو باپ بالکل ٹوٹ جائیں گے، میں ابو کو مزید اذیت نہیں دینا چاہتا، میں مائدہ کے ساتھ کیسے ہر ظلم کا ازالہ کروں گا، اس کو عزت و مان بھری زندگی دوں گا، میں چاہتا تو نہیں لیکن اگر آپ سب اور مائدہ چاہے گی تو میں میری کچھ چھوڑ دوں گا کہ میں اپنی خوشی کے لیے آپ سب کو بہت اذیتیں دے چکا، مگر اب نہیں، اپنی زندگی کی پہلی و آخری خوشی کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دوں گا، میں نام ہوں ہر حال میں اپنے کیے کا ازالہ چاہتا ہوں، اور اس کے لیے مجھے مائدہ کا ہر فیصلہ، ہر سزا قبول ہے۔“ وہ روتے ہوئے کہتا اپنی بات مکمل کر کے آنسو پونچھتا راشدہ کو ساکت چھوڑ کر نکلتا چلا گیا تھا کہ وہ برا نہیں تھا بس حالات ایسے ہوئے کہ وہ برا بن گیا، مگر وہ جو کر چکا تھا اس کے بعد شرمندہ تھا، اذیت میں تھا اور اس کے ازالے کی بھی راہ اس نے سوچ لی تھی، جبکہ یہ بھی جانتا تھا، یہ وہ نہیں کر پائے گا کہ ایسا کر گیا تو جیتے جی مر جائے گا، میری اس کی محبت تھی، مگر وہ زندہ اب بھی کون سا تھا، تل مر رہا تھا، ایک ایک سے نظریں چرائے پھر رہا تھا اور روز کے مرنے سے، روز کے رونے سے کہیں بہتر یہ تھا کہ ایک دفعہ ہی جان کنی کے مرحلے سے گزر جاتا، خود پر فاقہ پڑھ کر ایک ہی دن رو لیتا، نوید عالم کے کمرے کے باہر وہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا اور اسجد بہت تیزی سے نکلتا تھا ورنہ اس کو ضرور دیکھ لیتا، مگر وہ اس کے فیصلے پر حیران ہی نہیں دھبی تھا، وہ ایسا کچھ کرتا یہ ان میں سے کسی کو گوارہ نہ تھا، وہ لیکن سے بات کرنے کا ارادہ باندھتا باہر کے باہر ہی پلٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”دیکھو مائدہ! ہم سب تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچ رہے، زندگی میں کتنی جگہ انسان کو کپیر و مازک کرنا پڑتا ہے، تم نے ہم سب کے خیال سے اتنا سیکری فائز کیا، تو اب تھوڑا سا کپیر و مازک بھی کر لو بیٹا! کہ یہ خوشیوں کے لیے ضروری ہے۔“ ارحم نہایت نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

UHU® stic glue stick

The exclusive
screw cap
prevents
the glue
from drying.

UHU®
stic
glue stick
lapiz
adhesivo

solvent
free
sin
disolven-
tes

UHU The World of Adhesives

”مانندہ! ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں، تمہاری پریشانی سمجھ رہے ہیں، دکھ کا اندازہ ہے اور ہم سب کی تکلیف کے احساس سے تم اور زیادہ دکھی ہو، تمہارے لیے تو میں اکیلا پریشان ہوں، لیکن تم تو ہم سب کے لیے پریشان ہو، اور میں تم سے فورس نہیں کر رہا بس اتنا چاہتا ہوں کہ اپنے رویے میں لچک لاؤ، الجبد نے غلط کیا ہے، وہ تمہارا مجرم ہے لیکن معاف کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ سزا دینے سے کیا حاصل ہوگا؟ دکھ و تکلیفیں بڑھیں گی، رشتوں میں دوریاں آئیں گی اور کیا تم بھی یہ برداشت کر پاؤ گی کہ تمہاری وجہ سے کوئی ہرٹ ہو؟“ وہ تاحسانہ انداز اپنائے ہوئے تھا جس میں نرمی و شفقت کا عنصر نمایاں تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم نے تو کبھی کسی چیز یا کے بچے کو بھی نقصان نہیں پہنچایا، الجبد نے مگر تمہارا بہت نقصان کر دیا ہے، اعتبار ایک دفعہ ٹوٹ جائے تو پھر نہیں کیا جاتا، لیکن وہ تمہیں اعتبار سونپنا چاہتا ہے، تمہیں اسے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور ہر غلطی کے ازالے کے لیے وہ اپنی بیوی کو چھوڑنے تک کے لیے راضی ہے۔“ وہ بھی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”وہ کا شانہ عالم لوٹنا چاہتا ہے، ماموں جان سے معافی مانگ رہا ہے، اس کے لیے وہ بیوی کو طلاق دے دے گا بھی راضی ہو گیا ہے، اب تم بتاؤ اگر اس نے بیوی کو چھوڑ دیا تو کیا تم بھی گلٹ سے باہر آ سکو گی؟ اس کی بیٹی اور تمہاری اولاد کا مستقبل کیا ہوگا؟ اتنے لوگوں کی زندگی خراب ہونے سے کیا بہتر یہ نہیں ہے کہ تم صرف ایک مومن اور اسجد کو دے دو؟ اس کو معاف کر کے بھروسہ کر لو۔“ وہ اس کے یکدم کھڑے ہو جانے پر چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

”میں نہ اسجد عالم کو معاف کرنا چاہتی ہوں، نہ لوٹنا چاہتی ہوں، آپ سب کے لیے اس کڑے زہر کو پی لوں گی، لیکن آپ لوگ یہ یاد رکھیے گا کہ اس سب سے میں راضی نہیں ہوں۔“ وہ نکلتی چلی گئی تھی، اور وہ ساکت بیٹھا رہ گیا تھا اس کے ذہن میں کئی سوال سر اٹھانے لگے تھے، اس کا اہل فیصلہ انہیں پریشان کر رہا تھا کہ وہ اس کی حساس نرم فطرت سے واقف تھے۔

”مما! پلیز آپ کو تو مانندہ نے بتایا ہوگا ناں کہ ایسی کیا بات ہے کہ وہ کوئی گنجائش نہیں نکال پارہی؟ آج مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میرے سامنے نرم خو، نرم فطرت مانندہ نہیں بیٹھی، مجھے لگا کہ ہم نے مانندہ کو کھو دیا ہے۔“ وہ ماں کے سامنے ہرا بھن کر کہہ گیا تھا۔

”تم تو جانتے ہو ناں کہ بات شیر نہیں کرتی وہ۔“ انھوں نے بمشکل کہا تھا۔

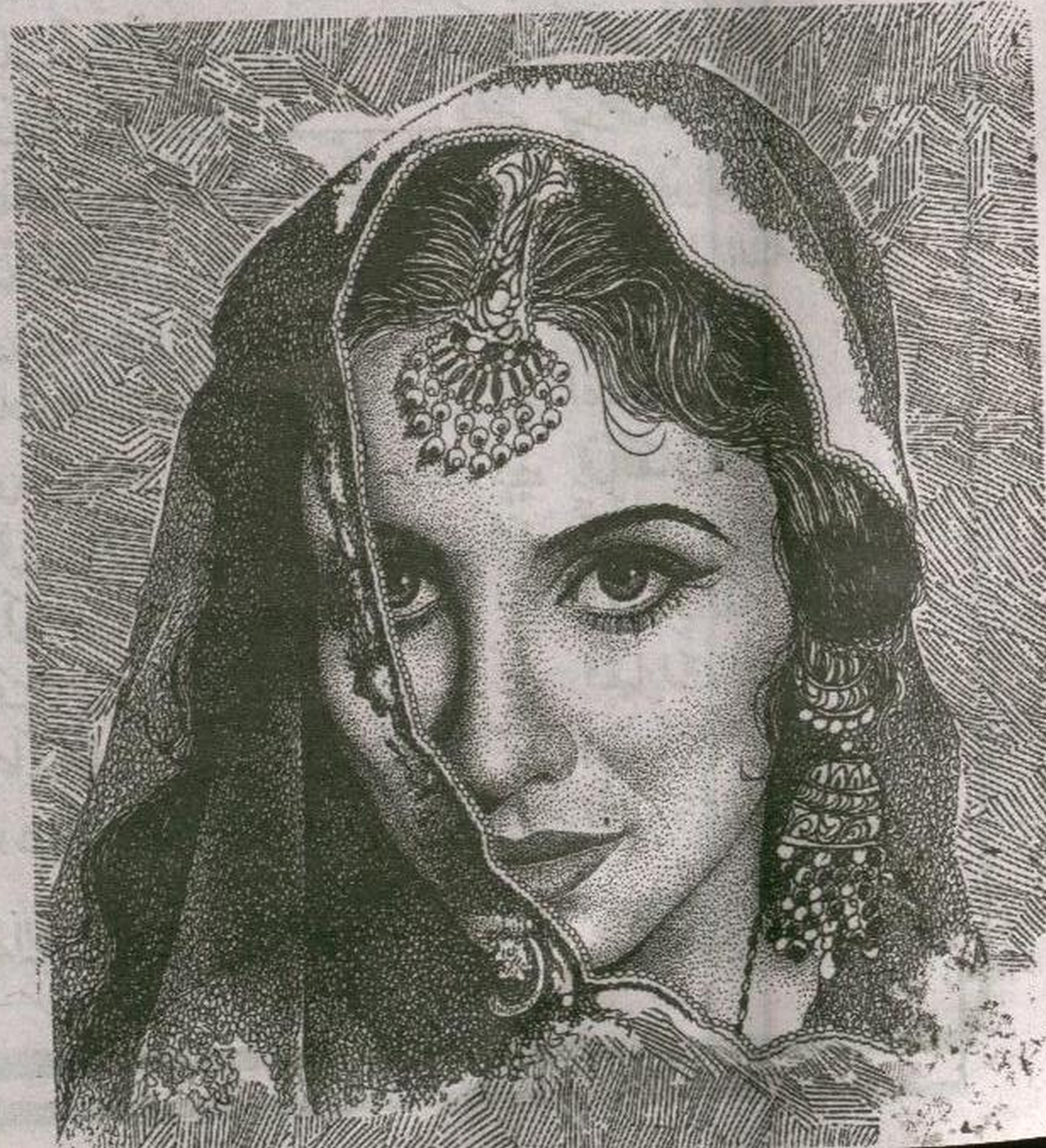
”مما! آج احساس ہوا کہ کچھ نہیں، بہت کچھ غلط ہے، اس لیے ہمیں مانندہ کے فیصلے کو قبول کر لیتا جاویں۔“ وہ برسوج انداز میں کہہ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی، مانندہ کا زرد دھواں دھواں بے تاثر چہرہ، یہی مضطرب آنکھیں اس کے ذہن و دل میں ترازو ہو گئی تھیں۔

”اندازہ ہے کہ بات بڑی ہے، اسی لیے وہ کمپر ومانز کی راہ نہیں منتخب کرنا چاہتی لیکن یہ راہ منتخب کرنا دشوار ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ وہ لوٹ جائے، میں اس کے اور اس کی اولاد کے مستقبل سے خوفزدہ ہوں اور کرنا اسے ہی کمپر ومانز ہے، تو ہم اسے وہ راہ کیوں نہ دکھائیں جہاں اس کا نقصان کم ہو کہ جتنا نقصان ہوتا تھا ہو گیا۔“ انھوں نے دونوں کی باتیں سنی تھیں، وہ اس کے جبراً راضی ہو جانے پر بھی مطمئن ہو گئی تھیں، وہ آگے تک سوچ رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

بہتر فیاضیت لگی جانا

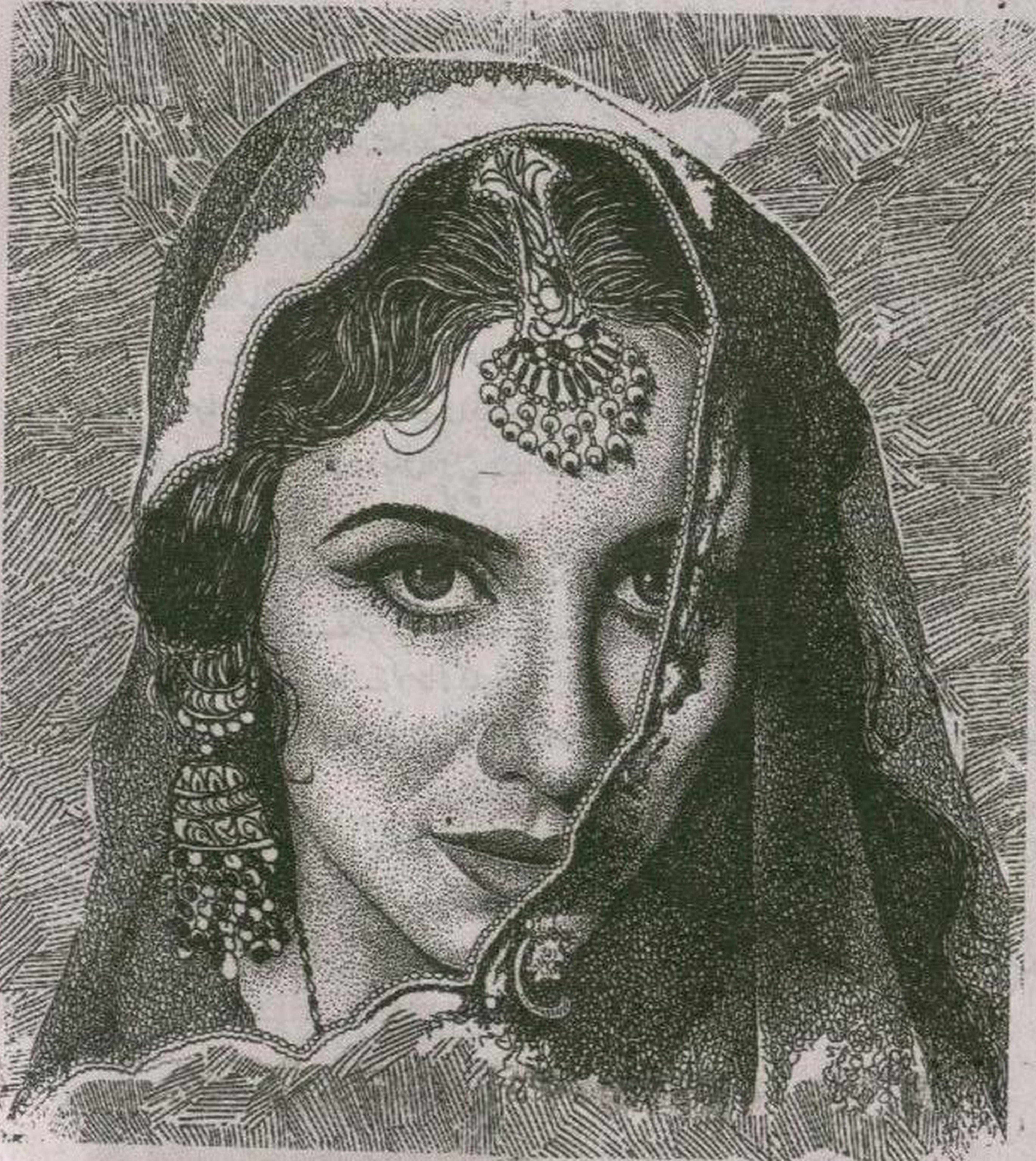
”بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ وہ گلابی کاٹن کے سوٹ میں نکھری نکھری اس کے دل میں اتری جا رہی تھی اور وہ اس کی تعریف پر جھینپتی کمرے سے ہی نکل آئی تھی، کل ہی وہ ہنی مون ٹرپ سے لوٹے تھے اور آج وہ جامعہ



جانے کے لیے تیار تھی، اس کا موڈ آف نہ ہو، اس لیے اس نے کچھ نہیں کہا تھا، ڈانٹنگ ہال میں اس کا پہلا ٹاکرا ماہ لقا سے ہوا تھا جو ایک سیمینار میں جانے کے سبب جلدی اٹھی تھیں، اس کے سلام کے جواب میں ان کا سرد انداز اس کی کانچ سی آنکھوں میں نمی بھر گیا تھا، ماہ کنعان نے بھی ماں کی سرد مہری صاف محسوس کی تھی، مگر کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کی نم پلکیں اسے ڈسٹرب کر گئی تھیں۔

”مام کے رویے کو لے کر پریشان نہ ہو، کچھ دنوں تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ ماں کی بے رخی کے ازالے کو ماہ لاج نرمی سے بولی تھی اور وہ بد وقت تمام مسکرا دی تھی، وہ ان دونوں کو جامعہ چھوڑ کر آفس چلا گیا تھا، چونکہ شادی کے بعد پہلی دفعہ گیا تھا، اس کا دل ہی نہیں لگا تھا اس لیے وہ 4 بجے ہی گھر چلا آیا تھا اور حیرانگی سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔

”ہاتھ ہی تو ملانے کو بڑھایا تھا کون سا تمہیں گلے لگا لیا تھا، جو تم وہاں سے بھاگ آئیں اور اب ٹسوے بہا رہی ہو۔“ ماہ لقا اس پر بگڑ رہی تھیں کہ ان کے بزنس پارٹنر وحید عثمانی سے اس کا لابی میں ٹاکرا ہو گیا تھا، جنھوں نے



ننگ کاٹن کے سوٹ میں بے حد حسین حنین میں فوراً ہی دلچسپی دکھائی تھی اور انھوں نے مسکرا کر تعارف کر دیا تھا، عمران کے مصافحے کو بوڑھے ہاتھ کو وہ نظر انداز کرتی وہاں سے چلی گئی تھی اور وہ اب وحید عثمانی کے سامنے ہونے والی سبکی کا احساس اس پر انڈیل رہی تھیں۔

”آئی! وہ انکل کتنی عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور میں ان سے ہاتھ کیوں ملاتی، جب میں مردوں سے ہاتھ ملاتی ہی نہیں۔“ وہ ان کے غصے سے خائف ہوتی روتے ہوئے منمناتی تھی۔

”او! شٹ اپ... زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ غصے سے آؤٹ ہوئیں اسے پیچھے کی جانب دھکیل گئی تھیں، کنعان نے اسے بروقت سہارا دے کر گرنے سے بچا لیا تھا، اور اس کے چہرے کی سرخی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ اس نے سب کچھ سن لیا ہے۔

”مام! میں کسی کو بھی حنین سے اس طرح بات کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“ اس کا لہجہ سرد تھا وہ کنعان کو دیکھے بنا وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

”اجازت.... مانی فٹ!“ وہ بیٹے کو خوشخوار نگاہوں سے گھورتیں وہاں ٹھہری نہ تھیں اور جس وقت وہ غصے کو قابو کرتا کمرے میں پہنچا وہ بیڈ پر چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو رہی تھی۔

”مام کی طرف سے میں تم سے معافی چاہتا ہوں، پراس وہ اب تم سے اس طرح بات نہیں کریں گی۔“ وہ اس کے برابر نکلتا اس کے ہاتھ تھام گیا تھا۔

”صبح آئی نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور ابھی کتنی بری طرح سے ڈانٹا، جبکہ میری کوئی غلطی بھی نہیں تھی۔“ اس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

”وہ میری بڑی ہیں مجھے ڈانٹنے کا حق رکھتی ہیں مگر جب میری غلطی ہو، ان کا رویہ مجھے ہرٹ کر رہا ہے۔“ وہ دکھ سے کہہ رہی تھی اس نے نرمی سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

”رویہ تو تمہارا مجھے بھی ہرٹ کر رہا ہے اور تمہیں مام کی ناراضی کی تو پرواہ ہے میری پرواہ نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا تھا کہ وہ بہت سرد تھا اسے اپنی چاہتوں کی اوس میں بھگو رہا تھا، مگر اس کی اداس سی خاموشی و سرد انداز اسے بے چین بھی رکھے ہوئے تھا۔

”تمہارے لیے تو صرف میری چاہتیں کافی ہونی چاہئیں اور جب میں تم سے خوش ہوں، تو باقی سب کی ناراضی کی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی، اس لیے سب کو بھول کر صرف مجھے یاد رکھو۔“ اس کا لہجہ جذبولوں سے مہک رہا تھا، وہ بے ساختہ ہی اس سے دور ہو گئی تھی۔

”جس طرح تم مجھ سے ایک دم فاصلے پر چلی جاتی ہو، تمہاری اس اداسی میں تم سے ناراض بھی ہو سکتا ہوں۔“ وہ اس کے حیا سے لرزے سر اُپے کو ایک بار پھر اپنے قریب کر گیا تھا۔

”مجھے کسی روٹھے ہوئے کو منانا نہیں آتا، کیونکہ ارحم بھیما اور زمین آتی مجھ سے کبھی روٹھے ہی نہیں، میں ہی ان سے ناراض ہوتی تھی اور وہ منا لیتے تھے۔“ وہ اس کے سینے سے لگی منمناتی تھی اور نسوں خیر لمحات میں کسی کا ذکر اسے گراں گزرا تھا۔

”اور اگر جو میں روٹھ گیا تو مناد کی نہیں ناراض ہی رہنے دو گی مجھے؟“ اسے گرفت سے آزاد کیا تھا مگر اس کے حسین چہرے پر ایک ناسمجھ آنے والی الجھن دیکھ کر وہ ایک دم ہی بے اختیار سا سوال کر گیا تھا۔

”آپ جانتے ہیں ناں کہ مجھے منانا نہیں آتا، اس لیے آپ مجھ سے کبھی روٹھے گا ہی نہیں۔“ وہ اس کے

حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنے طور پر سادہ ساحل پیش کر گئی تھی اور وہ اس کے پر حجاب سے پھیکے چہرے کو دیکھ کر مہموت رہ گیا تھا کہ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد آج کوئی فرمائش کی تھی۔

”جو حکم جان حیات!“ وہ والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹا گیا تھا، وہ یوں ہی اس کی بات مان کر باقی سب کی طرح اسے سر پر چڑھا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ماندہ بیٹی! تم کس کے ساتھ آئی ہو؟“ ماندہ کو دکھ کر وہ دونوں ہی خوشگوار سی حیرت میں آگئی تھیں۔

”مقتل گاہ تک کون چھوڑ گیا، یہ اہم نہیں ہے، مقتل گاہ تک ایک بار پھر خود سے ہی آگئی ہوں، یہ زیادہ اہم ہے۔“ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ بولی تھی اور ساکت کھڑے شرمندگی سے نظر چراتے نوید عالم کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

”ماموں جان! میں پہلے بھی آپ کے سہارے آئی تھی آج بھی میرا سہارا آپ ہی ہیں کہ بیٹیاں والدین کی چھایا میں ہی سکھ پاتی ہیں۔“ ان کا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر آن ٹھہرا تھا۔

”آپ میری چھایا ہیں، اسی طرح اسجد عالم کی آنے والی اولاد کو بھی اپنے باپ کے سائے کی ضرورت ہوگی۔“ ان سب کو خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی کہ ایسی کوئی خوشخبری ان کے علم میں نہ تھی، مگر دوسرے ہی پل وہ سب ہی اس کے واپس آ جانے کا سبب سمجھ گئے تھے اور بناء کہے بھی وہ جان گئے تھے کہ اس نے ایسا کیوں کہا، اسی لیے انھوں نے بھیگی آنکھوں سے اسجد کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

”ماندہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوٹ آئی ہے، اس لیے تمہارے لیے کاشا نہ عالم کے دروازے کھل گئے ہیں۔“ بہت دنوں بعد باپ کی آواز سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

”مگر میرے دل کے دروازے تم پر بند ہو چکے ہیں اس لیے اگر صرف ماندہ اور اپنی آنے والی اولاد کے لیے لوٹنا چاہتا تو لوٹ آؤ۔“ انھوں نے نون بند کر دیا تھا اور وہ ہوا میں معلق رہ گیا تھا کہ خوشی کی خبر نے بھی اسے کوئی خوشی نہ دی تھی، بلکہ ضمیر پر کچھ اور بوجھ آن پڑا تھا اور اسی بوجھ کے ساتھ اس نے آنسو پونچھ کر رخت سفر باندھ لیا تھا وہ شاخ سے کٹ کر مرجھانے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آپ صرف یہ بتائیے کہ مجھے لے جا رہے ہیں یا نہیں؟“ وہ غصے میں تھی۔

”مجھے لے جانے پر اعتراض نہیں ہے، مگر تم روگئی نہیں۔“ وہ اس کے غصے سے پڑے سرخ چہرے کو دیکھ کر خوشی سے بولا تھا۔

”تم سے ایک لمحے کی دوری برداشت نہیں ہوتی، کجا کہ پوری ایک رات گزار لوں۔“ اس نے واک آؤٹ کرتی حنین کی کلائی پکڑ کر اسے اپنی اور کھینچا تھا۔

”پلیز فلی ڈا نیٹا گز نہ بولا کریں۔“ اس کے بے باکی و حرکت گراں گزری تھی اور ہاتھ چھڑا کر فاصلے پر جاتی غصے سے بول اُٹھی تھی، اس کے لب اس کی جھنجھلاہٹ پر مسکرانے لگے تھے۔

”آپ آفس بھی تو جاتے ہیں ناں، آفس میں وقت گزرتا ہے، میکے چلی جاؤں گی تو قیامت آجائے گی؟“ اس کے انداز میں برہمی و جھنجھلاہٹ تھی کہ اس کی سادہ فطرت اس کی شدت پسند رومانوی فطرت سے خائف رہنے لگی تھی۔

”تم کہو تو آفس بھی نہ جایا کروں کہ آفس جانے کو دل کس کافر کا کرتا ہے۔“ اسے دیوار سے لگا کر دائیں بائیں ہاتھ لگائے ہوئے گویا اسے اپنے حصار میں مقید کر لیا تھا۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا سمجھو آپ؟“ اس کے انداز پر وہ ہنسی ہو گئی تھی۔

”پھر کیا کہا تھا سمجھا دو ناں!“ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوتا نظریں اس کے چہرے پر گاڑھے مسکراہٹ تھا، اور وہ اب کچھ بھی کہہ ہی نہیں سکتی تھی، جیسے لب کھلنے لگی تھی، کہ وہ دیر دیر سے اب اس سے بات کرنے لگی تھی، بحث کرنے اور فرمائش بھی کرنے لگی تھی، مگر اس کی شدتوں سے خائف ہو جاتی تھی کہ بہت چاہ کر بھی کم از کم اس کے جذباتوں پر بند نہیں باندھ سکتی تھی، اس کا دل ماہ کنعان کی جانب جھکنے لگا تھا، مگر اس کے باوجود بھی کچھ ایسا تھا جو ان کے درمیان حائل تھا اور اسی کی تلاش میں وہ اس کی ہر جا بے جا مان لیتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ماندہ! میں تم سے معافی.....!“ وہ اس کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر احساس ندامت میں گھرتا معذرت طلب کرنے لگا تھا۔

”میں عزت نفس اور پندار لانا کر بھی قتل گاہ تک آ گئی ہوں اس لیے بہتر ہوگا کہ معافی کے قصے کو جانے دیں، اسجد عالم! میں زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کو معاف نہیں کروں گی۔“ اس کا لہجہ جذباتوں سے عاری و سرد تھا۔

”معاف نہیں کر سکتیں تو پھر سزا بھی تجویز کر دو۔“ اس کی آنکھیں بے بسی سے پھلک اٹھی تھیں کہ وہ برا نہیں تھا، مگر غصے میں وہ برا بن گیا تھا، اور اب نادم تھا۔

”آپ کی سزا یہی ہے کہ آپ کو معافی نہیں ملے گی۔“ اسجد نے اسے دیکھا تو اسے لگا کہ اس کے سامنے نرم خور ماندہ نہیں ایک پتھر دل ماندہ کھڑی ہے۔

”شادی کی پہلی رات آپ نے مجھے یہاں سے دھسکارا اٹھا دیا تھا، مگر میں پھر یہاں تک آ گئی ہوں۔“ وہ بیڈ کی جانب بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”زمین سے اٹھی خاک ہمارے نہ چاہتے ہوئے بھی ہمارے جسم سے لپٹ جاتی ہے مگر وہی گرد و روخ کو نہیں چھوٹی، اسی طرح آپ بھی میری روح تک بھی رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔“ اس کا ایک ایک لفظ اسے زمین میں نیچے اور نیچے اتارنا جاری تھا۔

”جبری استحقاق سے آپ ہمارے رشتے کی بنیاد رکھ چکے اور اب ہم مستقبل میں اس کی آبیاری کریں گے، چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی کہ آپ کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں اور مجھے آپ بے دل کر چکے، اس لیے زندگی کے کا سے میں جب تک سانسوں کے سکے کرتے رہیں گے، ہم اس رشتے کو نبھاتے رہیں گے۔“ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اخبار پڑھ رہی ہو اور اس نے اس کے بے تاثر چہرے سے نگاہ ہٹائی تھی، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اب وہ بھی ماندہ کے دل تو کیا نظر میں بھی اپنا مقام نہیں بنا سکتا کہ اس نے منہ عمل سے سب کچھ اپنے خلاف کر لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آ جاؤ بار! رک ایسے لگی ہو جیسے میں شوہر نہیں تمہارا بوائے فریڈ ہوں۔“ اس کو یونیورسٹی گیٹ پر دیکھ کر وہ متحیر سی تھم گئی تھی اور اس نے دلکشی سے کہہ کر اس کو خفت سے دوچار کر دیا تھا کہ ماہ لاج کو بخار تھا، اس لیے وہ

بیٹ دے کر تیسرے ہی پیریڈ میں چلی گئی تھی، مگر اسے خیال نہیں آیا تھا کہ ڈرائیور کی جگہ وہ لینے آئے گا، اسی لیے حیران ہوئی تھی۔

”آپ لینے کیوں آ گئے، ڈرائیور کو ہی بھیج دیتے۔“ وہ عام سے انداز میں بولی تھی۔

”عجیب عورت ہو یا را شوہر کی اتنی محبت پر فخر کرنے کے بجائے چڑ کر قدغیں لگاتی رہتی ہو۔“ وہ اسے چھیڑ رہا تھا، اس نے لب چپانا شروع کر دیے تھے۔

”میں تمہارے آس پاس رہنے کے بہانے تلاش کر رہا ہوں اور تم مجھ سے بچنے کے مواقع ڈھونڈتی رہتی ہو، کسی دن جان سے جاؤ گی سزا!“ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتا دوسرے سے اس کے ماتھے پر جھوٹی لٹ کو کھینچتا شوخی سے کہہ رہا تھا۔

”پلیز! توجہ سے گاڑی چلائیں آپ کے ساتھ سفر کے دوران جان سولی پر لگی رہتی ہے، آپ کی ڈرائیونگ پر توجہ ہی نہیں ہوتی۔“ وہ ہمیشہ کی طرح جھنجھلا گئی تھی، مگر اس نے تہہ نہ لگا کر گویا کہا تھا کہ میں اپنی روش سے نہیں بچنے والا وہ بڑی مہارت سے نہ صرف ڈرائیونگ کرتا تھا، اس پر بھی نگاہ رکھتا اسے چھیڑتا رہتا تھا، اسی لیے وہ اس کے ساتھ کہیں آنے جانے سے بھی گریزاں ہونے لگی تھی۔

”اوہو..... اپنی جان کی بڑی پرواہ ہے، کبھی میرے بارے میں سوچ کر دیکھو کہ دن میں کتنی بار تمہارے ہاتھوں قتل ہوتا ہوں، کبھی تمہارا قرب قتل کرتا ہے تو کبھی تمہاری دوری۔“ وہ اسپید کم کرتے ہوئے اسے بازو سے تھام کر اپنی اور کھینچتا جساتوں پر آمادہ تھا اور وہ تڑپ کر اس سے دور ہو گئی تھی۔

”خبردار! جو آئندہ آپ مجھے لینے آئے۔“ دیکھتے چہرے کے ساتھ نظر چراتی منمنائی تھی، گاڑی میں اس کا بے باک تہہ گونج اٹھا تھا۔

”سوچ لو اس طرح کی قدغن لگائی تو میکے کیسے جاؤ گی؟“ اس نے بے ساختہ اس کو دیکھا تھا جو اپنی ہی شرارت پر متحسم تھا، اس نے دیکھنے پر آنکھ دبا لی تھی، تو وہ صحیح معنوں میں روہاسی ہو گئی تھی، اوپر سے اس کی بے وقت کی رانگی شروع ہو گئی تھی۔

”پھر رات کو خیرات ملے بند قبا کی

پھر لطیف شب وصل کو دہراؤ کسی دن“

وہ گاڑی کا شائد عالم کے باہر روکے ذومعنی کچے میں شعر پڑھ رہا تھا، اس کی نگاہ اس پر اٹھی تھی اور پھر جھک گئی تھی۔

”فرار کے لیے جلتی اچھی لگ رہی ہو سزا! لیکن آج رات شب وصل کو دہرانے کا ارادہ ہے، اکیلے فرار کی ہر راہ بند نہ کر دی تو ماہ کنعان عابدی نام نہیں۔“ اس کا شمار آلود لہجہ اس کی پلکیں لرزا گیا تھا اور وہ خود کو بڑی مشکل سے سنبھالتی اس کے لبوں کی حدت سے دھک اٹھنے والی پیشانی دوپٹے سے مسلتی گاڑی سے اتری تھی اور وہ اس کی پر حجاب سی چال کو دیکھ کر مسرور سا مسکرا دیا تھا، کہ اس نے اسے کا شائد عالم چھوڑا تو تھا ساتھ میں یہ بھی یاد کروا دیا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرف ٹھہرے گی نہیں اور وہ بھی اس انداز میں کہ اس کے پاس انکار تو کیا بحث کی بھی گنجائش نہ رہی تھی وہ اس کے اندر داخل ہوتے ہی کچھ سوچ کر فیصل کے آفس کے راستے پر گاڑی ڈال گیا تھا، اس سے ملے بھی کئی دن ہو گئے تھے دوران ڈرائیونگ اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

رکھے ہوئے لگی تھی۔

”مجھے لگ رہا تھا جیسے میں نے فضیل کو دھوکا دیا ہے، پسند کسی اور کو کرتی تھی، شادی ان سے کر لی اور کبھی لگتا کہ جیسے ہی فضیل کو یہ بات پتہ چلے گی، وہ مجھے غلط سمجھیں گے کہ یہ بات ان کے لیے قابل قبول نہیں ہوگی، ان کی بیوی کی محبت کوئی اور تھا، مگر ماں! جو تھا صرف نکاح سے پہلے تک تھا، نکاح کے بعد میں نے صرف فضیل کو سوچا، میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی، لیکن یہ بات میں فضیل کو بتانے کی، میرے خدشات کو فضیل نے جانے کیا سمجھے اور انھوں نے مجھے ایک بیوی کی طرح خیریت نہیں کیا، انھوں نے مجھے وقت دیا، اور میں بھی وقتی طور پر مطمئن ہو گئی تھی، وقت کے ساتھ میں نے خود کو فضیل سے جڑنے والے رشتے کے لیے ذہن و دل سے اپنانے، قائم رکھنے کے لیے راضی کر لیا۔ لیکن فضیل تو مجھے وقت دے کر بھول گئے تھے، ماں! کہ میں ان کی کچھ گئی ہوں۔“ وہ ان کے سامنے سے کتر رہی تھی جب ہی گود میں منہ چھپائے سکتے ہوئے کہہ رہی تھی، اس کا لفظ لفظ حیران کن تھا مگر ان کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے، انھوں نے اسے اتنا ہی فیئر پایا تھا۔

”اور جب وہ بھول گئے تھے تو میں کیسے یقین دلانی کہ میں ان کی ہوں کہ میرے دل نے ان کے لیے دھڑکنایا سیکھ لیا ہے، میں پہل کر نہیں سکتی تھی اور وہ کرنا نہیں چاہتے تھے، میں مجبوری، ڈر، خدشات کا شکار تھی، لیکن انھیں تو کوئی ڈر، مجبوری اور خدشہ لاحق نہ تھا، تو پھر کیوں انھوں نے مجھے سزا دی؟“ اس نے سر اٹھا کر بھیگی، نمناک سرخ آنکھوں سے انھیں دیکھا تھا۔

”ماں! اس دن جب ارحم کا ایکسٹنٹ ہوا میں ان کے لیے پریشان تھی، روٹی تھی ان کی مصیبتی کے لیے دعا گو تھی میری ہر فکر ان کے لیے تھی، مگر صرف اس لیے کہ وہ میرے کزن تھے، ارحم کی جگہ ارحم یا فیصل ہوتے تب بھی میری حالت وہی ہوتی، جو ارحم کے ایکسٹنٹ کا سن کر تھی، اس فکر کے پیچھے محبت نہیں تھی کہ میری محبت، میرا سب کچھ تو نکاح کے بولوں کے ساتھ ہی فضیل بن گئے تھے۔“ اس نے آنسو رگڑے تھے لب چبائے تھے گویا خود کو مزید کہنے سے روکا تھا یا کہنے کے لیے کمپوز ڈ کیا تھا۔

”مگر میری فکر کو فضیل نے غلط سمجھا، مجھے دھوکے باز کہا، آپ بتائیے ماں! کہ شادی سے پہلے میں اگر کسی کو چاہتی بھی تھی تو کیا مجھے فضیل کو بتانا چاہیے تھا؟“ انھوں نے اس کو دیکھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

”نہیں ناں! وہ بھی اس صورت میں کہ وہ صرف میری سوچ، میرا خیال تھے، جو فضیل سے رشتہ بننے کے بعد بدل گئے، ان کو ذہن و دل سے نکال دیا، اور جب میں نے شادی کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی ان کے متعلق اس طرح نہیں سوچا کہ میں انھیں کیوں نہ پاسکی؟ وہ میرے کیوں نہ بنے؟ نہ انھیں اپنانے کا سوچا تو پھر میں دھوکے باز کیسے ہوئی؟ آپ بتائیے ماں! جب میں نے ارحم کو سوچا ہی نہیں، افسوس نہیں کیا تو میں دھوکے باز کیسے ہوئی؟ میں تو بس اپنے ماضی سے ہر اس اس تھی کہ غلط تو میں نے ماضی میں بھی نہیں کیا تھا، ارحم میرے کزن تھے، مجھے اچھے لگتے تھے، دل و ذہن میں آتا کہ کاش کہ وہ میرے بن جائیں مگر ایسا نہیں ہوا، جو شخص میرا بنا اسے سوچا، اسے چاہا، بس ڈرتی تھی کہ میرے ذہن و دل کی بات فضیل کو پتہ چلی تو وہ کیسا رلی ایکٹ کریں گے؟ اور ماں! میرے خدشات کچھ غلط تو نہ تھے جب ان پر یہ بات ظاہر ہوئی وہ مجھے جھوٹا، دھوکے باز کہہ کر چلے گئے، اور ایک دفعہ بھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا، آپ نے فون دیا تو لائن کاٹ دی، میں نے ملایا تو کال ریسپونڈ نہیں کی، میری کسی میل کا جواب نہیں دیا، آپ بتائیے ناں! کہاں غلطی ہوئی مجھ سے، میں نے کب ماضی کی کسی محبت کے حصول کے لیے کسی قسم کی کوشش کی؟ کب میں ان سے ملی؟ کب

”زرین بیٹا! یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ مہوش بچن سے پانی لینے آئی تھیں، کھڑکی پر دیکھی تو بند کرنے لگی تھیں کہ لان میں نیم اندھیرے میں کرسی پر کسی کو بیٹھے دیکھ کر وہ پریشانی سے وہاں چلی آئی تھیں، تو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھیں کہ وہ زرین ہوگی اور زرین ان کی آواز پر بری طرح چونکی اور انھیں دیکھنے لگی، جن کی پریشانی اسے روتے دیکھ کر بڑھ گئی تھی، وہ رات کے ڈیڑھ بجے اسے لان میں دیکھ کر ہی کم متشکر نہ تھیں مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی اور کرسی کھڑکا کر اٹھ گئی تھی۔

”زرین چند! کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہو؟“ وہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں اور لہجے میں ممتا سمور بولی تھیں اس کی ذہنی و قلبی حالت اتنی کا شکار تھی، اسی سبب تو وہ کچھ نہ بولی تھی اور یکدم ان سے لپٹ کر جو اس نے رونا شروع کیا، تو وہ حق دق رہ گئی تھیں۔

”زرین! اس طرح کیوں رو رہی ہو، بتاؤ مجھے، کسی نے کچھ کہا ہے؟ فضیل سے کوئی بات ہوئی ہے؟“ وہ اسے لیے لاؤنج میں آگئی تھیں، صوفے پر بٹھا کر پانی لا کر اسے پلایا تھا اور نہایت نرمی و شفقت سے استفسار کیا تھا۔

”ماں! فضیل مجھ سے ناراض ہیں، میں نے انھیں ناراض کر دیا ہے، اسی لیے وہ ناراضی وغصے میں ہم سے اتنی دور چلے گئے ہیں، گزرتے مہینوں میں انھوں نے ایک دفعہ بھی مجھ سے بات نہیں کی، وہ مجھ پر بہت نفاز ہیں۔“ وہ خود سے لڑ لڑ کر تھک گئی تھی، اس لیے آج مہوش کے سامنے دل کھول کر کہہ دیا تھا اور وہ تو اس انکشاف پر حیران تھیں، وہ دونوں بات نہیں کرتے تو ان کے سامنے اب تک ڈرامہ کرتے رہے تھے؟

”سب کہتے ہیں کہ وہ آجائیں گے، لیکن میں جانتی ہوں وہ نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ مجھے سزا دینا چاہتے ہیں۔“ وہ سسک رہی تھی، اور وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

”کس بات کی سزا؟ تم دونوں کے درمیان کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟“ وہ بہو کو دیکھ رہی تھیں جو بری طرح رو رہی تھی، شکست و آرزو لگ رہی تھی۔

”ماں! انھیں لگتا ہے جیسے میں نے انھیں دھوکا دیا ہے، لیکن میرا یقین کریں ماں! میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا۔“ وہ بلک رہی تھی، وہ جی جان سے اس کی جانب متوجہ تھیں، اسے اپنا ہی ہوش نہ تھا اسی سبب قدموں کی چاپ سے انجان رہی تھی۔

”تم کیا کہہ رہی ہو، کیا کہنا چاہتی ہو، میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں، بلا ڈرو جھجک ہر بات کہہ دو۔“ انھوں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے شفقت سے اس کی ڈھارس بندھا لی تھی۔

”ماں! مجھے ارحم اچھے لگتے تھے، میں ان سے شادی کرنا چاہتی تھی۔“ اس کا انکشاف انھیں ساکت کر گیا تھا اور اس نے لب بھینچ لیے تھے کہ حقیقت جانتا تھا مگر اس کے منہ سے سننا کتنا لذیذ تھاک عمل ٹھہرا تھا، یہ کوئی اس سے پوچھتا جو اس سے دوچار تھا۔

”لیکن جب گھر میں میری اور فضیل کی شادی کی بات چلی، میں نے کسی پر اپنی پسندیدگی ظاہر نہیں کی، ابو کو مجھ پر بہت مان تھا، وہ میں تو نہیں سکتی تھی، شادی کے لیے میں ابو کے لیے اللہ کی رضا جان کر راضی ہو گئی تھی، اور جب میں نے نکاح تارے ہر سائن کے لیے ہر پسندیدگی و محبت بائبل کی دیباچہ پر ہی چھوڑ دی، دل سے فضیل کی ہر اسی قبول کی، لیکن جب میں فضیل کی منتظر تھی تب میں بہت ڈری ہوئی تھی، کیونکہ مجھے اپنا آپ فضیل کا مجرم لگ رہا تھا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور پریشان و حیران سی بیٹھیں مہوش کے قدموں کے پاس بیٹھ کر ان کی گود میں سر

”زرین بیٹا! یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ مہوش کچن سے پانی لینے آئی تھیں، کھڑکی کھلی دیکھی تو بند کرنے لگی تھیں کہ لان میں نیم اندھیرے میں کرسی پر کسی کو بیٹھے دیکھ کر وہ پریشانی سے وہاں چلی آئی تھیں، تو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھیں کہ وہ زرین ہوگی اور زرین ان کی آواز پر بری طرح چونکی اور انھیں دیکھنے لگی، جن کی پریشانی اسے روتے دیکھ کر بڑھ گئی تھی، وہ رات کے ڈیڑھ بجے اسے لان میں دیکھ کر ہی کم متحکم نہ تھیں مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئی تھی۔

”زرین چند! کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہو؟“ وہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھیں اور لہجے میں متنا سو کر بولی تھیں اس کی ذہنی و قلبی حالت اتنی کا شکار تھی، اسی سبب تو وہ کچھ نہ بولی تھی اور یکدم ان سے لپٹ کر جو اس نے رونے شروع کیا، تو وہ حق دق رہ گئی تھیں۔

”زرین! اس طرح کیوں رو رہی ہو، بتاؤ مجھے، کسی نے کچھ کہا ہے؟ فیصل سے کوئی بات ہوئی ہے؟“ وہ اسے لیے لاؤنج میں آگئی تھیں، صوفے پر بٹھا کر پانی لا کر اسے پلایا تھا اور نہایت نرمی و شفقت سے استفسار کیا تھا۔

”مما! فیصل مجھ سے ناراض ہیں، میں نے انھیں ناراض کر دیا ہے، اسی لیے وہ ناراضی وغصے میں ہم سے اتنی دور چلے گئے ہیں، گزرے مہینوں میں انھوں نے ایک دفعہ بھی مجھ سے بات نہیں کی، وہ مجھ پر بہت خفا ہیں۔“ وہ خود سے ٹولڑو کر تھک گئی تھی، اس لیے آج مہوش کے سامنے دل کھول کر کہہ دیا تھا اور وہ تو اس انکشاف پر حیران تھیں، وہ دونوں بات نہیں کرتے تو ان کے سامنے اب تک ڈرامہ کرتے رہے تھے؟

”سب کہتے ہیں کہ وہ آجائیں گے، لیکن میں جانتی ہوں وہ نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ مجھے سزا دینا چاہتے ہیں۔“ وہ سسک رہی تھی، اور وہ پوچھ بیٹھی تھیں۔

”کس بات کی سزا؟ تم دونوں کے درمیان کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟“ وہ بہو کو دیکھ رہی تھیں جو بری طرح رو رہی تھی، شکست و آرزو لگ رہی تھی۔

”مما! انھیں لگتا ہے جیسے میں نے انھیں دھوکا دیا ہے، لیکن میرا یقین کریں ممما! میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا۔“ وہ ہلک رہی تھی، وہ جی جان سے اس کی جانب متوجہ تھیں، اسے اپنا ہی ہوش نہ تھا اسی سبب قدموں کی چاپ سے انجان رہی تھی۔

”تم کیا کہہ رہی ہو، کیا کہنا چاہتی ہو، میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں، بلا ڈرو جھجھک ہر بات کہہ دو۔“ انھوں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے شفقت سے اس کی ڈھارس بندھائی تھی۔

”مما! مجھے ارحم اچھے لگتے تھے، میں ان سے شادی کرنا چاہتی تھی۔“ اس کا انکشاف انھیں ساکت کر گیا تھا اور اس نے لب بھینچ لیے تھے کہ حقیقت جانتا تھا مگر اس کے منہ سے سننا کتنا اذیت ناک عمل ٹھہرا تھا، یہ کوئی اس سے پوچھتا جو اس سے دو چار تھا۔

”لیکن جب گھر میں میری اور فیصل کی شادی کی بات چلی، میں نے کسی پر اپنی پسندیدگی ظاہر نہیں کی، ابو کو مجھ پر بہت مان تھا، وہ میں تو نہیں سکتی تھی، شادی کے لیے میں ابو کے لیے اللہ کی رضا جان کر راضی ہو گئی تھی، اور جب میں نے نکاح نا ہے پر سناں کے ہر پسندیدگی و محبت بابل کی دیہیز پر ہی چھوڑ دی، دل سے فیصل کی ہر اسی قبول کی، لیکن جب میں فیصل کی منتظر تھی تب میں بہت ڈری ہوئی تھی، کیونکہ مجھے اپنا آپ فیصل کا مجرم لگ رہا تھا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور پریشان و حیران سی بیٹھیں مہوش کے قدموں کے پاس بیٹھ کر ان کی گود میں سر

رکے بولنے لگی تھی۔

”مجھے لگ رہا تھا جیسے میں نے فیصل کو دھوکا دیا ہے، پسند کسی اور کو کرتی تھی، شادی ان سے کر لی اور کبھی لگتا کہ جسے ہی فیصل کو یہ بات پتہ چلے گی، وہ مجھے غلط سمجھیں گے کہ یہ بات ان کے لیے قابل قبول نہیں ہوگی، ان کی بیوی کی محبت کوئی اور تھا، مگر ممما! جو تھا صرف نکاح سے پہلے تک تھا، نکاح کے بعد میں نے صرف فیصل کو سوچا، میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی، لیکن یہ بات میں فیصل کو بتا نہیں سکی، میرے خدشات کو فیصل نہ جانے کیا سمجھے اور انھوں نے مجھے ایک بیوی کی طرح ٹریٹ نہیں کیا، انھوں نے مجھے وقت دیا، اور میں بھی وقتی طور پر مطمئن ہو گئی تھی، وقت کے ساتھ میں نے خود کو فیصل سے جڑنے والے رشتے کے لیے ذہن و دل سے اپنانے، قائم رکھنے کے لیے راضی کر لیا۔ لیکن فیصل تو مجھے وقت دے کر بھول گئے تھے، ممما! کہ میں ان کی کچھ لگتی ہوں۔“ وہ ان کے سامنے سے کتر رہی تھی جب ہی گود میں منہ چھپائے سکتے ہوئے کہہ رہی تھی، اس کا لفظ لفظ حیران کن تھا مگر ان کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے، انھوں نے اسے اتنا ہی فیئر پایا تھا۔

”اور جب وہ بھول گئے تھے تو میں کیسے یقین دلاتی کہ میں ان کی ہوں کہ میرے دل نے ان کے لیے دھڑکنے لگا سیکھا ہے، میں پہل کر نہیں سکتی تھی اور وہ کرنا نہیں چاہتے تھے، میں مجبوری، ڈر، خدشات کا شکار تھی، لیکن انھیں تو کوئی ڈر، مجبوری اور خدشہ لاحق نہ تھا، تو پھر کیوں انھوں نے مجھے سزا دی؟“ اس نے سر اٹھا کر ہلکی، ہلکا سرخ آنکھوں سے انھیں دیکھا تھا۔

”مما! اس دن جب ارحم کا ایکسٹنٹ ہو میں ان کے لیے پریشان تھی، روئی تھی ان کی صحتیابی کے لیے دعا گو تھی میری ہر فکر ان کے لیے تھی، مگر صرف اس لیے کہ وہ میرے کزن تھے، ارحم کی جگہ پر ارحم یا فیصل ہوتے تب بھی میری حالت وہی ہوتی، جو ارحم کے ایکسٹنٹ کا سن کر تھی، اس فکر کے پیچھے محبت نہیں تھی کہ میری محبت، میرا سب کچھ تو نکاح کے بولوں کے ساتھ ہی فیصل بن گئے تھے۔“ اس نے آنسو کڑے تھے لب چپائے تھے گویا خود کو بید کہنے سے روکا تھا یا کہنے کے لیے کمپوز ڈیکھا تھا۔

”مگر میری فکر کو فیصل نے غلط سمجھا، مجھے دھوکے باز کہا، آپ بتائیے ممما! کہ شادی سے پہلے میں اگر کسی کو چاہتی تھی تو کیا مجھے فیصل کو بتانا چاہیے تھا؟“ انھوں نے اس کو دیکھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

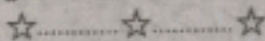
”نہیں ناں! وہ بھی اس صورت میں کہ وہ صرف میری سوچ، میرا خیال تھے، جو فیصل سے رشتہ بننے کے بعد بدل گئے، ان کو ذہن و دل سے نکال دیا، اور جب میں نے شادی کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی ان کے متعلق اس طرح نہیں سوچا کہ میں انھیں کیوں نہ پاسکی؟ وہ میرے کیوں نہ بنے؟ نہ انھیں اپنانے کا سوچا تو پھر میں دھوکے باز کیسے ہوئی؟ آپ بتائیے ممما! جب میں نے ارحم کو سوچا ہی نہیں، افسوس نہیں کیا تو میں دھوکے باز کیسے ہوئی؟ میں تو بس اپنے ماضی سے ہر اس اٹھی کہ غلط تو میں نے ماضی میں بھی نہیں کیا تھا، ارحم میرے کزن تھے، مجھے اچھے لگتے تھے، دل و ذہن میں آتا کہ کاش کہ وہ میرے بن جائیں مگر ایسا نہیں ہوا، جو شخص میرا بیٹا ہے سوچا، اسے چاہا، بس ڈرتی تھی کہ میرے ذہن و دل کی بات فیصل کو پتہ چلی تو وہ کیسا ادا ایکٹ کریں گے؟ اور ممما! میرے خدشات کچھ غلط تو نہ تھے جب ان پر یہ بات ظاہر ہوئی وہ مجھے جھوٹا، دھوکے باز کہہ کر چلے گئے، اور ایک دفعہ بھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا، آپ نے فون دیا تو لان کاٹ دی، میں نے ملایا تو کال ریسپونڈ نہیں کی، میری کسی میل کا جواب نہیں دیا، آپ بتائیے ناں ممما! کہاں غلطی ہوئی مجھ سے، میں نے کب ماضی کی کسی محبت کے حصول کے لیے کسی قسم کی کوشش کی؟ کب میں ان سے ملی؟ کب

چاہا کہ وہ میرے ہو جائیں؟ میرے ذہن و دل میں ایسا کچھ ہوتا تو میں شادی ہی کیوں کرتی؟ پرانی محبتوں کو ہی دل میں بسائے رکھنا ہوتا تو نئی محبتوں کو اپنائی کیوں؟ اور جب فضیل نے ڈائیورس کی بات کی، مجھے فضیل سے نہیں ارحم سے محبت ہوتی تو میں فضیل سے کہہ دیتی ناں، کہ وہ مجھے چھوڑ دیں، اور دے دیں طلاق، لیکن میں تو گزرے مہینوں میں خوفزدہ رہی ہوں، ہر آہٹ پر دہلتی رہی ہوں کہ کہیں فضیل میری التجا کے باوجود میری ہر التجا کو ٹھکرا کر کہیں ڈائیورس پہنچ نہ دیں۔ فضیل میرا سب سے مضبوط رشتہ، میری محبت، پسند سے دستبرداری قبول کر سکتی تھی ناں جب ہی کر گئی، مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑا، لیکن محبت سے زندگی سے دستبرداری قبول کرنا اتنا آسان بھی تو نہیں ہوتا ناں، میں آسانی سے ان سے خود کو کیسے الگ کر لوں، لیکن ان کے لیے سب کچھ بہت آسان ہے ماما! رات گیارہ بجے کے قریب میں نے انھیں فون کیا تھا، انھوں نے پہلی دفعہ میری کال ریسیو کی اور میرے ہیلو کہنے سے پہلے ہی یہ کہہ کر فون رکھ دیا کہ وہ جلد فیصلہ کر دیں گے، انھوں نے فیصلہ کر لیا ہے ماما! مجھے چھوڑنے کا فیصلہ، اگر ایسا کیا انھوں نے تو میں مر جاؤں گی، آپ کہیں ان سے میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا ہے، میں صرف ان کی ہوں، صرف ان سے محبت کرتی ہوں، میں جھوٹ نہیں بول رہی، آپ کو تو مجھ پر بھروسہ ہے ناں ماما! یقین ہے ناں آپ کو مجھ پر کہ میں جھوٹ نہیں بولتی؟“ وہ ان کا ہاتھ تھام گئی تھی، جن کی نظریں سامنے کھڑے شخص پر کافی دیر سے جمی تھیں، مگر وہ ان سے اب تک نظر نہیں مل رہی تھی، اس لیے چونکی تک نہیں تھی، اس کے ہاتھ تھامنے پر مگر وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

”ماما! آپ فضیل کو سمجھائیں ناں، ان سے کہیں میں جھوٹی نہیں ہوں، میں نے انھیں دھوکا نہیں دیا ہے، میرے دل میں صرف وہ ہیں، وہ مجھے نہ چھوڑیں، میں نے ان کی امانت میں خیانت نہیں کی ہے، میں ان کی ہوں، جب ان کی نہیں تھی تب بھی میں نے کچھ ایسا غلط نہیں کیا، جو شریعت کے خلاف ہو، یا جو امانت میں خیانت کا سبب ہو، میری جھوٹی سی بھول کی، میرے خدشات کی مجھے وہ اتنی بڑی سزا نہ دیں، جان سے مار دیں لیکن رشتہ نہ توڑیں۔“ وہ ان کی ٹانگوں سے لپٹ کر بری طرح ملکنے لگی تھی، اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انھوں نے ایک ناراض نظر بت بنے بیٹے پر ڈالی تھی، وہ کچھ بولی نہ تھیں اور وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا انھوں نے اس کا سرو نیچا کرنا چاہا تھا، جب انھیں احساس ہوا تھا کہ وہ ہوش میں نہیں اور جیسے ہی اس بات کا انھوں نے اظہار کیا تھا، وہ ہوش میں آتا اس کی طرف لپکا تھا۔

”زرین کو کچھ ہو گیا ناں فضیل! تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔“ اسے بیک سیٹ پر احتیاط سے لٹا کر وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا تھا، وہ زرین کا سر گود میں رکھے ہوئے ناراضی و غصے کے طے جلتے تاثرات کے ہاتھ بولی تھیں۔

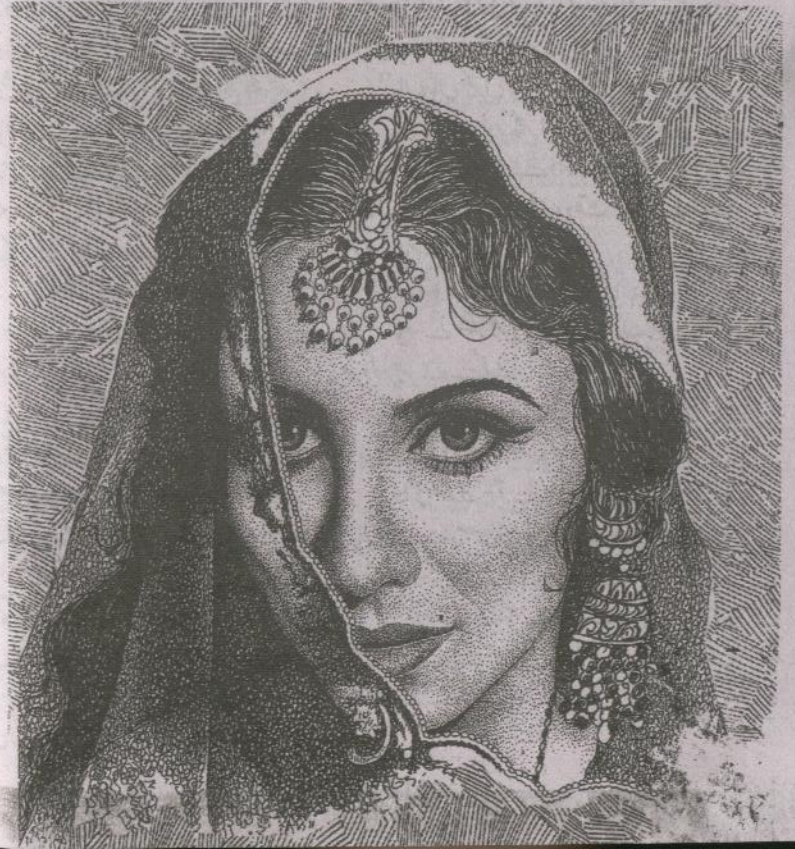
”آپ تو شاید پھر بھی مجھے معاف کر دیں ماما! لیکن میں خود کو کبھی چاہ کر بھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔“ اس نے دل گرفتگی سے کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور ریش ڈرائیونگ کرتا گھر کے سب سے نزدیکی پرائیویٹ اسپتال پہنچا تھا، اس کا زورس بریک ڈاؤن ہوا تھا، اس کی کنڈیشن مگر کافی بہتر تھی، ڈاکٹرز کی کوشش اور ٹریٹمنٹ کے بعد تقریباً 3 گھنٹوں میں اسے آئی سی یو سے ایک پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا، مہوش نے بیٹے کی اتری صورت دیکھی تھی اور فجر کی اذانوں کے بعد شوہر کو فون کر کے بلالیا تھا، فضیل کو زبردستی گھر بھیج دیا تھا۔



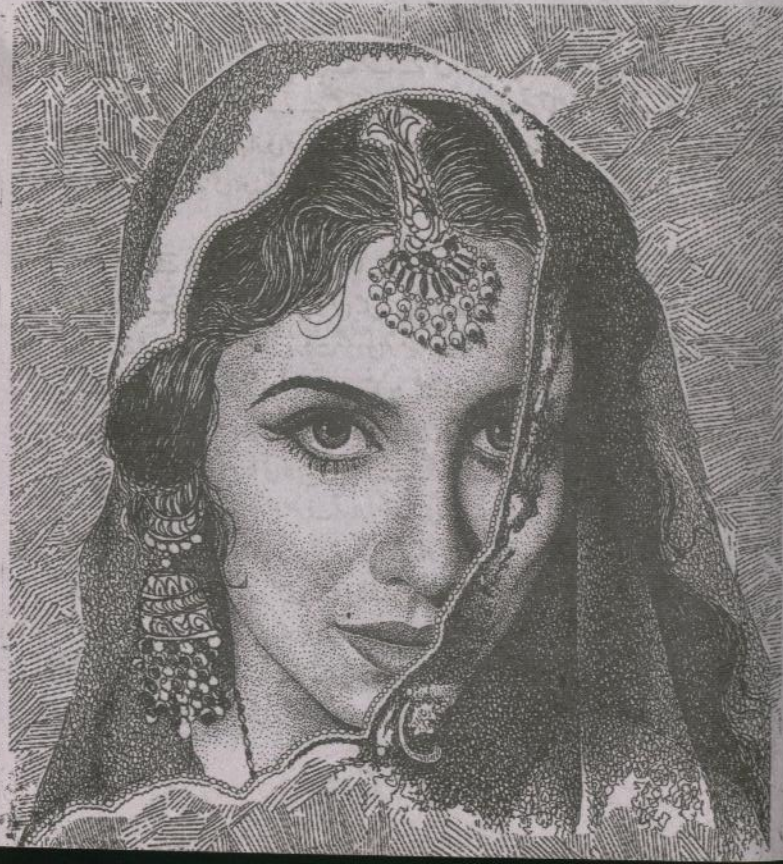
(جاری ہے.....)

ہر قلم کو اپنے لگی ہوا تھا

”شام میں تیار رہنا، ہم شاپنگ برچلیں گے۔“ اسجد اس کے ہاتھوں سے بریف کیس لیتے ہوئے بولا تھا، اس نے بڑی سعادت مندی سے ”جی ٹھیک ہے“ کہا اور آگے بڑھ گئی، اسجد نے مڑ کر اسے دیکھا تھا اور جب تک



دیکھتا رہا جب تک وہ دھیرے دھیرے میز پر ہاتھ رکھتی تھی، اس کی پرواہ کا جواب پر وہ سے دے رہی تھی، اس سے بات کرتی تھی، پہلے ہوتے ساتھ ہی وہ بوجھل ذہن و دل کے ساتھ آفس کے لیے نکل گیا، بظاہر سب ٹھیک ہو گیا تھا، اسجد اس کا خیال رکھنے لگا تھا اور وہ بھی بالکل نارمل تھی، اس کی پرواہ کا جواب پر وہ سے دے رہی تھی، اس سے بات کرتی تھی، پہلے کی طرح اس کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی ان دونوں کا نارمل انداز گھر والوں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی تھا، مگر اسجد غیر مطمئن تھا کہ جانتا تھا سب کچھ اتنا بھی نارمل نہیں جتنا وہ شوکر رہے تھے، ماندہ بظاہر جتنی مطمئن نظر آتی تھی، جتنا خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھی، درحقیقت ایسا تھا نہیں ان کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو کر بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا، ان کے رشتے میں معافی کی گنجائش نہیں رہی تھی اور وہ احساس جرم کے ساتھ نارمل نہیں ہو سکتا تھا، اور وہ اسجد کو سزا دینے کی چاہ میں خود کو سزا دیتی اس سے زیادہ اذیت میں تھی، اس لیے نارمل کچھ بھی نہیں تھا، ہاں اسجد کے ذہن و دل میں سب کچھ مطمئن کر دینے کی چاہ و خواہش جنم لے چکی تھی، وہ اپنی ناپسندیدگی بھلائے، انا کو پیچھے رکھے اس کی جانب ہر طرح کی پیش رفت کر رہا تھا اور اسی سلسلے کی ایک کڑی شاپنگ پر جا رہی تھی کہ اس نے



دیرے دیرے اس کے آہنی خول کو چٹا تھا اور اس کے لیے اس نے لاشعوری و شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔ وعدے کے مطابق وہ جس وقت گھر پہنچا وہ پہرے کے 4 بج رہے تھے، گھر میں خاموشی تھی، تینوں ہی بیٹیاں ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئی تھیں، وہ ست روئی سے چلا، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کرے تک آیا تھا، سائڈ ٹیبل پر والٹ اور مو بائل رکھتے ہوئے اس کی نگاہ سوئی ہوئی مائیکرو پر اٹھی تھی، اس کے گلابی چہرے پر آنسوؤں کے مٹھے نشان اس کے روتے ہوئے سونے کے گواہ تھے، وہ نہایت آہستہ سے اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا، جو کروٹ کے بل بے خبر سوتے ہوئے بھی قدرے مضطرب لگ رہی تھی۔

”میرا جرم ناقابل معافی ہے مائیکہ! میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں، اذیتوں کی آگ میں گہرائیوں میں دھکیلا ہے، مگر میں اپنے گناہوں کو معاف نہ کروں گا، اذیتوں سے گزر رہا ہوں، تو احساس ہوتا ہے کہ اذیت زدہ زندگی گزارنا بڑا مشکل ہوتا ہے، کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر جیسا نہیں جاتا، ہر سانس آزار بن جاتا ہے، مجھے اذیت سے آزاد کرو۔“ وہ اس کا موی ہاتھ اپنے خوبصورت مردانہ ہاتھ میں لیے اس کے بہت قریب لیٹا تھا اور اس کے حسین چہرے پر ندامت بھری نگاہیں جمائے نہایت آہستہ گلو گیسو لہجے میں کہتے ہوئے اس کی پیٹ پیٹانی پر لب رکھ دیے تھے۔ یہ پہلا کس تھا جو بے اختیار ذہن و دل کی آمادگی کے ساتھ اس کے ماتھے پر ایک داستان لکھ گیا تھا اور اس کی گہری غیبت کو مٹی چل گئی تھی، اس نے بے اختیار چونک کر آنکھیں کھولیں، وہ اس پر جھکا ہوا تھا، اس کی جانب ذہن و دل کی آمادگی سے متوجہ اور مہربان تھا، اور وہ کسمپاسی تھی، وہ چونک کر اس کو دیکھنے لگا تھا، وہ نہ شرمندہ ہوا تھا نہ ہی بھجک کر دور ہوا تھا، بلکہ اس پر اپنا حصار مضبوطی سے بچا دیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی، لیوں پر اس نے کب کے قفل ڈال دیے تھے، مگر اس کا دل روا تھا تھا۔

”اجد عالم! میں تمہارے لیے محض ایک چور لکھ ہوں، جسے تم تمام تر اتحقاق کے باوجود چوروں کی طرح ہی حاصل کرو گے، کہ میں تمہاری محبت تو کیا پسند بھی نہیں، تم نے مجھے صرف طلب سمجھ لیا ہے اور طلب پس پوری ہوئی چاہیے، چاہے کیسے بھی ہو۔“ وہ واٹس مین کے سامنے کھڑی چہرہ پانی سے ہی نہیں اپنے آنسوؤں سے بھی بھگوری تھی۔

”تم کہتے ہو کہ تم نادم ہو، معافی چاہتے ہو، سب بھول کر میرے ساتھ ایک اچھی و نارمل ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہو مگر تمہارے قول و فعل میں کس قدر تضاد ہے، مجھے واپس آئے آج ڈھائی ماہ ہو گئے ہیں اور تم نے اتنے عرصے میں آج پیش رفت بھی کی تو میرے عالم بے خبری میں، تم اپنے قول میں سچے ہوتے تو یہ پیش رفت پہلے کرتے یا کم از کم میری آنکھوں میں دیکھتے اپنے قول کی سچائی کا یقین دلاتے ہوئے مجھ تک آتے، مگر تم نے ثابت کر دیا کہ میں نہ کل نہیں تھی، نہ آج ہوں۔ کل تمہیں اپنی محبت کی پرواہ تھی، اس لیے مجھے دھکارتے رہے، جب تمہیں اپنی مردانگی کا خیال آیا تو مجھے گلے لگا گئے، رشتے بچانا چاہے تو میرے واپس آنے پر مجھے قبول کر گئے، جیت ہر جگہ ہر طرح صرف تمہارا مقدر بنی ہے اور تم نے میرے مقدر میں صرف رسوائیاں، ذلتیں اور بد نصیبی لکھ دی ہے، اور تم اس کے باوجود بھی کہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں، خود بتاؤ آج بھی تم مجھے عزت و مان دینے کو تیار نہیں، تو میں تمہیں کیسے معاف کروں اجد عالم! کیسے؟“ وہ وہیں واٹس مین کے سامنے بیٹھتی چلی گئی تھی، بچپنوں سے اس کا پورا وجود زربہا تھا، اجد عالم کا اب ہر قول و فعل اسے بدگمان ہی کرتا تھا، وگرنہ یہ سمجھنا اتنا مشکل بھی نہ تھا، اگر اسے چور لکھی ہی تلاش ہوتی تو ڈھائی ماہ میں ایسے کتنے ہی لمحے آئے تھے اور گزر گئے تھے، اور وہ چوری کا ارادہ ہی رکھتا تھا تو اس کے جاگ جانے پر شرمندہ ہوتا رہا اور اختیار کر لیتا، جبکہ اس نے ایسا

نہیں کیا تھا، وہ سچ میں مکمل سچائی اور حقیقت کے ساتھ ندامت اور معافی کی خواہش لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا، جب ہی اس کے جاگ جانے سے بھی اسے فرق نہیں پڑا تھا، اس کے دل میں، اس کی نیت میں کوئی چور نہ تھا، مگر یہ بات اسے نہیں سمجھائی جا سکتی تھی، جو محبت کی منزل کو راہ میں ہی کھو بیٹھی تھی اور سفر میں اس کے پیر بدگمانی سے اٹ گئے تھے، اس کی مثال ایک خوبصورت و خوش رنگ مور کی سی تھی، جو سرمستی کے عالم میں ناچتا ہے، مگر جیسے ہی اپنے پیروں پر نظر پڑتی، ساری سرمستی بے بسی کی نظر ہو جاتی ہے اور اس مور کے ناچ میں دکھ و اذیت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ اپنے پیروں کو دیکھ کر اپنے خوش رنگ پنکھ بھلائے رونا چلا جاتا ہے، جیسے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

”فضیل! میں تمہیں بہت زیادہ سمجھا رہی تھی، ایسی بے وقوفی کی مجھے تم سے امید نہ تھی۔“ وہ بیٹے پر خفا ہو رہی تھیں۔

”مما! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔“

”تو میں تمہیں سچ سمجھوں بھی تو کیسے، میں انجان تو نہ تھی کہ تم دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے، تم دونوں میں بے تکلفی نہ تھی، کہیں تم دونوں گئے نہیں، مگر تم دونوں کے انداز ایسے تھے کہ میں مطمئن تھی، زمین کو نہیں جانتی تھی، اس کے دل کی خبر نہ تھی، مگر تمہیں جانتی تھی، تمہارے دل کی خبر تھی، اطمینان تھا مجھے کہ تمہاری محبت زمین کا دل جیت لے گی، اس کے انداز میں گریز محسوس کیا تھا، تو تمہارے انداز میں نرمی پائی تھی، تو پھر ایک دم تم اپنی فطرت کے خلاف کیسے چلے گئے؟“ انھوں نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا اور درشتگی سے کہتی چلی گئی تھیں۔

”صرف زمین کی خوشی کے خیال سے جب تک مجھے لگا کہ وہ ہمارے رشتے کو نبھانے، نبھانے کے لیے وقت چاہتی ہے، میں نے اسے وقت دیا، بیوی نہیں دوست سمجھا، کسی بہت اپنے کی طرح اس کا خیال رکھا، اس کو اس کی خوشیوں کو اہمیت دی، اور جس دن یہ پتہ چلا کہ اس کے گریز کے پیچھے اس کی فیلنگو تھیں، تو میں نے صرف اس کی خوشی کے خیال سے راہیں الگ کر لیتی چاہیں، میں اس کو غلط نہیں سمجھ رہا تھا، اس کے لفظ لفظ پر یقین ہے مجھے لیکن میں نے سوچا ممما! زمین کا حق ہے کہ وہ اپنی پسند کے شخص کے ساتھ زندگی بسر کرے، اور وہ شخص میں نہیں تو مجھے اسے آزاد کر دینا چاہیے۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ کہتا چلا گیا تھا اور وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی تھیں۔

”ایسا فیصلہ لینے والے تم ہوتے کون تھے؟ تم نے زمین کی مرضی پوچھی تھی؟ صرف اتنا جان لینے کے بعد کہ وہ کو پسند کرتی ہے، تم نے راہیں الگ کر لیں چاہیں، سارے فیصلے خود ہی کرتے چلے گئے، کیا تمہیں چند ماہ کے ساتھ میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں لگا تھا کہ وہ تمہارے رشتے کو قبول کر چکی ہے؟“ وہ نہایت غصے میں تھیں۔

”بار بار لگا تھا ممما! لیکن ادراک کے بعد مجھے لگا کہ وہ کبیر و ماثر کرنا چاہتی ہے، میں نے سارے فیصلے خود کر لیے غلطی ہے میری، لیکن میں زمین کو دھوکے باز نہیں سمجھ رہا تھا، مجھے تو بس اس کی خوشی عزیز تھی، اس لیے اسے طور پر فیصلہ کر کے چلا گیا، مگر میں غلطی پر تھا کہ زمین کو زندگی صرف اپنے لیے جیتی ہوئی، اپنی پسند کے مطابق جیتی ہوئی تو وہ مجھ سے شادی کر ہی نہیں، مجھ سے زمین کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی، لیکن یقین کریں ممما! میں یہاں سے گیا ہی اس لیے تھا کہ دیکھوں میں اس کے بغیر رہ سکتا ہوں یا نہیں، مگر میں نہیں رہ سکا! ممما! جتنا اسے نظر انداز کیا، اتنا اسے اپنے دل کے قریب پایا، اس کو دور کر دینے کی شعوری کوشش اسے مجھ سے بہت قریب کر گئی۔ یقین کریں میں نے زمین سے نکاح اپنی خوشی اور دل کی رضا سے کیا تھا، اس نکاح کو زمین کی خوشی کے مطابق

قائم رکھنا چاہا، اسی کی خوشی کے خیال سے ختم کرنا چاہا اور اسی کے بلانے پر صرف آٹھ ماہ بعد ہی لوٹ آیا ہوں، اس کے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں۔“ وہ ماں کی گود میں سر رکھے بچوں کی طرح رونے لگا تھا۔

”سب کچھ خود سے فرض نہیں کر لیتے بیٹا! تم کہتم عورت کو نہیں جانتے، عورت صرف ایک بار کسی کو اپنا بناتی ہے، اگر محبت کر بھی لے تو مگر جس سے شرعی رشتے میں بندھتی ہے، وہ محبت سے بڑھ کر عزت دے تو تن من سے صرف اس کی ہو جاتی ہے اور تم نے اسے عزت دی، اس کی مرضی و خوشی کو اولیت دی، اہمیت دی، اور عورت اس انسان کو کسی نہیں دھتکارتی، جو اسے مان و عزت دیتا ہے۔“ انھوں نے بیٹے کو کپکپوڑ ہو جانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد کہا تھا۔

”کچھ دیر میں زرین من ہاسپٹل سے آجائے گی، تم سارے گلے شکوے دور کر لیتا، اور اپنے دل سے ہر وہ ہمدرد شک نکال دیتا، تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہارے نصیب میں زرین جیسی سچی و نرم جذبات سے گندھی لڑکی آئی ہے اور اس کی قدر کرنا، وہ ہر لحاظ سے تمہارے قابل ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرا بیٹا ایک بہت اچھا انسان ہے کہ جو فیصلہ تم نے لیا کوئی نہیں لے سکتا، مگر جو ہوا سو ہو گیا، اب تم دونوں نے ہی سب سے بڑھ کر اپنے رشتے کی عزت کرنی ہے، زرین من بھی تم خوش قسمت نہیں ہے کہ تم جیسے انسان تو لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں، اشو اور جا کر فریٹس ہو جاؤ، میں ذرا جا کر انتظامات دیکھ لوں، زرین من نے گھر اس خوبی سے سنبھالا ہے کہ ایک دن وہ یہاں نہیں بھی تو لگا کہ سب کچھ ٹپٹ ہو گیا ہے۔“ وہ بیٹے کا رخسار چھتیں اٹھ گئی تھیں اور وہ مسکرا دیا تھا، زرین من کی اچھائی اس سے ہرگز بھی پوشیدہ نہیں تھی اور اب اس نے اس اچھی لڑکی کے ہر دکھ کا مداوا کرنا تھا، جانے انجانے میں کیے ظلم و محبت کی قابو ڈھائی تھی، اس لڑکی کو عزت و مان سے اپنی قربتیں عطا کرنی تھیں، جس کی وہ حقدار تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے دل میں موجود ہر جذبے کو، چھپی ہوئی محبت کو سب کچھ اس پر آشکار کر دے گا، اس کو بتا دے گا وہ اس کے لیے لکھی، اہم ہے اور جو اہم ہوں ان کے لیے ایثار و قربانی دینی پڑتی ہے، اور وہ بھی صرف قربانی دینے جا رہا تھا، مگر اللہ نے اس کے جذبے کی سچائی کے سبب صرف اس کا امتحان لے کر اسے اس کی محبت سونپ دی تھی، وہ امتحان میں بھی سرخو رہا تھا، اس نے فریٹس ہو کر کسی کو کال کی تھی، اور آؤ رڈرے کر وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا تھا، وہ اسے زرین من کے شایان شان سمجھتا تھا، وہ کسی قسم کی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اس نے سب سے پہلے کچھ سال پہلے لیا گفٹ نکالا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”آپ.... آپ کب آئے؟“ وہ روم میں داخل ہوئی تھی جو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے لائٹس آن کی تھیں اور کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر تعجب سے کھڑی تھی، جا بجا بھری گلاب کی پتیوں، مہکا مہکا کمرہ اس کو سب کچھ بہت اچھا لگا تھا، اس نے آہٹ پر مڑ کر دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے تفصیل کو دیکھ کر لپک کر اس تک پہنچی تھی۔

”دو دن ہو گئے محترمہ! میں فیصلہ کر کے لوٹا تو محترمہ چند ماہ کی جدائی میں ہی ہاسپٹل کے دورے پر چل پڑنے کو تیار تھیں، اور میں نے بھی آؤ دیکھنا نہ تاؤ، تمہیں پہنچایا ہسپتال، تھوڑا سا ہوا پریشان اور جب تم صحت یاب ہو میں تو روپوش ہو گیا کہ سامنے دیکھ کر تمہاری جان نکل جاتی تو میرا کیا ہوتا، میں تمہارے بن رہا ہوں نہ سکتا زرین من!“ وہ غیر سنجیدگی سے کہتا بات کے آخر تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”بھوت نہ ہو لیس، میرے بناء نہ رہ سکتے تو مجھے چھوڑ کر ہی نہیں جاتے، اور حطے گئے تھے تو رابطہ تو رکھتے، سارے ہی سلسلے تو توڑ ڈالے تھے آپ نے، کیوں اور کس بات کی سزا دے رہے تھے مجھے؟“ اس نے ہاتھ تھاما تھا

اور اس نے جھٹکے سے آزاد کروا کر نہایت غصے سے کہہ کر اسے گھورا تھا۔

”زرین من! جو ہوا سے بھول جاؤ، سزا تمہیں ہی نہیں خود کو بھی دی، بس یاد رکھو تو اتنا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، آج سے نہیں برسوں پہلے سے جب محبت کے مفہوم سے بھی نا آشنا تھا تب سے، مگر کبھی کہہ نہ سکا، شادی کی رات تمہارے گریز نے لب ہی دیئے، بعد میں پہل نہ کر سکا، میں چاہتا تھا کہ پہل تم کر دو، کوئی ایک اشارہ دو، تم نے مجھ سے جڑے رشتے کو قبول کر لیا ہے، مگر تم حیا کے سبب ایسا کر نہ سکیں، حالات نے کروٹ لی اور میں دور چلا گیا، مگر یہ یاد رکھنا کہ بدگمان ہو کر نہیں گیا تھا، مجھے تم پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے، بس یہ سمجھ لو کہ ہماری آزمائش تھی جو ختم ہوئی۔“ اس نے آگے بڑھ کر اپنے ازل زلم سچے میں کہا تھا اور وہ رونے لگی تھی۔

”آپ نے خود انتظار کرنے کی بات کی اور پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا، تو میں خود سے کیسے کہتی کہ آپ کا انتظار ختم ہوا، اور آپ نے تو مجھے طلاق دینے کی بات کی تھی، اتنی ہی بری لگتی تھی ناں، تو شادی ہی نہ کرتے، یوں شادی کر کے ناکارہ شے کی طرح گھر میں کیوں رکھ چھوڑا تھا؟ اوپر سے بات کرتے ہیں محبت کی، مجھ سے محبت ہوتی تو کہتے ناں، آپ تو مجھے سزا دے رہے تھے، جبکہ میرا قصور کیا تھا، نکاح سے پہلے کسی کو بھی، کچھ بھی سوچا ہو، نکاح کے بعد تو صرف آپ کو سوچا، آپ کو چاہا اور آپ ہی بدل گئے، یہی تھی ناں آپ کی محبت؟“ وہ کہہ سکتے ہوئے شکوے کر رہی تھی۔

”تم سے محبت ہی تو تھی جو تمہاری خوشی کی پرواہ میں وصل کے قریب جا کر بھی بھر سمیٹ لائی، بس تم خوش رہو، تمہاری خوشی کے خیال سے نہیں اپنا نہیں اور اسی خوشی کے خیال سے تمہیں آزاد کر رہا تھا، مگر اب میں جان گیا ہوں، تمہاری خوشی صرف مجھ سے جڑی ہے اسی لیے میں لوٹ آیا، اور اس رات میں نے ممانہ اور تمہاری باتیں سنیں تو مجھے مزید احساس ہوا کہ میں انجان تھا، تمہاری خوشی میں ہوں، میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے جو چاہے سزا دے لو، مگر یقین رکھو زرین من! میں تمہیں دھوکے باز نہیں سمجھتا، نہ ہی تمہیں سزا دے رہا تھا۔“ وہ اسے شانوں سے تھامے یقین سونپ رہا تھا۔

”آئی ام سوری فیض! میں نے جانے انجانے میں آپ کو بہت تکلیف دی ہے، مگر آپ بھی مجھ پر بھروسہ کریں کہ میری کلی کی چاہت کوئی بھی ہو، میری آج کی چاہت آپ ہیں، میں نے ماضی میں ہی جینا ہوتا تو میری راہیں کھن نہ تھیں، میں نے آپ کا ساتھ والدین کی ایماء اور رب کی رضا جان کر قبول کیا تھا اور میرا ایمان ہے کہ والدین اولاد کا برا نہیں چاہتے، میرے والدین نے میرے لیے آپ کو چوز کیا، اور آپ ہی میرا سب کچھ ہیں، میں نے پوری زندگی صرف آپ کے ساتھ گزارنی ہے، آئندہ مذاق میں بھی چھوڑنے کی بات مت کیجیے گا، میں آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔“ وہ روتے ہوئے کہتی اس کے شانے پر سر ٹکا گئی تھی۔

”تم سے دور جا کر تو احساس ہوا کہ میں بھی تم بن ادھورا ہوں۔“ وہ اس پر گھیرا ڈالتے ہوئے جذبوں سے چھوڑنے میں بولا تھا اور اسے لیے بیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا، اسے بیڈ پر بٹھا کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے باکس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تھا، جسے اس نے کھولا، ڈبے میں ایک بندیا تھی، جس میں کتنے ہی رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے، اس کی نگاہ میں واضح سناٹا سن چکی تھی۔

”تم اکثر ہمارے گھر آتی تھیں، میں نے تمہیں ہمیشہ سیدھی مانگ کے ساتھ سادہ چوٹی بنائے دیکھا تھا اور میرا دل کرتا تھا کہ تمہاری سیدھی مانگ، چھتچٹی پیشانی پر اپنی چاہت کا مانگ ٹیکا سجاؤں، بیلٹے سے گوندھی چوٹی کے سارے بل کھول کر تمہاری حسین کالی زلفوں میں اپنا دل پرو دوں۔“ وہ جذب کے عالم میں کہتا اظہار محبت کی

منزل ملے کر گیا تھا اور وہ حیا سے سمٹ کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

”بھیا! خدا کو مانیں یا! آج تو کم از کم اس فون اور ڈی آئی جی صاحب کا چھپا چھوڑ دیں، آپ نے تو انھیں مجبور ہی بنالیا ہے، جبکہ اصل محبوب آپ کا انتظار کرتی سوکھ رہی ہوگی۔“ اس نے بڑی بھولت سے ارم کے ہاتھ سے فون چھینا تھا اور نہایت شوخی سے بولا تھا اور اس کے گھورنے پر بھی اسے ذرا فرق نہیں پڑا تھا۔

”ٹھیک ہی تو بول رہا ہوں، کمرے میں بھابی آپ کا انتظار کر رہی ہیں اور آپ یہاں ڈی آئی جی صاحب کے ساتھ سیاست و مجرم کو زیر بحث لائے ہوئے ہیں، کم از کم آج کے دن تو دیوان غالب کو ذہن میں تازہ کیجیے، روئیں کے بارے میں سوچیے، روئیں!۔“

”شٹ اپ راحم! ارم نے سرخ چہرے کے ساتھ چھوٹے بھائی کو ڈپٹا تھا، مگر وہ بھی کافی ڈھیٹ واقع ہوا تھا، قہقہہ لگا کر ممتی خیز لگا ہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”راحم! شرافت سے میرا فون واپس کرو، ڈی آئی جی صاحب کو دس منٹ بعد میں نے کال بیک کرنی ہے۔“ وہ اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

”آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے، اب آپ کو تو بھابی ہی سدھاریں گی۔“ وہ تپ کر کہتا اس کا سیل واپس کرنا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور اس نے ڈی آئی جی صاحب سے بات کر کے رابطہ منقطع ہی کیا تھا کہ فریدہ چلی آئی تھیں اور رات کے 2 بج جانے کے باوجود اسے سلی سے لاؤن میں صوفے پر بیٹھ دیکر وہ تاسف میں مبتلا ہوئیں اسے شرمندہ کرنے اس کے سامنے آ کر بیٹھیں۔

”سوری ماما! بٹ کال اپورٹ تھی، آپ جا کر آرام کیجیے، میں بس کمرے میں ہی جا رہا ہوں۔“ وہ ماں کو غصے میں پا کر اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

”ارم! میں تمہاری ماں ہوں، تمہاری نیچر سمجھتی ہوں، وہ بچی نہیں جس نے ممتی کے بعد تمہارے حوالے سے کتنے خواب سجائے ہوں گے اور تم نے مگر اپنی مصروفیت و فطرت کو جواز بنا کر اس سے رابطہ نہ کیا، مگر اب وقت و حیثیت بدل گئی ہے، اب تم نے لاگ کو وقت دینا ہے، عزت، محبت دینی ہے، تمہاری تمام مصروفیات میں بھی سب سے اول لاگ کو رہنا چاہیے، تم نے میری بہو کو ذرا بھی کام کا بہانا کر کے انکوری کیا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے کچھ ماہ تو تم جاب کو بھول ہی جانا۔“ وہ اس کو کڑے تیوروں سے ہدایت دے رہی تھیں کہ اس نے شادی کے لیے بہت مشکل سے حامی بھر لی تھی، اور اب بھی بڑی ہی مشکل سے اس نے شادی کی تھی، اسے ابھی بھی کچھ وقت چاہیے تھا، مگر اس بار انھوں نے اس کی ایک نہ نہ تھی مگر اس کی مرضی و خوشی کے مطابق شادی ہوئی، بہت سادگی سے سی، ماہ تقارور ڈول فقار عابدی جبکہ ہندی کرنا چاہ رہے تھے، مگر وہ راضی نہیں ہوا تھا، اور اس کے انکار کا جب ماہ لاگ کو پتہ چلا تھا، تو اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ جیئرس کو سادگی سے شادی کے لیے راضی کر لیا تھا، شور و ہنگامہ تو اسے بھی خاص پسند نہ تھا اور وہ ماں سے ڈانٹ کھاتا، ان کی بہو کا خیال رکھنے کا وعدہ کرنا جس وقت اپنے کمرے میں داخل ہوا، رات کے پونے تین بج رہے تھے، وہ مگر کمرے میں قدم رکھتے ہی بری طرح ٹھٹھک گیا تھا کہ روم میں داخل ہوتے ہی کوئی چیز اس کے جوتے تلے آئی تھی، اس نے جبر ہٹا کر دیکھا تھا، وہ پازیب تھی اور اس کی نگاہ کمرے میں بچھے بیش قیمت قالین پر پھرتی اور چوڑیوں پر چھلتی چلی گئی تھی، اب اس نے پریشانی سے کسی کی تلاش میں نگاہ بند، صوفے اور کمرے میں دوڑائی تھی، مگر اس کی تلاش تلاش ہی

جاہت ہوئی، نگاہ نام کام لوٹ آئی تھی، اور اب تو اسے فکر و پریشانی نے آگھیرا تھا، اس نے چند قدم بڑھا کر وائس روم کے دروازے پر دستک دی تھی، مگر وہ ہلکے سے دباؤ سے ہی مل گیا تھا اور اب وہ ڈریسنگ روم چپک کر رہا تھا، مگر یہاں بھی ناکامی ہوئی تھی، وہ دوبارہ کمرے میں آیا تھا اور کچھ سوچ کر ٹیئرس کی جانب کھلتے دروازے کی طرف بڑھا تھا اور دروازے میں ہی جم گیا تھا، جسے وہ کب سے ڈھونڈ رہا تھا، وہ ٹیئرس کی چھت پر بیٹھوں کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کھٹوں میں منہ دینے بیٹھی تھی، بری طرح سسک رہی تھی، وہ لمحہ ضائع کیے بیٹا اس تک پہنچا، عین اس کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اس نے بڑی نرمی سے فکر لہجے میں سموائے اسے پکارا تھا۔

”ماہ لاگ!“ وہ بے طرح چوکی اور اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کا بے تحاشہ سرخ چہرہ، لہو رنگ آنکھیں اس کے کافی دیر سے رونے کی چٹکی کھا رہی تھیں، وہ کچھ کہتا کہ وہ ذرا سا پیچھے ہٹ کر اور کھڑی ہوگئی، وہ بھی کھڑا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا جو بلڈ ریڈ شرارے اور ہزرتی میں، مٹے مٹے میک اپ کے نشان اور متورم چہرے، لرزتے ہچکیاں بھرتے سر اے کے ساتھ اس کے سامنے تھی، اس کا زرتار عروسی آچل اس کے قدموں میں ڈھیر ہوا پڑا تھا، اس نے سب سے پہلے آچل کو اپنے قدموں سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں سنبھالا اور اس کی جانب دیکھا جو وہاں سے نکلے کھڑی وہ یکدم راہ میں آتا اس کی کلائی تھام گیا تھا، اس نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا اور ہاتھ چھڑانا چاہا تھا، لیکن اس نے گرفت مضبوط کر کے اس کی سرخ شکوہ کناں پر غم آنکھوں میں جھانکا تھا۔

”ایسی بھی کیا ناراضی کہ آپ نے میرے آنے کا انتظار بھی نہ کیا، ہر آرائش بے دردی سے ختم کر ڈالی اور یہاں ٹھنڈے موسم میں کیوں آ بیٹھیں تھیں؟ آپ کو تو میرا انتظار کمرے میں کرنا چاہیے تھا۔“ اس کے لہجے میں نرمی، لبوں پر شکوہ اور آنکھوں میں مسکان تھی۔

”میں آپ سے ناراض نہیں ہوں سمجھے آپ! اور میں کہیں بھی بیٹھوں آپ کو اس سے کیا، آپ جایے یہاں سے۔“ وہ ترخ کر بولی اور ایک جھٹکے سے کلائی آزاد کروالی۔

”اوف! اتنا غصہ!... بندہ ناچیز سے ایسی بھی کیا خطا سرزد ہوگئی؟“ وہ نرمی شوخی سے کہتا اس کو تحیر کر گیا تھا کہ کہاں امید تھی، اس کا لہجہ اتنا خوبصورت شوخ ہو سکتا ہے، اس کی نظریں یکدم اسے بے حد کنفیوژ کر گئی تھیں اور وہ کچھ بھی کہے بغیر بڑی تیزی میں کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”ان تمام چیزوں کی اتنی ناقدری، ماما کو پتا چلا نا تو کان پکڑوا کر سزا دیں گی کہ انھوں نے یہ سب آپ کے لیے کتنی جاہت سے لیا ہے۔“ وہ صوفے پر آ بیٹھی تھی اور وہ کارپٹ پر بکھری جیولری اٹھاتا نہایت دوستانہ لہجے میں بولا تھا۔

”آپ نے تو نہیں لیا تھا ناں، تو آپ کو کس بات کی فکر؟“ وہ جڑبڑھوتی سوس سوس کرتی بولی تھی، وہ اس کے خجل و گھبرائے اعزاز سے محفوظ ہوتا سمیٹتی ہوئی جیولری اور چوڑیاں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتا صوفے پر عین اس کے برابر ٹیک گیا تھا، وہ جھانکنے لگی تھی، اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور وہ اس کو ناگواری سے دیکھنے لگی تھی، وہ مسکرا کر بولا تھا۔

”آپ کے لیے ہر چیز ممانے پسند کی ہے کہ آپ کو بھی میرے لیے ممانے پسند کیا تھا۔“ اس نے اس کے ہاتھ پر یکدم اٹنے ہاتھ کی گرفت کی تھی اور سیدھا ہاتھ شیر دانی کی جیب میں ڈالا تھا۔

”جانتی ہوں، بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور مجھ سے آپ کو شادی نہیں کرنی ناں تو صاف کہہ دیتے اپنی اور میری زندگی برابردار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔“ وہ روتے ہوئے اپنی اپنا ہاتھ چھڑاتی اس کے برابر سے اٹھ گئی، اور وارڈروپ بھول کر ترتیب سے نکلے ایک سے بڑھ کر ایک حسین سوٹ میں سے نسبتاً سادہ سوٹ لے کر

واش روم میں گھس گئی تھی، اور اس کے لیے سوچوں کے کئی دروازے کھل گئے تھے اسی لیے جب وہ بہت سارا رو چکنے کے بعد منہ دھو کر چٹخ کر کے آئی تھی تو وہ اس کو بازو سے تھام کر بیڈ پر بٹھاتا سوال کر گیا تھا۔

”اتنی بدگمان کیوں ہیں آپ؟“ نظر اس کے نیم منہ پر پڑا۔

”تقریباً 8 ماہ ہماری منگنی رہی، آپ نے بھی خود سے رابطہ نہ کیا، اگر سر راہ دوسرے محفل ٹکرا گئے تو مجھے یوں نظر انداز کر گئے جیسے میں آپ کی کچھ گنتی نہیں ہوں، شادی کے لیے انکار کرتے رہے، اور شادی ہو گئی تو آپ کو جیسے فرق ہی نہیں پڑا، ساری دنیا اہم ہے ایک میرے علاوہ۔ انتظار کر کے آپ کا تھک گئی، اور آپ کہتے ہیں کہ بدگمان کیوں ہوں؟ تو آپ بتائیے کہ کیا اب بھی بدگمان نہ ہوں؟ نہیں کرتی تھی مجھ سے شادی تو نہ کرتے، اس طرح تو احساس نہ دلائیں کہ آپ نے شادی کسی کے مجبور کرنے پر کی ہے؟“ وہ اس کی حیران نگاہوں میں دیکھتی بولتی یکدم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تھی۔

”ماہ لاج! آپ غلط سوچ رہی ہیں، باخدا آپ سے رابطہ کرنے، یا شادی میں آنا کافی ہے کام لینے کے پیچھے کوئی مجبوری یا ناپسندیدگی نہیں چھپی تھی، آپ بے شک مہمان کی چوائس ہیں، لیکن میں نے مہمان کی پسند کو اپنے لیے ہر لحاظ سے پرفیکٹ پا کر ہی اوکے کیا تھا، میں مجبوری میں کیوں اتنا مضبوط بندھن جوڑنے لگا؟“ وہ قدرے تاسف سے اسے دیکھتا اپنی مخصوص سنجیدگی سے بولا تھا۔

”جھوٹ مت بولیں، میں جانتی ہوں کہ آپ حنین کو کسی چیز کے لیے انکار نہیں کر سکتے اور آپ نے صرف اس کے مجبور کرنے پر ہی مجھ سے شادی کی ہے، ورنہ آپ کو مجھ میں ذرا دلچسپی نہیں۔“ وہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتی اس کو دیکھتی بولی تھی۔

”آپ کیا بول رہی ہیں مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا اور اس سارے قصے میں حنین کا کیا ذکر؟“ وہ قدرے اچھنبے سے کہتا سوالیہ لگا ہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

”صرف حنین کا ہی تو سب ذکر ہے۔ میں نے ہی اس کو اپنے دل کی بات بتا کر غلطی کی۔ اس نے میرے جذبات ایک ایسے سنگدل پتھر سے کہہ دیئے جو میرے جذبات کی قدر تک نہ کر سکا، میں حنین کو اور آپ کو بھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ کو میں نہیں پسند تھی ناں تو آپ کو حنین کے کہنے پر بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔“ اس کے سرخ ستور منہ پر اس کا سارا امتزاج جگہ بنا گیا تھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھتا اس کے رویے اور الفاظ کو سمجھنے کا کوئی سرا ڈھونڈنے کی کوشش میں تھا۔ وہ اس کے پہلو سے اٹھ گئی تھی۔

”مجھے اپنے جذبات کی تو ہین گوارہ نہ تھی۔ اس لیے کبھی آپ سے کچھ نہیں کہا۔ حنین سے دوست سمجھ کر دل کی بات کہی اور وہ ایک راز راز نہ رکھ سکی اور آپ خود کو کیا بہت مہمان سمجھتے ہیں کہ دوست کے کہنے پر اپنی خوشیوں کو خود کو گروی رکھ دیا؟ خود بتائیے بناء جاہت کے، بناء توجہ کے بھی زندگی گزرتی ہے؟“ اس کی خاموشی نے اسے جتنی اذیت پہنچائی تھی آج وہ اپنا رنگ دکھلا رہی تھی۔

”آپ کو کیسے خدشے لاحق ہیں میں سمجھ نہیں پا رہا، ہاں اتنا کہوں گا حنین نے آپ کے بارے میں، آپ کی دل کی بات کے بارے میں کہتا تو دور مجھ سے بھی ذکر تک نہیں کیا۔“ اس کا کہنا تھا کہ اس نے سیکھتے ہوئے بہت چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جس کے چہرے پر وہی نرم سا تاثر تھا جس نے اسے اپنی گرفت میں لے

لیا تھا۔

”آپ سے شادی میں نے حنین کے نہیں، مہمان کے کہنے پر کی ہے کہ آپ کو میرے لیے مہمانے پسند کیا تھا۔ حنین سے آپ نے کیا کہا اس نے مہمان سے کیا کہا اس سے لاعلم ہوں۔ میری زندگی میں کوئی بھی نہیں مجھے شادی مہمان کی پسند کی ٹوکی سے ہی کرتی تھی۔ اس لیے مہمان کی پسند سے آپ سے شادی کر لی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ اس نے رونا بھول کر حیرانگی سے خود کو اتنی ماہ لاج کا ہاتھ پکڑا تھا اور وہ اسی حیرانگی کے عالم میں دوبارہ بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔

”کیونکہ میں اپنی فیلڈ میں نام بنانا چاہتا تھا، یہ میرا پروفیشن ہے زیادہ میرا جنون میرا عشق ہے، میں سوچتا تھا کہ شادی ہوئی تو میری توجہ اس پر نہیں ہوگی تو بھی مجھے توجہ کم کرنی ہی پڑے گی۔ بس اس لیے میں شادی سے اس کی ذمہ داریوں سے خائف رہا اور اپنے پیش میں ڈوبا بھی یہ سوچ سمجھ نہ سکا کہ کوئی میری توجہ کا، میرے اظہار، میرے پیار کا منتظر ہے۔“ اس کے خوب صورت لبوں پر مسکان آن ٹھہری تھی وہ جو اس کو دیکھتی توجہ سے سن رہی تھی یکدم نگاہ جھکا گئی تھی۔

”آپ سے شادی نہ کرنے یا آپ سے منگنی کے بعد رابطہ نہ کرنے کے پیچھے صرف میرا پیش تھا، نہ کوئی اور وجہ۔ آپ کو بے شک پسند مہمانے کیا ہے مگر میں آپ کو ناپسند نہیں کرتا، اگر ایسا ہوتا تو میں شادی نہ کرتا کہ میں بہت اچھا ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ صرف فرمانبرداری کی نذر کر دوں۔“ وہ اس کے حیا سے سرخ پڑتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتا معنی خیزی سے بولا تھا اور اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی، وہ بے چینی سے لب چبانے لگی تھی۔

”آپ مجھے اپنے لیے ہر لحاظ سے پرفیکٹ لگی تھیں۔ اسی لیے آپ کو شریک سفر بنایا ہے اور مجھے سچ کہوں تو آپ سے محبت نہ پہلی ملاقات میں ہوئی نہ منگنی کے بعد ہاں مگر اب لگتا ہے کہ حق سے روگردانی اپنی مہموم شریک حیات سے مجھے محبت ہونے لگی ہے۔“ اس کے انداز میں شوخی، لبوں پر مسکان اور نگاہ میں چٹائی تھی، ماہ لاج سے وہ کئی بار ملتا تھا مگر اس کے لیے کسی قسم کی فیلڈ محسوس نہ کی تھیں اور اب لگتا تھا کہ وہ ہر احساس پر ہی غالب آ گئی تھی۔

”ہاں آپ پہلے کہہ دیتیں کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے تو شاید یہ محبت میرے دل میں بھی پہلے ہی جنم لے چکی ہوگی۔“ وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے قریب کرنا سرگوشی میں بولا تھا اور وہ حیا سے کٹ کر رہ گئی تھی کہ اس کی خاموشی سے جتنی اذیت میں تھی اس کے انکار کا سن کر جو تکلیف ہوئی تھی بس اسی سب کی وجہ سے وہ اتنی جذباتی ہو گئی تھی اس نے تو شادی سے بھی انکار کیا تھا لیکن ماہ کھانا نے اسے ڈانٹ کر چپ کر دیا تھا اور وہ ہزار خدشے اور بدگمانیاں لے کر جب اس کے سنگ رخصت ہو کر آئی اس کی سچ سچانے اس کی کئی گھنٹے منتظر رہی اور جب وہ نہ آیا تو اس کا منہ بکھرتا چلا گیا تھا مگر اس کا پہلے ہی موڑ پر اظہار کر دینا ان کے رشتے کے لیے اچھا ہی ثابت ہوا تھا۔ وہ بدگمانی کے حصار سے نکل آئی تھی اور اب حیا سے لب چٹاتی اس کی مسکراتی نگاہوں سے بچتے، چھپنے کی راہ ڈھونڈ رہی تھی لیکن اس نے اس کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں اور بہت نرمی اور پیار سے بھر پور استحقاق سے اپنے شرعی رشتے کی بنیاد رکھ دی تھی اور بن بنیادوں میں محبت، عزت اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کا احساس رکھا جائے وہ زندہ جاوید رہتی ہیں جنہیں ہلایا نہیں جاسکتا۔

☆.....☆

”ساری مبارک بادیں اکیلے ہی وصول ہوں گی تو مبارک باد دے گا۔“ سرشار خوشی سے جگمگاتے فیصل کے چہرے کو دیکھ کر اس نے تبسم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔
 ”تجھے کس بات کی مبارک بادوں؟“ وہ مسکراتے ہوئے انجان بنا تھا۔
 ”آخر آل میں چاچو بن گیا ہوں۔“ اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر خوشی سے اسے چھیڑا تھا۔
 ”بیٹا چاچو نہیں بنایا بھول گیا یونیورسٹی میں تو مجھ سے دو سال سینئر تھا۔“ فیصل نے بے شاشت سے اس کی بات کا ٹیٹا کر دیا اور وہ بے ساختہ ہی قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

”اوہوں مگر میری جان تو نے اپنا گریڈ خود ہی کم کر لیا ہے۔“ وہ تبسم سے کہہ گیا تھا اور جیسی پرائیویٹ روم سے نئی خوشی کا احساس چہرے پر سجائے مہوش بیٹے تک آتی تھیں مگر فیصل سے پہلے ہی ماہ کنعان گلابی کپل میں لپٹی بے تحاشہ پیاری سی بچی کو ہاتھ بڑھا کر بازوؤں میں لے گیا تھا اور اس نے پیشانی چوم کر اسے دیکھا تھا۔
 ”یہ ہم سب کی مصفرہ ہے اور جو تجھے پایا اور مجھے بڑے پاپا کہے گی۔“
 وہ بہت خوش و سرور تھا اور اس نے اس بچی کو خود ہی نام دیا تھا۔ ایک بار پھر اس کی پیشانی چوم کر بچی اس کی طرف بڑھا لی گئی جو سرور سا کھڑا اپنے آپ کو بہت معتبر سا محسوس کر رہا تھا۔
 ”کنعان! یہ کتنی پیاری سی ہے۔“ وہ اپنی ننھی سی پری کو دیکھتا جھگکتے لہجے میں بولا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مہوش نے بھی ماشاء اللہ کہا تھا۔
 ”اللہ اس کے نصیب اچھے کرے، دنیا کی ہر راحت عطا فرمائے۔“ انہوں نے پوتی کو پہلی دعا دی تھی۔
 ان سب نے دل سے آمین کہا تھا۔

☆.....☆

”فیصل! ہم نے جو نام سوچا تھا اس کا کیا بنا؟“ کسی کو بھی ماہ کنعان کے رکھے نام پر کوئی اعتراض نہ تھا یہاں تک کہ فیصل کو بھی نہیں مگر میرا کو یہ سب جان کر صدمہ سا پہنچا تھا کیونکہ وہ مشترکہ طور پر پہلے ہی اپنے بچے کا نام سوچ چکے تھے۔
 ”یار! جانتی ہوں میں کنعان کی کئی بات سے انکار نہیں کر پاتا اور اس نے اتنے مان سے اپنی بھتیجی کا نام رکھا ہے اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے اور ویسے بھی مصفرہ نام تو کتنا خوب صورت پیارا سا ہے۔“ وہ اس کے خوب صورت روشنی بھیرتے چہرے پر ہنسی کا تاثر دیکھ کر نرمی سے بولا تھا۔
 ”ہم نے جو نام سوچا تھا وہ بھی خوب صورت اور پیارا ہے فیصل۔“ وہ منہ بنا کر بولی تھی اور وہ مسکرا دیا۔
 ”تمہیں مصفرہ نہیں پسند، تم وہ کہہ لیتا جو ہم نے سوچا تھا جو تمہیں پسند ہے۔“ اس نے دلکشی سے کہہ کر تمام توجہ بچی کی جانب مبذول کر دی تھی جو سوتے ہوئے بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔
 ”اور آپ؟“ اس نے ہنسی سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے ذرا کی ڈراپلکس اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرا کر بچی کو دیکھنے لگا۔

”آپ میرے خلاف تو جاسکتے ہیں، اپنے دوست کے نہیں، اس لیے آپ مصفرہ ہی کہیں گے۔“ اس نے ناراضی سے کہہ کر تکیہ اس کے کاندھے پر مارا تھا۔ اب وہ اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔
 ”ہاں مجبوری ہے نا یار! تم سے تو چند سالہ محبت ہے اور کنعان سے پورے گیارہ سال کا یارانا ہے۔“

اب سنیا رٹی کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے۔“ وہ اس کو سرور سا چھیڑ رہا تھا اور وہ ہنسی سے دیکھتی اس کے مسکرانے پر مسکرا دی تھی۔
 ”ناراض تو نہیں ہو؟“ نرمی سے استفسار کیا تھا۔
 ”نہیں میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں۔“ وہ سادگی سے سچائی سے پُر لہجے میں بولی تھی اور وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

☆.....☆

”اجد! میں نے آپ کو معاف کیا۔“ اجد عالم نے آواز پر اسے دیکھا جو لان میں اس سے قدرے فاصلے پر ٹھہری تھی۔ وہ اسے دیکھ گیا۔ گلابی کانٹن کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں بڑی سی کشمیری چادر میں اپنے پھیلے وجود کو چھپائے اپنی تمام تر سادگی اور چہرے پر نرمی و ملامت لیے اس کے سامنے بھی اور اسے اب تک اس کے کہے پر یقین نہیں آیا تھا۔

”تم..... تم نے مجھے معاف.....“ وہ بے ربط ہوا تھا۔ وہ اپنی ازلی سادگی سے مسکرا دی تھی۔
 ”میں آپ کو بہ حیثیت عورت تو کبھی معاف نہیں کر سکتی اجد! میں اپنی نسوانیت کی تذلیل تو مر کر بھی نہیں بھول سکتی۔“ اس کی مسکراتی آنکھوں میں کی اترنے لگی تھی اور وہ نظر چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔
 ”میں نے اجد عالم! آپ سے بے پناہ، بے انتہا محبت کی ہے۔“ اس نے یکدم اس پر نظر اٹھائی تھی اور وہ اس کے دیکھنے پر ہنسی پلکوں سے مسکرا دی تھی۔

”میں اپنی تذلیل نہیں بھولتی اور میری محبت کسی تذلیل کی دکھ کو نہیں مانتی، اس لیے میں نے آج آپ کو اپنی محبت کے لیے اپنی آنے والی اولاد کے لیے معاف کر دیا ہے کہ میرے دل پر محبت کے بوجھ ہی کچھ کم نہیں ہیں، میں اپنی محبت کو پریشان، ملال میں ڈوبا چھوڑ کر اس دنیا سے چلی جاؤں، اس لیے میں نے آج آپ کو اپنی محبت، اپنی ممتا کے لیے معاف کر دیا ہے۔ میرے بعد میرے موجد کا خیال رکھیے گا۔“ وہ رورہی تھی۔ اس کے چہرے پر مگر ملا کا سکون تھا جب کہ وہ بے سکون ہو گیا تھا۔

”یہ کیسی فضول باتیں کر رہی ہو، مانکہ؟“ اس نے اسے نہایت ناپسندیدگی و ناگواری سے ڈپٹا تھا۔
 ”کچھ فضول نہیں کہا میں نے اجد! میں موت کی آہٹیں بہت قریب سے سن رہی ہوں۔“ اس کے اطمینان میں فرق نہ آیا تھا مگر اس کے اطمینان میں ضربیں سی پڑ گئی تھیں۔
 ”مانکہ؟“ اس نے اسے ٹوکنا چاہا تھا۔

”جینے کی خواہش تو کب کی دم توڑ چکی تھی اجد! اب بس رسم پوری ہونے کو ہے مگر میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان کیے بغیر نہیں مرنے چاہتی، نہ آپ نے مجھے کچھ دیا نہ میں نے آپ سے کچھ طلب کیا مگر میں آج آپ کو معاف کر کے اپنے بیٹے کے لیے توجہ، محبت اور شفقت مانتی ہوں۔ میرے بعد میرے موجد کا بہت خیال رکھیے گا اجد!“ وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ درد و تکلیف پر ضبط کرتی کہہ رہی تھی اس پر ثابت کر رہی تھی وہ اپنے بیٹے کے لیے سارے فیصلے پہلے ہی لے چکی تھی۔

”مانکہ! اس ساری بکواس.....“

”میں کچھ بکواس نہیں کر رہی اجد! میں جانتی ہوں میرے پاس بہت زیادہ وقت نہیں بچا اور میں اس گھر میں اپنوں کے مجبور کرنے پر لونی تو صرف اپنے آنے والے بچے کے لیے کہ میں نہیں چاہتی تھی، میرا بیٹا اپنے

باپ کے سائے سے محروم رہے۔ میں تو جب کہ اس بچے کو چاہتی تھی نہیں مگر میں نے اسے اللہ کی رضا چاہا اور جس دن میں نے اپنے بچے کو اللہ کی رضا سمجھا، اس دن ہی اللہ نے میرے دل میں میرے بچے کے لیے محبت اور ممتاز ذال دی اور میری ممتا، اپنی اولاد کو بے آسرا چھوڑ کر جانے کو نہیں راضی اگر آپ نے مجھے محبت نہ سہی، عزت ہی دی ہوتی تو میں سکون سے مر جاتی لیکن آپ کا رویہ میرے مرنے کی راہ میں جیسے رکاوٹ ہے اس لیے آج اس ماں کو ایک وعدہ سوئپ دیں کہ اس کی اولاد کو آپ محبت اور عزت دیں گے، اس کی ماں کو تو آپ نے محروم رکھا، اسے اپنی شفقت سے محروم نہیں رکھیں گے پلیر! سجد! صرف ایک وعدہ سوئپ دیں آپ میرے موجد کا خیال رکھیں گے۔“ وہ اب شدتوں سے رو رہی تھی۔ تکلیف اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جارہا تھا اور وہ جو اس کی ہر بات پر زمین میں خود کو گڑھتا محسوس کر رہا تھا اس کے مرنے کی گردان پر اپنے اندر تکلیف اتارتی محسوس کر رہا تھا اس کی بدلتی رنگت اور ڈولتے وجود کو دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا اور اسے کاندھوں سے تھام گیا تھا۔

”اسجد پلیر! بتائیے یاں آپ رکھیں گے ناں میرے موجد کا خیال؟“ وہ درد سے بے حال ہو رہی تھی مگر اس کی سوئی جیسے انگ لگی تھی۔

”میں تمہارا شکر گزار اور احسان مند ہوں کہ تم نے کسی بھی سوچ، کسی بھی سبب مجھے معاف کر دیا ہے اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہمارے بیٹے کا بہت خیال رکھوں گا، ہم دونوں مل کر اس کا خیال رکھیں گے، اس کی اچھی تربیت کریں گے۔“ وہ اس کو شانوں سے تھامے کہہ رہا تھا اور وہ بے بس تھی مسکرا دی تھی۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں موت کی آہٹیں، کچھ کھونے کا احساس اور فحش سی کٹی تھی، اس نے نہ جانے کس احساس و جذبے کے تحت اسے خود سے لگایا۔

”ماندہ! میں نے تم سے محبت نہیں کی، تمہیں عزت بھی نہیں دی مگر میرا یقین کرو کہ میں نے چاہے کیسے ہی لفظوں کا استعمال کر کے تمہیں زخمی کیا ہو مگر میری نیت خراب نہ تھی، اس شب میں نے تمہیں مردانگی کے زعم میں یا ہوس کے لیے نہیں چھوڑا تھا۔“ وہ اس کی حرکت پر سکت تھی۔ اس کے لفظ اسے بے یقین کرنے لگے تھے مگر اس کی آنکھوں میں جو اس نے دیکھا تھا اس کے بعد اس نے سوچا اگر ابھی کچھ نہ کہا تو بہت دیر ہو جائے گی کہ وقت ابھی اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ وقت کی لگام ہاتھ میں تھا اسے اظہار کی منزل طے کرتا جارہا تھا۔

”تم میری بیوی نہیں۔ تمہاری موجودگی فطری جذبوں کو جگا دیتی تھی مگر میں تمہیں دھتکار چکا تھا۔ تم پہل کر نہیں سکتی تھیں اور میں نے صرف خود کو برتر ثابت کرنے کے لیے تم پر زبردستی حق جتایا، میں تمہیں اہمیت نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں بہت کم ظرف ہوں۔ میں نے صرف اپنے بارے میں سوچا، تمہارے بارے میں نہیں سوچا۔ تمہارے جذبات کا خیال نہیں کیا مگر آج تمہارے ظرف کے آگے ہار گیا ہوں۔ اس لیے اعتراف کرتا ہوں کہ غلط تم نہیں میں تھا۔ غلطی میری سوچ، میری نیت کی نہیں میری انا میرے عمل کی تھی۔ میں زیر بار ہو کر نہیں زیر بار کر کے جینا چاہتا تھا مگر احساس ہو گیا ہے کہ رشتوں میں، محبت میں ہارتو ہوتی ہی نہیں کمتر، برتر نہیں ہوتا، اس لیے آج میں اپنی شکست قبول کرتا ہوں۔ تم اپنے ذہن و دل سے یہ بات نکال دو کہ میں نے اس شب تمہیں بیوی نہیں سمجھا تھا، میں اتنا نہیں گر سکتا ماندہ! تمہارے ساتھ اتنا کچھ غلط کرنے کے باوجود بھی میں اس حد تک برا اور نفس پرست نہیں ہوں۔“ وہ اس کو خود سے لگائے رو رہا تھا اور اس کی

سکیاں اسے بے چین کرنے لگی تھیں۔ وہ بھی تو زیر بار ہو کر نہیں زیر بار کر کے جینا چاہتی تھی۔ اس کے دھتکارنے کو اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا، اس کی نگاہ کا ٹھکنا ٹھہرنا تو محسوس کرتی رہی مگر انجان بنی رہی اس سوچ کے ساتھ کہ آج بے قرار ہے تو خود چل کر آئے گا مگر آدم کا بیٹا حوا کی بیٹی تک آیا ضرور مگر اپنے ہی انداز میں کہ مرد عورت کے سامنے خود کو نہیں جھکا تھا خاص کر اس عورت کے سامنے جسے ایک بار نہیں کئی بار ٹھکرایا ہو۔“

”آئی لو یو اسجد!“ وہ شدتوں سے روتی کہہ اٹھی تھی اور وہ کچھ مزید کہنا چاہتا تھا مگر اس کی بگڑتی حالت نے اسے موقع نہ دیا اور وہ اسے لیے اسپتال دوڑ گیا۔ سب ہی اس کے لیے اس کے بچے کی زندگی کے لیے دعا گو تھے۔ وہ ارحم کی شادی سے ایک ماہ پہلے سے اسن ہاؤس میں تھی۔ فریڈ نے کہہ دیا تھا کہ وہ ڈیوری تک وہیں رہے گی۔ وہ اس سے اکثر ملنے آ جاتا تھا اور آج جب وہ واپس جا رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں بے بسی اور شرمندگی ماندہ سے برداشت نہ ہوئی اور اس نے جاتے ہوئے اسجد کو روک کر اسے معافی مانگ سوئپ دیا۔ اسجد نے بھی غنیمت جانا اس سے ذہن و دل کی ہر بات انا کو بالائے طاق رکھ کر کہہ دی، چٹنی اذیت میں تھا اسے یہی مناسب لگا تھا کہ وہ خالی خولی انا کو چاٹنے کے بجائے اس کے حصار سے نکل کر بات کیلئے کرے اور اذیت سے باہر نکل آئے۔ وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا مگر اندر ہی اندر ایک بے چینی سی سراٹھا رہی تھی اور اس کی بے چینی اور ماندہ کا یقین رنگ لے آیا تھا۔ نرس نے بہت خوب صورت گول منول پچہ اسے لا کر دیا تھا اور وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

”ہم آپ کی مسز ماندہ عالم کو نہیں بچا سکے۔“ وہ سب ساکت رہ گئے تھے۔ قیامت سے پہلے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔



”ارحم!“ کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹس آن کی تھیں اور اس کو صوفے پر سکت بیٹھے دیکھ کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا اور وہ غم ہوتی پلکوں کے ساتھ ست روی سے چلتی اس کے برابر کتنی گلو کیر لچے میں اسے پکار گئی تھی مگر اس کی پوزیشن میں ذرا برابر فرق نہ آیا تو اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، اس نے چونک کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور نگاہ جھکا دی۔

”ارحم! سنہائیں خود کو یہی مشیت ایز دی تھی، زندگی اور موت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ماندہ آپنی کی زندگی ہی اتنی تھی۔“ وہ اس کی سرخ نگاہوں پر تڑپتی روتے ہوئے دھکی لچے میں بولی تھی۔

”مجھے انکار نہیں ہے کسی بھی بات سے ماہ لاج! لیکن ماندہ کی موت کا ذمہ دار صرف میں ہوں۔ وہ بہت تکلیف میں تھی کسی بھی صورت میں اسجد کی زندگی میں واپس نہیں جانا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی بھلائی کے خیال سے اس کو لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ میں یہ اس کی کیسی بھلائی چاہتا تھا ماہ لاج کہ اس کی خوشیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے ہی کھو دیا۔ ہم نے اس کی خوشیوں کی چابی ایک غلط انسان کو سوئپ دی تھی اور اس نے ہماری ماندہ کی خوشیوں کو ہی مٹا کر کے چابی کہیں دفنا دی اور اسی چابی کی تلاش میں آج میں خود اپنی نازوں پٹی بہت پیاری بہت معصوم بہن کو منوں مٹی تے دفنا آیا ہوں۔“ وہ کہتے کہتے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا۔ وہ تڑپتی پلکتی ماں اور ضبط سے گزرتے باپ کو دیکھ کر خود ایک چٹان بن گیا تھا۔ جو ذرا سے سہارے پر چڑھ گئی تھی۔ ماندہ مر تو پہلے ہی گئی تھی بس وہ لوگ اسے دفنا کر آئے تھے۔ اسے زندگی سے کوئی محبت نہ رہی

تھی اور وہ اس سنگین دل، بے مہر شخص کی اولاد کو دنیا میں لانے کے عمل سے گزرتی جان سے ہی گزر گئی تھی۔ اس کی زندگی ہی اتنی تھی لیکن ایک احساس زیاں اور ایک احساس جرم ان سب سے آن چٹا تھا جس سے رہائی ممکن نہ تھی کہ وہ محبت کے سفر سے گزرتی موت کا سفر طے کر گئی تھی۔

جور کے تو کوہ گراں تھے ہم
جو چلے تو جاں سے گزر گئے

اسجد عالم جو پیشمان تھا اس کی پیشانی ناقامت قائم رہی تھی اور اس کو اس کے کیے کا احساس دلانے کو تو موجد عالم کا بھی وجود کافی تھا۔ اس نے بیٹے کو دیکھ کر اپنے عمل پر پچھتاہٹا تھا۔ جانے والے کو آواز دینی تھی لیکن سب بے سود ثابت ہوتا تھا۔ انہی تکلیف دہ دن و رات میں مائدہ کے فیصلے کے سبب نوید عالم نے نہ چاہتے ہوئے بھی یسری کو کا شانہء عالم آنے کی اجازت دے دی تھی۔ سب اپنی اپنی زندگی میں سیٹھ ہوتے جا رہے تھے کہ جانے والے تو چلے گئے تھے اور کسی کے چلے جانے سے خلا ضرور آتا ہے مگر زندگی نہیں رکتی۔

☆.....☆

”فیصل! ڈیڈ کی موت کا ذمہ دار صرف میں ہوں۔“ اس کی آنکھیں شدت گریہ سے لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

”اکھل کی موت کے ذمہ دار تم نہیں ہو، ان پر کرپشن کے بہت سے چار جڑ تھے۔ انہیں تو سزا ملنی ہی تھی تم نے قانون کی مدد کر کے ایک برائی کو ختم کیا ہے۔“ فیصل کی جگہ جواب اندر داخل ہوتے ہوئے ارجم احسن نے دیا تھا وہ اس وقت ڈی ایس پی لگ رہا تھا۔ اس کا انداز خالصتاً پیشہ دارانہ تھا وہ پولیس یونیفارم میں بہت دلکش لگ رہا تھا۔

”جس طرح تم نے قانون کی مدد کی۔ انہیں سمجھا کر ان کو قانونی گواہ بنا کر ان کی سزا کم کر دوائی جاسکتی تھی مگر انہوں نے ہمت ہی ہار دی۔“ وہ کیپ ٹیبل پر رکھتا صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ فیصل کے کہنے پر اس نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور نامعلوم طریقے سے خفیہ انداز میں ساری معلومات اکٹھی کی تھیں اور اس سب میں ڈی ایس پی ارجم احسن نے اس کی مدد کی تھی۔ اس کی دی معلومات پر کام کرتے ہوئے ڈی ایس پی ارجم احسن نے ذوالفقار عابدی اور ان کی پارٹی کے لوگوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان پر کرپشن کے چار جڑ تھے۔ ان کی کتنی ہی جائیداد تخت سرکار ضبط ہو جانے کا امکان تھا۔ کتنی ہی پراپرٹی تو سیل کر دی گئی تھی مگر انہوں نے کیس چلنے کی نوبت ہی نہ آنے دی اور مر گئے تھے۔ آج ان کا سوئم تھا، لقا ایکدم ہی سب کچھ بکھرنے پر ٹوٹ گئی تھیں۔ ذوالفقار عابدی سے انہیں محبت تھی مگر وہ بیٹے سے ناراض نہیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا برائی کا انجام برائی ہی ہوتا ہے۔ ماہ لاج مگر ارجم سے ہی نہیں ماہ کنعان سے بھی ناراض تھی۔

”ارجم بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں کنعان! جو ہو گیا ہے ویسے بھی لوٹایا نہیں جاسکتا۔ تم نے تو ویسے بھی ملک و قوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ برائی ختم نہیں ہوئی مگر چند لوگ تو حالات تک گئے ہیں۔ سزا کاٹ رہے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ان کا انجام کسی کے لیے مشعل راہ بن جائے۔“ فیصل نہایت سنجیدگی سے بولا تھا۔

”تم سب کا کہنا درست ہے میں اپنے کے پر نام نہیں ہوں، اپنے عمل سے مطمئن ہوں مگر ذوالفقار عابدی جیسے بھی تھے میرے باپ تھے اور باپ کو کھونے کا غم تو ایسا ہے کہ پوری زندگی پر محیط رہے گا۔ خیر آپ لوگ بیٹیے میں فریش ہو کر آتا ہوں۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

”میں بیٹھوں گا نہیں پولیس اسٹیشن سے آ رہا ہوں گھر جا کر آرام کروں گا۔ ملازمہ سے کہہ کر لاج کو بلوا دو تاکہ ہم جائیں۔“ وہ اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

”لاج! مجھ سے ہی نہیں تم سے بھی ناراض ہو گئی ہے، ڈیڈ کی اچانک موت نے تو ہم سب کو ہی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وہ اسے ایکسپٹ کر ہی نہیں پار رہی۔ نرمی سے اسے متا لیتا کہ تم نے تو شخص اپنا فرض ادا کیا ہے اور یہ وہ کچھ دیر سے ہی کچھ ضرور لے گی۔“ وہ افسردگی سے کہتا تھا لاج حنین و دبیر اور غیرہ کے ساتھ وہیں آگئی تھی۔

”ارجم! تمہیں لینے آیا ہے۔“ اس نے ززمین کے ساتھ کھڑی بہن سے کہا تھا۔

”مگر مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا ہے۔“ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

”ڈیڈ کے جانے کا مجھے بھی دکھ ہے لاج! مگر ڈیڈ کو ہم سے ایسے ہی پچھڑا تھا اس کے لیے تم ارجم سے ناراض نہ ہو، تمہیں تو اپنے شوہر پر فخر ہونا چاہیے کہ یہ ایک ایماندار آفیسر ہے جس نے رشتوں پر فرض کو وطن کی محبت کو اولیت دی۔“ اس نے بہن کو کاندھے سے لگا کر اس کا سر تھکا تھا۔ وہ بری طرح رونے لگی تھی۔

”میں آپ سے اور ارجم سے ناراض نہیں ہوں۔ لیکن آپ لوگوں نے بہت اچھا کر کے بھی بہت برا کیا ہے۔ ڈیڈ! اچھے انسان نہیں تھے۔ وہ بہت اچھے کے سیاست دان تھے۔ انہوں نے ملک و قوم کی جڑیں کمزور کرنے والوں کا ساتھ دیا۔ وہ بہت برے تھے۔ لالہ جان گھر ہمارے ڈیڈ تھے۔ ان کی موت کو میں قبول نہیں کر پارہی۔ آپ نے اور ارجم نے فرض نبھا کر بہت اچھا کیا لیکن ڈیڈ نہیں رہے کیوں ڈیڈ ملک و دن عناصر کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ کیوں انہوں نے برائی کو اپنایا۔ آپ کے، میرے، مام کے بارے میں نہیں سوچا ان کے بعد ہمارا کیا ہوگا۔“ وہ اس کے کاندھے سے لگی بری طرح بلک رہی تھی۔ اس کا رونا ان سب کی آنکھیں نم کر گیا تھا۔ ماہ کنعان میں تو اسے دلاسہ دینے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ فیصل نے ہی اسے آگے بڑھ کر اس سے الگ کر کے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔ کمرے کی فضا بو جھل ہو گئی تھی وہ روتے ہوئے افسردہ ہو جانے والے ارجم کے ساتھ نکلی تھی۔ ان دونوں کے پیچھے ہی وہ چاروں بھی نکل گئے تھے۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے اچکتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی تھی جواب تک رو رہی تھی مگر اس نے راستے میں اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور کیراج میں گاڑی رکتے ہی وہ یوں اتر کر بھاگی تھی۔ جیسے جیل سے قیدی بھاگتا ہے۔ وہ ایک گہری سانس کھینچتا جس وقت کمرے تک پہنچا روم لاکڈ تھا اس نے لب بھینچ کر دستک دی تھی مگر دروازہ ہنوز بند رہا تھا۔ اس نے غصے سے ملازمہ کو آواز دی، تب ہی فریدہ بھی وہیں چلی آئیں اور ان کے استفسار پر وہ کچھ ان سے چھپا نہیں سکا تھا۔

”جب ہم لوگ ماہ ولاز سے واپس آ رہے تھے ہم نے لاج کو ساتھ آنے کا کہا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ اس لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ تم پولیس اسٹیشن سے واپسی میں اسے لیتے آنا۔“ وہ ساری بات سن کر بولی تھیں۔ سوئم میں وہ سب ہی گئے تھے مگر کال آ جانے کے سبب وہ فاتحہ کے بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔

”مما! میں نے غلط تو کچھ نہیں کیا ہے۔ پھر لاج میرے فرض کی راہ میں کیوں آ رہی ہیں؟“ انہوں نے بیٹے کے انداز میں دبا دبا غصہ محسوس کیا تھا۔

”وہ تمہارے فرض کی راہ میں نہیں آ رہی بیٹا! بس اپنے دل سے مجبور ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ ایکسپٹ نہ کرتی کہ جو ہوا صحیح تھا۔ اس کا غم بہت بڑا ہے۔ اسے سہارے کی ضرورت ہے۔ نرمی سے اسے اس فتر سے نکال لو کہ یہ بھی تمہارا فرض ہے۔ نوکری کے فرائض تو تم نے پورے کر لیے۔ اب گھریلو فرائض کی باری ہے۔ وہ تم

سے ناراض ہے یا بدگمان ہو رہی ہے تو اسے منالو کہ وہ اپنے شوہر سے نہیں ایک ایماندار آفسر سے ناراض ہے۔ ہوتا ہے ناں کہ جب ہمارے کسی پیارے کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں سب کچھ برا لگنے لگتا ہے۔ ہم اللہ سے بھی شکوہ کر جاتے ہیں تو پھر تم تو ایک انسان ہو لاج کے شکوے دور کر دو، اسے ڈھارس دو، اس کا سہارا بن جاؤ۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نہایت نرمی سے سمجھا دیا تھا۔

”موقع دے آپ کی بہت ہی تو کچھ کروں گا ناں، محترمہ روم لائڈز کے بیٹھ گئی ہیں۔“ وہ بیٹھ کے منہ بنانے پر ہنس دی تھیں۔

”میں تمہارے کمرے کی ڈپلیمٹ چابی لادیتی ہوں۔“ ان کے چھڑنے والے انداز پر وہ جھینپ گیا تھا اور جس وقت وہ کمرے میں آیا وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اس لیے وہ فریض ہونے چلا گیا تھا۔

”اپنے عجازی خدا کو کمرے سے نکال کر خدا سے لو لگا رہی تھیں مگر یہ بھول گئی تھیں کیا مسز کے اللہ حقوق اللہ معاف کر دے گا مگر حقوق العباد نہیں اور بدتمیز، نافرمان بیوی جہنم میں جائے گی۔“ وہ جائے نماز رکھ کر مڑی تو وہ اس کے سامنے رکتے ہوئے اس کے سرخ متورم چہرے کو دیکھ بولا تھا۔

”آئی ایم سوری ارحم! بیٹ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر گھرے گھرے ارحم الحسن کو نہیں دیکھا تھا۔

”سوری“ تو آپ سے میں نے کرنی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو تکلیف دی مگر یقین کریں لاج! کہ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اکل اس طرح کر گزریں گے کہ وہ آپ کے ہی نہیں میرے بھی قادر تھے۔ آپ جتنی نہیں مگر کچھ تو ان کی پرواہ مجھے بھی تھی۔“ وہ اس کا گرم ہاتھ تھام گیا تھا۔ کل سے اسے بخار تھا۔ ”جانتی ہوں سب کچھ مانتی بھی ہوں مگر جس ہستی کو کھویا ہے اس کو کھونے کا احساس دست شفقت سے دور ہو جانے کا صدمہ مجھے کچھ بھی ماننے نہیں دے رہا۔ میں قائل نہیں ہو سکتی اس لیے مجھے کچھ وقت دیں۔ آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ بس حقیقت کو پوری سچائی سے تسلیم کرنے کا وقت مانگ رہی ہوں۔“ وہ ہاتھ چھڑا کر دور ہوتی بلکنے لگی تھی۔

”آپ کو جتنا وقت لینا ہے لیں مگر اتنا یاد رکھیں کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ آپ کی خاموشی بری لگتی ہے کہ مجھے تو اپنی وہی لاج اچھی لگتی ہے جو رو کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرتی اپنے حق کے لیے لڑ رہی تھی۔“ وہ چند قدم چل کر اس ہلکتی ہوئی لڑکی تک پہنچا تھا۔ جس نے اسے محبت کرنا سکھا دیا تھا۔ جس کو سوچنا جس کے ساتھ وقت گزارنا اسے اچھا لگتا تھا جو کام کے دوران خود کو فراموش کر دیتا تھا مگر وہ اسے یاد رہتی تھی اس کا دل گھر جانے کو کرنے لگا تھا اور اسے دیکھ کر اس کی ساری محسن اتر جاتی تھی اس لیے اس کا رونا اس کی تکلیف میں ہوتا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

”میں آپ سے بہت سارا لڑنا چاہتی ہوں مگر کیسے لڑوں کہ پہلے میں حق پر تھی مگر اب حق پر نہیں ہوں ڈیڈ۔“ وہ اور شدتوں سے رونے لگی تھی اس نے اسے آگے بڑھ کر خود سے لگا لیا۔

”بھول جائیں سب کچھ لاج! اور اکل کی مغفرت کی دعا کریں۔“ وہ اس کا رونا برداشت نہ کر پاتے ہوئے نرمی سے بولا تھا اس کی بات کاٹ دی تھی کہ وہ اسے تکلیف دہ موضوع سے ہٹا دیتا چاہتا تھا۔

”اور آپ حق پر نہ ہوتے ہوئے بھی مجھ سے لڑ سکتی ہیں، آپ مجھ پر سارے حق رکھتی ہیں اور بہت رو چکیں۔ طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں، جا کر فریض ہوں کہ آئیں ورنہ اب میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔“ وہ

اس کا ہان بڑھا گیا تھا اور نرمی سے کہتے یکدم اس نے مصنوعی انداز میں دھمکی دی تھی۔

”آپ ناراض ہو جائیں گے تو میں آپ کو منالوں گی۔“ وہ روتے روتے بولی تھی۔

”اوہو! آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں روٹھا اگر تو آپ آسانی سے منالو گی؟“ وہ اس کے افسردہ متورم چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

”جی! مجھے یقین ہے کہ میری محبت کبھی آپ کو روٹھے نہیں دے گی اگر آپ روٹھے تو میری محبت آپ کو منا لے گی۔“ وہ یقین سے کہتی اسے بہت اپنی اور پیاری لگی تھی۔ وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔ اس کے ساتھ میں وہ مطمئن اور خوش تھا اسے اپنی ماں کا فیصلہ درست لگتا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اس کو مسکراتے دیکھ کر بھیگی آنکھوں سے آسودگی کے مکمل احساس کے ساتھ مسکرا دی تھی، ارحم کو اس نے بہت چاہا تھا اور وہ اپنی چاہت کو اپنی سوچ سے بڑھ کر اچھا پا کر بہت خوش و مطمئن تھی۔

☆.....☆

”آپ گھر آیا ہی نہ کیا کریں۔ اپنے دوست کے پاس ہی رہ جائیں۔“ مصفرہ کو سلا رہی تھی جب وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اس پر نظر پڑتے ہی ناگواری سے بولی تھی، تو قدرتیاً رات بچے کھان کے ساتھ جانے کا تکرار گھر سے نکلا تھا اور اب ڈیڑھ بج رہا تھا وہ اس کا انتظار کرتے سو گئی تھی۔ مصفرہ کے جاگنے پر کچھ دیر قبل ہی اسے بھی لاج لالٹھنا پڑا تھا۔

”اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔“ وہ خفگی سے بولا تھا۔ اسے سیرا کی یہ عادت پسند نہ تھی کہ وہ جاہل عورتوں کی طرح اس کے گھر میں آتے ہی شکوے لے بیٹھتی تھی۔

”اوہو!..... ہو جانا چاہیے تھا مگر میں ہی بے وقوف ہوں جو آپ کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔“ اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

”سوری، یار! بس کھان کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا مگر آئندہ خیال رکھوں گا۔ یہ بتاؤ کھانا کھالیا؟“ یکدم اسے اپنے لہجے کی بد صورتی کا احساس ہوا تھا وہ معذرت کرتا سوال نہیں کر گیا تھا بلکہ اسے مزید چمڑکا گیا تھا۔

”پہلے بھی آپ کے بغیر کھانا کھایا ہو گا ناں، جو آج کھالیتی۔“ غصے سے کہتی تکیہ برابر کر کے لیٹ گئی تھی اور وہ جو لیٹ چکا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔ کھانے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے اور بہتر ہو گا اب سو جائیں۔ پہلے آپ کی بیٹی نے نیند خراب کی آپ مزید نہ کریں۔“ وہ دھیمی نہیں پڑی تھی۔ اس کا غصہ دیکھ کر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل آیا تھا اور اس کی قسمت اچھی تھی کہ حشر جاگ رہی تھی اور بچن میں کھڑی پانی پانی رہی تھی۔ اس سے کھانا گرم کروایا تھا۔ اس نے اس کو شادی کی سالگرہ کی مبارک باد دی تو اسے اس کا ریاکشن یاد آیا کہ اس طرح ریا ایکٹ وہ نہیں کرتی تھی اور آج بے سبب نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی شادی کی سالگرہ ہی فراموش کر گیا تھا۔ اسے کھان پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے اسے فون کر کے بے نقط سنائی تھیں اور اس نے خاموشی سے سن کر اسے دس کر ڈالا تھا اور اس نے غصے سے لائن کاٹ دی تھی۔ اس سے بات کر کے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے جو کیا اسے ستانے کو جان کر کیا تھا۔ تب ہی تو جیسے ہی وہ گھر جانے کی بات کرتا وہ کوئی نیا موضوع چھیڑ دیتا تھا۔ اس سے بعد میں بدلہ لینے کا سوچتا وہ ٹرے اٹھاے کمرے میں آ گیا۔ اس کو غصہ تو بہت تھا مگر وہ کھانا لایا

تو وہ شرمندگی کی محسوس کرتی خاموشی سے اٹھ کر کھانا کھانے لگی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ جب کافی کے گنگے لے کر لوٹی تو حیران رہ گئی تھی کہ وہ بیڈ پر ایک رکھے، موم بتیاں جلائے اس کا منظر تھا۔

”شادی کی دوسری سالگرہ مبارک۔“ اس نے حیران کھڑی سیراکے کان میں سرگوشی کی تھی۔

”آپ کو یاد تھا؟“ وہ اب تک بے یقین تھی۔

”دو پہر تک یاد تھا مگر کھانا نے باتوں میں ایسا الجھایا کہ بھول گیا۔ ابھی حشرش نے یاد دلایا ہے۔“ اس نے نرمی سے اعتراف کیا تھا وہ اتنا ہی سچا تھا مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

”اوہو! تو پھر یہ کیلک؟“ وہ اس کے سچائی سے کہنے پر مسکراتی تھی۔

”کھانا سے منکوا یا ہے۔“ اس نے مزے سے اپنا کارنامہ سنانا شروع کیا تھا، اس نے بے نقط سنانی تھیں اور اسے کیلک لانے کا حکم جاری کر دیا تھا اور وہ بڑی فرمانبرداری سے محض 30 منٹ میں اسے کیلک کیئر لڑ اور بو کے دے گیا تھا۔

”آپ نے خواہوا میں کھانا بھائی کو پریشان کیا۔“ اس نے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

”اپنا پندہ ہے وہ اس کی رہنے دو اپنی بات کرو، تیار تو بڑے دل سے ہوئی ہو کیا کوئی خاص بات ہے؟“ اس پر غور اب ہی کیا تھا۔ اس نے اسٹائش سوٹ پہنا ہوا تھا اور میک اپ بھی کیا ہوا تھا وہ اس کے کہنے پر جھینپ گئی تھی اور پھر ان دونوں نے سرور سے انداز میں کیلک کاٹا تھا۔ وہ گزرے حسین لمحات کو یاد کرتے آنے والے ماہ و سال خوب صورت بنانے کی پلاننگ کرنے لگے تھے۔

☆.....☆

”فضیل آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ نے میری خامیوں، میری کمزوریوں کو کبھی نشانہ نہیں بنایا، ہمیشہ مجھے عزت و مان دیا۔“ وہ اس کے خوب و نرم نقوش والے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”تم میری محبت ہو زرمین! اور جس سے محبت ہو، اس کی خامی، کمزوری دکھائی نہیں دیتی۔ میرے نزدیک تم اس دنیا کی سب سے اچھی عورت ہو، تمہارا ساتھ میرے سکون اور خوشی کا باعث ہے اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ہر سکھ، ہر دکھ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اپنی زرمین کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا، زندگی کے کسی بھی موڑ پر تم خود کو اکیلا نہیں پاؤ گی۔“ وہ محبت لٹاتے لہجے میں بولا تھا۔

”آئی لو فیصل!“ وہ اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے خوشی و اطمینان سے جھپکتے لہجے میں بولی تھی۔

اسے یقین ہو گیا تھا کہ زندگی کتنے ہی رنگ بدلے یہ شخص جو اس کا شریک حیات تھا اس پر مہربان ہی رہے گا۔ زندگی تو رنگ بدلتی ہی ہے کبھی خوشی کبھی غم، بس آپ کا ہمسفر آپ کو سنبھالنے والا آپ کا ساتھ بچانے والا ہونا چاہیے۔ اور اس کا ہمسفر ایسا تھا اس لیے وہ مطمئن سی مسکراتی تھی، اسے اب کسی غم کی پرواہ نہ تھی اور فیصل فیاض اپنے سینے سے لگی اس پیاری سی لڑکی کو اپنے قریب پا کر مطمئن سا مسکرا دیا تھا کہ اس نے جو چاہا تھا وہ مبرا اور حوصلے سے پایا تھا اس نے بہت دکھ دیکھے تھے، ہجر کا ٹاٹا تھا مگر اس کی سچی محبت اپنے نصیب میں وصل لکھوا کر لائی تھی، وہ اس کی چمکتی پیشانی پر لب رکھتا آسودگی سے رب کے آگے اپنا دل پورے سکون سے جھکتا محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے اب کوئی غم نہ تھا۔

☆.....☆

”مام! آپ کو حنین سے کوئی شکایت ہے؟“ شادی کے اسی عرصے میں آج پہلی دفعہ انہوں نے اس کو

کہا تھا۔ وہ حنین سے اپنا رویہ کچھ بدلے اور یہی بات اسے پریشان کر گئی تھی۔

”تم جانتے ہو کھانا! فضول میں عداوت پالنا، کدورت رکھنا میری فطرت نہیں۔ جب تم نے شادی کے لیے حنین کا نام لیا تھا تمہارے ڈیڈے سے زیادہ میں نے مخالفت کی تھی مگر اب سچائی سے کہوں تو بات اتنی ہی ہے کہ تمہارا انتخاب بہت اچھا ہے۔“ ماہ لقا کا سنجیدہ لہجہ اسے خوشگوار حیرت میں ڈال گیا تھا۔

”اس کی پرورش اچھے ہاتھوں میں ہوئی ہے میرے ناروا سلوک کے باوجود اس نے آج تک مجھ سے بدچیزی نہیں کی، مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں دیے بھی میرے لیے تمہاری خوشی زیادہ معنی رکھتی ہے۔“ ذوالفقار عابدی کی موت کے بعد وہ کافی بدل گئی تھیں۔

”اور میں تمہاری خوشی کے ہی خیال سے چاہتی ہوں کہ تم اپنے رویے میں تبدیلی لاؤ، بیوی کی مانو مگر اپنی بھی منواؤ! وہ ہوگی میرا دیل ابجو کیئر بیٹا صرف ایک بے چارہ سا شوہر بن کر رہ گیا ہے۔“ ان کا لہجہ آخر تک سچ ہو گیا تھا۔ اس نے خفت زدہ ہو کر نگاہ چرائی تھی۔ اس کی محبت میں شدت اور سب کچھ وارنے کا جذبہ صاف عیاں ہوتا تھا اور وہ تو ایک ہی گھر میں رہتی تھیں، خوب جانتی تھیں کہ ان کا بیٹا کیسے ہو کے آگے پیچھے پروانہ بن کر ڈولتا ہے۔ اس نے خاموشی سے ماں کی ہدایات سنی تھیں اور ان کے جاتے ہی آنکھیں موندھ لیں تھیں۔

”میری خوشی حنین کی خوشی سے وابستہ ہے۔ میں اس انداز میں خوش رہتا ہوں، جس حال میں وہ خوش ہوتی ہے میں نہیں چاہتا کہ اسے کبھی کسی قسم کا احساس زیاں ہو، اسی لیے اس کی ”میں“ کے لیے اپنی ”میں“ کو گزند پہنچا دیتا ہوں کہ عشق بھی تو اس سے میں نے کیا ہے تو عشق کے آداب بھی مجھے ہی بجالانے ہوں گے۔“ یہ سب سوچتے ہوئے اس کے لبوں پر بڑی ہی گہری دلکش مسکان سج گئی تھی۔ اپنی ہی چونک میں آتی حنین اسے دیکھ کر بری طرح ٹھک گئی تھی اس کے دل نے ہارٹ بیٹ مس کی تھی۔ وہ بے خودی اس سرایاے عشق کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آہٹ وہ محسوس کر چکا تھا۔ اسے خود کو تنکٹا یا کروہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے آن ٹھہرا۔

”جان کھانا! ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟“ اس کی آنکھوں پر لب رکھتے ہوئے دل سے مسکرایا تھا۔ وہ چھوٹی موٹی سی ہوتی نظر جراتی بھاگنے لگی تھی۔

”نگاہ چرا کر جانی کہاں ہو جاناں! تمہارا ہی ہوں، حق ہے تمہیں مجھے دیکھنے کا دل کھول کر نظر بھر کر دیکھو۔“ اس کی مرمریں کلائی تھامے کان کی لو چومتا بے باکی سے کہہ گیا تھا۔

”پلیز ماہ کھانا!“ اس نے خود کو چھڑانا چاہا تھا۔

”تمہیں بے خودی سے خود کو تنکٹا پا کر مجھے بے حد اچھا لگا تھا مگر تمہیں اس بے اعتباری سے صرف اس لیے آزاد کر گیا کہ تمہاری نگاہ میں رہنے سے زیادہ تمہیں کسی حیف کی طرح اپنی آنکھوں میں سمائے رکھنا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے۔“ وہ اس پر جھکا اپنے عشق کی عجب منطق بیان کر رہا تھا۔ اسے چاہے جانے کی تمننا نہ تھی۔ اس کا عشق تو لٹانے پر ایمان رکھتا تھا اور اس وہ اسیر چاہتیں، شدتیں نچھاور کیے جارہا تھا بغیر کسی صلے و تمنا کے اور وہ اس سے بچنے کی چاہ میں اس سے ہی لگی اس کی شدتوں سے گھبراتی روہاسی ہو گئی تھی اور وہ استحقاق کی نئی داستانیں رقم کرتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆

”تم تو مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کر گئیں مگر مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔“ کئی بار کیا شکوہ اس نے

ماندہ کی قبر پر سرخ پتیاں بکھیرتے ہوئے پھر سے دہرایا تھا۔ اس دن اس نے سارے اعتراف کر لیے تھے۔ ایک اعتراف نہیں کر سکا تھا کیونکہ وقت کی لگام اس کے ہاتھ سے پھسل گئی تھی۔ وہ ہر لحاظ سے مطمئن تھا کہ اس نے اسے معاف کر دیا تھا مگر ایک فحشی تھی کہ جس لمحے اس نے اسے معافی کا عندیہ دیا تھا اور وہ اس کی طرف بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے کے نہ جانے کون سے حصے میں وہ اس پر اپنا دل بار بیٹھا تھا۔ اسی ماندہ سے محبت کر بیٹھا تھا جس کو اس نے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور دل میں ختم لینے والے احساس کا ہی کمال تھا کہ اس نے اپنی شکست قبول کر کے خود کو ان کے خصار سے نکال کر اس پیاری سی لڑکی کے زخم زخم جذبات پر نرم اعتراف کی قبا ڈال کر اس کی ہر فحشی مٹا ڈالی تھی۔ اپنی معافی دیتا وہ جس اسے یکدم زندگی کی نوید دے گیا تھا۔ ماندہ نے اس کے سینے سے لگے اس کے دل کی دھڑکن سنی تھی۔ اس کے دل نے جینے کی تمنا کر ڈالی تھی لیکن اس کی یہ تمنا ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ موت کا فرشتہ اپنے مقررہ وقت پر ہی آیا تھا مگر وہ جاتے ہوئے بر سکون تھی لیکن وہ اب بر سکون ہو کر بھی بر سکون نہ تھا۔ ماندہ کا خیال اسے اکثر بے چین کر دیتا اور اس کی بے چینی کو محسوس کرتی۔ یسری منہ سے ایک لفظ نہیں کہتی کہ وہ محبت کے مسافروں میں سے تھی۔ اہل دل کی مجبور یوں کو محسوس تھی اگر اجد عالم کی رات ماندہ کو یاد کرتے تھے تو وہ اپنا کتیا بھگنے سے روک نہیں پاتی تھی کہ وہ جانتی تھی، محبت خوشبو کا سفر ہے جو ماندہ کے دل سے ہوتا اجد کے دل میں اتر گیا تھا اور جب ماندہ نے عشق کا عذاب جھیلنا تھا تو وہ دونوں اس سے کیسے بچ سکتے تھے کہ عشق کا سفر کامیاب ٹھہرے یا رانیکاں چلا جائے۔ سلسلہ ٹوٹنا سانسوں کی دھڑکے کے ساتھ ہی ہے۔ ماندہ اس سفر سے آزاد ہو گئی تھی لیکن انہوں نے زندہ رہنے تک عشق کی غلامی کر لی تھی۔ یسری اس کے خوب رو چہرے کی یا سیت اور سرخ آنکھوں سے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ کہاں سے آیا ہے مگر بولی کچھ نہیں تھی۔ عشق کی پہلی منزل ضبط تھی اور وہ ضبط و برداشت کی قبا ڈھلے اس کی بند قبا محبت میں بھی بر سکون تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھی تھی اور اس کے وجود سے لگی اس کے وجود کی خوشبو سے اٹھتی مٹی کی مہک بھی دل میں اتارتی چلی گئی تھی۔

کاش! کہ محبت کی بند قبا ایسے کھلتی جاناں

دوری کا شائبہ تک نہ رہتا

مگر بند قبا کھل تو گئی ہے مگر ایسے جاناں

کہ محبت کی حسرتیں بے قبا ہی پر روتی ہیں

ار مان محبت بند قبا میں سکتے ہیں

کاش! کہ ایسے نہ کھلتی بند قبا جاناں!

☆.....☆

”بھائی! آپ کو کھانا بلا رہا ہے۔“ ماہ لاج کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف حنین چونک اٹھی تھی اور عین العار فین اسے لوکیشن سمجھا کر چلا گیا تھا اور وہ رنگ و بو کا ساں پیش کرتے ہال سے نکلتی وزینگ روم کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ آج سہرینہ کی برتھ ڈے تھی اور شادی کے بعد یہ پہلا فنکشن تھا جو اس نے اپنے سرال میں اٹیئنڈ کیا تھا اس نے مطلوبہ کمرے کے سامنے رک کر دروازے پر دستک دینا چاہی تھی مگر دروازہ ہلکے سے دباؤ پر ہی کھلتا چلا گیا تھا اور اندر کا منظر اس کی آنکھیں پتھر اگیا تھا۔

”رینلی لو یو کھانا پلیز! اب تم حنین کو ساری سچائی بتا دو کہ تمہاری دوری میں مزید برداشت نہیں کر

سکتی۔“ ماہ کھانا بیڈ کر اوٹن سے ٹپک لگائے نیم دراز نیم غنودگی کی سی حالت میں تھا اور سہرینہ اس پر چٹکی کھ رہی تھی کچھ ہی لمحوں میں اس نے ماہ کھانا کے ہاتھ اپنی کمر کے گرد باندھ دیئے تھے۔

”تم خاموش کیوں ہو، جواب دو کہ حنین کو ہمارے بارے میں بتاؤ گے۔“ اب وہ اس کے گھنیرے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس کا گال تھکا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ کچھ ہی دیر میں دوا کا اثر ختم ہو جائے گا، اس لیے اسے ہوش میں لانے کے لیے کچھ کوشش بھی کرنے لگی تھی۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں۔ نگاہ کے سامنے ہی وہ سادگی کی کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ دھندلا گیا تھا اس نے چکراتے سر کو تھاما تھا۔

”حنین۔“ اس کے لبوں سے اس کا نام آزاد ہوا تھا۔

”کھانا! او مائی گاڈ، اب کیا ہوگا؟“ وہ کمال کی اداکاری کرتی اسے جھنجھوڑتی کھڑی ہو گئی تھی اور بے بسی سے بت بنی حنین کو دیکھا تھا۔

”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہاں تمہاری بیوی بھی ہے، اس لیے آج مجھ سے نہ ملو۔“ وہ خود کو ڈرا ہوا ظاہر کر رہی تھی۔ ماہ کھانا دیکھتے سر کو دبا تا کھڑا ہو گیا تھا۔

”تم نے مجھے ٹھکرایا تھا یہ کہہ کر کہ تم صرف حنین سے محبت کرتے ہو۔ میں اپنی بے عزتی بھولی نہیں تھی۔ اب مزہ آئے گا جب تمہاری بیوی تمہیں دھتکارے گی۔“ وہ اس کی راہ میں آئی تھی اور اس کے بہت قریب ہو کر سر کوٹش میں بولی تھی اس نے نفرت سے اسے خود سے پرے دھکیل دیا تھا اور مجسمہ بنی حنین تک آیا تھا جو اس کی پکار رہی ہوئی چلی گئی تھی۔

”حنین۔“ اس نے نظراٹھا کر اسے دیکھا تھا اس کے گال پر سہرینہ کے لبوں کی سوغات ٹھہری تھی۔ اسی سبب اس کی نگاہ نہ ٹھہر سکی اس نے جاتی ہوئی حنین کی کلائی تھامی جسے اس نے ایک جھٹکے سے آزاد کر دیا۔

”آپ اتنا بھی گر سکتے ہیں میں نے تصور نہیں کیا تھا۔“ وہ ہلک ہلک کر رہی تھی۔ سہرینہ کے لب مسکرا اٹھے تھے۔ جب کہ وہ ایک نفرت زدہ نگاہ اس پر ڈالتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اس کے پیچھے جانے کے بجائے اس نے کچھ سوچ کر لاج کا نمبر ملایا، اسے کچھ ہدایت دی سیل فون جیب میں ڈال کر اس نے آگے بڑھ کر روم لاکڈ کر دیا۔

”سہرینہ ڈارلنگ! تم روم لاکڈ کرنا بھول گئی تھیں اس لیے میری بیوی نے ہماری پرائیویسی میں دخل اندازی کر دی مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ اس کے روم لاکڈ کرنے پر حیران تھی۔ اس کے لفظوں کے بعد آنکھوں سے ٹپکتے شعلے دیکھ کر وہ پوری جان سے کانپ اٹھی تھی۔

”یہ کیا بد نظیری ہے کھانا! چھوڑ دیجھے۔“ وہ اس کے تیوروں سے خائف ہوتی باہر کی طرف بڑھی تھی کہ اس نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اس کی یہ حرکت اس کے چودہ طبق روشن کر گئی تھی۔

”دس ازناٹ فیئر ڈارلنگ پہلے مجھے اس مقام تک لائیں اور اب ہاتھ آیا یا نہ چھین لینا چاہتی ہو، ایسا نہ کرو ڈیئر! قسم سے میری بیوی اب یہاں نہیں آئے گی اسے لاج کے ساتھ گھر بھیج دیا ہے۔ سو انجوائے دس ناٹ ڈارلنگ!“ وہ اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا رہی تھی اور وہ اس کی بے بسی سے حفاٹھا تا بے باکی سے کہتا گیا تھا۔

”کھانا! آئی ایم سوری، میں نے سب کچھ صرف اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے کیا، پلیز چھوڑو

مجھے ڈونٹ بچائی۔“ بے باک سی سہرینہ عام سی لڑکی لگ رہی تھی جسے اپنی آبرودنیا کی ہر شے سے پیاری ہوتی ہے اس کے گڑگڑانے پر اس نے اسیر گرفت کمزور کی اور ایک پھٹراس کے منہ پر دے مارا وہ لڑکھڑاکر کارپٹ پر جا گری تھی۔

”تم جیسی لڑکیوں کو چھوٹا تو دور تھو کتنا بھی میں اپنی تو بین سمجھتا ہوں۔“ وہ سسکتی ہوئی سہرینہ کو اپنے مقابل کھڑا کرتا نفرت سے پھنکارا تھا۔

”بدلہ لینے کی چاہ میں تم اتنا گرگین عقل ہو تو سوچنا کہ میں اگر نفس کی غلامی کرنے والا ہوتا تو تمہاری عزت کا آئینہ محفوظ رہتا؟“ وہ دم نہیں پڑا تھا اس کی ہچکیاں رونا کمرے میں بکھرنے لگا تھا۔

”میں نے جو کیا صرف تمہاری محبت میں۔“

”مگر میں تم سے محبت تو کیا نفرت بھی نہیں کرتا، میں نے صرف جنین سے محبت کی ہے اور آج تم نے ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا کر دی ہے مگر غلط فہمی بدگمانی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ایک دن ختم ہو جاتی ہے مگر عزت ایک بار جائے تو نہیں آتی۔“ وہ متاسف لگا ہوں سے اسے روتے دیکھ رہا تھا۔

”یاد رکھنا سہرینہ کہ مرد 100 گناہ کر کے بھی دودھ کا دھلا ہی رہتا ہے اور عورت کی ایک معمولی سی غلطی بھی اسے وہ بھی بنا دیتی ہے جسے دودھ میں سے فقط دو انگلیوں کی مدد سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔“ اس کے تذلیل سے سرخ پڑے چہرے پر اس نے آخری نگاہ ڈالی اور باہر نکل آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی چلی گئی تھی کہ اس نے محبت تو پہلے ہی کھودی تھی اب اپنا مقام بھی کھو بیٹھی تھی۔

☆.....☆

”جنین! صرف ایک بار تو ٹھنڈے ذہن دل سے میری بات سنو، مجھے پلیز صفائی کا ایک موقع تو دو۔“ وہ اس کے سامنے بے بسی سے بیٹھا کہہ رہا تھا کہ اس نے رورو کر اپنا حشر کر لیا تھا۔

”میرے سامنے سے چلے جائیں، باخدا می نے اگر مجھ سے یہ نہ کہا ہوتا کہ آپ سے لڑکر جانے پر کا شانہ عالم کے دروازے مجھ پر بند ہوں گے تو میں ہرگز وہ سب دیکھنے سننے کے بعد یہاں نہ آتی۔“ وہ بری طرح سسکتے ہوئے بولی تھی اس کا رونا اس سے کب برداشت ہو سکتا تھا۔ تڑپ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا مگر اس نے موقع ہی نہ دیا۔

”خدا کے لیے ہاتھ بھی نہ لگائیں، گھن آرہی ہے مجھے آپ سے کہ انہی ہاتھوں سے آپ کسی رشتے کے نہ ہوتے ہوئے اس لڑکی کو چھو رہے تھے۔“ وہ بری طرح ہڈیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

”آپ کہتے تھے ناں کہ میں کیوں خوش نہیں ہوں کیوں اداں رہتی ہوں تو یہی سبب تھا آپ سے شادی نہ کرنے کا۔“ وہ بید سے اٹھ گئی تھی اور وہ منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

”یہ خیال مجھے آپ پر بھروسہ کرنے نہیں دیتا تھا کہ جو آپ نے آپ کی شادی میں میرے ساتھ کیا، نہ جانے کتنی لڑکیوں کے ساتھ کیا ہوگا۔“ بلی آخر تھیلے سے باہر آگئی تھی مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس سے اس حد تک بدگمان تھی۔ اس سے اس سبب ہر اسان تھی۔

”مگر مجھے یقین دلایا تھا کہ آپ کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے اور جب کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی تو یہ سہرینہ کہاں سے آگئی؟“ اس نے بدگمانی سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے لب سختی سے پہنچے لیے تھے۔

”کس حق سے آپ اس کے ساتھ تھے؟ کس رشتے سے اسے چھو رہے تھے؟ کس لیے وہ مجھ سے نفرت کا

اٹھار کر رہی تھی؟ کیوں آپ اس کی بکواس سن رہے تھے۔ اس کے قرب کی سوغات اپنے گال پر اپنے کپڑوں پر سچا کر لے آئے ہیں۔ کیوں؟“ چیخ کر اس کے گلے میں خراشیں سی پڑ گئی تھیں۔

”میں سر کر بھی آپ کو متاف نہیں کروں گی کہ آپ نے میرا بھروسہ توڑا ہے۔ مجھے دھوکا دیا ہے۔“ اس نے خاموش کھڑے کھان کو کھور اٹھا۔

”تم نے مجھ پر بھروسہ کیا ہی کب تھا جو میں توڑ دیتا۔“ وہ دکھ سے بولا تھا۔

”آپ پر اعتبار نہ کیا ہوتا تو مجھے فرق بھی نہ پڑتا آپ پر بھروسہ کرنے لگی تھی۔ اسی لیے تو اتنا دکھ پہنچا ہے۔“ وہ کارپٹ پر گر گئی چلی گئی تھی اور وہ تو جیسے کھڑے کھڑے ہی جی گیا تھا۔

”خدا کی قسم جنین! تم اس دنیا کی پہلی و آخری لڑکی ہو، جسے میں نے عزت و پیار سے اپنی خلوت میں شامل کیا ہے۔“ وہ اس کے سامنے دوڑا نو آن بیٹھا تھا وہ بے اعتباری سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”فیصل کی شادی میں جو کیا اس میں میرے کردار کی کمزوری کا نہیں میرے بے اختیار سے جذبول کا ہاتھ ہے اور میں فیصل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج جو تم نے دیکھا وہ سب حقیقت بھرا افسانہ تھا، سہرینہ کی سوچی سمجھی سازش تھی۔“ وہ حیران سی اس کو تک رہی تھی۔

”اس پوری کائنات کی میں جھوٹی قسم کھا سکتا ہوں جنین! مگر فیصل کی نہیں، اس لیے یقین کرو میرا کہ میری زندگی میں تمہارے سوا کوئی نہیں۔ میرا بے اختیار سا قدم مجھے کٹھرے میں کھڑا کر گیا ہے مگر یقین کرو میرے کردار میں کوئی جھول نہیں ہے۔“ وہ اپنی صفائی دیتا بے اختیار رو پڑا تھا۔ اس کے دل کی یکدم ہی عجیب حالت ہو گئی تھی اور وہ اب اسے سہرینہ کی چال کی داستان سن رہا تھا کہ کیسے اس نے اس کی کوئلہ رنگ میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی اور اثر کم ہوتے ہی اسے وہاں بلالیا تھا۔

”اگر تم غور کر تیں تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ میں اسے نہیں چھو رہا تھا۔ ہر بیٹھا رفت اس کی جانب سے تھی۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”آئی ایم سوری! وہ سب دیکھ کر میں کٹرول کھو گئی تھی۔ یہ احساس کہ آپ صرف میرے نہیں مجھے بے چین کرتا، مجھے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر مجبور کر گیا۔“ وہ شدتوں سے رورہی تھی۔ وہ اس کو پھر حیرت سے تک رہا تھا۔

”محبت کیا ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ بس میں تو اتنا جانتی ہوں کہ آپ کی شدتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بھی میں ان کی عادی ہوتی جا رہی ہوں۔ جب آپ میرا خیال رکھتے ہیں تو مجھے بہت اپنے لگتے ہیں۔ آپ کا ساتھ مجھے اچھا لگتا ہے آپ میرے ساتھ ہوتے ہیں تو میں خود کو سیکور فٹل کرتی ہوں۔“ وہ پہلی دفعہ اٹھار کی منزل طے کرتی ماہ کھان کی محبت کو مستحکم کر گئی تھی۔ اس نے ہلکتی ہوئی اس دشمن جال کو اپنے قریب کر لیا تھا اور وہ اس سے پہلی شدتوں سے روئی چلی گئی تھی۔

”مجھ سے وعدہ کریں ماہ کھان! مجھے کبھی اکیلا نہیں کریں گے۔ میری آخری سانس تک آپ کی بے لوث چاہت مجھ پر حصار کیے رہے گی۔“ آج اسے دور ہوتا محسوس کیا تھا تو اس کی اہمیت کا شدت سے اندازہ ہوا تھا وہ اس سے یقین مانگ رہی تھی تا مگر چاہتے رہنے کا وعدہ طلب کر رہی تھی۔ اس کے لب عشق کی معراج پر کبھی سے مسکرا دیئے تھے۔

”میری چاہت کی قبا تمہارے بند کلی سے جذبات پر تاحیات سایہ کیے رہے گی۔“ وہ پرتیقین لہجے میں

بولتا تھا اور وہ اس کی محبت کی قابوڑ سے خوشی، طمانیت، یقین مان دے اختیاری کے ساتھ ذات سے ذات کا سفر طے کر گئی تھی۔ آج تک وہ اسے اپنے قریب کرنا آیا تھا اور آج وہ خود سے اس کے قریب تر ہو گئی تھی کہ بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے۔ آسمان نے بھی چاہت کی قابوڑ لی تھی۔ دنیا میں جو کچھ ہے محبت کی کارستانی ہے اور وہ سب بھی لڑتے، جھگڑتے روٹھتے مانتے مثبت طریقے سے اپنی اپنی زندگی شروع کر گئے تھے، سب کی ہی زندگیاں ایک ڈگر پر چل پڑی تھیں کہ کچھ کھو کر کچھ نہ کچھ سب ہی پاکے تھے اور یہی زندگی ہے، آگے کبھی کوئی مشکل آئی تو وہ محبت کی قابو کو اپنی پہچان بنائے اس مشکل سے نکل آئیں گے کہ محبت ہو تو کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔

”آئی لو یو ماہ کنعان! آپ میری پہلی و آخری چاہت ہیں آپ کی محبت میری روح کی قابو بن گئی ہے۔ اس لیے مگر بھی ہمارے دل ایک دوجے کے لیے ہی دھڑکتے رہیں گے۔“ وہ اپنی گردن پر ٹھہرے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہتی اس کے ہاتھ پر اپنے لب رکھ گئی تھی کہ اسے ماہ کنعان کے ہاتھ بہت پسند تھے اور وہ سرشاری سے اسے خود سے لگا گیا تھا۔

”جانتا ہوں ڈیر! تمہیں میرے ہاتھ بہت پسند ہیں۔ کتنی ہی دفعہ تمہاری نظریں محسوس کی تھیں جاناں! میں تم سے تمہارے جذبوں سے بھی انجان نہیں رہا۔“ وہ چوری پکڑے جانے پر جھینپ گئی تھی اور اسی پل اس نے اس سے ایک عجیب فرمائش کر ڈالی تھی اور وہ بھی بناء کچھ کہے جا سے اقرار کر گئی تھی۔ اس نے اسے نکاح کا ڈریس پہننے کو کہا تھا اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اس کے جذبے صادق تھے۔ اسی لیے اس کے جذبے حنین کے دل میں اتر گئے تھے اور وہ بے فکری سے اس کے انتظار کے لیے آنکھیں موندھ گیا تھا اب اسے کسی دن کسی رات کی فکر نہ تھی۔ اس کا عشق بلند یوں کی اور رواں دواں تھا اور اسے رواں ہی رہنا تھا۔ احساس اور عشق لا فانی ہیں۔

جب تو پاس میرے آنے لگی جاناں

زندگی درد میں مسکرائے لگی جاناں

تیرے عشق نے کر ڈالا مجھے معتبر

میری چاہت تیرے دل تک جانے لگی جاناں

عشق پہنچا معراج کو اپنی، طے ہوا ذات سے ذات کا سفر

تیرے مسکراتے ہی میری زندگی ہنسنے لگی جاناں

میرے لمس نے تجھے صندل کر ڈالا

تیرے احساس کی بند قبا کھلنے لگی جاناں

عشق کے مر طے کیا طے ہوئے ہم ہوئے معتبر

اعتبار کے سائے تلے بند قبا کھلنے لگی جاناں!

بند قبا کھلنے لگی جاناں

☆ ختم شد ☆

☆.....☆.....☆

رداؤ انجسٹ 170 ستمبر 2014ء

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں



السلام علیکم!

صوبہ پنجاب کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں۔ ادارہ ماہنامہ ”رداؤ انجسٹ“ نے ٹویہ ٹیک سنگھ کے نیوز ایجنٹ حاجی محمد یاسین طاہر کو صوبہ پنجاب بالخصوص فیصل آباد و گردونواح کے شہروں میں ماہنامہ ”رداؤ انجسٹ“ کی ترسیل (سپلائی کے لیے) سول ڈسٹری بیوٹر نامزد کیا ہے۔

ان شہروں کے ایجنٹ حضرات محمد یاسین طاہر سے اس موبائل نمبر 0321-7531597 پر رابطہ کریں۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود